دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

Dr. Zakir Husain Library
Jamia Nagar
J. M. I. ... Delhi

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ نمبر ۱ | ماہ اکتوبر ۱۹۸۶ء مطابق محرم الحرام [illegible]ھ | جلد نمبر [illegible]

نگران

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمٰن القاسمی

قیمت فی پرچہ ۲/۵۰ سالانہ ۲۵/-- روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے | سعودی عرب، کویت، ابوظہبی ایرمیل -/۱۱۵ — جنوبی و مشرقی افریقہ و برطانیہ -/۱۳۵
امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل -/۱۴۵ — پاکستان بذریعہ ایرمیل -/۵۷

محبوب پریس دیوبند | سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو گیا ہے

فہرست مضامین

ہندوستانی اور پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱- ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں۔

۲- پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۵۰ روپے مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان (پاکستان) کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔

۳- خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

(منیجر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

مسلم پرسنل لا یا اسلامی شریعت

پیش نظر تحریر محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی دامت برکاتہم کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے جس میں شرعی نقطۂ نظر سے اسلام میں قانون سازی کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے۔ مضمون صحیح معنوں میں "بقامت کہتر بقیمت بہتر" کا مصداق ہے خاص طور پر آج کے دور میں جبکہ متجددین احکام شرعیہ حذف و اضافہ اور ترمیم و تنسیخ کرنے کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ اور در پردہ حکومت وقت بھی اُن کی حمایت کر رہی ہے۔ جیسا کہ محمد احمد خاں بنام شاہ بانو کے مقدمہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ سے ظاہر ہے یہ مضمون بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے اس لئے حرف آغاز میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اسلامی شریعت خدا کی نازل کی ہوئی ہے۔ اسلامی قانون اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا۔ اور مسلم پرسنل لا حق تعالیٰ کا وضع کیا ہوا ہے۔

۱۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ ترجمہ:۔ پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستہ پر اس کام کے سو تو اسی پر چل اور نہ چل چاؤں پر نادانوں کی

لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ (سورۃ الجاثیہ پ ۲۵) (۱۷)

۲۔ شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا (الآیۃ (سورۃ الشوریٰ پ ۲۵ - ۲)
ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جسکا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا ۔

۳۔ اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہٗ (سورۃ المائدہ پ ۵)
ترجمہ :۔ تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے ۔

۴۔ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ (سورۃ المائدہ پ (۵)
ترجمہ :۔ حلال ہوئے تم کو چوپائے مواشی ۔

(۵) اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ (سورۃ البقرہ پ ۲)
ترجمہ :۔ تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا ۔

(۶) وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ - (سورۃ النساء پ ۵ (۱)
ترجمہ :۔ اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں ۔

(۷) اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ (سورۃ المائدہ پ ۵)
ترجمہ :۔ آج حلال ہوئیں تم کو سب چیزیں ستھری ۔

(۸) قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ (سورۃ التحریم پ ۲۸ (۱۹)
ترجمہ :۔ تحقیق مقرر کر دیا اللہ نے واسطے تمہارے کھولنا قسموں تمہاری کا ۔

۹ - حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ - (سورۃ النساء پ ۴) ترجمہ :۔ تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں

۱۰ - اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ (سورۃ البقرۃ پ ۲) ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو ۔

۱۱ - اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ پ ۳) ترجمہ ۔ اللہ نے حلال کیا سودا کرنا اور حرام کیا سود ۔

۱۲۔ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ (سورۃ الانعام پ، ر ا) ترجمہ:۔ حالاں کہ اللہ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے۔

۱۳۔ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ۔ (سورۃ الانعام پ ر ۵) (ترجمہ) تم کہو آؤ میں سنادوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے۔

۱۴۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (سورۃ الحشر) ترجمہ:۔ اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روکدیں تم ترک جایا کرو

۱۵۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورۃ النجم پ ر ۵) ترجمہ:۔ اور نہیں بولتا وہ اپنی چاؤسے یہ تو حکم ہے جو پہونچتا ہے اس کو۔

حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بھی خدا ہی قانون بناتا ہے اور اسی قانون پر چلنا ان کیلئے لازم قرار دیتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

۱۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ۔ (ترجمہ) اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کی مہر تو دے چکا ہے۔ (سورۃ الاحزاب پ ر ۳)

۲۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ۔ (سورۃ الاحزاب پ ر ۳) (ترجمہ) حلال نہیں تجھکو عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ اُن کے بدلے اور کریں عورتیں۔

اور اگر نبی نے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنے لئے ممنوع قرار دے لیا تو خدا نے اس پر نکیر فرمائی

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (سورۃ التحریم پ ر ۹) (ترجمہ) اے نبی کیوں حرام کرتا ہے اس چیز کو کہ حلال کیا خدا نے تیرے واسطے۔

انبیاء اسی کے لئے مامور ہیں کہ وہ خدا کی نازل کی ہوئی شریعت کو لوگوں تک پہونچائیں۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ رَبُّكُمْ۔ (سورۃ الانعام پ ر ۶) (ترجمہ) تم کہو آؤ میں سنادوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے۔

کسی قوم نے اپنے طور پر کوئی شریعت بنائی تو اللہ نے اس پر سرزنش فرمائی۔

شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ (سورۃ الشوریٰ پ ر ۲) (ترجمہ) اور جنھوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کردیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔

لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ (سورۃ المائدہ پ ر ۲) (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیز چیزوں کو حرام مت کرو۔

مطلقہ کے نان ونفقہ کا شرعی حکم

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب صدر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ لوگ آیۃ کریمہ وللمطلقات متاع بالمعروف حقاعلی المتقین ٥ الأیۃ پ٢ س بقرۃ ع ١٥ کے اندر مذکور لفظ "متاع" کے معنی گذارہ کرتے ہیں اور گذارہ کا ظاہر و متبادر مفہوم گذارۂ زندگی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ تمام مطلقات کیلئے تا نکاح ثانی یا تا حیات شوہر کی حیثیت کے مطابق نفقہ عدت کے طور پر دینا واجب کہتے ہیں اور استدلال میں عبداللہ یوسف کے انگریزی ترجمہ کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبداللہ یوسف کا ترجمہ بہت صحیح و معتبر ہے چنانچہ حکومت سعودیہ عربیہ نے کئی لاکھ طبع کراکے مفت تقسیم کیا ہے۔

اور بعض لوگ اس "متاع" کو زمانۂ عدت کے ختم ہو جانے کے بعد بھی نفقۂ عدت سے تعبیر تو نہیں کرتے باقی مطلقہ اگر نان ونفقہ کی محتاج ہو تو چاہے زمانۂ عدت کے ختم ہو جانے کے برسہا برس بعد بھی دعویٰ کرے تو ایک بھاری متعین رقم شوہر کی حیثیت کے مطابق ایک مشت دلانے کو واجب کہتے ہیں۔ اور اگر مطلقہ محتاج نہ ہو جب بھی جائز و مستحسن کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ عمل حسن برتاؤ میں شمار ہوگا۔ اور اس میں تالیف قلب بھی ہوگی۔ اور "متاع" کے مفہوم میں اس کی وسعت بھی ہے۔ اور استدلال میں حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کا عمل پیش کرتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات اپنی مطلقہ عورتوں کو طلاق دے کر دس دس ہزار متعہ میں دیتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تینوں اقوال صحیح ہیں؟ کون صحیح ہے؟ اگر کوئی صحیح نہ ہو تو ان پر تفصیل کے ساتھ ہر ایک کا مکمل و مدلل شرعی حکم تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں نیز سیر محمد کوثر

نے قرآن کریم کی آیت کریمہ وللمطلقات متاع بالمعروف (پ ۲ س بقرہ آیۃ ۲۴۱) سے بعد عدت بھی وجوب نفقہ کے سلسلہ میں استدلال کیا ہے۔ کیا اس میں مطلقہ کو متاع (نفقہ) دینے کا حکم ہے۔ یہ متاع ایک قسم کی یکمشت امداد ہے جس کا مقصد تالیف قلب ہے۔ اس سے نفقۂ عدت مراد نہیں لیا جا سکتا۔ مگر اس کی مقدار میں بڑا توسع ہے۔ جیسا کہ حضرت حسنؓ و حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کے عمل سے ظاہر ہے۔

بہرحال ان روایات کے پیش نظر اگر عدالت محتاج مطلقات کیلئے یکمشت کوئی بڑی رقم ادا کرنا شوہر پر لازم کردے جبکہ بعض اکابر نے "متاع" کو ہر مطلقہ کیلئے واجب قرار دیا ہے تو کیا شریعت اسلامیہ کی رو سے یہ عمل و فیصلہ قابل قبول ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

المستفتی
(حضرت مولانا) حبیب الرحمٰن القاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

الجواب :- وباللہ التوفیق

اصل جواب سے قبل یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ مطلقہ کی عدت کے اعتبار سے کئی شکلیں ہوتی ہیں۔

(الف) مطلقہ نابالغہ اتنی چھوٹی ہو کہ مشتہاۃ و قابل صحبت بھی نہ ہو یا بالغہ ہی ہو لیکن اس سے خلوۃ صحیحہ نہ ہوئی ہو تو اس پر عدت ہی نہیں ہوتی کہ نفقۂ عدت کا شاخسانہ اٹھے اس کو تو بعد طلاق فوراً ہی دوسرا نکاح کر لینا درست رہتا ہے۔

(ب) مطلقہ نابالغہ مشتہاۃ ہو اور اس سے دخول ہو چکا ہو یا آئسہ ناقابل ولادت ہو چکی ہو تو اس صورت میں اس کی عدت صرف تین ماہ ہوتی ہے۔

(ج) درمیانی بالغہ عمر کی مطلقہ عورتیں جن سے دخول ہو چکا ہو ان کی عدت تین حیض ہوتی ہے۔ اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہوتی ہے۔ اور زمانہ عدت کا نفقہ زوجین کی

مالی حالت کے اعتبار سے اوسط درجہ کا بذمہ شوہر سب کے نزدیک واجب ہوتا ہے۔ اور اسکو عورت زمانۂ عدت کے اندر اندر بقسط واحد یا باقساط وصول کرسکتی ہے۔ اس حد تک کسی کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے اس پر کلام وگفتگو کی مزید حاجت نہیں

اسی طرح زمانۂ عدت کے اندر اندر کسی معین مقدار نفقہ پر زوجین کے مابین آپس میں کوئی معاہدہ یا مصالحت ہو چکی تھی۔ یا اندرون عدت قاضی کے فیصلہ کے ذریعہ کوئی مقدار نفقۂ واجب الاداء کی تعیین ہو چکی تھی اور اس کو وصول کرنے سے قبل ہی زمانۂ عدت ختم ہو چکا تھا تو اس متعینہ مقدار کو زمانۂ عدت ختم ہو جانے کے بعد بھی جب چاہے وصول کرسکتی ہے۔ اس میں بھی کسی کو انکار نہیں ہے۔ اس لئے ان مذکورہ مسائل کیلئے کسی بحث ومباحثہ اور دلائل وشواہد کے ساتھ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ زمانۂ عدت کے اندر نہ تو کوئی مقدار آپس کی مصالحت سے طے کیا تھا اور نہ ہی مرافعت عندالقاضی (قاضی کے پاس اپیل) کے ذریعہ کوئی فیصلہ کرایا تھا تو چونکہ یہ نفقہ بغیر زوجین (کی باہمی مصالحت یا قضاء قاضی) کے شوہر کے ذمہ قرض نہیں بنتا اس لئے اس صورت میں زمانۂ عدت کے بعد عدت کا نفقہ شوہر سے جبراً نہیں وصول کرسکتی، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ واذا مضت مدۃ (ای مدۃ العدۃ) لم ینفق الزوج علیھا وطالبتہ بذٰلک فلاشیئ لھا الا ان یکون القاضی قد فرض لھا النفقۃ اوصالحت الزوج علی مقدار معین (ھدایہ مع الفتح ص ۳۳۲ ج ۲)

اور اس حکم شرع کا منشاء یہ آیت کریمہ ہے۔ وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتیٰ یضعن حملھن ٥ (پ ۲۸ س طلاق ع ۱۷) اس لئے کہ تمام معتدات میں زیادہ مشقت خیز عدت حاملہ کی ہوتی ہے۔ کما اشار الیہ قولہ تعالیٰ۔ وحملتہ امہ وھنا علیٰ وھن ٥ وقولہ تعالیٰ۔ وحملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا ٥ اس مشقت کے باوجود زمانۂ عدت کے نفقہ کو وضع حمل (ختم زمانۂ عدت تک محدود کردیا گیا اور بتلادیا گیا کہ اس کا نفقہ محض زمانۂ عدت ختم ہونے تک لاگو رہے گا، زمانۂ عدت کے

کے بعد لاگو نہیں رہے گا اس لئے کہ زمانہ حمل میں حاملہ کا رحم بحق زوج محبوس رہتا ہے اور نفقہ کا مدار اسی حبس پر ہے۔ پس جب یہ حبس ختم ہوگیا تو حکم بھی ختم ہوگیا۔

اسی علت سے بقیہ ان معتدات میں بھی اگرچہ بعید سے بعید احتمال اشتغال رحم کا بحق زوج محبوس ہونے کا ہو تو اس کا نفقہ اس حبس کے احتمال کی بنا پر زمانہ عدت تک واجب رہتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور شارع علیہ السلام کو مومن اور مومنہ کے نسب عصمت نفس اور ان کی عزت و آبرو کا تحفظ بہت زیادہ پسندیدہ ہے حتیٰ کہ اگر کوئی مرد یا عورت اللہ کے اس پسندیدہ چیز کو غیر شرعی طریقہ (زنا وغیرہ) کے ذریعہ کھودے تو اس کی سزا (سنگساری وغیرہ) بھی اتنی سخت ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور سزا دنیا میں نہیں ہے

انھیں وجوہ وعلل کی بنا پر اللہ اور اس کے رسول کو یہ امر انتہائی پسند ہے کہ کوئی عاقل و بالغ مرد یا عورت جس کو صلاحیت نکاح ہو وہ جلد سے جلد اپنا نکاح کرلے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہت سے ترغیبی نصوص ہیں مثلاً فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث و رباع ٥ اور ارشاد رسول علیہ السلام! النکاح من سنتی اور فرمایا گیا کہ من رغب عن سنتی فلیس منی۔ بلکہ اس سے بھی سخت تغلیظی و ترہیبی حکم فرمایا گیا۔ من ترك سنتی لم ینل شفاعتی۔ او کما قال۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ النکاح شطر الایمان۔ کہ نکاح نصف ایمان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر سنت نکاح کئے ہوئے انسان کا ایمان آدھا رہتا ہے۔ اور بھی اس کے مانند بہت سے آثار و روایات ہیں جن کو طوالت مضمون کے خوف سے ذکر نہیں کیا جاتا۔ مقامی علماء سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ان سب باتوں کا حاصل یہ نکلا کہ عدت کا زمانہ ختم ہوجانے کے بعد بجائے شوہر سے نفقہ کے لئے لڑنے کے جلد از جلد ان کا نکاح کسی مناسب جگہ کردیا جائے۔

خاص کر عورتوں کے بارے میں ترمذی شریف میں بسند صحیح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

منقول ہے کہ جب بھی کسی عاقلہ بالغہ کا کفو مل جائے تو ہرگز نکاح میں تاخیر نہ کرے کیونکہ اسی امتثال میں خیر و برکت ہوگی۔

بلکہ جس کو نکاح اور لوازماتِ نکاح کی ادائیگی پر قدرت واستطاعت ہو اور نکاح نہ کرنے میں ابتلاءِ معصیت کا خطرہ ہو تو اس پر مذکورہ بالا آیات و روایات کی رو سے نکاح کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ اور بغیر وجہ شرعی کے سنّت نکاح کے ترک کرنے سے ترک واجب کا گناہ ہوجاتا ہے ـــ اور ایسا شخص اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک فاسق اور احکام خداوندی سے بغاوت کرنے والے کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔ مزید براں کسی سخت وبال میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ بھی رہتا ہے۔ اور دنیا کی رسوائی و وبال کے علاوہ آخرت میں بھی مبتلائے عذاب ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نکاح کرنے سے بیوی بچے سے اخراجات بڑھ جاتے ہیں جس کی وجہ سے تنگی واقع ہوتی ہے۔ اس لئے نکاح کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سمجھنا اللہ تعالیٰ سے غلط گمان رکھنا ہے اور اگر یہ خیال پختہ اور عقیدہ تک پہونچ جائے تو کفر و شرک کا عقیدہ ہوجائے گا ـــ زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگوں کا یہی عقیدہ تھا اور شادی کو فقر کا مورث اور سبب سمجھتے تھے۔ ان کے اس عقیدہ اور غلط گمان کو رد کرنے کیلئے یہ آیت کریمہ۔ وانکحوا الایامیٰ منکم والصّالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنیهم اللہ من فضلہ ط انّ اللہ واسع علیم ○ (پ۱۸ س نور) نازل ہوئی۔ کما فی تفسیر روح المعانی، اور حکم ہوگیا کہ اپنے کنبہ کی بیواؤں۔ کا بلکہ اپنے غلاموں اور باندیوں میں جو باصلاحیت ہوں ان سب کا بھی نکاح کردیا کرو۔ اور فقر و محتاجی سے نہ ڈرو (اس عمل کی برکت سے) اگر وہ لوگ فقیر ہوں گے جب بھی اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی بنادیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑے وسعت والے اور علیم ہیں۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ لاکھوں غلام و باندیاں مالدار ہوگئے۔ اور ان میں بہت سے

عباد و زہاد، مفسر، محدث فقیہ وغیرہ بھی ہوئے، بہت سے بڑے مجاہد اور فوجی صلاحیتوں کے مالک اور بہت سے منصب حکمرانی پر فائز بھی ہوئے۔ ان کی نشاندہی میں مضمون میں طوالت ہوگی۔ اس لئے اس تفصیل سے گریز ہے۔ جس کو شوق ہو وہ متقدمین کی اسلامی تاریخ و سیرت کا مطالعہ کرے۔

اور اسی آیت کے مفہوم کی ترجمانی میں بہت سی احادیث و آثار مروی ہیں مثلاً فرمایا گیا تزوجوا الودود الولود، اوکما قال، اور کہیں فرمایا گیا کہ نکاح سے رزق بڑھتا ہے۔ گھٹتا نہیں۔ اور کہیں وارد ہے۔ اطلبوا الرزق من الباءۃ۔ اور کہیں وارد ہے اطلبوا الرزق من النکاح۔ وغیرھا من الروایات و الآثار۔ کنز العمال میں بھی متعدد طرق سے اور متعدد صحابہ سے اس مضمون کے آثار و روایات منقول ہیں۔

اب رہ گئیں وہ مطلقہ عورتیں جو واقعی نکاح کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ اور اُن کے پاس خود کوئی ذریعہ معاش بھی نہیں ہے۔ جس سے وہ اپنا گذارا کر سکیں تو ان کے گذارہ کیلئے نفقہ کی کیا صورت ہوگی۔ تو اس بارے میں شریعتِ مطہرہ نے بہت تفصیل سے سارے احکام بیان فرما دیئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر مطلقہ بالغہ اولاد والی ہو تو اس کا نفقہ اس کی اولاد پر لازم و واجب رہے گا کہ جیسا وہ خود کھائیں ان کو بھی کھلائیں اور جیسا وہ خود پہنیں ان کو بھی پہنائیں جس طرح خود رہیں ان کو بھی عزت سے رکھیں۔ اس پر متعدد آیاتِ قرآن بھی دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً۔ وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احساناً اما یبلغن عندک الکبر احدھما اوکلاھما فلا تقل لھما اف و لا تنھرھما وقل لھما قولاً کریما۔ واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ ۵ یعنی تمہارے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے اور حکم دیدیا ہے کہ تم سوائے خدا کے کسی کی پرستش نہ کرو اور

---

[1] یعنی زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو اور غریبی سے نہ ڈرو اس میں بھی اسی کافرانہ غلط عقیدہ کی کھلی تردید ہے جو انکحوا الایامیٰ کی شان نزول میں ہے۔

والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اور ظاہر ہے کہ اولاد خود کھائے، پیئے، اور والدین محتاج پریشان رہیں یہ احسان اور حسن سلوک ہرگز نہ ہوگا ـــــ بلکہ یہ آیت کریمہ حسن سلوک کے اعلیٰ درجہ کے وجوب ولزوم کے حکم پر مشتمل ہے کہ دنیوی معاملات میں جو جو امور جائز و مباح ہوں ان میں اُن کی پوری پوری دلجوئی کیا کرو ـــــ اف تک مت کرو ـــــ البتہ ناجائز باتوں میں ان کی اتباع نہ کرو جیسا کہ پہلے جملہ اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ سے معلوم ہوتا ہے اور حدیث پاک میں اس کی وضاحت بھی آگئی ہے کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق، اوکما قال علیہ السّلام

غرض اس آیت کریمہ کے اقتضاء النص سے یہ بات واضح ہوگئی کہ محتاج وضرورتمند ماں کا نفقہ اور ہر خدمت جو حد جواز کے اندر ہو اولاد پر لازم و واجب ہے ۔

(۳) ووصینا الانسان بوالدیہ ـــــ حملتہ امہ وھنا علی وھن (الی قولہ) وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا واتبع سبیل من اناب الیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُم تعملون ۝ اس آیت کریمہ میں "صاحبھما فی الدنیا معروفا" کے جملہ میں صیغہ امر کے ساتھ دنیا کے ہر معاملہ میں اولاد کو والدین کے ساتھ نہایت بہترین معاملہ کرنیکا وجوبی حکم ہے ـــــ اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ ماں کے ساتھ بھی اعلیٰ درجہ کا برتاؤ اور معاملہ کر تاکہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور جس طرح اس کے قبل والے جملہ (لا تطعھما) کا حکم واجب العمل ہے اسی طرح صاحبھما فی الدنیا معروفا کا حکم بھی واجب العمل ہے اس لئے کہ جس طرح نہی کا حکم واجب العمل ہوتا ہے۔ اسی طرح امر کا بھی واجب العمل ہوتا ہے اسی مفہوم کی ایک اور بھی آیت کریمہ ہے وحملتہ امّہ کرھا ووضعتہ کرھا ۝ الآیۃ اس آیت کا مقتضا بھی یہی ہے جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ اس لئے ان دونوں آیتوں کے صریحی حکم کے بعد اقتصادی بدحالی یا عورتوں کی تنگی کا اندیشہ مخل یا حائل نہ ہو

چاہئے۔ کیونکہ تقاضائے ایمان یہی ہے۔ نیز آیۃ کریمہ پ ۹ س اعراف۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ اور آیت کریمہ وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ۔ واللہ واسع علیم ٥ پ ۱۸ س نور۔ کے اشارے سے پتہ چلتا ہے کہ اگر صدق دل سے لوگ آیاتِ قرآنی کے حکم پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ سب دنیوی پریشانیاں بھی ختم ہوجائیں گی اور ایسے اسباب بن جائیں گے کہ یہ سب خطرات واندیشے بھی ختم ہوجائیں گے۔

اس مفہوم کے حکم کی مزید توثیق کیلئے اس آیتِ کریمہ کا شانِ نزول بھی کافی ہے۔ جو مختصراً گذرچکا۔ انھیں آیات واحادیث سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ وعلی الرجل ان ینفق علی ابویہ واجدادہ وجداتہ اذا کانوا فقراء وان خالفوا فی دینہ (ھدایہ ص ۴۲۵ ج ۱) یعنی والدین کے فاسق و فاجر بلکہ کافر ہونے پر بھی محتاج والدین کا نفقہ اولاد پر واجب رہتا ہے،

اور لفظ "علیٰ" الزام (لازم کرنے) کے لئے آتا ہے، پس ہر مطلقہ جو معاشی پریشانی میں ہو اس کا یہی تفصیلی حکم شریعت مطہرہ کے مطابق ہوگا۔ پس شاہ بانو کے معاملہ میں بھی یہی شرعی فیصلہ تھا کہ اس کی اولاد پر نفقہ لازم کردیا جاتا۔ کیونکہ جس عورت کے چند بالغ اولاد ہیں۔ اور سب پریشان حال بھی نہیں ہیں کہ وہ اپنی اضطراری حالات کا عذر کریں۔ اور یہ حکم شرع ہونے کی وجہ سے ان کو مجالِ انکار یا کچھ اعتراض ہی نہ ہوگا۔

ان حتمی ویقینی دلائل کے خلاف جو بھی حکم اخذ کیا جائے گا وہ یقیناً شریعت مقدسہ کے مزاج کے خلاف ہوگا۔ اور اس کو مسلمانوں کے سر تھوپنا کسی طرح درست نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اوّلاً تو وہ حکم محض استنباطی وعقلی ہوگا۔ اور یہ حکم صریحی اور نصوصِ شرعیہ کے تابع وتحت ہے۔ اور ثانیاً اس لئے کہ قرآن کریم کوئی تصنیف نہیں ہے کہ محض

زبان دانی کے بل بوتہ پر اسکی صحیح تشریح کی جا سکے۔ بلکہ قرآن کریم گفتگو اور کلام ہے اللہ اور اس کے رسولِ برحق کے درمیان ــــ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں۔

اور جب عام متکلم و مخاطب کے درمیان جو کلام ہوتا ہے اس کی مراد کو بھی مخاطب کی طرح دوسرا نہیں سمجھ پاتا تو اس کلام کی مراد کو بغیر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری کے کوئی خود کیسے پوری طرح سمجھ سکتا ہے۔ اور سمجھنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام معجز بھی ہے اور موجز بھی۔ اور جوامع الکلم پر مشتمل بھی ہے۔ اور قیامت تک کے لئے تمام دینی ضروریات کے واسطے قانون کی حیثیت سے متکفل بھی ہے۔ پھر کس کے دماغ و ذہن میں اس کلام الٰہی کے وہ سارے گوشے آجائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منور و مصفی ذہن میں آسکتے ہیں۔ اور پھر جبکہ اللہ پاک نے خود آپ کو اپنی مُراد سمجھانے اور بیان کرنے کا ذمہ لے لیا ہو جیساکہ فرمایا گیا۔ لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه و قرانه ، فاذا قرأناه فاتبع قرانه ثم انّ علينا بيانه ــ اور پھر اس کی توثیق و تائید اس طرح فرمادی گئی کہ ــــــ وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الّا وحي يوحىٰ ٥ اور پھر جبکہ تفسیر کے معنیٰ ہیں۔ ابانة مراد البارى تعالىٰ۔ تو کس کا گُردہ و کلیجہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برابری کر سکے یا آپ کی مدد و رہبری کے بغیر صحیح ترجمانی کا دعویٰ کر سکے۔ اسی وجہ سے قاطبۃً تمام علماء نے تفسیر بالرائے کو ناجائز اور ممنوع قرار دیا ہے ــــ بلکہ تفسیر بالرائے سے زندقہ و بددینی کا دروازہ کھل جانے کا قوی اندیشہ و خطرہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے بھی تفسیر بالرائے کو ممنوع و ناجائز قرار دے دیا گیا ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آیت کریمہ وللمطلقات متاع بالمعروف حقًّا على المتقين ٥ کے اندر کلمہ "متاع" کا ترجمہ "گذارہ" سے کرنا غلط ہے۔ خواہ جناب

عبداللہ یوسف صاحب نے اپنے انگریزی ترجمہ میں یہ مفہوم (گزارہ کا) ادا کیا ہو یا ان کے انگریزی ترجمہ کا ترجمہ کرنے والوں نے یہ مفہوم ادا کیا ہو۔ بہرحال غلط ہے۔ اس لئے کہ محققین فقہاء و محدثین سب کا یہ تسلیم کردہ اور اجماعی مسئلہ ہے کہ "القرآن یبلین بعضها بعضًا والا فبینه السنة، اوکما قالوا۔

غلط ترجمہ کو اگر کوئی شخص طبع کرا کے دو چار لاکھ بھی تقسیم کرادے جب بھی وہ غلط ہی رہے گا۔ صحیح نہیں ہوجائیگا اور نہ صحیح شمار ہوگا۔ صحیح ترجمہ وہی ہوگا جس کو سلف (صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین) نے سمجھا ہو، اور ان کی اتباع میں ماہرین شریعت (اکابر محدثین وفقہاء) نے سمجھا ہو۔

"متاع" کا کلمہ قرآن پاک میں بیس سے زائد مقامات میں آیا ہے۔ مگر کہیں بھی گزارہ" کے معنیٰ میں نہیں آیا ہے اور نہ کسی حدیث پاک میں اس موقع میں یہ معنیٰ آتا ہے ـــــ بلکہ جہاں ملتا ہے اس معنیٰ "گزارہ" کے خلاف معنیٰ ملتا ہے۔ کیونکہ گزارہ کا ظاہر ومتبادر مفہوم ـــــ زندگی گزارنے کا ذریعہ ـــــ ہوتا ہے۔ اور اس مفہوم سے ذہن کا تبادر" زندگی بھر زندگی گذارنے کا ذریعہ" کی جانب از خود ہوجاتا ہے ـــــ اور یہ مفہوم۔ "متاع" کا کسی آیت و روایت میں نہیں ہے۔

اسی طرح متاعًا بالمعروف" کا کلمہ قرآن پاک میں بیسیوں جگہ آیا ہے۔

.... اور ہر جگہ "معروف" کا مفہوم یہ ملتا ہے کہ کتاب و سنّت کی روشنی میں اسکے مطابق معروف ومتعارف طریقہ نہ کہ محض عقل یا درایت عقلی کے مطابق کتاب و سنت سے آزاد ہوکر معروف ومتعارف طریقہ۔

ان ہی دونوں مفہوموں کا فرق ذہن میں نہ آنے سے لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے۔ ورنہ یت کریمہ ـــــ وللمطلقات متاع بالمعروف حقًّا علی المتقین ○ کا سیدھا سادہ رجمہ نصوص کی رہبری میں صرف یہ ہے کہ قلیل مقدار کا وقتی نفع جو شرعی دستور وضابطہ

کے مطابق معروف ومتعارف ہو، خواہ نقدکی صورت میں ہو یا سامان کی شکل میں۔ وہ مطلقہ کو طلاق دیکر علیحدہ کرنے کے وقت دیکر حسن سلوک کے ساتھ الگ کرنا متقیوں پر لازم ہے۔

اور اسی قلیل مقدار کے وقتی نفع کا نام متاع یا متعہ ہے۔

مطلقہ کی عقلاً صرف چار صورتیں ہیں۔ اور ہر صورت کے اعتبار سے متاع کی مقدار نصوص کے ذریعہ متعین ومتعارف ہے۔ اس لئے کہ طلاق یا تو خلوت صحیحہ (مساس) کے بعد ہوگی یا قبل ہی ہو جائے گی۔ اگر خلوۃ صحیحہ (مساس) کے قبل ہی ہو جائے تو پھر دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو مہر مقرر ومفروض تھا یا نہیں پس مطلقہ کی یہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

صورت ۱:۔ یہ ہے کہ اگر مہر مقرر ومفروض نہیں تھا اور طلاق بھی خلوۃ صحیحہ (مساس) سے قبل ہی واقع ہوگئی۔ تو اس مطلقہ کو بعد طلاق علیحدہ کرتے وقت شوہر پر اپنی حیثیت کے مطابق متعہ دیکر رخصت کرنا واجب ہے۔ اس صورت کا حکم قرآن پاک میں اس طرح ہے۔ ولاجناح علیکم ان طلقتموھن مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ، ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ متاعاً بالمعروف حقاً علی المحسنین ۰ پ۲ ۔

علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ کے منطوق کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ رح نے اس متعہ کی کم سے کم مقدار ایک جوڑا کپڑا جس میں نماز پڑھ سکے۔ حسب حیثیت شوہر واجب فرمایا ہے۔ اور حضرت امام شافعی رح سے قول قدیم میں ۳۰ درہم اور قول جدید میں کم از کم مقدار جس پر اس متعہ کا اطلاق ہو سکے منقول ہے۔

صورت ۲:۔ اور اگر مہر مقرر ومفروض ہو چکا تھا مگر طلاق خلوۃ صحیحہ (مساس) کے قبل ہی واقع ہوگئی تو اس کا حکم قرآن پاک میں اس طرح ہے، وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم ۰ اس صورت میں

محض نصف مہر کی ادائیگی واجب کی گئی ہے۔ اور متعہ کا کوئی ذکر اور حکم نہیں ہے۔

صورت ۳ اور اگر طلاق خلوۃ صحیحہ (مساس) کے بعد ہوئی اور مہر بھی مقرر و مفروض ہو چکا تھا تو اس کو پورا مہر مقررہ دیکر علیحدہ کرنا واجب ہوگا اور اس کا حکم قرآن پاک میں اس طرح ہے۔ وآتوا النساء صدقاتهن نحلة۔ الآیة۔ اس شق میں بھی صرف پورا مہر دینا واجب فرمایا گیا ہے۔ اور متعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

صورت ۴ اور اگر طلاق خلوۃ صحیحہ (مساس) کے بعد ہوئی اور مہر مقررہ و مفروض نہیں ہوا تھا تو اس کو مہر مثل دیکر علیحدہ کرنا واجب ہوگا۔ اور اس کا حکم قرآن پاک میں اس طرح ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم ان تبتغوا باموالکم ٥ اس میں بھی متعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ محض مہر مثل کی ادائیگی واجب کی گئی۔ اور اسی وجہ سے احناف صرف پہلی صورت میں متعہ کو واجب کہتے ہیں۔ اور باقی صورت میں متعہ واجب نہیں فرماتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی بطور خود دیدے تو اس کو صرف متعۂ مندوبہ و مستحبہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ حلتِ امرأۃ (عورت سے انتفاع کا حلال ہونا) مال کے بدلے میں ہے تو جیسی عورت ہوگی ویسا ہی اس کا بدل ہوگا۔ مطلقہ کی صرف یہی چار قسمیں عقلاً نکلتی ہیں۔ اور پانچویں قسم عقلاً بھی محتمل و ممکن نہیں اور مطلقہ کی انھیں چار قسموں میں بدل طلاق کو متاع یا متعہ کہا جا سکتا ہے۔ اور انھیں چار قسموں کو قرآن پاک میں اس طرح فرمایا گیا ہے۔ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا علی المتقین ٥

متاع کی ان چار قسموں کی ادائیگی طلاق دے کر علیحدہ کرتے وقت واجب یا مندوب ہو جاتی ہے۔ اور اگرچہ یہ وجوب کچھ موسّع ہو یہ الگ بات ہوگی۔ اور اللہ کا مزید انعام ہوگا۔ طلاق کی قسم اوّل کی متاع میں علی الموسع قدرہ الخ کے کلمہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ کون شوہر اپنی حیثیت کے مطابق بیس۲۰ بیس ہزار روپیہ

یا غلام وغیرہ بھی دیکر الگ کرے تو درست ہوگا۔ اور بر تقدیر صحت روایت حضرت حسن ومغیرہ بن شعبہ وغیرہ رضوان اللہ علیہم کا وہ دینا بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ روایت خود مخدوش اور ناقابل استدلال واستناد ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا۔ اس متاع کا نفقۂ عدت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس نفقہ کا باب دوسرا ہے۔ اور متاع کا باب دوسرا ہے۔ اور دونوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ اور دونوں کی دو الگ الگ جنسیں ہیں۔ اور جس طرح متاع کی یہ قسمیں ہیں۔ اسی طرح نفقات کی بھی متعدد قسمیں ہیں۔ مثلاً نفقۂ عدت، نفقۂ حضانت، نفقۂ اولاد، نفقۂ ذوی الارحام وغیر ذالک من النفقات۔

اوران سب کے احکام اوران سب کے حدود الگ الگ ومتباین ہیں۔ ایک حد کا حکم دوسری حد میں داخل کرنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم وفیصلہ میں تبدیلی کرنا ہے جس پر بڑی سخت وعیدیں وارد ہیں۔ مثلاً فرمایا گیا۔ تلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه ٥ اور کہیں فأُولٰئك هم الظٰلمون ٥ اور کہیں اُولٰئك هم الخاسرون ٥ وغیرہ فرمایا گیا ہے

پھر جس طرح قرآن پاک کی تحریف لفظی ناجائز وحرام ہے اور بد دینی وزندقہ ہے اسی طرح تحریف معنوی بھی ناجائز وحرام اور بد دینی وزندقہ ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے الفوز الکبیر میں تحریر فرمایا ہے۔ علمائے بنی اسرائیل کے یہ دونوں مشہور امراض ہیں۔ اور اسباب بد دینی میں سے ہیں۔

اس لئے بھی متاع کا ترجمہ گذارۂ زندگی سے کرنا قطعاً غلط ہوگا۔ اور ہرگز جائز نہ ہوگا بلکہ سخت بد دینی اور زندقہ کی بات ہوگی۔ اور زمانۂ عدت کے ختم ہوجانے کے مدتوں بعد اس کو لاگو اور واجب کرنا تو شرعاً اور بھی سخت اور خطرناک غلطی ہوگی۔

اسی طرح ایک اور نوع بھی متعہ کی آیت کریمہ اَوْ تَسْرِيحٌۢ بِاِحْسَانٍ ٥ اور۔ اَوْ

سرحوھن بمعروف - کے اشارۃ النص سے نکل سکتی ہے - مگر وہ محض مستحب ہوگی نہ کہ واجب، وہ بھی محض شوہروں کے صوابدید پر موقوف ہوگا - اور طلاق دیکر علیحدہ کرنے کے زمانہ کے ساتھ محدود رہے گا - نہ کہ ہمیشہ کے لئے عام - نیز اس کا بھی نفقۂ عدت سے دور کا بھی تعلق نہ ہوگا - جیساکہ ابھی ثابت اور واضح ہوچکا ہے - اتنی گفتگو سے اس سوال کا جواب بھی خود بخود نکل آیا جو مرسلہ استفتاء میں مذکور ہے۔

سوال یہ ہے کہ بہرحال ان روایات کے پیش نظر اگر محتاج مطلقات کیلئے یکمشت کوئی بڑی رقم ادا کرنا شوہر پر لازم کردی جائے جبکہ بعض اکابر نے متاع کو ہر مطلقہ کیلئے واجب قرار دیا ہے تو کیا شریعت اسلامیہ کی رُو سے یہ عمل قابل قبول ہوگا ؟ ۔

نیز اگر اس متاع کو شوہر کی مالی حالت کے مطابق عدالت لازم کردے تو مطلقہ عورتوں کی فوری دستگیری بھی ہوجائے گی اور دلجوئی بھی۔

جواب جواب اس لئے نکل آیا کہ متاع واجب ہو یا مستحب اس کا شرعی اور قرآنی معنی سابق بیان میں گذر چکا ہے - اس معنیٰ کو چھوڑ کر گذارۂ زندگی کے معنیٰ کو لینا یا اس پر کوئی حکم متفرع کرنا سب قاطبۃً تحریف معنوی میں داخل ہوگا - جس سے زندقہ اور بد دینی کا دروازہ کھلے گا ــــ لہٰذا یہ معنیٰ لینا ناجائز و حرام ہوگا - ــــ اور اس معنیٰ کے اعتبار سے کوئی حکم مسلمانوں پر لازم و واجب قرار دینا مسلمانوں کے مذہب میں مداخلت بیجا ہوگی جسکی شرعاً و قانوناً کوئی گنجائش نہیں - نہ ہی جمہوری قانون کے اعتبار سے ایسا کرنا درست ہوگا۔

محتاج مطلقات کے لئے یکمشت کوئی بڑی رقم ادا کرنا شوہر پر لازم کرنے کی تائید میں جو دو دلیلیں پیش فرمائی گئی ہیں وہ چونکہ متاع کو گذارۂ زندگی کے معنیٰ میں لینے پر ہی دائر ہیں ــــ پس جب متاع کا معنیٰ گذارۂ زندگی لینا ہی درست اور صحیح

نہیں ہے تو اس پر متفرع دلائل بھی خود غیر منطبق وغیر مفید ہوں گے۔

نیز دوسری دلیل حضرت امام شافعیؒ یا دیگر اکابر کا قول ہو وہ تو محض مطلقہ اوّل (صورت اوّل) کے ساتھ مقید و محدود ہے جیسا کہ اس بحث میں مدلّل ہو چکا — اس کو تمام مطلقات کے لئے اور زمانۂ عدّت کے بعد بھی عام و لازم کرنا کیونکر شرعاً درست و صحیح ہوگا۔ وھذا ظاھر جدًا۔

نیز اگر کسی مجبوری کے بناء پر کسی خاص عورت کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص مقدار متعین کر دی جائے تو ما تحت عدالتیں بھی ان تمام قیود کو حذف کر کے اس کو عام قانون بنا کر نظیر بنالیتی ہیں جو سراسر ظلم ہوتا ہے اس لئے اس کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔

اور پہلی دلیل (حضرت حسن وغیرہ رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب روایت) یہ تو اور بھی سقیم اور غیر معتبر ہے۔ کیونکہ اس روایت میں اشارہ اس طرف ظاہر ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت حسن رضی اللہ عنہ نہایت درجہ دنی الطبع، عشق باز، شہوت پرست، مسرف، حریص، اور لموع علی النساء تھے کہ بار بار نکاح کرتے اور طلاق دیکر علیحدہ کر دیتے تھے۔

حالانکہ موصوف کی ذات ستودہ صفات کو روافض ائمہ معصومین کا سرتاج کہتے ہیں۔ اور جو لوگ معصوم نہیں مانتے۔ وہ بھی موصوف کو انتہا درجہ کا مرتاض راغب الی اللہ نافرعن الدنیا اور مشائخ کا سرتاج جانتے ہیں۔ مشائخ کے تمام سلاسل بجز سلسلۂ نقشبندیہ کے اسی ذات ستودہ صفات کے واسطہ سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتے ہیں۔

نیز اس ذات ستودہ صفات کی ابتدائی تربیت گہوارۂ رسول علیہ السلام میں ہوئی ہے اور گہوارۂ رسول علیہ السلام کے بعد تقریبًا باقی تمام زندگی خلفائے راشدین کی صحبت و تربیت میں گذری ہے۔

اس ذات کی جانب ایسی دنی و ذلیل باتوں کی نسبت محال عقلی اگرچہ نہ ہو مگر محال عادی

ضرور ہے، جس سے اشارۃً گندی باتوں کی نسبت موصوف کی جانب یقیناً غلط معلوم ہوتی ہے ـــــ پھر سوچنے کی بات ہے کہ اگر خدانخواستہ شہوت رانی کا ایسا ہی جذبہ ہوتا تو حرائر سے زیادہ حسین حسین لونڈیاں موجود تھیں ان کو خرید کر اپنا جذبہ پورا فرما لیتے۔ ایسی بدنام کن صورت اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اور جب اس روایت کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اس روایت کا غلط ہونا نیز اس کا سقیم وغیر معتبر ہونا اور بھی واضح ونمایاں ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی تو بہت سے دریدہ دہنوں نے حضرت موصوف کی توہین وتہجین میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ بہتوں نے تفسیق کی۔ بہتوں نے تکفیر تک کردی اور حضرت موصوف کو مسوّد وجوہ المؤمنین کا لقب تک بعضوں نے دیدیا۔ جیسا کہ یہ بات العواصم والقواسم میں بایں عبارت منقول ہے۔

(قاصمہ) ثم قتل علی۔ قالت الرافضہ فعهد الی الحسن فسلمها الحسن الی معاویۃ فقیل لہ مسوّد وجوہ المؤمنین۔ وفسقتہ جماعۃ من الرافضۃ وکفرتہ طائفۃ لاجل ذالك۔ ص۱۹۷ (لابن العربی)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلی دلیل کی یہ روایت اس وقت کی من گھڑت روایتوں میں سے ایک روایت ہے۔ جو تفسیر ابن کثیر میں درج ہوگئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک کوئی روایت سنداً اور درایۃً دونوں اعتبار سے مضبوط نہ ہو اس وقت تک احکام میں قابل استناد بلکہ قابلِ اعتبار بھی نہیں ہوتی ـــ لہٰذا یہ روایت اس مدعا کی تائید میں مفید ونافع نہ ہوگی۔

اور اگر مطلقات کی فوری دستگیری ودلجوئی کیلئے کوئی بڑی رقم یکمشت شوہر کی حیثیت کے اعتبار سے شوہر پر لازم کردی جائے تو یہ حکم بھی متاع کے غیر شرعی معنیٰ (گذارۂ زندگی) کی بنیاد پر ہوگا۔ جس کا تحریف معنوی ہونا پہلے واضح ہوچکا ہے۔ اسلئے

بحکم ناجائز وغیر مفید ہی نہیں مضر ہوگا۔ اور اس سے سکون و اطمینان کے حصول کے بجائے حدیث پاک میں ارشاد نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مالم تحکم ائمتھم بکتاب للہ جعل اللہ باسھم بینھم (رواہ المؤطا و ابن ماجۃ وغیرھما من الصحاح) کے مطابق آپس میں قوم کے اندر اور زیادہ شقاق و نفاق اور گتھم گتھا کا باعث ہوگا۔ اس لئے یکمشت رقم کا فیصلہ بھی شرعاً قطعاً ناجائز و نادرست ہوگا ـــــ کاش کہ شاہ بانو کے اس مسئلہ میں شروع ہی میں یہ حکم شرعی واضح کر لیا گیا ہوتا تو شاید یہ معاملہ اس طرح خبط نہ ہوتا۔ اور نہ الجھتا۔ نیز اگر آیت کریمہ وللمطلقات متاع بالمعروف کی صحیح تفسیر ہی واضح کردی گئی ہوتی جب بھی یہ معاملہ اس طرح نہ الجھتا۔

اور اگر زمانۂ عدت کے بعد نفقۂ مطلقہ کا معاملہ ہو تو احقر پہلے مبرہن کر چکا ہے کہ اس کی صرف دو صورتیں ہو سکتی ہیں اس کے علاوہ اور کوئی صورت شرعاً درست نہ ہوگی ـــــ ہاں اگر مطلقہ کے نابالغ اولاد ہوں تو چونکہ مطلقہ کو حق حضانت حاصل ہو جاتا ہے اس لئے مدت حضانت تک کا نفقۂ حضانت شوہر سے بالجبر بھی بشرائطہا وقیودہا وصول کر سکتی ہے۔ کما قال تعالیٰ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن ٥ اس کے بذریعہ عدالت بھی پوری مدت حضانت کا پورا نفقہ بجائے مدتِ عدت کے نفقہ کے شوہر کی مالی حیثیت کے اعتبار سے اوسط درجہ کا وصول کر سکتی ہے۔ اور عدالت اس نفقہ کو لازم و واجب کر سکتی ہے۔

اور اگر اولاد بالغ موجود ہو تو اولاد پر اس کے نفقہ کا وجوب پہلے احقر مبرہن کر چکا ہے۔ اس کو اولاد سے ان کی حیثیت کے مطابق بالجبر بھی وصول کر سکتی ہے۔

اور اگر کوئی اولاد نہ ہو تو اوّلاً عصبات پر پھر ذوی الارحام و تمام عائلہ پر درجہ بدرجہ لازم و واجب ہوگا۔ اگر عائلہ بھی نہ ہو تو جمہوری خزانۂ سرکار پر۔ خزانۂ سرکار میں ایک ایسی مد کا ہونا ضروری ہے جو ایسے بے سہارہ کے گذارۂ زندگی کا انتظام کر سکے۔

اور پھر اس کے تفصیل کی انتہا جماعت مسلمین (شرعی کمیٹی) پر ہوگی۔ اور اس صورت میں جماعت مسلمین (شرعی کمیٹی) مطلقہ عورتوں کی فوری دستگیری و دلجوئی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اور حکم شرعی کے مطابق وہ صحیح حکم و طریقہ ہوگا۔ اس لئے احقر اس پر پورا زور دیتا ہے۔ اور فی زمانہ ہر شہر و قصبہ بلکہ ہر بڑی و مرکزی آبادی میں جماعت مسلمین (شرعی کمیٹی) کا قیام بحکم آیۂ کریمہ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ اور بحکم ان الحرج مدفوع واجب و ضروری سمجھتا ہے۔ اس پر پوری توجہ دیکر قائم کیا جائے۔ اور اس شرعی کمیٹی کا صرف چند دیانت دار با اثر معاملہ فہم مسلمانوں پر مشتمل ہونا کافی ہوگا۔ جس میں کم از کم ایک عالم باعمل بھی شریک اور رکن کمیٹی رہے جو مسائل متعلقہ سے پوری واقفیت رکھتا ہو تاکہ پوری کارروائی ضابطۂ شرع اور حکم کتاب و سنت کے مطابق ہو۔ اور طلاق و خلع وغیرہ معاملات کی طرح نفقات کا بھی حکم شرع کے مطابق فیصلہ ہو سکے۔

ھذا اخر ما اردنا ایرادہ بتوفیق اللہ تعالیٰ۔ وعلیہ التکلان۔ فان کان صحیحًا فمن اللہ وان کان خطأً فمن نفسی۔ وما ابرئ نفسی فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد نظام الدین

مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۹ رمضان ۱۴۰۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۸۵ء

مولانا عبد القیوم حقانی فاضل و
مدرس دارالعلوم حقانیہ

علامہ سمعانیؒ سے ایک ملاقات
روغن ساز اور روغن فروش علماء کا تذکرہ

تین ماہ سے زائد عرصہ ہونے کو ہے کہ ہزار چاہت اور اشتیاق کے باوجود بھی "کتاب الانساب" کے مصنف علامہ عبدالکریم سمعانی (متوفی ۵۶۲) سے شرف زیارت وملاقات اور گفتگو واستفادہ کا دوبارہ موقعہ نہ مل سکا۔

آج (۲۸ راپریل ۸۵ء) پھر شوق ملاقات اور ذوقِ استفادہ وتحصیل علم نے علامہ سمعانی سے کتابی ملاقات کا موقعہ بہم پہنچایا۔

آخر ان کی مجلسِ فیض وبرکت (بصورت مطالعہ کتاب الانساب) تک دل نے پہنچا دیا۔ اور اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ ہجوم مشاغل اور کثرتِ کار کے باوجود بھی اللہ پاک نے اس مبارک اور پرسعادت مجلس تک رسائی میرے لئے آسان کر دی۔

بہرحال ان کی محفلِ فیض وبرکت یا مجلسِ انس وافادہ میں حاضر ہوا۔ اجنبی ہونے کے باوجود بڑھ کر قریب پہنچا تو دیکھا کہ علامہ سمعانیؒ مفسرین، محدثین، ائمہ فن، علماء اور فضلاء قضاۃ اور فقہاء کے جھرمٹ میں بیٹھے حاضرین، سامعین اور ناظرین سے ان کا تعارف کرا رہے ہیں۔ کتاب الانساب کا صفحہ ۴۲۳ کھلا ہوا ہے۔ گفتگو کا عنوان یا موضوع کی تہ سرخی "الدھان" ہے ـــــ عربی زبان میں تیل اور روغن تیار کرنے والے یا تیل اور روغن کی تجارت کرنے والے کو دھان کہتے ہیں۔ علامہ سمعانی نے روغن ساز اور روغن فروش علماء وفضلاء

اور مفسرین و محدثین کی جس انداز سے یہاں فہرست مرتب فرمائی ہے یوں لگتا ہے گویا کہ روغن سازوں اور روغن فروشوں کی اس فہرست میں انھوں نے ملت کے دل و دماغ کا عطر کھینچ کر سامنے رکھ دیا ہے ان کی قلمی اور علمی تصویریں دیکھیں تو ایک سے ایک قابل اور فاضل نظر آیا۔ اُن کے بشروں سے ذہانت ٹپکتی اور چہروں سے ذکاوت برستی تھی پوری فہرست پڑھ ڈالی۔

علامہ سمعانی نے علمی برادری کے چنے ہوئے جن روغن ساز فضلاء، روغن فروشی مشاہیر، اہم علمی شخصیتوں اور عظیم سکالروں کی علمی اور تاریخی مجلس اور عظیم الشان۔۔ مبارک تقریب کا انعقاد کیا ہے مجھے بھی جب کتاب الانساب " کے ذریعہ سے انھیں قریب سے دیکھنے، گفتگو سننے، بعض حضرات سے ملنے اور بات چیت کرنے کی سعادت نصیب میسر آئی۔ تو ان کی علمی دھاک اور روحانی عظمت کا سکہ دل پر بیٹھ گیا۔

اس مبارک علمی اور تاریخی تقریب میں بظاہر نہ جوش خطابت تھا اور نہ الفاظ کی طلسم بندی نہ منطقی دلائل تھے اور نہ وہ خطابت کا حربہ چلانا جانتے تھے۔ بس اخلاص اور صداقت کی تصویریں تھیں۔ جو امت کے سامنے انھوں نے پیش کردیں۔ علامہ سمعانی کی متین، مدلل اور سلجھی ہوئی گفتگو اس پر مستزاد، آج ان کی محفل سعادت میں قلب کو خوب اطمینان، اور سکون حاصل رہا۔ اجنبیت کافور ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں ایسے گھل مل گئے جیسے برسوں کی پرانی شناسائی ہو۔

علامہ سمعانی کی بیان فرمودہ طویل فہرست سے جن پیشہ ور اور مزدور علماء و فضلاء سے قارئین کو متعارف کرانے کا گذشتہ نشست میں وعدہ کیا تھا اس سلسلہ میں آج کی نشست میں چند روغن ساز محدثین اور روغن فروش علماء و فضلاء کے مختصر تعارفی مقالہ کی پہلی قسط پیش خدمت ہے

مگر یاد رہے کہ ان حضرات کے یہاں روغن سازی اور روغن فروشی کی بڑی بڑی دکانیں؛

منڈیاں اور تجارتی مراکز تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کو علمی مشغلہ کا ایسا دلولہ تھا کہ کاروبار کی دسعتیں، علمی جمعیتوں کی ہماہمی میں کبھی بھی کسی نقصان کا باعث نہ بن سکیں۔

علامہ صالح بن درہم عظیم محدث اور اپنے فن کے امام تھے۔ ابوالازہر کنیت اور دھان (روغن ساز یا روغن فروش) کے لقب سے مشہور تھے۔ اہل بصرہ سے تھے علم حدیث محدثین عراق سے حاصل کیا تھا۔ ان کے حلقۂ درس کی وسعت اور تلامذہ کے سلسلہ کے پھیلاؤ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت امام شعبہ بن حجاج جیسے عظیم محدث اور جلیل القدر امام ان سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معاشی بالخصوص تیل کے کاروبار روغن فروشی اور روغن سازی اور کولھو کے چکر کے ساتھ ساتھ درس وتدریس، افادہ واستفادہ اور تعلیم وتعلم کا دور بھی برابر جاری رہتا تھا۔

ہم جب تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ حسن اتفاق سے صرف ایک دو نہیں، تقریباً ہر معتد بہ آبادی والے اسلامی شہر اور قصبات بلکہ دیہاتوں تک میں علماء اور محدثین کا مفت پڑھانے والوں کا ایک بڑا طبقہ موجود رہا جنھوں نے مختلف معاشی کاروبار کے ساتھ ساتھ درس وتدریس تصنیف وتالیف اور اشاعت علم کے مشغلہ کو بھی مفت جاری رکھا۔ تجارت کرتے، زراعت کرنے، محنت مزدوری کرنے، روغن سازی اور روغن فروشی کرتے۔ لیکن سب کچھ کرنے کے ساتھ ساتھ روزانہ بالالتزام پڑھنے پڑھانے کا کام بھی آخر دم تک انجام دیتے رہتے۔

علامہ سمعانی نے اس فہرست میں محمد بن حمزہ بن احمد بن حرب کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جن کی کنیت ابوعلی اور لقب دھان (روغن ساز یا روغن فروش) ہے۔ خطیب بغدادی نے بھی ان کا تفصیلی حال تاریخ بغداد میں تحریر کیا ہے۔

ابوعلی دھان، امام وقت عظیم محدث اور فیض کثیر کے مالک تھے۔ اپنے معاشی کاروبار روغن سازی اور روغن فروشی کے ساتھ ساتھ تمام عمر علوم نبوت اور تعلیمات رسول کی اشاعت

کرتے رہے۔ ان کی معاشی تگ و دو اور ضروریات کی کفالت کے سلسلہ میں سعی علم دین کی تدریس و تبلیغ کے لئے کسی قسم کی روکاوٹ نہ بن سکی۔ آپ نے مشہور اساتذۂ حدیث ابوبکر علی کوفی۔ اور علی بن عبدالرحمٰن کوفی سے علم حدیث کی تحصیل کی اور جب پڑھاتے تو ان ہی دو حضرات سے حدیث کی روایت کرتے۔

خطیب بغدادی اور اُن کے بعض ہم عصر اکابر اساتذہ نے آپ سے علم حدیث کے تلمذ کا شرف حاصل کیا۔ ..خطیب بغدادی نے آپ سے روایت بھی کی ہے۔ موصوف کا بظاہر اپنا معاشی پیشہ دھانیت یعنی روغن سازی اور روغن فروشی تھا۔ مگر اپنے پاس وہ جس قسم کا علمی کمال رکھتے تھے بغیر کسی لالچ اور معاوضے کے اس علم کو دوسروں تک پہنچانے کو گویا اپنا انسانی اور اخلاقی بلکہ دینی اور مذہبی فریضہ خیال کرتے تھے۔

علامہ سمعانی نے اس فہرست میں جناب ابو احمد محمد بن عبداللہ بن احمد بن قاسم بن جامع دھان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جو بغداد کے رہنے والے تھے۔ روغن سازی اور روغن فروشی کی وجہ سے دھان کے لقب سے مشہور تھے۔ حد درجہ متقی، پرہیزگار، صالح ثقہ اور معتمد محدث تھے۔ علم حدیث سے خصوصی شغف اور اس کی تدریس و اشاعت کے بے حد شیدائی اور حریص تھے۔ آپ کے مشہور اساتذۂ حدیث میں ابو رجاء محمد بن حمدویہ احمد بن علی حسین بن اسماعیل۔ محمد بن مخلد اور حسین بن یحییٰ کے نام سر فہرست ہیں۔

ابوبکر برقانی۔ ابوالقاسم اللازہری، حسین بن محمد بن عمر زری۔ محمد بن علی کو آپ ہی سے استفادۂ تحصیلِ علم اور شرف تلمذ کی بدولت جاہ و منزلت اور علمی شہرت کا عظیم مقام حاصل ہوا۔ اور واقعہ بھی یہ ہے جیسا کہ علامہ سمعانی رح کی "کتاب الانساب" اور تاریخ کی دوسری کتابوں کے پڑھنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ علماء محدثین خواہ کسی بھی عہدہ اور پیشہ سے تعلق رکھتے ہوں کوئی قاضی ہو مفتی ہو یا روغن ساز اور صابن ساز ہو۔ تاجر ہو یا مزدور تدریس اور معلمی کا کام نہ کرتا ہو قریب قریب اس زمانہ میں یہ بات ناقابلِ فہم تھی۔

یہ ایک رواج تھا جو قرن ہا قرن سے مسلمانوں میں جاری تھا اور یہ رواج اس وقت تک باقی رہا جب تک عدالتوں اور سرکاری محکموں پر بی اے اور ایم۔اے اور ایل ایل بی اور سول سروس کی ڈگریوں کی بجائے قرآن وحدیث اور علوم نبوت کے سندیافتوں کا قبضہ تھا۔ مگر اب تو بدقسمتی سے علمی ذوق، مطالعہ کتب اور تحصیل علم کے شوق میں بےحد زوال آگیا ہے۔ غور وفکر تو کجا ذوق مطالعہ بھی عنقا ہوتا جارہا ہے بلکہ اتنی استعداد بھی باقی نہیں رہی کہ دوسروں ہی کے خیالات کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے۔ اور آج معاشی کاروبار کے ساتھ علمی اور تدریسی مشغلہ اور مطالعہ کتب تو کجا کتابوں کی گرد جھاڑنے کی اہلیت اور فرصت بھی بجز چند خوش نصیبوں کے کسی کو کم ہی نصیب ہوتی ہے۔

Dr. Zakir Husain Library
Jamia Nagar
J. M. I. New Delhi

قسط ۲

خوارج کی تحریک اور اسکا پس منظر

از ـــــ ڈاکٹر محمد یوسف قاسمی شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

خارجیوں کا تشدد اور اسکے مضر اثرات

یہ فرقہ انتہائی درجہ کا متعصب تھا۔ دعوت و تبلیغ میں تلوار کا استعمال کرنا ایک معمولی بات تھی۔ اسی تعصب نے انھیں انتہائی حد تک ظالم اور سنگدل بنادیا تھا۔ کہ چھوٹی چھوٹی بات پر انسانوں کی جان لینا کوئی اہم بات نہیں تھی۔

جہاں تک خیال کیا جاسکتا ہے کہ اُن کا یہ تعصب اس بنا پر تھا کہ خلافت قریش میں تھی۔ اور یہ خود ربیعی قبائل میں سے تھے۔ اور مضر اور ربیعہ کے درمیان عداوت پرانی ہے۔ جسے اسلام اور نبی علیہ السلام کی صحبت نے ٹھنڈا کردیا تھا۔ یہی عداوت دوبارہ رنگ لائی۔ اور اسی آبائی عداوت نے خوارج کو تعصب اور شدت پر آمادہ کر رکھا تھا۔ اور جسے وہ اپنا دینی اخلاص تصور کرتے تھے۔ خلافت کے مسئلہ میں ان کا نظریہ تھا کہ خلافت کسی قوم کسی قبیلہ کے لئے مختص نہیں۔ بلکہ ہر وہ شخص خلیفہ بن سکتا ہے۔ جس میں شرائط خلافت پائی جاتی ہوں۔ اُن کا یہ نظریہ تو غیر متعصبانہ تھا۔ لیکن عجمیوں کو بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ان سے تعصب برتتے تھے۔ ابن الحدید نے ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ ایک خارجی عورت نے کسی عجمی سے شادی کرلی۔ اس پر خوارج بے ساختہ پکار اٹھے۔ ارے تو نے ہم کو رسوا کردیا

اُن کا یہ تعصب نہ ہوتا تو بہت سے عجمی ان کا مذہب اختیار کر لیتے۔ عجمیوں سے اتنی
ت اور دوری کے باوجود ان کا مذہب عجمی افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔
مثلاً یہ کہ بھائی بہنوں سے نکاح جائز ہے۔ یہ اُن کا سراسر کفریہ مسلک ہے۔ جو...
رسی اثرات کے قبول کر لینے کی اطلاع دیتا ہے

عقائد و افکار خلیفہ کا تقرر عام مسلمانوں کی آزادانہ رائے کے بعد عمل میں آسکتا ہے اور خلیفہ اس وقت تک منصبِ خلافت پر فائز رہ سکتا ہے۔ جب تک وہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہے۔ اگر خلیفہ بدکار، بدکردار اور خطا کار ہے تو اُسے برطرف کر دینا بلکہ قتل کر دینا بھی جائز ہے۔

خلافت کسی خاندان، کسی قوم، یا قبیلہ کے ساتھ خاص نہیں۔ ایک عجمی شخص بھی خلیفہ بن سکتا ہے۔ اور بہتر ہے خلیفہ غیر عرب کو بنایا جائے۔ تاکہ اگر وہ راہِ حق سے منحرف ہو تو اُسے معزول یا قتل کرنے میں چنداں دشواری نہ پیش آئے۔ اسی بنیاد پر انھوں نے اپنا خلیفہ ایک غیر عربی النسل عبداللہ بن وہب کو بنایا۔ اور اسے امیر المومنین کہتے تھے۔ اُن کے یہاں اقامتِ خلافت واجب نہیں بلکہ مصلحت و ضرورت پر منحصر ہے۔

ہر گناہ گار کافر ہے۔ چاہے وہ گناہ بالارادہ کیا گیا ہو۔ یا خطاءِ اجتہادی ہو۔ اسی وجہ سے معاذ اللہ حضرت علی کو کافر کہتے تھے۔ باوجودیکہ حضرت علی مسئلہ تحکیم کے لئے از خود تیار نہیں ہوئے تھے۔ خارجیوں کا حضرت علی کی تکفیر پر مصر رہنا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ مخطئ مجتہد کو بھی کافر کہتے ہیں۔ ان سب افکار و عقائد کے سبب یہ جمہور مسلمین کو کافر و مشرک کہتے تھے۔ اور ان کی مخالفت کو بنیادی فرض گردانتے تھے۔

ان کے عقائد و افکار نہایت سطحی اور سادہ ہیں۔ اور ان کے دلائل انتہائی لچر اور

پھنسے ہیں۔ مثلاً مرتکب کبیرہ کے کفر پر یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں۔ یعنی جو کبیرہ گناہ کرتا ہے۔ وہ خدا کے حکم کے بغیر فیصلہ کرتا ہے اس لئے وہ کافر ہے۔ وغیر ذالک من الاضاحیک

خوارج کا دندان شکن جواب

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا" اگر تمہارا خیال ہے کہ میں خطار و ...... اور گمراہ ہوں تو میری گمراہی اور غلطی کی سزا امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں دیتے ہو۔ میری خطا پر انھیں کیوں پکڑ ماتے ہو۔ میرے گناہ پر انھیں کافر کیوں قرار دیتے ہو۔ تم نے اپنے کندھوں پر تلوار لٹکا رکھی ہے۔ اور انھیں موقع بے موقع بے نیام کر لیتے ہو۔ تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ گنہگار کون ہے۔ اور بے گناہ کون۔ دونوں کو تم نے ایک ساتھ ملا رکھا ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا۔ پھر اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی اور اس کے اہل خانہ کو اس کا وارث بھی تسلیم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو جرم قتل میں قتل کیا۔ لیکن اس کے اہل کو اس کی میراث سے محروم نہیں رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے ہاتھ کاٹے اور غیر شادی شدہ زانی کو درّے مارے۔ لیکن دونوں کو مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی دیا۔ آپ نے گنہ گاروں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا حکم قائم کیا۔ لیکن اسلام نے مسلمانوں کو جو حصہ دیا تھا اس سے ان گنہ گاروں کو محروم نہیں کیا۔ نہ ان کا نام دائرۂ اسلام سے خارج کیا۔ خوارج کے پاس حضرت علی کی اس مدلل تقریر کا کوئی جواب نہیں تھا۔

خوارج خود اپنی زد میں

یہ بہت چھوٹے اور ضمنی مسائل پر لڑنے مرنے کیلئے تیار ہوجاتے۔ اور اسی ضد اور آپس میں لڑائی نے ان کی چول ــــ چول ہلا دی کہ یہ دو مرتبہ

سے مقابلہ کے لائق نہ رہ سکے۔ اور یہ خود نہ لڑتے تو ان کی کم عقلی اور بیوقوفی کا فائدہ اٹھا کر مخالف ان کے درمیان بآسانی جنگ کی چنگاری چھوڑ دیتا تھا۔ اس میں یہ مدتوں الجھے رہتے تھے۔ ان کے افتراق وتشتت نے ان کی طاقت کو پارہ پارہ کردیا۔

چنانچہ عبداللہ بن مہلب ابن ابی صفرہ نے ان کو آپس میں لڑا کر ان کے شر سے مسلمانوں کو بچانے میں کافی حد تک کامیابی حاصل کی۔

ابن الحدید نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ خارجیوں کے فرقہ ازارقہ کا ایک لوہار زہر آلود تیر تیار کرتا تھا۔ خوارج اپنی تیروں سے اصحاب مہلب پر حملہ کرتے تھے۔ یہ معاملہ جب مہلب کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے کہا کہ میں اس کا تدارک کرتا ہوں۔ یہ کہکر اپنے ایک آدمی کو خط دیا۔ اور ایک ہزار درہم دیئے۔ اور اسے قطری بن فجاۃ .... خارجیوں کے امیر لشکر کی طرف جانے کی ہدایت کی۔ اور یہ کہا کہ خط اور درہم دشمن کے لشکر میں پھینک آؤ۔ اور وہاں اپنے بچاؤ کا خیال رکھنا۔ وہ شخص حسب ہدایت روانہ ہوگیا۔ اس خط کی عبارت یہ تھی۔

امابعد۔ آپ کے تیر مجھے مل گئے ہیں۔ میں ایک ہزار درہم بھیج رہا ہوں۔ یہ رقم قبول کیجئے۔ اور مزید تیر بنا کر مجھے بھیج دیجئے۔

یہ خط قطری تک پہونچا دیا گیا۔ قطری نے لوہار کو بلا کر پوچھا یہ خط کیا ہے۔ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ قطری نے کہا یہ درہم کیسے ہیں۔ اس نے کہا کچھ خبر نہیں۔ قطری نے کہا اسے قتل کر دو۔ وہ فوراً ہی قتل کردیا گیا۔ اس واقعہ سے ان کے ضعفِ عقل۔ اور بے تدبیری کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

خوارج کے فرقے

ازارقہ۔ یہ نافع بن ازرق کے پیرو ہیں۔ اور تعداد اور اعتقاد کی شدت کیوجہ سے دیگر فرقوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ان کے جملہ عقائد تو وہی ہیں جو پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ مزید براں یہ زانی کے سنگ

کرنے کے قائل نہیں۔ غیر خارجی تمام خارج از دین اور مشرک ابدی جہنمی ہیں۔ ان کے نزدیک جھوٹی تہمت کوئی چیز نہیں۔ گناہِ کبیرہ یا صغیرہ کا ارتکاب انبیاء علیہ السلام سے ہو سکتا ہے۔

نجدات۔ یہ نجدہ بن عویمہ کے ماننے والے ہیں۔ یہ چند مسائل میں ازارقہ سے مختلف اعتقاد رکھتے ہیں۔ مثلاً یہ جنگ سے فرار اختیار کرنے والے کی تکفیر نہیں کرتے۔ اور یہ شیعوں کی طرح تقیہ کے معتقد ہیں۔ پھر یہ تین فرقوں میں بٹ گئے۔

فرقۂ صفریہ۔ یہ لوگ زیاد بن الاصغر کے حامی اور اس کے پیروکار تھے یہ اپنے اعتقادات اور افکار میں ازارقہ سے کم تر اور دیگر فرقوں سے بالاتر تھے۔ اس فرقہ کا بانی عبدالکریم بن عجرد ہے۔ یہ نجدات سے ملتے جلتے عقائد کے حامل ہیں۔ پھر یہ دو فرقوں میں بٹ گئے۔ شیعہ۔ میمونیہ۔

اباہیئہ۔ یہ عبداللہ بن اباہن کے پیروکار ہیں۔ یہ خارجیوں میں معتدل اور جمہور مسلمانوں سے قریب تر۔ اور اہل سنت جیسے عقائد رکھتے ہیں۔

فرقۂ یزیدیہ۔ و میمویہ۔

یہ دونوں فرقے مسلمان تصور نہیں کئے جاتے ہیں۔ چونکہ یزیدیہ حضور کو قادیانیوں کی طرح پیغمبر آخر الزماں خاتم النبیین نہیں تسلیم کرتے۔ اور اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی نبی عجمیوں میں بھیجے گا۔ اور شریعتِ محمدیہ کو منسوخ کردے گا۔

میمونیہ۔ یہ محرکات سے نکاح کو جائز کہتے ہیں۔ اور سورہ یوسف کو خارج از قرآن کہتے ہیں۔ قرآن اور داستانِ محبت کیسے ممکن ہے۔

والعیاذ باللہ۔

صحابۂ کرامؓ
جنھوں نے دنیا کو ترقی و تمدن سے آشنا کیا

مولوی عبدالملک فاروقی - دارالعلوم دیوبند

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نہ صرف اپنے اخلاقی اور روحانی اثرات سے لوگوں کے اعمال و عقائد ہی کی اصلاح کی بلکہ ان اصلاحات کے ساتھ ساتھ عوام کے آرام و آسائش کے لئے وہ تمدنی اور معاشرتی آسانیاں بھی بہم پہنچائیں جس پر آج یورپ فخر کررہا ہے اور نادان و ناواقف لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مغرب نے ہم کو وہ سب کچھ دیا جو ہم کبھی خواب میں بھی دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اور لطف یہ کہ نادانوں کی اس فہرست میں ہمارے مسلم نوجوانوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے جو ہر تمدنی ترقی اور معاشرتی رفاہیت کو مغرب ہی کا مرہون منت سمجھ رہے ہیں۔ لیکن تاریخِ اسلام بتاتی ہے کہ آج سے بہت پہلے سرور دو عالمؐ کے جاں نثار رد حاشیہ نشین دنیا میں ایک تمدن کا انقلاب پیدا کرچکے ہیں اور ان کی مساعی و جد و جہد نے دین و ملت کی خدمت کے ساتھ ہی عام پبلک اور مخلوقِ خدا کی خدمت کے سلسلہ میں مؤرخ کے لئے ایک دفتر مہیا کردیا ہے۔

عرب جغرافیائی حیثیت سے ایک بالکل بے آب و گیاہ ملک ہے، پانی کی قلت وہاں کی ایک معلوم و مشہور خصوصیت ہے لیکن صحابۂ کرام نے جب اس مشکل کے حل کرنے کی

طرف توجہ دی۔ تو بڑی حد تک آسانیاں پیدا کردیں۔ رفاہِ عام میں کنواں ایک معمولی چیز ہے۔ لیکن سرزمین عرب میں پانی کی قلت نے اُسے ایک نعمت غیر مترقبہ بنادیا تھا۔ اسی بنا پر بعض حدیثوں میں ہے کہ "سب سے اچھا صدقہ پانی ہے" چنانچہ تاریخ اسلام میں رفاہی خدمتوں کی بنیاد اسی سے شروع ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں میٹھا پانی نہایت کم یاب تھا۔ سارے مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جس کا نام بیئر رومہ تھا۔ آپ نے..... مسلمانوں کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ "کون ہے اللہ کا وہ بندہ جو اس کنوئیں کو خرید کر تمام مسلمانوں کیلئے وقف کردے؟" خداوند قدوس نے یہ سعادت اور رفاہِ عام کے سلسلہ میں یہ اولیت و افضلیت حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی قسمت میں رکھی تھی۔ انھوں نے زبان نبویؐ سے اس خواہش کو سُنا اور اپنے مال سے کنوئیں کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف فرمادیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سلسلہ میں نہ صرف اولیت و افضلیت ہی کا شرف حاصل ہوا بلکہ آپ نے کثرت سے کنوئیں کھدواکر مسلمانوں کیلئے وقف فرمائے۔ بیئر سائب، بیئر عامر، بیئر اریس آپ کے موقوفہ کنوئیں تھے اُس کے بعد تو گویا یہ ایک سنت خیر ہوگئی اور جس کو اللہ نے مقدرت دی اُس نے پانی کی عام کمی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ متعدد صحابۂ کرام نے متعدد کنوئیں کھدوائے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کی والدہ کا انتقال ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ ان کے لئے کونسا صدقہ بہتر ہوگا۔ ارشاد ہوا " پانی " چنانچہ انھوں نے اپنی ماں کی یادگار میں ایک کنواں کھدواکر وقف کردیا۔ مدینہ منورہ میں ایک اور کنواں تھا۔ جس کا نام بیئر ملک تھا، یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے وقف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب خلافت کا تاج زریں صحابۂ کرام رضؓ کے سر پر رکھا گیا تو انھوں نے اس صدقہ جاریہ کی طرف دل کھول کر توجہ کی اور بہت سے کنوئیں کھدوائے۔ اگرچہ پوری

ار کا احاطہ نہیں ہو سکتا لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء رضؓ نے پانی کی قلت کو
کرنے کے سلسلے میں بہت زیادہ اہتمام فرمایا۔ معجم البلدان ذکر تبوک میں ہے کہ
ں ایک کچا کنواں تھا جو ہمیشہ گر جایا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے اپنے
نے میں پختہ بنوایا۔

کنوؤں کے علاوہ حوض اور نہریں بھی صحابہ کرام رضؓ نے بکثرت کھدوائیں حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عامر رضؓ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انھوں نے
رفات میں بہت سے حوض بنوائے اور متعدد نہریں جاری کیں۔

نہریں کھدوانے کے سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی کافی پیش پیش رہے
ہیں۔ آپ نے دو نہروں کو فقرائے مدینہ پر وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک بار حضرت حسین رضؓ
پر کچھ قرض ہو گیا تھا۔ ایک صحابی نے ایک نہر کے بدلے دو لاکھ دینار دینا چاہے تو آپ نے
فرمایا کہ "یہ نہر میرے والد ماجد رضی اللہ عنہ وقف فرما چکے ہیں۔ میں اُن کے وقف کو
فروخت نہیں کر سکتا۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہروں کے جاری کرنے سے خاص شغف تھا
خلاصۃ الوفاء میں ہے۔ کان بالمدینۃ الشریفۃ وما حولھا عیون کثیرۃ وکان
لمعاویۃ اھتمام بھذا الباب۔ مدینہ منورہ اور قرب وجوار میں بہت ساری نہریں
تھیں۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ کو اس باب میں خاص شغف و انہماک تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو نہریں جاری کرائیں ان میں نہر کظامیہ،
نہر ارزق، نہر شہداء، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں آپ نے اس سلسلہ میں ایک اہم
کام یہ بھی کیا کہ پہاڑوں کی بعض گھاٹیوں کے ارد گرد بند بندھوائے۔ اور ان کو تالاب
کی شکل میں بدل دیا۔ جس میں پانی جمع ہوتا تھا۔ ان برگزیدہ ہستیوں نے ان اوقاف
کو صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں رکھا تھا بلکہ عام مخلوق اس سے متمتع ہوتی تھی

بعض اوقاف تو ایسے تھے جو صرف اقوامِ غیر کیلئے مخصوص تھے چنانچہ حضرت طلحہؓ نے ایک چشمہ خرید کر راہیوں اور مسافروں پر وقف فرمادیا تھا۔ مکہ اور مدینہ کے علاوہ اور بھی بہت سے شہروں میں صحابۂ کرام رضؓ نے نہریں جاری فرمائیں۔

صحتِ عامّہ تمدّن و معاشرت کو پروان چڑھانے میں حفظانِ صحت کا اہتمام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ہر چند کہ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں شفاخانوں اور اسپتالوں کی مستقل عمارتوں کا تو کوئی سراغ نہیں ملتا ہے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ خلفائے راشدینؓ کو صحتِ عامّہ کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ بالخصوص امیرالمومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عمومی حفظانِ صحت کے لئے اطباء سے مشورہ کرتے رہتے تھے اور عام مسلمانوں کو طبی ہدایات اور اصولِ معالجات سے مطلع فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جحفہ کے باشندوں نے آپؓ سے شکایت کی کہ ہمارا گاؤں ہمیشہ وبائی امراض میں مبتلا رہتا ہے، آپ نے اس بارے میں عرب کے مشہور و نامور طبیب حارث بن کلدہ سے پوچھا کہ "کیا تدبیر کی جائے؟" انھوں نے بتایا کہ "چونکہ جحفہ کی زمین مرطوب ہے اور وہاں پسّو اور مچھر بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور لوگوں کو کاٹتے ہیں۔ اسی لئے یہاں کے باشندے بیمار رہا کرتے ہیں۔ رہا علاج تو وہ یہ ہے کہ یہ لوگ گھی خوب کھائیں۔ کراثؒ استعمال کریں۔ خوشبو لگاتے رہیں۔ اور برہنہ پا نہ چلا کریں اور نہ ہی دن میں سویا کریں۔" حارث کی یہ دلچسپ توجیہ اور علاج امیرالمومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پسند آیا اور آپ نے اِن امور کے انجام دینے کی ہدایت فرمائی۔

بازار اور منڈیاں انسان کی تمدنی ضروریات کے لئے بازار بھی ایک جزو لاینفک ہے کیونکہ دیگر ممالک اور دیارِ غیر سے مال کے درآمد و برآمد کا سارا دار و مدار اُن ملکوں کے بازاروں پر ہوا کرتا تھا۔ اور تجارت کے فروغ اور ملک کی

له ایک قسم کی سبزی ۱۲

عام مفلوک الحالی کے دور کرنے کا بازار ہی ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ اگرچہ خلفاء اسلام کی اصلاحی کوششوں اور تعمیری جد وجہد سے قبل ہی عرب میں بڑے بڑے بازار لگتے تھے۔ جن کے نام آجتک تاریخ میں موجود ہیں۔ مثلاً عکاظ، ذوالمجنہ وغیرہ لیکن پھر بھی صحابۂ کرام نے متعدد بازاروں کی بنیاد ڈالی اور سلسلۂ تجارت کی ترویج وترقی میں اضافہ کرنے کی کوشش کی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں جب کوفہ آباد ہوا تو ایک نہایت ہی کشادہ اور وسیع جگہ بازار کیلئے مخصوص کرلی گئی۔ جب مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے حضرت فاروق اعظم رضؓ کے پاس کہلایا کہ ہم جامع مسجد کے قریب آپ کے لئے ایک مکان تعمیر کرنا چاہتے ہیں! آپؓ نے لکھ بھیجا کہ "میں تو حجاز میں ہوں اور میرے لئے مکان مصر میں تعمیر ہوگا کیا خوب؟ میرا حکم ہے کہ اِس جگہ بجائے میرے لئے مکان بنانے کے ایک بازار قائم کردو"! چنانچہ وہاں پر بازار قائم کردیا گیا۔ جسمیں زیادہ تر غلام فروخت کئے جاتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اس کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عامر رضؓ کو جب بصرہ کا عامل مقرر کیا۔ تو حضرت عبداللہ ابن عامر رضؓ نے وہاں ایک عظیم الشان بازار قائم کیا۔

غرض یہ کہ صحابۂ کرام رضؓ نے ایک طرف روحانی فیوض وبرکات سے دنیا کے دل بدل دئے اور دوسری طرف تمدنی اور معاشرتی اصلاحات کی طرف جو قدم بڑھایا تو اتنا آگے نکل گئے کہ آج ان اصلاحات پر بیسویں صدی عیسوی کی متمدن دنیا انگشت بدنداں ہے۔

قلعے اور چھاؤنیاں

عہد صحابہؓ میں فتوحات کا سلسلہ چونکہ جاری تھا اس لئے فوج کے نظم وتربیت کے لئے اور ان کے آرام وآسائش اور ملک کی حفاظت وصیانت کیلئے لازمی طور پر چھاؤنیوں اور قلعوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضؓ نے اپنے دور میں اِس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بہت سی چھاؤنیاں

قائم کیں اور بہت سے قلعے تعمیر کرائے۔

عموماً دستور یہ تھا کہ ساحلی مقامات پر جہاں سے بغاوت کا اندیشہ ہوتا وہاں کچھ فوج متعین کردی جاتی تھی جس سے ہر قسم کی شورش و بغاوت کا سدباب ہوتا رہتا تھا۔ لیکن یہ محض عارضی انتظامات تھے۔ قلعے اور چھاؤنیاں ان کے علاوہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں شام کا سفر کیا تو تمام سرحدی مقامات کا دورہ کرکے فوجی چھاؤنیاں قائم کروائیں۔ ساحلی مقامات کے مستقل انتظامات کیئے اور حضرت عبداللہ بن قیسؓ کو اسکا افسر کل مقرر کیا۔ ۱۹ھ میں جب یزید بن سفیانؓ کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع بھیجی کہ "سواحل شام کے استحکام کی زیادہ ضرورت ہے" حضرت عمرؓ نے فوراً حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی مرمت کی جائے اور ان میں فوجیں رکھی جائیں۔ دریائی راستوں پر پہرے بٹھائے جائیں۔ اور ہمیشہ آگ روشن کرنے کا ہوشیاری کے ساتھ سامان کیا جائے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر وغیرہ میں اس قسم کی بکثرت چھاؤنیاں قائم کرائیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اس چیز کو اور ترقی دی اور متعدد قلعے اور چھاؤنیاں معرض وجود میں آئیں۔

امیر معاویہؓ کو بحری راستوں کے استحکام کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں طرابلس فتح ہوا تو حضرت امیر معاویہؓ نے ایک بڑا قلعہ بنایا جس کا نام حصن سفیان رکھا۔ اس قلعہ کی تعمیر سے بحری حملے کا اندیشہ ختم ہوگیا۔ لاذقیہ۔ جبلہ اور انطرطوس کو حضرت ابوعبیدہؓ نے فتح کیا تو قدیم دستور کے موافق حفاظت کے لئے کچھ فوجیں متعین کیں۔ لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے تمام ساحلی استحکامات کے ساتھ یہاں بھی قلعے بنوائے —— جزیرۂ رودس فتح ہوا تو یہاں بھی حضرت معاویہؓ نے ایک قلعہ تعمیر کیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے بحری استحکامات کے علاوہ خاص

اہل مدینہ کے لئے بھی ایک قلعہ بنوایا جس کا نام قصر خل تھا۔

حمّام مصر میں اگرچہ بکثرت حمّام تھے۔ لیکن وہ نہایت گندے و نجس رہتے تھے۔ اس لئے حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک چھوٹا سا حمّام تیار کروایا۔ جس کو رومی، "حمام الفار" یعنی چوہوں کا حمام کہتے تھے۔

شہروں کی آبادی صحابۂ کرامؓ نے صرف اُن آبادیوں کی اصلاح وتعمیر پر بس نہیں کی جو پہلے سے موجود تھیں بلکہ خود بھی بڑے بڑے شہر آباد کئے اور بسائے، بصرہ، کوفہ، فسطاط۔ موصل، جیزہ، رویبل، مرعش۔ قیروان یہ سب انھیں بزرگوں کی توجہ کا نتیجہ ہیں۔ ان مذکورہ شہروں کے معرض وجود میں آنے کی ایک دلچسپ تاریخ ہے جو یہاں پر تطویل کے خوف سے ذکر نہیں کی جارہی ہے۔ اور یہ بات یہاں پر خاص طور سے نوٹ کی جائے گی کہ اِن سب شہروں کی آبادکاری کے پیچھے کسی نہ کسی طرح امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات عالی صفات کارفرما تھی۔

یہ تھے یثرب کے وہ چرواہے اور بادیہ نشین کہ جب انھوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام کر سفینۂ اسلام کو کامیابی وکامرانی اور تہذیب وتمدّن کی طرف موڑا تو دنیا تماشائے حیرت بن کر رہ گئی۔۔۔۔ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

Accession Number. 86078
Date 21.12.87

بارھویں قسط

منطق و فلسفہ ایک علمی و تحقیقی جائزہ

از۔ مولانا محمد اطہر حسین قاسمی بستوی

فاروق اعظمؓ کا ارشاد

جب سکندر بادشاہ قتلِ دارا کے بعد اس کی مملکت پر غالب اور اس کی کتابوں پر قابض ہوا تو علوم عقلیہ اہل فارس کی طرف منتقل ہو گئے مگر جب مسلمانوں نے بلاد فارس کو فتح کیا تو ان کا علمی ذخیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ ایران کے فاتح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جب ان کتابوں کا علم ہوا تو اس کی بابت امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ان کتابوں کو کیا کیا جائے؟

فاروق اعظمؓ نے جواب دیا!

"یہ ذخیرہ غرقاب کر دیا جائے کیونکہ اگر اس میں ہدایت ہے تو ہمارے پاس اس سے کہیں زیادہ ہدایت والی کتاب قرآن حکیم موجود ہے اور اگر اس میں ضلالت ہے تو اس سے ہمیں نجات ہوگی"

چنانچہ وہ کل ذخیرہ پانی کی نذر کر دیا گیا اور علوم فارس تقریباً ناپید ہو گئے۔ صرف اہل روم کا ذخیرہ باقی رہا۔ جو مشاہیر یونان کے پاس تھا۔

(ظفر المحصلین باحوال المصنفین ص۳۳۳)

امام غزالیؒ کی رائے

امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ فلسفہ کی حقیقت بیان کرتے ہیں!

"تہ بہ تہ تاریکیاں ہی تاریکیاں، اگر کوئی انسان اس طرح کا خواب بیان کرے

تو اس کو سوء مزاج کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ (تہافۃ الفلاسفہ)

دوسری جگہ لکھتے ہیں!

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح کی باتوں سے ایک دیوانہ بھی کیسے مطمئن ہوسکتا ہے اور کہاں یہ عقلاء جو بزعم خود بال کی کھال نکا لیتے ہیں۔ (تہافۃ الفلاسفہ ص۳۲)

امام غزالیؒ ایک مرتبہ مشہور فلسفی عمر خیام بن ابراہیم نیشاپوری کی مجلس میں گئے اور پرانے یونانی فلسفہ کے مطابق یہ دریافت کیا کہ فلک (آسمان) کے تمام اجزاء مساوی ہیں پھر کیا سبب ہے کہ فلک کے دو جزء (جنوبی و شمالی) قطبیت کے لئے متعین ہوئے اور دوسرے اجزاء نہ ہوئے۔ خیام نے اس اعتراض کا بڑا لمبا چوڑا جواب دینا شروع کیا، حرکت کی حقیقت اور اس کے اقسام کی تفصیل شروع کی لیکن بیہقی اور شہرزوری کا بیان ہے کہ نفس نقطہ اعتراض کا خیام نے کوئی جواب نہ دیا۔ بہرحال خیام کی یہ تقریر اتنی طولانی ہوئی کہ ظہر کا وقت آگیا اور مؤذن نے اذان دی، امام غزالیؒ یہ کہہ کر اٹھ گئے!

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ — حق آگیا اور باطل (فلسفیانہ بحث) رخصت ہوا

(سورۂ کہف) (خیام ص۱۴۹)

خیال فرمائیے کہ امام غزالیؒ فلسفہ کو کس نگاہ سے دیکھ رہے ہیں؟

علامہ ابن جوزیؒ کی رائے

علامہ ابن جوزیؒ حنبلی متوفی ۵۹۷ھ فلسفہ زدہ طبقہ کے بارے میں لکھتے ہیں!۔

"ان لوگوں کی بنسبت یہود و نصاریٰ اپنے عقائد میں معذور ہیں کیونکہ وہ اپنے عقائد کے پابند ہیں جن پر معجزات دلالت کرتے ہیں اور اہل بدعت بھی معذور ہیں کیونکہ وہ ادلۂ شرعیہ میں غور و فکر کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان لوگوں کے کفریات کی کچھ بھی سند نہیں بجز اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ فلاسفہ حکماء تھے، افسوس ان کو یہ خبر نہیں کہ انبیاء علیہم السّلام بھی حکماء ہیں بلکہ حکماء سے بھی آگے ہیں"

(تلبیس ابلیس اردو ص۶۲)

امام ذہبیؒ کا فرمان

امام شمس الدین ذہبیؒ کو خبر ملی کہ ابن تیمیہ حنبلیؒ نے معقولات کی کتابوں کا اشتغال شروع کر دیا ہے تو انھوں نے ابن تیمیہؒ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا!

"آپ بزعم خود یہ گمان کرتے ہیں کہ اپنے رسائل میں اسلاف کے عقائد لکھتے ہیں مگر آپ کا یہ سوچنا غلط ہے، آپ نے انھیں اپنی رائے اور عقل سے لکھا ہے، میں پہلے ہی آپ کو مطلع کر چکا تھا کہ فلاسفہ کا مطالعہ مت کیجئے مگر آپ نے نہ مانا، آپ فلسفہ نہیں زہر پی رہے ہیں۔ (فیض الباری شرح صحیح البخاری جلد چہارم ص ۳۳۳)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا قول

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ متوفی ۱۱۷۶ھ نے اپنی وفات کے وقت جو وصیتیں فرمائی اُن میں آخری وصیت یہ تھی!۔

"ہم میں نیک بخت وہ ہے جو عربی زبان اور صرف و نحو و کتب ادب سے مناسبت پیدا کرے اور حدیث و قرآن حاصل کرے اس کے علاوہ کتب فارسیہ و ہندیہ اور علم شعر و علم معقول وغیرہ اور بادشاہوں کی تاریخیں اور صحابہؓ کے مشاجرات ان کا دیکھنا گمراہی در گمراہی ہے اور اگر اقتضائے زمانہ کی وجہ سے دیکھے تو اتنا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ علم دُنیا ہے، اس سے نفرت کرے۔ اور استغفار و پشیمانی (الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص ۳۳۳)

شاہ اسحٰق دہلویؒ کا ارشاد

شاہ اسحٰق محدث دہلویؒ نے ایک روز ایک طالبعلم کو بےچین دیکھا، اس سے وجہ پوچھی تو اوّلاً اس نے متکبرانہ طور سے اغماض کیا کہ کچھ نہیں پھر اصرار کرنے پر بتایا کہ شمس بازغہ (فلسفہ کی کتاب) ایک مقام حل نہیں ہوا۔ اور استاذ سے اس کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ تین روز سے اس میں الجھا ہوا ہوں۔ شاہ صاحبؒ نے از روئے شفقت فرمایا کہ ذرا ہمیں تو دکھاؤ۔

اُس نے یہ سمجھکر کہ یہ محدث علم حدیث کے ماہر ہوں گے فلسفہ کی کتابوں سے ان کا کیا واسطہ، بڑے استغناء کے ساتھ کتاب اُن کے آگے رکھدی۔ شاہ صاحب نے اس مقالہ کا مطالعہ کر کے اس کی ایسی واضح تقریر کردی کہ اس کے سب شبہات جاتے رہے، اب تو یہ طالب علم قدموں میں گر پڑا، شاہ صاحبؒ نے فرمایا "میاں ہم نے پڑھا سب کچھ ہے مگر اس کو لغو سمجھ کر چھوڑ رکھا ہے۔" (مجالس حکیم الامت ص۲۳۶)

حضرت گنج مرادآبادیؒ کا ارشاد

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی متوفی ۱۳۱۳ھ کی خدمت میں ایک بار کانپور کے مشہور مدرس پہونچے، مولانا حسب عادت پوچھا کہ کیا پڑھاتے ہو؟ انھوں نے سب علوم کا نام بتایا مگر معقول کو زیادہ بتایا، مولانا نے فرمایا!-

"منطق کے زیادہ پڑھانے سے قلب سیاہ ہوجاتا ہے، حدیث وفقہ پڑھایا کرو، دیکھو اگر کسی کے آنکھ ہو تو ہم بتادیں اور دکھاویں کہ مولوی عبدالحیؒ مرحوم کی قبر میں کیا حالت ہوئی کہ قبر ان کی منور رہے، ہدایہ کا حاشیہ لکھنے کے سبب سے اللہ نے ان کو اس درجہ میں رکھا ہے، قاضی مبارک کو دیکھو کہ معقول کے اشتغال سے کیا حالت ہوئی۔ (تذکرہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ ص۵۶)

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ لکھتے ہیں کہ میں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی خدمت میں گیا، آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا قاضی مبارک (منطق)، فرمایا!-

"استغفر اللہ نعوذ باللہ، قاضی مبارک پڑھتے ہو اس سے حاصل؟ ہم نے فرض کیا کہ تم منطق پڑھکر قاضی مبارک کے مثل ہوگئے پھر کیا؟ قاضی مبارک کی قبر پر جاکر دیکھو کہ کیا حال ہے اور ایک بے علم کی قبر پر جاؤ جس کو خدا سے نسبت تھی اس پر کیسے انوار و برکات ہیں۔ (تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ ص۱۰۱)

حضرت گنگوہیؒ کے ارشادات

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا صدیق احمد انبہیٹویؒ نے دارالعلوم دیوبند کے بارے میں ایک خواب دیکھا جس کی اطلاع حضرت گنگوہیؒ کو دی اور اس کی تعبیر دریافت فرمائی، حضرت گنگوہیؒ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی!

"بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس حقیر کا خیال ہر روز سے ہے کہ فلسفہ محض بیکار امر ہے، اس سے کوئی نفع معتد بہ حاصل نہیں سوائے اس کے کہ دو چار سال ضائع ہوں اور آدمی خر دماغ غبی دینیات سے ہو جائے، فہم کج و کور فہم شرعیات سے ہو جائے اور کلمات کفریہ زبان سے نکال کر ظلمات فلاسفہ میں قلب کو کدورت ہو جائے اور کوئی فائدہ نہیں، لہذا اس فن خبیث کا اس مدرسہ سے اخراج کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک سال سے اس کی پڑھائی مدرسہ دیوبند سے موقوف کر دی گئی مگر بعض بعض مدرسین اور طلباء کو اس کا خیال چلا جاتا اور شاید خفیہ خفیہ درس بھی ہوتا ہو۔"　　(مکاتیب رشیدیہ جلد اوّل ص ۳۸)

حضرت گنگوہیؒ کا منطق و فلسفہ کے ساتھ تنفر عداوت کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جو میرا مرید اور شاگرد فلسفہ کا شغل رکھے گا وہ میرا مرید اور شاگرد نہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اس منطق و فلسفہ سے تو انگریزی بہتر کہ اس سے دنیا کے نفع کی تو امید ہے۔

(تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۵۱)

تاریخ مظاہر میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ ۱۳۱۰ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لائے اور اہل مدرسہ کے اصرار پر بعض طلباء کا امتحان بھی لیا اور اس کے بعد ایک معائنہ تحریر فرمایا جس کے چند الفاظ یہ ہیں!۔

"مہتمم صاحب کو ضروری ہے کہ اس امر میں سعی فرمادیں کہ طلباء حدیث و فقہ کو بغور و تدبر پڑھیں کہ اصل مقصد بناء مدارس سے یہ ہے اور بس اور دیگر فنون یا خادم

مبادی اس کے ہیں جیسے فنونِ عربیہ داد بیہ و اصول یا نحل و مضر اس کے جیسے فلسفہ جہل مرکب۔ (فضائل زبان عربی ص۱۳۱)

ایک مرتبہ ایک طالب علم نے آپ کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں اپنے حالات سے آپ کو مطلع کیا اور اپنی تعلیم کے متعلق آپ سے مشورہ طلب کیا، آپ نے اس کا جواب ارسال فرمایا!۔

"آپ کا خط آیا، بندہ کے نزدیک کتب دینیہ کا پورا کرنا عمدہ ہے اور ادب کی چنداں ضرورت نہیں، ایک دو کتاب بھی کافی ہے اور کتب دینیہ کے درس کو شغلِ باطن پر ترجیح دیتا ہوں، سو اگر اتمام کتب دینیہ کا مراد آباد ہی ہو جائے تو عمدہ ہے، کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے ورنہ چندے قیام مراد آباد رکھو پھر جیسا ہووے گا کرنا اور معقول کا خیال ہر گز مت کرنا۔ (مکاتیب رشیدیہ جلد اوّل ص۱۲۴)

مولانا شیروانی کی رائے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں علماء کو خطاب کرکے فرمایا!

"اس وقت ضرورت ہے کہ دین کو یونانیت کی گرانباری سے نجات دیکر طلباء کے سینے ان انوار نبوت سے معمور کئے جائیں جو براہِ راست مشکوٰۃ نبوت سے منعکس ہوں، معلوم نہیں کہ علوم دین کا نام لے کر کب تک ارسطو و افلاطون کے علمبردار ہمارے مدارس رہیں گے۔ صدیوں سے نوبت یہ ہے کہ حکمائے یونان دینِ اسلام کے حاجب بنے ہوئے ہیں جس طرح خلفاء بغداد کے حاجب ہوتے تھے۔

(نواب صدر یار جنگ ص۱۱۶)

(بقیہ صفحہ ۵ کا)

اس لئے اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ شارع حقیقی اللہ ہے۔ تشریع کہئے یا تحلیل و تحریم اللہ کا حق ہے۔ انبیاء و رسل خدا کی شریعت و قانون کے مبلغ اور شارح ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کَلَامِیْ لَا یَنْسِخُ کَلَامَ اللّٰہِ۔ (میرا اجتہادی کلام یا میری ذاتی رائے اللہ کے کلام کو نہیں بدل سکتی) حاصل یہ کہ خدا کے نازل کردہ قانون میں خود انبیاءؑ بھی کوئی ترمیم نہیں کر سکتے۔

اس اصولی بات کو مثالوں کی مدد سے یوں سمجھئے کہ جب خدائی قانون ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ (ترجمہ) وہ طلاق دو مرتبہ ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ۔

تو دنیا کا کوئی قانون طلاق کو کالعدم اور بے اثر نہیں بنا سکتا۔ اور جب خدا نے ماں، بہن اور مشرکہ عورت سے مرد کے نکاح کو اور مشرک مرد سے عورت کے نکاح کو حرام قرار دیا ہے تو کسی قانون سے ان کے ساتھ نکاح حلال نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح خدا نے لڑکے اور لڑکی کو میراث میں برابر نہیں قرار دیا ہے تو کسی قانون کے ذریعہ ان دونوں کو برابر حق نہیں دیا جا سکتا۔ اور جب خدائی قانون میں سود حرام ہے تو کسی انسانی قانون سے حلال نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ۔

اسلامی شریعت کا بہت بڑا حصہ وحی الٰہی کے ذریعہ (وحی متلو یا غیر متلو) بعینہ نازل ہوا ہے، جو قرآن کریم اور دفاتر حدیث میں پھیلا ہوا ہے۔ اور کچھ حصہ وحی الٰہی سے نازل شدہ احکام و قوانین کے دلالات و اشارات کی مدد سے قرآن و حدیث اور عربی زبان کے خصوصی ماہروں نے جو ان احکام و قوانین پر حیرت انگیز طریقہ سے حاوی تھے قانون کے منشاء کو سمجھ کر ظاہر و نمایاں کیا ہے۔ جو مختلف مدارسِ اجتہاد و مکاتب فقہ کی مساعی جمیلہ سے کتب فقہ میں مدوّن ہے۔

اسلامی شریعت یا مسلم پرسنل لا کے اس حصہ میں بھی کوئی ترمیم اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ ترمیم کے لئے ضروری ہے کہ وہ نازل شدہ قانون کے منشاء کے مطابق ہو اور قانون میں اس کا کوئی اشارہ یا اصل پر کسی طرح کی دلالت پائی جاتی ہو۔ اسی وقت وہ ترمیم مسلم پرسنل لا میں شامل ہونے کی مستحق ہوگی۔

اور آج دنیا کے کسی حصہ میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس میں وہ صلاحیت اور اہمیت موجود ہو، جو

قانون کے منشار کو کماحقہٗ سمجھنے کے لئے۔ اس نازل شدہ قوانین کی تشریح یا تفریع یا ان سے اخذ و استنباط کے لئے درکار ہے۔

اس کے علاوہ اس میں کسی ترمیم کی شرعی و دینی نقطۂ نظر سے کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اسلئے کہ مجموعی مسلم پرسنل لا میں مسلمانوں کے لئے پیش آنے والی ہر مشکل کا حل، ہر نئے حادثہ کا حکم اور ہر زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر نازل شدہ قانون کی کوئی ایک بھی تشریح یا تفریع کسی زمانہ میں ناکافی یا ناممکن العمل ہو، یا قانون کے منشار کو پورا نہ کرتی ہو تو کسی معتمد مکتب اجتہاد کی تشریح یا تفریع کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ کام کسی بھی لادینی، یا نام نہاد دینی و اسلامی حکومت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے اور اس کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کا خاص مذہبی معاملہ ہے۔ ایسے مواقع میں کسی بھی اشکال کا حل تلاش کرنا اور قانون کی متبادل تشریح یا تفریع کی جستجو کرکے اس کو بروئے کار لانا متدین و مستند، وسیع النظر و دقیقہ رس، نیز پختہ کار علمار کی جماعت کا فرض اور حق ہے۔

مصر و شام و مراکش کا نام لے کر اسلامی پرسنل لا میں جس ترمیم کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کو ترمیم کہنا ایک فریب ہے۔ وہ ترمیم نہیں ہے بلکہ دوسرے مکتب اجتہاد کی یہی متبادل تشریح یا تفریع ہے جس کو کسی سابق تشریح یا تفریع کی جگہ بر ضرورت کی بنا پر لایا گیا ہے۔ اور اس کو مستند علمار کی ایک جماعت نے مرتب کیا ہے۔

بہرحال ترمیم کا تخیل تو ایک ملحدانہ تخیل ہے یا اس میں اسلام دشمنی کا جذبہ کارفرما ہے۔ یا انتہائی ناواقفیت پر مبنی ہے لیکن اسلامی پرسنل لا کی تفریعات کو وسعت دینے اور اس کے مضمرات کو نمایاں کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ تاکہ اس سائنسی دور کے حوادث اور وقت کے نئے پیدا شدہ مسائل میں اسلامی پرسنل لا کی رو سے ایک راہِ عمل متعین ہوسکے۔ وقت کا یہ نہایت اہم اور ضروری کام ہے، اور اس کو صرف متدین و مستند علمار قرآن و حدیث اور بالغ نظر فقہار ہی انجام دے سکتے ہیں۔ اسمیں بھی کسی دوسری جماعت یا طاقت کی مداخلت قطعاً بے جا مداخلت اور ناقابلِ برداشت ہے۔

دستخط۔ (حضرت مولانا) حبیب الرحمٰن (صاحب اعظمی مدظلہم)

Dr. Zakir Hussain Library Jamia Nagar

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

25 NOV 1985

دارالعلوم

Nov. 85
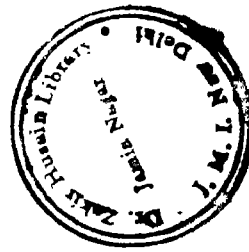
دارالعلوم دیوبند کا ترجمان
ماہنامہ
دارالعلوم
شمارہ نمبر ۲ | بابتہ ماہ نومبر ۱۹۸۵ء مطابق صفر ۱۴۰۶ھ | جلد نمبر ۶۹
نگراں
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
مدیر
مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی
قیمت فی پرچہ ۳/- روپے ؛ سالانہ ۳۰/- روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے { سعودی عرب، کویت، ابوظہبی ایرمیل ۱۱۵/- جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ ۱۲۵/-
امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل ۱۴۵/- پاکستان بذریعہ ایرمیل ۶۰/- بنگلہ دیش ۳۰/-
محبوب پریس دیوبند ۔ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہوگیا ہے

فہرست مضامین

ہندوستانی اور پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اوّل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپے مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والا تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان (پاکستان) کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط و کتابت کے وقت خریدار نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن قاسمی

محمد احمد خاں بنام شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ نے مسلمانانِ ہند کے اندر ایک عام بےچینی اور اضطراب پیدا کر دیا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ حکومت اپنے سابقہ بیانات اور وعدوں میں مخلص نہیں ہے

چنانچہ اس فیصلہ اور اس پر حکومت کی معنیٰ خیز خاموشی کے مضمرات اور اس سے پیدا شدہ نتائج پر غور و فکر کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ۱۱ر۱۲ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کو دارالحکومت دہلی میں دو روزہ "علماء کانفرنس" ہوئی جس میں یو، پی، بہار، دہلی، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، گجرات، مدھیہ پردیش، بنگال، آسام، ہریانہ، ہماچل، راجستھان، کرناٹک، ٹامل ناڈو، اڑیسہ، تری پورہ، پنجاب، کشمیر وغیرہ صوبوں کے تقریباً چھ سو اہل فتویٰ، ارباب مدارس صاحبِ تصانیف اسلامی علوم کے ماہرین اور دانشوروں نے شرکت کی۔ عالم اسلام کے نامور عالم دین، محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے کانفرنس کی صدارت اور جمعیۃ علمائے ہند کے صدر حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم نے افتتاح کیا۔

حضرت مولانا مدنی نے افتتاحی خطاب میں شرکائے اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد احمد خاں بنام شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ ہم سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنے پرسنل لاء کی حفاظت و بقاء کے بارے میں کوئی لائحۂ عمل طے کریں۔ مولانا موصوف نے حکومت ہند کو بھی متنبہ کرتے ہوئے کہا ہم صاف لفظوں میں حکومت کی مجالس علایہ، مقننہ اور انتظامیہ کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے پرسنل میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ اور مداخلت برداشت نہیں کر سکتے۔

اجلاس میں شریک علماء نے بھی اس سلسلے میں اپنی رایوں کا اظہار فرمایا اور تقریباً ۳۵ حضرات نے مقالات میں پیش کئے مگر وقت کی طوالت کی بناء پر تمام مقالات پڑھے نہیں جا سکے البتہ ان کا خلاصہ اجلاس میں سنا دیا گیا ان مقالات اور تقریروں سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر تمام حضرات متفق ہیں اور سب ہی اس فیصلہ کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے اپنے عائلی قوانین میں مداخلت سمجھتے ہیں جو دستور ہند کی دی ہوئی ضمانت کے سراسر خلاف اور منافی ہے

آخری روز کانفرنس نے متفقہ طور پر چند تجویزیں منظور کیں جن میں سے ایک اہم تجویز یہ ہے —— علمائے ہند کا یہ نمائندہ اجتماع اپنی پوری علمی ومذہبی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ قرآن اور اسلامی قانون کی رو سے مطلقہ عورت کے لئے مہر اور عدت کے نفقہ اور بعض مطلقہ عورتوں کے لئے متاع کے سوا کوئی دوسری چیز واجب نہیں ہے اسی طرح پوری ذمہ دارانہ تحقیق کے بعد اعلان کرتا ہے کہ "متاع" مطلقہ کی دلدہی اور اشک شوئی کے طور پر ایک وقتی امداد ہے جس کا ایک بار مطلقہ کو دینا مستحب یا واجب ہے۔ جس کی کوئی تحدید بھی نہیں ہے۔ بلکہ قرآن پاک کی تصریحات کے مطابق طلاق دینے والے کی مالی حیثیت کے مناسب ہے۔ اس لئے سپریم کورٹ کا اپنے فیصلہ میں قرآن کا حوالہ دینا قرآن پاک میں تحریف اور اسلامی قانون میں مداخلت ہے۔ اگر کوئی مسلم حکومت یا بڑی سے بڑی علمی شخصیت بھی ایسا کرے تو مسلمان اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔

علمائے ہند کا یہ نمائندہ اجتماع ان تمام تبدیلیوں کی مذمت کرتا ہے اور انھیں مسترد کرتا ہے اس کے علاوہ وہ تمام قوانین جو حکومتِ ہند یا ریاستی حکومتوں نے قانون میراث میں ترمیم کر کے بنائے ہیں۔ جس کی رو سے عورتیں زرعی زمینوں کی وراثت سے محروم کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ اور ۱۲۷ میں بیوی اور لڑکے کی نئی اور انوکھی تعریف کر کے مسلم پرسنل لاء کے بہت سے اصول کو مسخ کر دیا ہے۔ اس لئے علماء کا یہ نمائندہ اجتماع مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان تمام دفعات نیز آرٹیکل ۴۴ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دے جن کی زد مسلم پرسنل لاء پر

پڑتی ہے اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے عائلی مسائل میں مداخلت کے دروازے کو بند کر دے۔

اس اہم تجویز کے ساتھ کانفرنس نے متفقہ طور پر مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات و مسائل شریعتِ اسلامی کے اصولوں کے مطابق طے کریں بالخصوص نکاح و طلاق، وراثت وغیرہ کے معاملات کا تصفیہ وہ اپنی شرعی پنچایتوں میں کرایا کریں کانفرنس نے جمعیۃ علماء ہند اور دیگر مسلم تنظیموں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ ملک میں زیادہ سے زیادہ شرعی پنچایتیں قائم کریں تاکہ مسلمان اپنے پیش آمدہ مسائل میں آسانی کے ساتھ ان کی جانب رجوع کر سکیں۔

جمعیۃ علماء ہند کی اس کوشش کے علاوہ مسلم پرسنل لا بورڈ بھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مدظلہما کی نگرانی میں اس فیصلہ کے خلاف تحریک چلا رہا ہے۔ اب تک ملک کے مختلف صوبوں میں مسلمانوں کو بیدار کرنے اور انھیں صحیح سمت بیجانے کی غرض سے متعدد اجلاس کر چکا ہے جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ حکومت کے اربابِ حل و عقد سے بھی گفت و شنید کا سلسلہ قائم ہے۔

دوسری طرف اربابِ قلم اخبارات و رسائل میں اس فیصلے کے خلاف مسلسل مضامین و مقالات لکھ رہے ہیں غرضیکہ ہر سطح سے علمائے دین، قائدین ملت، اربابِ علم و دانش اور اصحابِ درس و افتاء اس غیر منصفانہ فیصلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں۔ اور پورا مسلم معاشرہ عدلیہ کے اس غیر عادلانہ فیصلے سے جس کی زد براہ راست اسلامی قوانین پر پڑرہی ہے کرب و بیچینی محسوس کر رہا ہے۔ لیکن حکومت اس طرح گم سم بیٹھی ہے گویا اس کے سامنے کوئی مسئلہ ہی نہیں ان ساری صداؤں کا کوئی مفہوم ہی نہیں اور یہ کرب و اضطراب لائق التفات نہیں۔

اس لئے مسلمانانِ ہند بالخصوص زعمائے قوم اور قائدین ملت کا فرض ہے کہ وہ وقت کی رفتار کو دیکھیں اور حکومت کے تیور کو سمجھیں اور فیصلہ کریں کہ انھیں ملک عزیز میں دوسروں کے رحم و کرم پر رہنا ہے یا اپنی تعمیر و ترقی خود اپنے طور پر کرنی ہے۔ اگر آج انھوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تو جان لیں کہ وقت انھیں پھر اس کا کبھی موقع نہیں دیگا۔

جب کی نہ دوائے دردِ دروں، پھر چارہ گر کہنے ہو کیوں ✱ ہر درد کا درماں ہوتا ہے ہر زخم کا مرہم ہوتا ہے
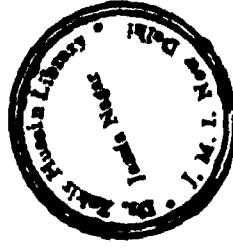
نیت کے بگاڑ و بداعمالی کا فساد

از:۔ ڈاکٹر ماجد علی خاں ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

قرآن کریم (سورۂ کہف) میں دو بھائیوں کا ایک واقعہ بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ کچھ مفسرین کے مطابق اگلے زمانہ میں ایک مالدار شخص کا انتقال ہوگیا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد ان دونوں نے مال آدھا آدھا تقسیم کرلیا۔ ایک بھائی نے اپنے حصے کے مال سے زمین خریدی جس میں دو طرف انگور و کھجور کے باغ لگائے اور درمیان میں کھیتی کی۔ بیچ میں (ندی کاٹ کر) ان کی آبیاری کے لئے ایک نہر کھودی۔ اُن باغوں میں خوب پھل آئے اور کھیتی بھی اچھی ہوئی۔ وہ خوب عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ٥ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ٥ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ج

(الکہف ۳۲ - ۳۴)

اور (اے محمدؐ) (آپ) ان کو دو شخصوں کی مثال بھی سنا دیجئے کہ جن میں سے ایک کے لئے ہم نے انگور کے دو باغ تیار کئے اور ان کے اردگرد کھجوریں لگائیں اور ان کے درمیان کھیتی بھی لگائی۔ (اور) دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہیں رہتی تھی۔ اور ان (دونوں) باغوں کے بیچ ایک نہر بھی جاری کی۔ اور اس شخص کے پاس

بہت پھل ہو گئے (یعنی بہت مالدار ہو گیا)

دوسرے بھائی نے اپنا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کیا۔ اور قناعت سے زندگی بسر کی جبکہ مالدار بھائی اپنے باغات اور مال کے زعم میں اللہ اور آخرت کو بھول گیا۔ وہ اپنے غریب لیکن متقی بھائی کو طعنے دینے لگا اور یہ دعویٰ کرنے لگا کہ اس کی کھیتی و باغات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ○ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ○ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ○

(الکہف ۳۴ - ۳۶)

(ایک دن اس مالدار شخص نے) باتیں کرتے ہوئے اپنے اُس دوسرے ساتھی (بھائی) سے (اترا کر کہا (دیکھ!) میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور آدمیوں (کی قوت) میں بھی۔ اور (اسی حال میں) وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں پہنچا اور کہنے لگا کہ میں یہ گمان نہیں کرتا ہوں کہ یہ (کھیتی و باغات) کبھی برباد ہوں گے (یعنی ہمیشہ رہیں گے) اور نہ ہی میں یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت آئے گی (اور اگر بالفرض) میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی گیا تو وہاں پر ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا۔

اس کو اس کی بداعمالیوں کے نتائج سے ڈرایا گیا اور کہا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تیری بداعمالیوں پر اس باغ و کھیتی پر اپنا عذاب نازل کردے اور نہر کا پانی خشک کردے۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

اس (مالدار شخص) کے ساتھی (بھائی) نے باتیں کرتے ہوئے اس سے (جواب کے طور پر) کہا کہ کیا تو اُس ذات پاک کے ساتھ کفر کرتا ہے

ثُمَّ سَوّٰكَ رَجُلًا ؕ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ؕ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ؕ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ؕ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ؕ

(الکہف: ۳۷ - ۴۱)

جس نے تجھ کو (اوّل) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تجھ کو صحیح وسالم آدمی بنایا۔ لیکن میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) میرا رب (حقیقی) ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور تو جس وقت اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو تو نے یوں کیوں نہیں کہا کہ جو اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اور بدون خدا کی مدد کے (کسی میں) کوئی قوت نہیں۔ اگر تو مجھ کو مال اور اولاد میں کمتر دیکھتا (اور تکبر کرتا ہے) تو مجھ کو وہ وقت نزدیک معلوم ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ کو تیرے باغ سے اچھا باغ دیدے اور اس (تیرے باغ) پر کوئی تقدیری آفت آسمان سے بھیج دے جس سے وہ باغ دفعۃً ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے۔ یا اُس سے اس کا پانی بالکل اندر (زمین میں) اُتر کر خشک ہو جائے پھر تو اس کی کوشش بھی نہ کر سکے۔

اس تنبیہ کے باوجود وہ مالدار شخص تکبّر اور اترانے سے باز نہیں آیا اور اللہ کی نعمتوں کا کفر کرتا رہا۔ جب اس نے اپنی بداعمالیوں اور بداعتقادیوں کو نہیں چھوڑا تو آخر اُس کے باغ کا وہی حشر ہوا جس کے بارے میں اس کو تنبیہ کی گئی تھی۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ اور (بدعملی کے نتیجہ میں) اُس شخص کے پھلوں

عَلٰی مَآ اَنْفَقَ فِیْھَا وَھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَکُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا کَانَ مُنْتَصِرًا ۝ ھُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط ھُوَ خَیْرٌ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ عُقْبًا ۝

(الکہف:- ۴۲ — ۴۴)

(اور مال) پر آفت آہی پڑی۔ پھر تو وہ جو کچھ کہ اُس نے اپنے ------ باغ میں خرچ کیا تھا اُس پر ہاتھ ہی ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا۔ اور (اب وہ) کہنے لگا کاش کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور (اب) اسکے پاس کوئی ایسا مجمع (بھی) نہیں تھا جو خدا کے علاوہ اس کی مدد کرسکتا اور نہ وہ خود ہی (ہم سے) انتقام لے سکا۔ ایسے موقع پر مدد کرنا اللہ برحق کا ہی کام ہے۔ اُسی کا ثواب سب سے اچھا اور اسی کا نتیجہ سب سے اچھا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ صرف بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے جبکہ دوسرے مفسرین اس کو ایک حقیقی واقعہ بتاتے ہیں جو بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے ساتھ پیش آیا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر از امام فخر الدین رازی ج ۵ ص ۱۶۷)۔ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی مکہ میں ایک مسلمان اور ایک مشرک کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی۔ ج ۶ ص ۳۲، ۳۳)

قرآن کریم تا قیامت انسانیت کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ چاہے تمثیلی ہو یا حقیقی اُن تمام لوگوں کے لئے سبق آموز ہے جو اپنے ذرائع و وسائل کے زعم میں آکر اپنے یقین و اعمال اور نیت کو بگاڑ لیتے ہیں۔ موجودہ دور میں جب انسان کے پاس کسی غیر ملکی ملازمت یا تجارت وغیرہ کے ذریعہ ایکدم دولت کی فراوانی ہو جاتی ہے تو وہ

آپے سے باہر ہوجاتا ہے۔ اترانا اور تکبر کرنا اس کا شعار بن جاتا ہے۔ خود اپنے گھر کے لوگ اور اپنے احباب و دوست اُس کی نظر میں گر جاتے ہیں۔ چال میں ایک خود نمائی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اللہ کو بھول جاتا ہے۔ اس مرض میں آجکل غیر مسلموں سے زیادہ مسلمان مبتلا ہیں۔

اسی طرح جب کھیتوں اور باغات میں اچھی فصلیں آتی ہیں تو افراد تو افراد حکومتیں تک اترانے لگتی ہیں۔ اور لوگ اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے الٹا اس کی نافرمانی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ فصل پر تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کی خاطر اناج سستا کرنے کی جگہ اناج اور زیادہ مہنگا کرنے کے پلان و اعلانات پہلے سے کر دئے جاتے ہیں۔ (انسانوں کے دوٹوں کی محتاج اور ان کے اشاروں پر ناچنے والی حکومتیں اللہ کے فرمانوں کو بھولکر اُن کی غلط دلجوئی کر کے ووٹ حاصل کرنے کی غرض سے فصل پر بھی اناج کی قیمتیں بڑھانے کا اعلان کر دیتی ہے)

انسان کی نیت و اعمال کے اس فساد کے اثر سے آسمانی آفات و بلیات نازل ہوتی ہیں۔ موسم خراب ہوجاتا ہے۔ بلا موسم کی زبردست بارشیں ہوتی ہیں یا کثرت سے سیلاب آتے ہیں اور انسان کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

کاش کہ ہم لوگ اپنی نیت و اعمال کو درست کرنے کی فکر کرتے، اللہ واحد کے علاوہ دوسرے معبودوں کے سامنے سجدہ ریزی نہیں کرتے اور اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے تو پھر آسمان سے خیر و برکات نازل ہوتیں اور انسان دنیا و آخرت میں سرفراز ہوتا۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (ھود : ۵۲)	اور اے میری قوم تم اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر خوب بارشیں برسائے گا اور (ایمان و عمل کی برکت سے) تم کو اور قوت دے کر تمہاری (موجودہ) قوت میں ترقی کر دیگا۔ بس مجرم رہ کر (ایمان و عمل سے) اعراض مت کرو۔ (سورۂ ھود)

مطالعات و تعلیقات

از۔ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

انسانیت کے خیر خواہ

حضرت زبیر بن عوام رضی کی اولاد میں ایک بزرگ عامر بن عبداللہ ہوئے ہیں۔ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد و زاہد اور باخدا بزرگ تھے۔ اُن کے حال میں لکھا ہے کہ۔

وھو الـذی سُرقت نعله فحلف ان لایشتری نعلاً مخافة ان یسرقھا مسلم فیاثم فی سرقته (المعارف ص۹۹)

یعنی ایک مرتبہ اُن کا جوتا چوری ہوگیا تو انھوں نے قسم کھائی کہ اب وہ اس ڈر سے جوتا ہی نہیں خریدیں گے کہ اُسے کوئی مسلمان چرالے اور اس کی وجہ سے گناہگار ہو۔

اللہ اکبر! مسلمانوں کے نزدیک اپنے بھائی کی خیرخواہی اور اس کی بھلائی چاہنے کے کیا کیا ڈھنگ ہوا کرتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ ایک مسلمان صرف اس لئے زندگی بھر جوتا نہ استعمال کرے، کہ اگر کوئی مسلمان اُسے چوری کرے گا تو ایک بھائی کے جوتے کی وجہ سے دوسرا بھائی گناہگار ہو جائے گا، اور یہ بات ہو جائے گی کہ فلاں آدمی کی جوتا جیسی معمولی چیز کی وجہ سے ایک آدمی چور بنا اور گناہ کا مرتکب ہوا، انسانیت کی خیرخواہی اور اپنی ذات سے کسی کو ضرر نہ پہونچنے دینے کا یہ اہتمام ہم تم نہیں کر سکتے، مگر اللہ کے نیک بندے، اس سے بھی بچتے ہیں کہ کسی بھائی کے ضرر کی نسبت کسی وجہ سے اُن کی طرف ہو اور کم از کم اتنا ہی کہا جائے گا کہ فلاں آدمی فلاں صاحب کا

جوتا چوری کرکے سزا کا مستحق ٹھہرایہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے کہ اگر ہماری کوئی چیز کوئی چوری کرے تو ہم اس کا استعمال ہی بند کر دیں۔ بلکہ ہمیں اس کے استعمال کا پورا پورا حق ہے اور چور کو سزا دلانے کی ضرورت ہے۔ اسے معاف نہیں کیا جائے گا، بلکہ یہ تقویٰ، خدا پرستی، عبدیت وبندگی، بندوں کی خیر خواہی اور احتیاط و پرہیز گاری کا انتہائی بلند مقام ہے جس پر اللہ کے نیک بندے فائز ہوتے ہیں، اور نیکی وانسانیت کی روشنی کے مینار بن کر انسانی بستیوں میں روشنی پھیلاتے ہیں، ایسے مقدس اور اونچے حضرات ان بستیوں میں اور ان لوگوں میں ہوتے ہیں جہاں ایسے گئے گذرے اور بدکردار لوگ ہوتے ہیں جو مسجدوں سے جوتے چرا چرا کر اپنے ضمیر کو جوتا خور بنائے رہتے ہیں۔ اور جب اللہ کے بندے اللہ کی بندگی میں لگ جاتے ہیں تو یہ لوگ ان کے جوتوں کی چوری میں لگ جاتے ہیں اور جس وقت نیک بخت خدا کی جناب میں عبادت کیلئے کھڑے ہوتے ہیں ---------- اسی وقت میں یہ بدبخت چوری کرتے ہیں، دونوں مسجد میں ہوتے ہیں مگر ایک عبادت کرتا ہے اور دوسرا چوری کرتا ہے یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جس معاشرہ میں انسانیت کے ایسے خیر خواہ ہوتے ہیں جو دوسروں کے گناہ اور ضرر میں مبتلا ہونے کے ڈر سے اپنے آرام کو تج دیتے ہیں، اس معاشرہ میں گناہ گار بہت کم ہو جاتے ہیں اور ان کے اس ایثار کی قدریں چوروں، ڈاکوؤں کو انسانیت کے سانچے میں ڈھال دیتی ہیں، ہمارا تو یقین ہے کہ حضرت عامر بن عبداللہؓ کے اس فیصلہ کے بعد ان کی بستی میں جوتا چرانے کی واردات ہی ختم ہوگئی ہوگی، چور بھی تو آخر انسان ہوتے ہیں ان پر اچھے کردار کا اثر کیوں نہیں پڑے گا۔

جھوٹا وصیت نامہ ایک وصیت نامہ ہمارے بچپن سے ہر سال دو سال کے وقفہ کے بعد کمزور عقیدہ کے جاہلوں اور اسلام کے بدخواہوں کی طرف سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ یوں نکلتا رہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے اس میں چند اچھی باتوں کی ہدایت کی جاتی ہے اور ساتھ ہی چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کی طرف منسوب

کی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ جو جان بوجھ کر اس قسم کے جھوٹ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ جہنم کے سزاوار ہیں، آپؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قصداً میرے اوپر جھوٹ کی تہمت لگائے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے نہ معلوم کون سید احمد ہے جو کہتا ہے کہ میں نے ایک رات مدینہ منورہ میں حضورؐ کو خواب میں دیکھا اور آپ نے فلاں فلاں وصیت کی۔ ہمارے بچپن میں قیامت کی علامتوں میں سن اور سال کی تعیین ہوتی تھی، مگر چونکہ وہ زمانہ گذر گیا اور یہ جھوٹ ظاہر ہو چکا۔ اس لئے اب بڑی چالاکی سے سن اور سال تبائے۔۔۔ بغیر ستارہ طلوع ہونے اور توبہ کا دروازہ بند ہونے کی بات ہوتی ہے اور یہ کہ اس پرچہ کو اتنی تعداد میں تقسیم کرنے والا روپیہ پائے گا۔ اور جھوٹا جاننے والا غم دیکھے گا۔ اس کا لڑکا مر جائے گا اس جھوٹے وصیت نامہ میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ بمبئی میں ایک شخص نے یہ پرچہ تقسیم کر کے اتنے ہزار روپیہ پایا، اور دوسرے نے اسے جھوٹ جاننے کی وجہ سے اپنے لڑکے سے ہاتھ دھویا۔ بمبئی کے ایک پریس نے زیادہ تعداد میں چھاپ کر اسے رکھ لیا تھا اور دس پانچ روپیہ سیکڑوں کے حساب سے اپنا دھندا کرتا تھا، وہ کہتا تھا کہ ہمیں جھوٹ سچ سے واسطہ نہیں، ہم کو تو دھندا کرنا ہے۔

ہم نے اس جھوٹے وصیت نامہ کے خلاف کئی بار لکھا، مگر الحمد للہ کہ کبھی جانی نقصان ہوا اور نہ مالی، اور نہ ہی کسی قسم کا غم اٹھانا پڑا۔ بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے حالات روز بروز اچھے ہی ہوتے جاتے ہیں، مدینہ منورہ سے منسوب اس جھوٹ وصیت نامہ کے بارے میں مکہ مکرمہ کے مشہور عالم سیّد علوی مالکی نے مستقل مضمون لکھا اور سعودی عرب کے رسالوں میں چھاپا گیا، جس کا ترجمہ ہم نے شائع کیا تھا، مگر توہم پرست اور جاہل مسلمان ہیں کہ ان کو روپیہ ملنے کے چکر میں اپنے رسولؐ اور دین و ایمان پر تہمت لگاتے شرم نہیں آتی، اسی طرح بعض مرتبہ کارڈ لکھنے کی مہم جاری کی جاتی ہے اور جاہل مسلمان ہزاروں روپیہ کا ڈاک خانہ کا فائدہ کرتے کراتے ہیں۔ سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ اپنے دین و ایمان کو خراب کرتے ہیں، ذاتی بدعملی اور دین سے غفلت اور چیز ہے اور اسلامی معاشرہ کو بدعقیدہ بنانا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

پر الزام اور تہمت لگانا اور بات ہے اور یہ بات بہت ہی خطرناک اور غارت گر دین و ایمان ہے

انسانیت سازی

حج اور عمرہ کے احرام کے لئے سفید کپڑا بہتر اور سنت ہے، عہد رسالت سے یہی معمول رہا ہے، ایک مرتبہ حج کے موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے احرام کے کپڑوں کو کچھ رنگین پایا تو فرمایا کہ طلحہ! یہ کیا ہے؟ حضرت طلحہ نے کہا کہ امیرالمؤمنین! یہ کپڑا رنگا ہوا نہیں ہے بلکہ مٹی لگنے سے اس کا رنگ ایسا ہی ہوگیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

انکم ایھا الرھط ائمۃ یقتدی بکم، ولو رآك احد جاھل، قال طلحۃ یلبس الثیاب المصبغۃ، وھو محرم، وان احسن ما یلبس المحرم البیاض، فلا تلبسوا علی الناس۔ (طبقات ابن سعد ص ۲۲۰ ج ۳)

یعنی آپ حضرات دینی مقتدیٰ اور پیشوا ہیں، اور اگر آپ کو کوئی انجان آدمی دیکھے تو یہی کہے گا کہ طلحہ بحالت احرام رنگین کپڑے پہنتے ہیں، حالانکہ محرم کیلئے بہترین کپڑا سفید ہے اس لئے آپ حضرات لوگوں کو شک و شبہ میں نہ ڈالیں۔

حضرت عمرؓ نے دینی مصلحت و ضرورت کے پیش نظر ایک ساتھی کو ایسے کپڑے سے منع کیا جو عوام کو دینی معاملہ میں شبہ میں ڈال دے۔ اور ان کو روکنے کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ آپ لوگ دینی مقتدا اور مذہبی رہنما ہیں، اس لئے عوام آپ کو دیکھکر حجت پکڑیں گے کہ فلاں صاحب کو ہم نے ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے، حالانکہ اگر جامۂ احرام رنگین بھی ہو تو ناجائز نہیں بلکہ غیر اولیٰ ہے، پھر وہ کپڑا رنگین بھی نہیں تھا، بلکہ مٹی اور دھول کی وجہ سے رنگین معلوم ہوتا تھا۔

جن مذہبی حضرات کو لوگ دینی مقام دیتے ہیں، اور ان کے قول و عمل کو مذہبی حیثیت سے دیکھتے اور سنتے ہیں ان کو ہر حال میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان کے فعل سے لوگ کسی غلط بات پر دلیل نہ پکڑنے لگیں، نیز ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق ایک مقام و مرتبہ رکھتا ہے

حتیٰ کہ عوام میں بھی یہ چیز پائی جاتی ہے، ایک باپ اپنی اولاد کا مقتدا ہوتا ہے۔ ایک کارخانہ دار اپنے مزدوروں میں اثر رکھتا ہے، ایک حاکم اپنی حکمرانی میں حیثیت رکھتا ہے۔ ایک معلم و مدرس اپنے طلبہ میں احترام کا مستحق ہوتا ہے۔ الغرض ہر شخص کسی نہ کسی طرح سے کسی نہ کسی حلقہ میں اپنا اثر و اقتدار رکھتا ہے، پس ہر شخص کو اس کا خیال رکھنا ہوگا کہ اس کے قول و عمل سے دوسرا غلط اثر نہ لے۔

یہ جو آج کل روشن خیالوں اور غیر ذمہ دار لوگوں میں وبا پھیل رہی ہے۔ ہمیں فلاں کے ذاتی فعل سے مطلب نہیں ہے بلکہ ہمیں تو اس کی باتیں دیکھنی ہیں۔ سراسر غلط ہے اس سے معاشرہ میں بڑی غلط فضا پیدا ہوتی ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کوئی کیسا ہی ذمہ دار کیوں نہ ہو۔ اس کے لئے سب کچھ جائز ہے۔ نہیں بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور باہمی احتساب کے ذریعہ ہم ہر شخص کے اعمال و خیال کا جائزہ لیں گے۔ اور اُسے بُرائی سے بلا تکلف روکیں گے یہ کوئی تنگ نظری نہیں ہے بلکہ انسانیت سازی ہے۔

غربت کی نفسیات

ایک عقلمند آدمی کے سامنے ایک شخص نے اپنی غربت و محتاجی کی شکایت کی، اور بڑے رنج و غم کے انداز میں اپنی بدحالی و خستہ بالی کو بیان کیا۔ عقلمند آدمی نے اس کی تمام شکایتوں کو سُن کر کہا۔

عقلمند:۔ کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہارے پاس دس ہزار روپیہ ہو، مگر اندھے رہو؟
آدمی۔ نہیں

عقلمند:۔ کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہارے پاس دس ہزار روپیہ ہو مگر تم گونگے رہو؟
آدمی۔ نہیں۔

عقلمند:۔ کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہارے پاس دس ہزار روپیہ ہو مگر تمہارے ہاتھ پیر کٹے ہوں؟ آدمی۔ نہیں۔

عقلمند:۔ کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہارے پاس دس ہزار روپیہ ہو مگر تم پاگل رہو؟
آدمی۔ نہیں۔

عقلمند!۔ تب تم کو شرم نہیں آئی کہ اپنے رب کی شکایت کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس پچاس ہزار روپیہ کا سامان موجود ہے۔

یہ کہانی بظاہر نہایت معمولی اور کچھ یوں ہی سی معلوم ہوتی ہے۔ مگر بڑی حکیمانہ ہے اور اس میں غربت و محتاجی کی نفسیات کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ غربت و محتاجی سے انکار نہیں ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے غریب اور محتاج پڑے ہیں مگر عام طور سے یہ جو ہر شخص اپنے طور پر ہر حال میں تنگ حال، پریشاں حال اور بدحال بنا رہتا ہے، اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی، خاص طور سے اس دور میں جس شخص کو جس قدر زندگی میں آسانی ملتی جاتی ہے وہ اسی قدر معاشی پریشانی میں مبتلا نظر آنے لگتا ہے، اور کسی درجہ پر اُسے قرار نہیں ملتا۔ کیونکہ وہ صرف آگے دیکھتا ہے اپنے پیچھے یا سامنے نظر نہیں کرتا کہ رہنے کو مکان ہے۔ پہننے کو کپڑا ہے بال بچّے ہیں۔ متوسط درجہ کے کھانے پینے بھر آمدنی ہو رہی ہے۔ اس لئے دنیا میں جینے کے سامان مہیّا ہیں، بلکہ ہر شخص خوشحالی کے جس زینہ پر پہونچتا ہے اس سے اوپر ہی کی جانب دیکھتا ہے اور ضروریات زندگی کی موجودگی کے باوجود سامان تعیّش کی کمی کا شکوہ کرتا رہتا ہے، اور عام انسانوں کی یہ بے صبری اور بے چینی اُن کے دور کی حکمرانی کے نظاموں کو صدا دیتی ہے، جس میں کھانا کپڑا اور عیش و عشرت ہی کو حاصل زندگی قرار دیا گیا ہے۔ اور امریکہ کے سرمایہ دار ہوں یا روس کے مزدور سب کی زندگی کی توانائیاں شکم کی آنتوں اور بدن کی کھالوں میں سمٹ سمٹا کر آگئی ہیں جو لوگ امیری و خوشحالی کی ہر منزل پر پہونچکر اپنی غربت و محتاجی کو نئے انداز میں سوچنے والے ہیں ان کو صبر، شکر، ایثار، سیرچشمی، بے نیازی، عالی ظرفی، بلند حوصلگی جیسے شریفانہ الفاظ و معانی سے کیا مطلب، یہ تو وہ بے شرم لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں ہزاروں لاکھوں کا سامان تعیش رکھکر کمی اور تنگی کا شکوہ کرتے ہیں۔

سچ فرمایا مصلح انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر ابن آدم کو ننانوے (۹۹) وادیاں سونے کی دیدی جائیں تو بھی اس کی تمنا ہوگی کہ ایک وادی اور مل جائے، اور بالکل درست فرمایا انسانیت کے

خیرخواہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ابن آدم کا منہ ہمیشہ کھلا ہی رہتا ہے ۔ اُسے صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے نیز آپ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کی صبح اس حال میں ہو کہ اس کے لئے گھر ہو، صحت ہو، بال بچے ہوں، ایمان ہو، اور صبح و شام تک کھانے کو ہو تو گویا آج کی پوری دنیا حاصل ہو گئی۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے اپنی محتاجی کا تذکرہ کیا تو انھوں نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے بیوی نہیں ہے ؟ اس پر صحابی نے جواب دیا کہ بیوی کے ساتھ ساتھ میرے پاس سواری بھی ہے ۔ اس پر دوسرے صحابی نے فرمایا کہ تب تم تو بادشاہ ہو، جس زمانہ میں انسانوں کے اندر جلب منفعت، بسیار خواہی اور لوٹ گھسوٹ کا متعدی مرض پھیل جائے گا۔ اس زمانہ کا ہر فرد فقر و محتاجی کی شدید خارش میں مبتلا رہے گا۔ اور کبھی اس کو چین نصیب نہیں ہو سکتا، بدقسمتی سے ہمارا دور ایسے ہی لوگوں کی سربراہی میں گذر رہا ہے ۔ جو جانوروں کی سطح پر اتر کر دنیا کو اسی سطح پر لے چلنا چاہتے ہیں اور اُن کے یہاں مادی تقاضوں کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

اسلامی عدالت کی برکت

بُرانی خبر ہے کہ سنگاپور کے مسلمانوں میں طلاق کم ہو گئی ہے ایک بیان کے مطابق یہاں مسلمانوں میں طلاق کی شرح پچاس فی صدی کم ہو گئی ہے ۔ ۱۹۵۸ء سے پہلے مسلمانوں کے دینی مسائل عام عدالتوں میں پیش ہوتے تھے مگر اس کے بعد طلاق کے معاملات خاص شرعی عدالت میں قاضی کے رُوبرو پیش کئے جانے لگے ہیں، اور قاضی حتی الامکان فریقین میں مصالحت کی کوشش کرتے ہیں، اس وجہ سے اب مسلمانوں میں طلاق کی تعداد پہلے کے مقابلہ میں آدھی رہ گئی ہے ۔

یہ ہے اسلامی قضا اور عدالت کی ظاہری برکت جو اسلامی معاشرہ اور مسلمانوں کی ازدواجی زندگی میں کھل کر ظاہر ہوئی ہے ۔ اسی طرح جس معاشرہ میں اسلامی اصول پر عمل کیا جاتا ہے اس میں برکتوں کا ظہور ہوتا ہے ، جہاں ہاتھ کاٹا جاتا ہے وہاں چوری نہیں ہوتی اور لوگ بے خوف و خطر سوتے ہیں، جہاں رجم کا اجراء ہوتا ہے وہاں بدکاری ختم ہو جاتی ہے اور عزت و آبرو محفوظ ہو جاتی ہے ۔ جہاں قصاص اور دیت کا معاملہ ہوتا ہے وہاں قتل و خون سے نجات مل جاتی ہے

اور انسانیت معزز و محترم ہوجاتی ہے۔ جہاں تک میاں بیوی کے درمیان شکر رنجی اور اس کے نتیجہ میں طلاق کی بات کا تعلق ہے اس کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ دونوں کے مابین کچھ غلط فہمیاں اور بے اعتدالیاں ہوجاتی ہیں۔ اس لئے اسلام نے پہلے افہام و تفہیم اور جانبین سے صلح و مصالحت کی یہ راہ بتائی ہے کہ دونوں طرف سے کچھ لوگ جمع ہوں اور دونوں کی بات سن کر فیصلہ کریں یا قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش کریں۔ اور میاں بیوی کے درمیان یوں صلح و مصالحت کی بات چیت کی ہو جیسے بچے آپس میں مار پیٹ کر لیتے اور سمجھا بجھا کر ان کو ملا دیا جاتا ہے اسلام میں شادی بیاہ اور نکاح و طلاق صرف دنیاوی معاملہ بندی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے شرعی حدود و حقوق ہیں۔ جن کی نگرانی طرفین کو کرنی ضروری ہے اور جب اس میں کوتاہی ہوتی ہے تو دونوں کو سمجھانے بجھانے کیلئے قاضی کی عدالت میں رجوع کیا جاتا ہے۔ جو شریعت کے اصول کے ماتحت اس معاملہ میں غور و فکر کرکے فیصلہ دیتا ہے۔ یورپ نے نکاح کو بھی ملکی اور قومی معاملہ بنا کر کلیسا سے نکال دیا اور ملکی عدالتوں کو فیصلہ کا حق دیدیا۔ مگر اسلام میں یہ صرف قومی اور معاشرتی معاملہ نہیں ہے بلکہ شرعی اور دینی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

بچوں کی دینی تعلیم و تربیت

جو گھرانے دینی اور علمی ہوتے ہیں اور جن گھروں کے ذمہ دار دین و دیانت کے حامل ہوتے ہیں ان میں بال بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت بڑے اچھے انداز میں ہوتی ہے، اور وہ شروع ہی سے دینی ماحول میں رہ کر دینی مزاج پاتے ہیں۔ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی یہ بات بالکل نمایاں نظر آتی ہے کہ شریف گھرانوں کی اولاد بڑی باادب ہوتی ہے اور ہر معاملہ میں ان کی ہر بات ایک خاص رنگ ڈھنگ کی ہوتی ہے، مسلم گھرانوں میں ہمیشہ سے بچوں کی تعلیم و تربیت میں دین اور ایمان لحاظ خیال کیا جاتا ہے، اور ان کو بچپن ہی سے اسلامی اعمال و عقائد پر چلنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے لڑکوں کو بلا کر (زیتون) کا تیل منگایا، اور ان سے فرمایا کہ اس کی مالش کرو۔ لڑکوں، بچوں نے اپنے سر میں تیل لگانے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم سر میں تیل نہیں لگائیں گے اس کے بعد راوی کا بیان ہے کہ

فاخذ عصًا وجعل یضربھم ویقول: اترغبون عن دھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی آپ نے چھڑی لی اور لڑکوں کو مارنا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے کیا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیل کے استعمال کی سنّت سے اعراض کرتے ہو۔

(موضح اوہام الجمع والتفریق ص۱۷۹ ج۲ خطیب بغدادی)

تدہین اور تیل لگانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی، آپؐ نے زیتون کے تیل کی خاص طور سے ترغیب دی ہے اور اس کے فوائد بتاتے ہیں۔ مگر یہ کوئی ایسی سنت نہیں ہے جس کے ترک پر سزا ہو، البتہ اس پر عمل کرنے میں ثواب ہے، یہ سنن عادیہ میں ہے، مگر اس کے باوجود اس سنّت کے انکار پر حضرت عبداللہ بن ثابت انصاریؓ نے اپنے گھر کے بال بچوں پر شدّت اور سختی کی اور ان کو مارنا شروع کر دیا۔ یہ اقدام بچوں میں دین و ایمان کا مزاج اور ذہن بنانے کے لئے تھا تاکہ ان کو ابھی سے رسولؐ کی ایک ایک بات کا لحاظ پاس رہے۔ اور آپؐ کی ذات سے منسوب کسی امر سے بے رغبتی پیدا نہ ہو۔

اسی طرح دوسرے صحابہ اور تابعین دین کی بظاہر معمولی معمولی چیزوں پر اس قدر زور دیتے تھے کہ ہم تم فرائض اور واجبات پر اتنا زور نہیں دیتے اور اپنی غفلت اور دین سے بے رغبتی کے باعث دین کو اپنی تن آسانیوں کا کھیل سمجھ رکھا ہے جس دور کے مسلمانوں کا یہ حال ہو اس دور کے مسلمان بچوں میں بچپن سے ایمان و اسلام کی رُوح کہاں پیدا ہو گی؟ اور وہ لوگ اپنی اولاد کی ذمہ داری کو کیا پورا کر بن سکے۔ جو خود دین سے بیگانہ ہوتے جاتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

قسط ۳

علّامہ سمعانیؒ سے ایک ملاقات

درزیوں کے طبقہ سے تعلّق رکھنے والے ارباب علم وفضل کا تذکرہ!

۳۰ جون ۱۹۸۵ء آج پھر حسب سابق شوق کے پروں سے اُڑ کر، دل کی عقیدت اور اخلاص ومحبت کا نذرانہ لیکر علامہ سمعانیؒ کی بارگاہ سعادت میں رسائی حاصل کی فیضِ صحبت اور گرانقدر ارشادات کی سماعت کا شرف حاصل ہوا اس مرتبہ بھی حسبِ سابق اِس بے بضاعت اور سیاہ کار کو ان سے خصوصی نیاز اور اپنی بساط کی حد تک گہرا نیاز حاصل رہا۔

ازراہِ محبت وقدر افزائی پہلی ہی ملاقات میں بغیر کسی تکلف اور تصنع کی صداقت اور ان کے ساتھ مجھے گوہر مقصود عنایت فرماتے ہوئے اپنی شہرہ آفاق تصنیف کتاب الانساب کا ورق نمبر ۴۲۱ کھول کر سامنے رکھ دیا اِسے حسنِ اتفاق کہئے یا علامہ سمعانی کی کرامت اور ہے درحقیقت فیاضِ ازل کی عنایت کہ اس مرتبہ ورق گردانی کی صبر آزما زحمت سے بھی محفوظ رہا۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ علامہ سمعانیؒ سے ایک بار زیارت وملاقات اور استفادہ کے بعد شاید ہی کوئی نماز ایسی ہو جس کے بعد اُن کی مغفرت اور رفعِ درجات کی دعا نہ کی ہو اور شاید ہی کوئی دُعا ایسی ہو جس میں خدا کے حضور علامہ سمعانیؒ سے مزید استفادہ اور حصولِ

فیض کی درخواست شامل نہ ہو۔

خداتعالیٰ کے بے انتہا فضل، اور بے پایاں رحمت کے قربان جایئے جس کے صدقے خدا جانے کتنے کشتگانِ یاس، بارانِ رحمت کے چھینٹوں سے زندہ ہوئے۔ بقول مولانا محمد علی جوہر۔ ؎

ایک شہر آرزو پہ ہونا پڑا انجل
ھَل مِن مَزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

حاضرِ خدمت ہوتے ہی دیکھا کہ علامہ سمعانیؒ نے طبقۂ خیاط (درزیوں) کے ارباب علم و فضل کی محفل جمائے ہوئے ہیں۔ ان کی مجلس میں اس طبقہ کے مشاہیر علماء رونق افروز ہیں۔ ایک ایسا پاکیزہ منظر پیش نظر ہے جو میری معلومات کی حد تک تاریخِ علم و فضل میں بس اپنی مثال آپ ہی تھا خدا جزائے خیر دے علامہ سمعانیؒ کو کہ انھوں نے کتاب الانساب کے ذریعہ مجھے اس نورانی و روحانی مجلسِ علم و افادہ میں حاضری کا اور ارباب علم و فضل سے فیضیاب ہونے کا موقع بخشا میں نے بھی اُسے غنیمت جانا کہ اپنا نامۂ اعمال تو سیاہ ہے ہی، شاید ان بزرگوں کی معنوی ہمنشینی ذریعۂ نجات بن جائے۔ ؎

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ایم
در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ایم

ورق کی شہ سرخی اور گفتگو کا عنوان تھا " خیاط" (درزی علماء و فضلاء) اجرت اور مزدوری پر کپڑوں کی سلائی کرنے والے کو عربی میں خیاط (درزی) کہتے ہیں اسلام نے بغیر کسی نسلی لسانی اور پیشہ ورانہ امتیاز کے درزیوں کے اس طبقہ کو بھی علومِ نبوت کی لازوال دولت سے مالامال کیا۔ فیاضِ ازل کی اس قدر بے پناہ اور بے مثال سخاوت کے صدقے درزیوں کے طبقہ اور پیشہ میں بڑے بڑے علماء عظیم فقہاء اور ان گنت مفسرین اور محدثین پیدا ہوئے۔

جنھوں نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت، تجربہ و کمال علمی وجاہت، روحانی جلالتِ قدر

اور عالمانہ شکوہ وجلال سے اپنے لئے نہ تو کوٹھیوں کے نرم وگداز بستروں پر سامانِ استراحت فراہم کیا اور نہ نکھرے ہوئے اور نکہت بیز پھولوں کے معطر ہار پہنے اور نہ لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں میں تفریحی زندگی اختیار کی اور نہ انھوں نے کبھی حکومت کی چشم وابرو پر نگاہ رکھ کر اپنے اعزاز ورتبہ میں اضافہ کرنے کی کوشش کی بلکہ انھوں نے خدمتِ دین، اشاعتِ علم، درس وتدریس، اور تصنیف وتالیف کی راہ اختیار کی اور ساری زندگی کانٹوں کے سیج پر لیٹتے رہے۔ راتوں کو اپنی نیند حرام کرتے اور سب سے بے نیاز ہوکر ایک خدا کے حضور نیاز مندی کا اظہار کرتے اور اس دنیا کے دارالامتحان میں آزمائش کے ہر موڑ پر اپنے ہر بنِ مو کو چنگاریوں اور شعلوں کی نذر کرتے رہے۔ مگر کبھی ناشکری کا کلمہ زبان پر نہ آنے دیا بہر حال... قانع اور تحصیل واشاعت علم پر شاداں وفرحاں رہے۔

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ درزیوں کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے علمی وروحانی مربیوں ارباب کمال اور صاحبانِ علم وفضل نے نہ صرف یہ کہ اپنے حلقۂ ارادت، مستفیدین ومتعلقین تلامذہ اور امّت کے بیشتر افراد کے ظاہری وباطنی کثافتوں کو اپنے علم ومعرفت کے آب مصفّا سے دھوکر ختم کیا بلکہ انسانیت کو علم ودیانت کا صاف وشفّاف لباس عطا فرمایا، جسم انسان کیلئے علم وفضل کے اعلیٰ قباؤں کی سلائی کی اور ظلم وجہالت کو علم وتقویٰ کی پوشاک پہنائی۔ علّامہ سمعانیؒ نے اسی صفحہ پر درزیوں کی نسل اور پیشہ سے تعلق رکھنے والے ارباب علم وفضل کی ایک فہرست پیش فرمائی ہے۔

سرِ فہرست علّامہ عبداللہ صالح بن راشد خیّاط (درزی) کا تذکرہ ہے موصوف بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ امام مالک اور امام حسن بصری سے علوم نبوت کی تحصیل کی اور اُن سے روایت بھی کرتے رہے، بہت بڑے عالم، صاحبِ علم وفضل، متقی، صاحبِ ورع، پرہیزگار اور بزرگ انسان تھے خدمتِ دین اور اشاعتِ علم ان کا مشغلہ رہا۔ پوری زندگی اس کیلئے وقف کردی، اپنا پیشہ، کاروبار اور فقر وفاقہ، غربت یا افلاس ان کے لئے خدمتِ دین اور

اشاعت علم کی راہ میں کوئی مانع اور رکاوٹ نہ بن سکے، آپ کے تلامذہ میں حرمی بن عمارہ بہت زیادہ مشہور ہیں جنہیں آپ کے حلقۂ مستفیدین میں علامہ سمعانیؒ نے اولین جگہ دی ہے۔

علامہ ابوسلیمان خیّاط (درزی) حجازی اور تابعی ہیں حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد رشید ہیں نسل اور پیشہ کے اعتبار سے خیاط (درزی) تھے مگر فضل وکمال کے لحاظ سے قرآنی علوم کے حافظ وماہر تھے اور علم حدیث میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے۔

صالح بن راشد خیّاط اور ابوسلیمان خیّاط دونوں اپنے اسلاف کی طرح تحصیلِ علم اور پھر خدمتِ دین واشاعتِ علم کے دوران گرم وسرد حالات مصائب وآلام صبر آزما واقعات اور متنوع امتحانات سے گذرتے رہے مگر ہر حال میں اُن کے دل اطمینان سے اپنے مطلوب یعنی تحصیل واشاعتِ علم میں مشغول رہے اور سخت سے سخت حوصلہ فرسا حوادث ونوازل بھی ان کے دلوں میں علم کی جانب سے کوئی تفرقہ پیدا نہ کرسکے اگرچہ بعض حالات میں معاش کی ضرورت اور اہل وعیال کی پرورش کی ذمّہ داریوں نے انھیں اپنے پیشہ ورانہ کام (کپڑوں کی کتر بیونت اور سلائی) میں مصروف رکھا مگر قلب ان کا اس حالت میں بھی علم کی جانب مشغول رہا۔

ماسوا سے بے نیازی اور علم کی طرف مکمل توجہ رہی۔ دست بکار دل بیار کا پورا مظہر تھے ان کی ساری زندگی گویا۔

اَلعِشْقُ نَارٌ تَحْرِقُ مَاسِوَی المَطْلُوبِ۔ — عشق ایک ایسی آگ ہے جو محبوب کے ماسوا ہر چیز کو جلادیتی ہے۔

کا جلوہ تھی۔

علامہ ابونافع خیّاط (درزی) کا تذکرہ درزیوں کی اس فہرست میں علامہ سمعانیؒ نے سرِ منبر پر کیا ہے۔ موصوف تابعین میں ہیں، علوم نبوت کی تحصیل وتکمیل امام دارالہجرہ امام مالکؒ

علّامہ سالم خیاط، حضرت حسن بصری، اور محمد بن سیرین سے کی۔ اور امام مالک سے روایت بھی
کرتے رہے۔ زہد و ورع، ذوقِ مطالعہ، شوقِ عبادت، اشاعتِ علم اور دینی خدمات کے لحاظ
سے اپنے اقران میں ممتاز اور ہمعصر علماء میں تعظیم، قدر و منزلت اور عظمت کی نگاہ سے
دیکھے جاتے تھے۔

علّامہ عمران خیّاط بھی نسل اور پیشہ کے لحاظ سے درزی ہیں مگر فضل و کمال اور ازلی
عطا و نوال کے لحاظ سے علومِ نبوّت کے وارث اور مشاہیر اربابِ علم و فضل سے ہیں علّامہ
ابراہیم نخعی اور علّامہ زید بن وہب جیسے یگانۂ روزگار شخصیات سے قرآن و حدیث کے
علوم کی تحصیل کی اس دوران ہر دو حضرات کے حلقۂ تلامذہ میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ اور
پھر مدّۃ العمر درس و تدریس، خدمتِ دین اور اشاعت علم میں مصروف رہے۔ عبداللہ بن
عون جیسے صاحبِ فضل و کمال کو آپ سے نسبت تلمّذ پر فخر حاصل رہا۔ آپ کی تدریسی، تعلیمی
اور تبلیغی زندگی بھی انقلابی ہے۔ آپ کے تبلیغی مساعی، مواعظِ حسنہ او تدریسی حلقے حد درجہ
پُرتاثیر رہے۔ آپ کی پُرتاثیر گفتگو سے بگڑے ہوئے سنورے، کئی بدکردار باکردار بنے،
آپ کی زندگی کی تمام کارگذاری، آپ کی زیرکی و دانائی اور علم پروری و علم دوستی کا بیّن ثبوت ہے

ابوالحسن علی بن محمد بن عیسیٰ خیّاط (درزی) مشہور عالم، متقی، پرہیزگار اور بزرگ انسان
تھے۔ آپ کا تعلق مصر سے ہے۔ ابن العسراء کی کنیت سے زیادہ مشہور تھے علم و فضل علم دوستی
اور علم پروری میں اپنے زمانہ کی آپ ہی مثال تھے۔

محمد بن میمون خیّاط (درزی) کو امام سفیان بن عیینہ اور امام ابوسعید جو بنی ہاشم کے موالی
سے ہیں سے تلمّذ کا شرف حاصل ہے دونوں سے علمِ حدیث کی روایت کرتے تحصیلِ علم کے بعد
زندگی بھر اشاعتِ علم اور درس و تدریس میں مصروف رہے علمی ذوق غالب رہا۔ طالبانِ علومِ
نبوت پروانہ وار آپ کے حلقۂ درس میں آتے۔ علومِ نبوت کی تحصیل کرتے۔ امام ابوالحسن ساجی
اور علّامہ ابن صاعد جیسے اکابرِ علم و فضل کو آپ سے نسبتِ تلمّذ پر فخر ہے۔

احمد بن موسیٰ بن ابی عمران خیّاط (درزی) بڑے عالم، کامیاب معلم اور وعظ و تدریس میں بے حد مقبول تھے ان کو معدّل کا مقام حاصل تھا یعنی اسلامی عدالت کیں گواہوں کی عدالت و ثقاہت کا فیصلہ دیتے تھے۔ جس کے بعد گواہ عدالت میں شہادت دے سکتے تھے۔ آپ کے اساتذہ میں سورۃ بن حکم، محمد بن عباد اور عبداللہ بن عبدالوہاب زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا حلقۂ درس بھی بہت وسیع تھا۔ محمد بن مخلد جیسے اساطینِ علم نے آپ کے حلقۂ درس میں شرکت کی سعادت کو اپنے لئے بہت بڑا شرف جانا اور آپ سے تلمذ و روایت کی نسبت حاصل کی۔

علامہ سمعانی رحؒ نے درزیوں کی اس طویل فہرست میں بیسویں علماء، فضلاء، محدثین و مفسرین ارباب علم وفضل اور اساطین علم کا تذکرہ کیا ہے جو نسل یا پیشہ کے لحاظ سے درزی تھے مگر فضل وکمال کے لحاظ سے انبیاء کے ورثاء تھے کہ علوم نبوت کی دولت سے مالا مال تھے۔ اسی صفحہ پر علامہ سمعانی رحؒ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

وَجَمَاعَةٌ مِنْ شُيُوخِنَا — ہمارے شیوخ اور اساتذہ کی ایک جماعت

يَعْمَلُوْنَ عَمَلَ الْخِيَاطَةِ — سلائی (درزیوں) کا کام کرتی تھی۔

دینِ اسلام کی فیاضی، علومِ نبوّت کی عمومیت، فیّاضِ ازل کی عطا و بخشش اور علمِ وحی کی وسعت کا اس سے اندازہ لگائیے کہ خیاطت (سلائی) کا کام کرنے والے درزیوں کو تحصیل و اشاعتِ علم اور تعلیمات نبوت میں کس قدر دسترس اور کیا کیا کمالات حاصل تھے علامہ سمعانیؒ کی دی ہوئی طویل فہرست سے یہ اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے کہ گلشنِ علوم نبوّت کے بزم علم وفضل میں بعض درزی علماء کو بھی گل سر سبد اور میر مجلس کی صدر نشینی حاصل رہی ہے آج اُن ہی کی نیم بیداریاں اور علمی کاوشیں کروڑہا مسلمانوں کی تمناؤں کا مرغزار، آرزوؤں کا گلزار اور خواہشوں کا سبزہ زار ہیں۔ اُن ہی کا مکتب۔ اُن ہی کی تعلیمات، ان ہی کی سیرت و اخلاق ان ہی کی تاریخ و تذکرہ، نئی نسل کے جذبات کا خمکدہ، ان کے احساسات کا گلکدہ اور

اور تخیلات کا عشرت کدہ ہے۔ اور موجب حیرت واستعجاب ہے یہ امر کہ انھوں نے محنت و مزدوری مشقت، اور معاشی ضروریات کی تکمیل، اپنے پیشۂ خیاطت (سلائی) متنوع مشاغل اور ہمہ جہتی رنگا رنگی کے باوجود ہر حال میں گلشنِ علوم نبوت کو سرسبز و شاداب رکھا۔

ماھنامہ "تذکرہ" لاھور کی باتصویر خصوصی اشاعت

حضرت مولانا مفتی محمودؒ نمبر

عنقریب شائع ہو رہا ہے

ایک تاریخی دستاویز
مرحوم کی زندگی پر بھرپور انسائیکلو پیڈیا
صاحب زادہ مولانا فضل الرحمن اور مولانا زاہد الراشدی کے مرحوم کے بارے میں دلچسپ اور تفصیلی انٹرویو۔ حضرت پر ملک کے تمام سیاستدانوں اور دانشوروں کی خوبصورت تحریریں۔

صفحات ۴۰۰ قیمت -/۳۰ روپے
سفید کاغذ عمدہ طباعت

رابطہ کے لئے
ماہنامہ "تذکرہ"، ۲۲۹۔ سرکلر روڈ، لاہور

ڈاڑھی کا وجوب اور ملازمت کی وجہ سے اس کا منڈانا

از حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری

سوال:- بعض ملازمتوں کیلئے ڈاڑھی منڈانے کی شرط ہوتی ہے۔ جس کی ڈاڑھی ہوتی ہے اس کو ملازمت نہیں ملتی، اگر کوشش کے بعد مل بھی جائے تو تنخواہ نسبتاً کم ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ڈاڑھی منڈانا یا فرنچ کٹ رکھوانا کیسا ہے؟ مدلل و مفصل جواب کی ضرورت ہے کہ لوگوں کے سامنے پوری وضاحت آجائے اور لوگ اس شنیع حرکت سے باز آئیں اور ڈاڑھی کی اہمیت اُن کے دل میں پیدا ہو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:- حامداً و مصلیاً و مسلماً:- مردوں کے لئے ڈاڑھی رکھنا واجب ہے۔ اور اس کی مقدارِ شرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے۔ ڈاڑھی رکھنا تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متفقہ سنت مستمرہ ہے۔ اسلامی اور قومی شعار ہے۔ شرافت و بزرگی کی علامت ہے۔ چھوٹے اور بڑے میں امتیاز و فرق کرنے والی ہے۔ اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی عمل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور آپ نے اپنی امت کو ڈاڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ لہٰذا ڈاڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے۔ منڈانا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔ حدیث میں حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں۔ عَشْرٌ مِن الفطرۃ قصّ الشّارب وَاِعفاء اللِّحْیَۃ ــ الخ۔ یعنی دس چیزیں فطرت میں سے ہیں (۱) مونچھوں کا کتروانا (۲) ڈاڑھی بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی ڈال کر صفائی کرنا (۵) ناخن تراشنا (۶) بدن کے جوڑوں کو دھونا (۷) بغل کے بال اکھاڑنا (۸) زیرِ ناف کے بال صاف کرنا (۹) پانی سے استنجا کرنا۔ راوئ حدیث کو دسویں چیز یاد نہ رہی۔ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ وہ کلی کرنا ہو (مسلم شریف ص۱۲۹ ج۱ باب خصال الفطرۃ۔ کتاب الطہارۃ)

اس حدیث میں جو کہ نہایت قوی ہے دس چیزوں کو جن میں سے ڈاڑھی بڑھانا اور مونچھوں کا کتروانا بھی ہے۔ فطرۃ بتلایا ہے اور فطرۃ عرفِ شرع میں ان امور کو کہا جاتا ہے جو کہ تمام انبیاء اور رسل کی معمول بہ اور متفق علیہ سنّت ہو اور ہم کو ان پر عمل کرنے کا حکم ہو۔ صاحب مجمع البحار اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ عشرٌ مِن "الفطرۃ" ای مِن السُّنّۃ ای سنن الانبیاء علیہم السّلام التی أمرنا بالاقتداء بہم فیہا۔ ک: ای من السنۃ القدیمۃ التی اختارہا الأنبیاء علیہم السّلام واتفقت علیہا الشرائع فکانّہا امر جبلی فطروا علیہ۔ یعنی دس چیزیں فطرۃ یعنی سنّت میں سے ہیں یعنی انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی ان سنتوں میں سے جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے (اُو لٰئِكَ الّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمْ اقْتَدِہْ) یعنی اس سنّت قدیمہ میں سے جس کو انبیاء علیہم السّلام نے اختیار فرمایا اور اس پر تمام شرائع متفق ہیں گویا کہ وہ امر جبلی ہے جس پر انبیاء علیہم السّلام کو پیدا کیا گیا ہے (مجمع البحار ص۱۵۵ ج۴ فطر)

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔ قالوا ومعناہ انہا من سنن الانبیاء صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم۔ یعنی فطرۃ کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی سنتوں میں سے ہے نووی شرح مسلم ص۱۲۸) اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ڈاڑھی بڑھانے کا حکم تمام شریعتوں میں تھا اور یہ تمام انبیاء علیہم السّلام کی سنّت رہی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابن عمرؓ قال قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین اوفروا اللّحیٰ واحفوا الشوارب۔ وفی روایۃ أنھکوا الشوارب واعفوا اللّحیٰ۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۸۰ باب الترجل) یعنی مشرکین کی مخالفت کرو۔ مونچھیں پست کرو (چھوٹی کرو) اور ڈاڑھی کو معاف رکھو (یعنی اسے نہ کاٹو) اور ایک حدیث میں ہے۔ ارخوا اللّحیٰ۔ ڈاڑھی لٹکاؤ۔ ان احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صیغۂ امر کے ساتھ ڈاڑھی رکھنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ اور امر حقیقت میں وجوب کیلئے ہوتا ہے۔ نیز ڈاڑھی منڈانے میں کفار اناث (عورتیں) اور مخنثوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جس کا ناجائز اور حرام ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (ابوداؤد شریف) ایک حدیث میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ اللہ لعنت کرتے ہیں ان مردوں پر (جو ڈاڑھی منڈا کر یا زنانہ لباس پہنکر) عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں۔ اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۸۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو مخنث بنتے ہیں اور اسی طرح ان عورتوں پر (جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں) اور فرمایا انھیں اپنے گھروں سے نکالدو۔ عن ابن عباس قال لَعَنَ النبی صلی اللہ عَلَیْہِ وسلم المُخنثینَ من الرجال والمترجّلات من النساء و قال اخرجوھم من بیوتکم (مشکوٰۃ شریف ص۳۸۰)

مالابدمنہ میں ہے۔ مرد را تشبّہ بہ زناں و زن را تشبّہ بہ مرداں و مسلم را تشبّہ بہ کفّار و فسّاق حرام است۔ یعنی مرد کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور عورت کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا اور مسلمان کو کفّار و فسّاق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے (مالابدمنہ ص۱۳۱) لہذا کفار و فسّاق کی مشابہت اختیار کرنے سے بچنا ضروری ہے۔ صلحاء کی مشابہت اختیار کرنا باعثِ فلاح ہے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

فَتَشَبَّهُوْا اِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ　　اِنَّ التَّشَبُّهَ بِالْكِرَامِ فَلَاحٌ

نیز ڈاڑھی مرد کیلئے وقار اور زینت کی چیز ہے۔ تکملہ بحر الرائق میں ہے۔ لِاَنَّ اللحیۃ فی اوانہا جمال (ص۳۳۱ ج۸) آسمانوں پر ملائکہ کی تسبیح ہے۔ سُبْحَانَ مَنْ زَیَّنَ الرِّجَالَ بِاللُّحٰی وَالنِّسَاءَ بِالذَّوَائِبِ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں سے زینت بخشی (تکملہ بحر الرائق ص۳۳۱ ج۸) (شمس الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ ص۱۳)

مفسرین نے وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی منڈانا بھی تغییر خلق اللہ ہے یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنا ہے (بیان القرآن ص۱۵۹ پارہ ۵ حاشیہ) (ترجمہ شیخ الہند ص۱۲۷) (تفسیر حقانی ص۲۲۹ ج۳ پارہ ۵ سورۃ نساء) اور بالاتفاق تغییر خلق اللہ حرام ہے۔ شیطان لعین نے یہ کہا تھا کہ میں خدا کے بندوں کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑیں۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ ڈاڑھی منڈا کر اپنی فطری صورت بگاڑتے ہیں وہ شیطان لعین کے حکم کی تعمیل اور اس کی مرضی کا کام کرتے ہیں۔ اور جو لوگ شیطان مردود کے فرمانبردار ہیں وہ بڑے ہی خسارے میں ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا۔ وہ صریح نقصان میں پڑے گا۔

تفسیر روح البیان میں ہے۔ حَلْقُ اللحیۃِ قبیحٌ بل مُثْلَۃٌ وحرام وکما اَنَّ حلق شعر الرأس فی حق المرأۃ مثلۃ منہیٌّ عنہا وتفویتٌ للزینۃ کذلک حلق اللحیۃ مُثْلَۃٌ فی حق الرجال وتشبُّہٌ بالنساء منہی عنہ وتفویتٌ للزینۃ قال الفقہاء اللحیۃ فی وقتہا جمال وفی حلقہا تفویتٌ للزینۃ علی الکمال ومن تسبیح الملائکۃ سُبحان من زَیَّنَ النسآءَ بالذوائب۔

یعنی:۔ ڈاڑھی منڈانا قبیح ہے بلکہ مثلہ اور حرام ہے۔ جسطرح عورت اپنے سر کے بال منڈا دے تو یہ مثلہ ہے جو ممنوع ہے اور اس سے عورت کی زینت ختم ہو جاتی ہے۔ اسیطرح

مرد اگر ڈاڑھی منڈا دے تو یہ بھی مثلہ ہے اور اس سے مردانہ شان ختم ہو جاتی ہے۔
فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی اپنے وقت میں جمال ہے اور اس کو منڈا دینا زینت کو ختم کرنا ہے اور ملائکہ کی تسبیح ہے۔ سبحان ۔۔۔۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو لٹوں اور چوٹیوں سے (روح البیان ص۲۲۲ تحت الآیۃ وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاہِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمَاتٍ فَاَتَمَّہُنَّ)

ھدایہ میں ہے۔ لِاَنَّ حَلْقَ الشَّعْرِ فِی حَقِّہَا مثلۃ کحلق اللحیۃ فی حق الرجال۔ یعنی عورت کا سر کے بال منڈانا مثلہ ہے جس طرح مرد کا ڈاڑھی منڈانا مثلہ ہے (ھدایہ ص۲۳۵ ج۱ باب الاحرام، کتاب الحج) (ھکذا فی الجوھرۃ النیرۃ ص۱۶۷ ج۱ کتاب الحج)

ڈاڑھی منڈانا قوم لوط کی ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ درمنثور میں ہے "قوم لوط دس بُرے کاموں کی وجہ سے ہلاک کی گئی ان میں سے ایک ڈاڑھی منڈانا بھی ہے واخرج اسحٰق بن بشیر والخطیب وابن عساکر عن الحسن قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر خصال عَمِلَتْہَا قَوْمُ لُوطٍ بہا اُھلکوا وتزیدھا امتی بخلۃ اتیان الرجل بعضہا بعضاً۔ الی قولہ وقصُّ اللّحیۃ وطول الشارب الخ (درمنثور ص۳۲۴ ج۴ سورۃ انبیاء پارہ ۱۷ تحت الآیۃ ولوطاً آتیناہ حکماً وعلماً ونجیّناہ من القریۃ الخ

جب کسریٰ کے دو قاصد ڈاڑھی منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ اُن کی یہ صورت دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے پوچھا کہ ایسی صورت بنانے کا تم کو کس نے حکم دیا ہے؟ کہنے لگے۔ ہمارے رب کسریٰ نے۔ آپؐ نے فرمایا۔ لٰکِنَّ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ ان احفی شاربی واعفی لحیتی۔ یعنی لیکن میرے رب نے تو مجھے ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں پست کرنے کا حکم دیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد اوّل بحوالہ

ڈاڑھی کا وجوب مصنفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ)

بڑی عبرت کا مقام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کافر کو ایسی حالت میں دیکھا تو اس ہیبت وصورت کو ناپسند فرماتے ہوئے نفرت کا اظہار فرمایا اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہو کر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دعویٰ دار بن کر یہ شنیع حرکت کریں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کو اس سے کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔ اس کا اندازہ خود ناظرین لگالیں۔ ہند میں ایک فارسی شاعر مرزا بیدل تھے، ان کے نعتیہ کلام سے متأثر ہو کر ایران سے ایک صاحب ان کی ملاقات کے اشتیاق میں ہندوستان آئے۔ شاعر مرزا بیدل سے ملاقات ہوئی۔ اتفاق سے وہ وہ ڈاڑھی منڈانے میں مشغول تھے۔ ایرانی مسافر نے بڑے ہی ......

تعجب اور دکھ سے کہا! آغا ریش می تراشی؟ (آقا! آپ ڈاڑھی منڈاتے ہیں؟)

اس نے کہا بلے دلِ کسے رانمی تراشم (کہا ہاں! لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتا ہوں۔ بڑا گناہ کسی کا دل نہیں دکھانا ہے۔) ایرانی مسافر نے برجستہ کہا۔ آرے دلِ رسول اللہ می خراشی۔ تو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھاتا ہے تب اُس کے دل کی آنکھیں کھلیں اور قالاً یا حالاً کہا۔

جزاک اللہ چشم باز کردی!! مرا با جان جاں ہمراز کردی!!

رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا میرے بعد قریب ہے کہ تیری زندگی دراز ہو۔ لوگوں کو خبر دینا کہ جو شخص اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگائے یا ڈاڑھی چڑھائے یا تانت کا قلادہ ڈالے یا گوبر اور ہڈی سے استنجا کرے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بری ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن رویفع بن ثابت قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رُوَیفع لعلَّ الحیٰوۃ ستطول بك بعدی فاخبِرِالنّاسَ ان من عقد لحیتہ او تقلد وترًا او استنجیٰ برجیع دابۃٍ او عظمٍ انّ محمدًا منہ بریٔ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ شریف ص۴۳ باب آداب الخلاء)

جب ڈاڑھی لٹکانے کے بجائے چڑھانے پر یہ وعید ہے تو منڈانے اور شرعی مقدار (قبضہ)

سے کرنے کم پر کیا وعید ہو گی؟ ناظرین اس کا خود اندازہ لگالیں۔ مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ داڑھی رکھنا واجب ہے۔ اسلامی شعار ہے اور منڈانا حرام ہے۔

احادیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کا ایک مشت بلکہ اس سے کچھ زائد ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ریش مبارک میں خلال فرماتے تھے۔ عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا توضأ اخذ کفا من ماء فادخله تحت حنکہ فخلل به لحیته وقال هکذا امرنی ربی (ابوداؤد شریف باب تخلیل اللحیۃ) اور آپ کی ڈاڑھی مبارک اتنی گنجان تھی کہ اس نے سینہ مبارک کو گھیر لیا تھا۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کث اللحیۃ یملأ صدرہ (شمائل ترمذی) اور آپ ریش مبارک میں کنگھی بھی فرماتے تھے۔ عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر دهن رأسه وتسریح لحیته (شمائل ترمذی ص) نیز روایتوں میں یہ بھی وارد ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے قبضہ سے زائد بالوں کو کتر لیتے تھے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یأخذ من لحیته من عرضها وطولها (ترمذی شریف ص ج۲ باب ما جاء فی الاخذ من اللحیۃ) شرح شرعۃ الاسلام میں مقدار قبضہ کی صراحت آئی ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده انه صلی اللہ علیہ وسلم کان یأخذ من لحیته طولاً وعرضاً علی قدر القبضۃ (شرح شرعۃ الاسلام ص۲۹۵)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ "الطرائف والظرائف" تحریر فرماتے ہیں۔ فائدہ:۔ روی الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده انه صلی اللہ علیہ وسلم کان یأخذ من لحیته طولاً وعرضاً وصاحب مجمع وغرائب در آخر ایں حدیث لفظ اذا زاد علی قدر القبضۃ۔ نیز نقل کردہ اند

یعنی "مفاتیح وغرائب" میں اس حدیث کے آخر میں یہ لفظ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی مبارک سے عرضاً وطولاً کترتے تھے جبکہ قبضہ کی مقدار سے زائد ہو جاتی۔
(الطرائف والظرائف صنلہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (جو آپ کے اقوال وافعال کے مشاہدہ کرنے والے ہیں اور آپؐ کی ایک ایک سنّت پر عمل کرنے والے ہیں) کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے فدائی ہیں اور آپ کی سنتوں کے بڑے شیدائی ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے عمل کو بطور معیار پیش کیا ہے۔ وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ " ما فضل اخذ ہ،

ترجمہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتے تھے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی سے پکڑ لیتے تھے۔ جو حصّہ زائد ہوتا تھا اس کو کاٹ دیتے تھے۔ (بخاری شریف ص۸۷۵ ج۲ کتاب اللباس) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مقدار قُبضہ سے زائد کاٹ دیتے تھے۔
(حاشیہ بخاری شریف ص۸۷۵ ج۲ حاشیہ نمبر۷) ترمذی شریف کے حاشیہ میں ہے۔ وقد روی عن ابی هريرة ایضاً انّہ کان یقبض علی لحیتہ فیأخذ ما فضل عن القبضۃ اسندہٗ ابوشیبۃ ص۱۰۰ ج۲ حاشیہ ۹)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عرض اور طول میں ڈاڑھی کترنا اسی مقدار اور کیفیت سے ہوتا تھا اور یہ ثابت ہوا کہ ڈاڑھی کی مقدار مسنونہ ایک مشت ہے۔ لہٰذا اس سے کم کرنا اور خشخشی ڈاڑھی رکھنا از روئے شرع جائز نہیں ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں اقوال فقہاء بھی ملاحظہ ہوں:۔ امام محمد رحمہ اللہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:۔ والسُّنۃ فیہا القبضۃ و ھو ان یقبض الرجلُ لحیتہ فما زاد منہا علی قبضۃٍ قُطِعَہٗ۔ ڈاڑھی کی مقدار مسنونہ ایک قبضہ ہے اور وہ اس طرح کہ ڈاڑھی مٹھی میں لے اور جو زائد ہو اُسے کاٹ دے (کتاب الآثار)

درمختار میں ہے :۔ ولا بأس بأخذ أطراف اللحیۃ والسنۃ فیھا القبضۃ (قولہ والسنۃ فیھا القبضۃ) وھو ان یقبض الرجل لحیتہ فمازاد منھا علی قبضۃ قطعہ کذا ذکر محمد فی کتاب الآثار عن الامام قال وبہ نأخذ محیط ام یعنی ڈاڑھی میں مقدار مسنونہ ایک مشت ہے۔ لہٰذا جو حصہ ایک مشت سے زائد ہو اس کو کتر دے یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے (شامی ص ۳۵۹/۵ کتاب الحظر والاباحۃ تحت فصل البیع) دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔ واما الأخذ منھا وھی دون ذٰلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل ھنود الھند ومجوس الاعاجم (درمختار مع الشامی ص ۱۵۵/۲) ترجمہ :۔ اور ڈاڑھی میں سے لینا اس حال میں کہ وہ مشت سے کم رہ جائے جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں پس اس کو کسی نے مباح نہیں کیا۔ اور کل کا منڈانا ہند کے کفار کا فعل ہے اور عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ کذا فی فتح القدیر (غایۃ الاوطار ص ۵۲۴/۱ باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں " قولہٗ لم یبحہ احدٌ نصٌ فی الاجماع (بوادر النوادر ص ۴۴۳/۲) یعنی صاحب درمختار (و فتح القدیر) کا قول لم یبحہ احدٌ۔ ڈاڑھی منڈانے اور کٹوانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے۔ وقال العلائی فی کتاب الصوم قبیل فصل العوارض ان الاخذ من اللحیۃ وھی دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال لم یبحہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند ومجوس الاعاجم فحیث ادمن علیٰ فعل ھٰذا المحرم یفسق وان لم یکن ممن یستخفونہ ولا یعدّونہ قادحاً للعدالۃ والمروۃ (تنقیح الفتاویٰ ص ۳۵۱/۱)

خلاصہ یہ کہ۔ ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنے کو کسی نے مباح قرار نہیں دیا۔
علامہ محمود خطاب لکھتے ہیں :۔ فلذٰلک کان حلق اللحیۃ محرماً عند ائمۃ المسلمین

المجتهدین ابی حنیفۃ ومالک والشافعی و غیرھم (المنھل ص۱۸۶ ج۱۶ بحوالہ ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں۔ یعنی:۔ اسی وجہ سے تمام ائمہ مجتہدین جیسے امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد وغیرہم رحمہم اللہ کے نزدیک ڈاڑھی منڈانا حرام ہے۔

فیض الباری شرح بخاری میں ہے۔ واما قطع مادون ذالک فحرام اجماعًا بین الائمۃ رحمھم اللہ ڈاڑھی اس طرح کاٹنا کہ قبضہ سے کم رہ جائے باتفاق ائمہ حرام ہے (صفحہ ۳۸۰ جلد ۴)

نصاب الاحتساب ہے۔ مسئلہ:۔ ھل یجوز حلق اللحیۃ کما یفعلہ الجوالقیون؟

الجواب:۔ لا یجوز ذکرہ فی کراھیۃ التجنیس والمزید وفی جنایات الھدایۃ وقال علیہ السلام احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ ای قصوا الشوارب واترکوا اللحیٰ ولا تحلقوھا ولا تقطعوھا ولا تنقصوھا فی القدر المسنون وھی القبضۃ۔ ترجمہ:۔ مسئلہ:۔ ڈاڑھی منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ الجواب:۔ التجنیس والمزید فی کتاب الکراھیۃ اور ہدایہ کے باب الجنایات میں مذکور ہے کہ (ڈاڑھی منڈانا) جائز نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی مونچھوں کو چھوٹا کرو اور ڈاڑھیوں کو گھنی کرو اور اُسے اپنے حال پر چھوڑ دو اور مقدار مسنون سے کم نہ کرو اور وہ ایک قبضہ ہے (نصاب الاحتساب ص۱۴۰-۱۵۰ قلمی باب ۱۶)

مالابد منہ میں ہے:۔ تراشیدن ریش بیش از قبضہ حرام است یعنی۔ ڈاڑھی منڈانا اور ایک قبضہ سے کم رکھنا حرام ہے (مالابد منہ ص۱۳۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ حلق کردن لحیہ حرام است وروش افرنج وھنود است وگذاشتن آن بقدر قبضہ واجب است واورا سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک در دین است یا بہ جہت آنکہ ثبوت آں بہ سنت است چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند۔ یعنی ڈاڑھی منڈانا حرام ہے اور اہل مغرب اور ہندوؤں کا طریقہ ہے ڈاڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے اور اس کو سنت اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ یہ دین میں طریقہ مسلوکہ

ہے۔ یا اس لئے سنت کہا جاتا ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے چنانچہ نماز عید کو (اسی معنی کے اعتبار سے) سنت کہا جاتا ہے۔ (حالانکہ وہ واجب ہے) (اشعۃ اللمعات ص ۲۱۲ ج ۱)

الاختیار شرح المختار میں ہے :- واعفاءُ اللُّحیٰ۔ قال محمد عن ابی حنیفۃ نترکہا حتی تکث وتکثر والتقصیر فیہا سنۃ وھو ان یقبض رجلٌ لحیتہ فمازاد علیٰ قبضۃ قطعہُ لان اللحیۃ زینۃ وکثرتہا من کمال الزینۃ وطولہا الفاحش خلاف السُّنۃ۔

ترجمہ :- اعفاء اللحی۔ ڈاڑھی بڑھانا۔ امام محمدؒ کی روایت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ڈاڑھی کو چھوڑے رکھنا چاہئے۔ یہاں تک کہ گھنی ہوجائے اور بڑھ جائے اور ڈاڑھی میں قصر سنت ہے اور قصر یہ ہے کہ ڈاڑھی کو مٹھی سے پکڑے جو مٹھی سے بڑھ جائے اس کو کاٹ دے۔ ڈاڑھی زینت ہے اور اس کا بھرپور ہونا (گھنی ہونا) کمال زینت ہے اور ڈاڑھی کی غیر معمولی درازی خلاف سنت ہے (الاختیار شرح المختار ص ۱۶۷ ج ۴)

امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں :- وقد اختلفوا فیما طال منہا فقیل ان یقبض الرجل علیٰ لحیتہ واخذ ما فضل عن القبضۃ فلا بأس فقد فعلہ ابن عمر و جماعۃٌ من التابعین واستحسنہ الشعبی وابن سیرین وکرھہ الحسنُ وقتادۃ وقالا ترکہا عافیۃ احبّ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اعفوا اللُّحیٰ (احیاءُ العلوم ص ۱۴۸ ج ۱)

ترجمہ :- لوگوں نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ اگر ڈاڑھی لمبی ہوجائے تو کیا کرنا چاہئے۔ بعض کا قول ہے کہ مقدار سنت چھوڑ کر باقی کاٹ ڈالے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اور بہت سے تابعین نے ایسا کیا ہے۔ اور امام شعبی اور ابن سیرینؒ نے اس کو اچھا سمجھا ہے۔ حسن اور قتادہ نے اس کو مکروہ فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اس کو لٹکی رہنے دینا مستحب ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اعفوا اللُّحیٰ ڈاڑھی بڑھاؤ (مذاق العارفین ترجمہ احیاءُ العلوم ص ۱۵۹ ج ۱ مطبوعہ ۱۶۰ء)

ان روایات واقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مشت سنت

ِکدہ ہے اس سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اتنی لمبی رکھنا کہ لوگوں کی نگاہیں اس پر اٹھیں
رمذاق سا بن جائے یہ بھی خلاف سنّت ہے۔ لہٰذا ملازمت اور اچھی تنخواہ کی خاطر ڈاڑھی
منڈانا اور فرنچ کٹ بنانے کی شرط قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ حق تبارک و تعالیٰ رزّاق ہے
ی پر اعتماد اور توکّل کرنا چاہئے۔ اس کے احکام اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ
ے مطابق زندگی گذارنا چاہئے۔ فرمانِ خداوندی ہے۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآ بَّةٍ لَّا تَحْمِلُ
رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ (سورۂ عنکبوت پ ۲۱) ترجمہ کئی جاندار ایسے ہیں کہ
ندہ کیلئے) اپنا رزق نہیں بچاتے۔ خدا پاک ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی رزق دیتا
ہے۔ اور ارشاد ربّانی ہے۔ وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ
يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ ترجمہ:۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے
س کی نافرمانی اور گناہ کے کام نہیں کرتا) تو حق تعالیٰ اس کیلئے (مشکلات سے) نجات کی راہ
کالتا ہے۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو کوئی
دا پر بھروسہ رکھتا ہے (اس کی مشکلات حل کرنے کیلئے) خدا کافی ہے۔ (سورۂ طلاق پ ۲۸)

حدیث میں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ
یہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا "بے شک اگر تم خدا پر مکمل طور پر توکل کرو تو وہ تم کو
س طرح رزق عطا کرے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ جو صبح (اپنے گھونسلوں سے)
ھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ
نہ قال سمعتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لو انکم تتوکّلون علی اللہ
قَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْا خِمَاصًا وتروح بطانًا
(مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۲)

شیخ سعدی علیہ الرحمہ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں:۔

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری!

دوستاں را کجا کنی محروم　　　تو کہ با دشمناں نظر داری

اے خدا! آپ جبکہ ایسے کریم ہیں کہ یہود ونصاریٰ، آتش پرستوں اور بُت پرستوں وغیرہ کو اپنے خزانۂ غیب سے روزی پہنچاتے ہیں۔ دشمنوں پر جب ایسی نظر کرم ہے تو اپنے دوستوں کو (جو تیرے عبادت گذار ہیں) کس طرح محروم رکھیں گے؟ (مقدمۂ گلستاں)

منقول ہے کہ کوّے کا بچّہ انڈے سے نکلتا ہے اس وقت اس کے بدن کے بال و پر سفید ہوتے ہیں۔ نر و مادہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا بچّہ نہیں ہے اگر ہمارا ہوتا تو ہم جیسا سیاہ ہی ہوتا اس لئے وہ کھلانے سے گریز کرتے ہیں۔ بال و پر جب سیاہ ہونے لگتے ہیں تب اُسے اپنا بچّہ سمجھتے ہیں اور پھر کھلانا پلانا شروع کرتے ہیں۔ جب تک اُس کے بال و پر سیاہ نہیں ہوتے اس کس مپرسی کی حالت میں خدا تعالیٰ اسے اس طریقہ سے روزی پہنچاتے ہیں کہ بچّہ جب اپنی چونچ بار بار کھولتا ہے تو اس وقت حشرات الارض اور جراثیم ہوا کے ذریعہ اُس کے مُنہ میں پہنچ کر اس کی خوراک بنتے ہیں۔ (ابن کثیر۔ مظاہر حق)

اس طرح اللہ تعالیٰ کوّے کے بچّہ کو روزی پہنچاتے ہیں تو کیا وہ ذات اپنے وفا شعار بندوں کو روزی نہیں پہنچائے گا؟ کیا وہ تمہیں بھوکے مارے گا؟ نہیں ہرگز نہیں!!

بقول شاعر۔　　غمِ روزی مخور، برہم مزن اوراقِ دفتر را۔
　　　　　　کہ پیش از طفل ایزد پُر کُند پستان مادر را

فکر معاش میں حیران و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، خدا تو ایسی قدرت والے ہیں کہ بچّے کے دُنیا میں قدم رکھنے سے پہلے پستانِ مادر میں دُودھ مہیّا کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح محیر العقول طریقہ پر خوراک کا انتظام فرما دیتے ہیں بے شک وہ بڑی شان اور قدرت والے ہیں۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ خدا کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو وہ اس کو حکم دیتا ہے "کُن ہو جا تو وہ اسی وقت وجود میں آجاتی ہے (سورۂ یٰسین پ ۲۳) ــــ خدا تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین ثم آمین ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ وعلمہ اتم والحکم وَهُوَ الهادی الی الصراط المستقیم۔

مولانا محمد عثمان معروفی فاضل دیوبند

تدوین قرآن

ایک سرسری مطالعہ

قرآن کریم کلام الٰہی ہے اور ازل سے لوح محفوظ میں موجود ہے، دو مرتبہ اس کا نزول ہوا، ایک مرتبہ پورا کا پورا قرآن سماء دنیا کے بیت عزت پر نازل ہوا جسے بیت المعمور بھی کہا جاتا ہے۔ جو کعبۃ اللہ کی محاذات میں آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے۔ دوسرا تدریجی نزول حسب ضرورت تیئیس ۲۳ سال میں آنحضورؐ پر ہوا جس کی ابتداء اس وقت ہوئی جب آنحضرتؐ کی عمر چالیس ۴۰ سال کی ہوئی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر سے نزول شروع ہوا۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ نبوت ربیع الاوّل میں ملی، علامہ سیوطیؒ نے اس کی تطبیق اس طرح دی ہے کہ آپؐ کو ربیع الاوّل میں سچے خواب نظر آنے شروع ہوئے جس کا سلسلہ چھ ۶ ماہ تک جاری رہا۔ پھر رمضان میں قرآن نازل ہوا اور سب سے پہلی آیت اقرأ باسم ربك الذی خلق نازل ہوئی پھر تین سال تک وحی منقطع رہی جسے فترتِ وحی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ تین برس بعد سورۂ مدثر کی آیات نازل ہوئیں ہجرت سے پہلے قرآن کا جو حصّہ نازل ہوا وہ مکی اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوا وہ مدنی کہلاتا ہے مشہور قول یہی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ جو حصّہ مکّہ میں نازل ہوا وہ مکّی ہے خواہ ہجرت کے بعد نازل ہوا ہو اور جس کا مدینہ میں ہوا وہ مدنی ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ جس حصّہ میں اہل مکہ سے خطاب ہے وہ مکی ہے اور جس میں اہل مدینہ سے وہ مدنی ہے۔

قرآن کریم کی حفاظت کا غذ و قلم سے زیادہ حفاظ کے سینوں سے کرائی گئی مسلم شریف کی روایت ہے و منزل علیک کتابا لا یغسلہ الماء یعنی آپ پر ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں۔ جسے پانی نہیں دھو سکے گا۔ اُسے سینوں میں محفوظ کر دیا جائے گا۔ دوسری کتابوں کی طرح ضائع نہ ہو سکے گی۔ اہل عرب اپنی حیرت انگیز قوتِ حافظہ کے سبب دنیا بھر میں ممتاز تھے۔ آنحضورؐ کے دورِ اقدس میں ہی صحابۂ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے قرآن کریم ازبر یاد کر لیا تھا۔ کثرتِ حفاظ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ غزوۂ بیر معونہ میں ستر قراء شہید ہوئے۔ جنگ یمامہ میں ایک روایت کے مطابق ستر اور دوسری روایت کے مطابق سات سو حفاظ شہید ہوئے۔ حفظ قرآن کے ساتھ آنحضورؐ کے وقت کتابتِ قرآن کا بھی اہتمام تھا۔ جتنا قرآن نازل ہوتا فوراً کسی کاتب وحی کو بلا کر آپؐ اپنی جگہ لکھوا دیتے اس طرح آپؐ کی نگرانی میں قرآن کریم کا ایک مکمل نسخہ تیار ہوا اگرچہ کتابی شکل میں نہ تھا بلکہ متفرق پتھر کی سلوں، چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں، جانور کی ہڈیوں اور کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھا ہوا تھا۔

کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ، حضرت ابان بن سعیدؓ بن العاص، حضرت حنظلہ بن الربیعؓ، حضرت حضرت معقیب بن ابی فاطمہؓ، حضرت عبداللہ بن ارقم الزہریؓ۔ حضرت شرحبیل بن حسنہؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عمرو بن العاصؓ۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ۔ حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت زید بن ثابتؓ کے اسماء گرامی ہیں ـــــ صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے ابوبکر صدیقؓ کے پاس جا کر کہا کہ آئندہ معرکوں میں اگر اسی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے تو اندیشہ ہے کہ قرآن کا بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے اس لئے

آپ جمع قرآن شروع کردیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ جو کام آنحضورؐ نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں؟ حضرت عمرؓ نے بار بار کہا کہ واللہ یہ کام بہتر ہی بہتر ہے۔ یہاں تک کہ صدیق اکبرؓ کو شرح صدر ہوگیا، اسی وقت زید بن ثابتؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم سمجھ دار نوجوان کاتب وحی ہو لہذا قرآن کو تفتیش وتحقیق کرکے جمع کرو انھوں نے بھی پہلے عذر کیا بعد میں وہ بھی متفق ہو گئے اب صحابۂ کرامؓ کے درمیان اعلان کرادیا گیا کہ قرآن کریم کی آیات جن کے پاس لکھی ہوتی ہوں وہ حضرت زیدؓ کے پاس لے آئیں۔ اس طرح کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے انھوں نے قرآن کو جمع کیا۔ حضرت زیدؓ خود حافظِ قرآن اور کاتبِ وحی تھے وہ اپنی یادداشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے یا متفرق تختیوں سے نقل کرسکتے تھے۔ لیکن جب انھوں نے ان سب ذرائع کے ساتھ انتہائی احتیاط سے کام لیکر کسی آیت کو اپنے صحیفہ میں اس وقت تک درج نہیں کیا جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہ مل گئیں، اس زبردست احتیاط کے ساتھ ۱۲ھ میں تمام امت کی اجماعی تصدیق سے قرآن کا یہ نسخہ تیار ہوا جو بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا کیونکہ اس کی ہر ہر سورتیں علٰحدہ علٰحدہ صحیفہ پر لکھی گئیں۔ یہ صحیفے حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہے پھر حضرت عمرؓ کے پاس اور ان کی شہادت کے بعد حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس محفوظ رہے۔ حضرت حفصہؓ کے انتقال کے بعد مروان بن حکم نے ان صحیفوں کو منگواکر ضائع کردیا کہ اب حضرت عثمانؓ کے تیار کرائے ہوئے مصاحف کی اتباع لازمی ہے کیونکہ اس کے رسم الخط اور ترتیب سُور پر اجماع منعقد ہوچکا ہے۔ لہذا جو نسخہ اس ترتیب و رسم الخط کے خلاف ہو اُسے باقی نہ رہنا چاہیئے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں اسلام روم اور ایران کے دور دراز علاقوں میں پہونچ چکا تھا اور قرآن مختلف قراءتوں میں پڑھا جاتا تھا۔ لوگوں میں اختلاف قراءت کی وجہ سے جھگڑے شروع ہوئے کچھ لوگ ناواقفیت کیوجہ سے اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے۔ حالانکہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا اور مختلف صحابہؓ نے آنحضورؐ سے مختلف قراءتوں کو سیکھا اور اپنی اپنی قراءتوں کو اپنے تلامذہ میں رائج کیا۔ ان قراءتوں کا شدید اختلاف اہل عراق واہل شام کے اندر آرمینیہ اور آذربائیجان

کے محاذ جہاد پر حضرت حذیفہ بن یمان رضؓ نے دیکھا کہ ایک دوسرے کو کافر تک کہہ رہے ہیں چنانچہ وہ مدینہ لوٹتے ہی حضرت عثمان رضؓ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ کتاب اللہ کے بارے میں اس امت کو یہود ونصاریٰ کی طرح باہم مختلف ہونے سے پہلے ہی بچا لیجیے۔ حضرت عثمان رضؓ نے جلیل القدر صحابہ رضؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا اور فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیا جائے تاکہ کوئی اختلاف پیش نہ آئے۔ صحابہ کرام رضؓ نے اس رائے کی تائید فرمائی۔ پھر حضرت عثمان رضؓ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ تم لوگ مدینہ میں قرآن کی قراءتوں میں اختلاف اور ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہو تو جو لوگ یہاں سے دور ہیں وہ اور زیادہ اختلاف وتکذیب کرتے ہوں گے۔ لہذا سب مل کر قرآن کریم کا ایک ایسا نسخہ تیار کریں جو سب کے لئے واجب الاقتداء ہو، اس کے لئے حضرت زید بن ثابت رضؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ، حضرت سعید بن العاص رضؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضؓ کی ایک کمیٹی بنا کر مامور کیا اور ان کی مدد کیلئے دوسرے صحابہ رضؓ کو بھی لگایا یہاں تک کہ ان کی تعداد بارہ ہو گئی جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ، حضرت ابی بن کعب رضؓ، حضرت کثیر بن افلح رضؓ، حضرت انس بن مالک رضؓ اور حضرت مالک بن ابی عامر رضؓ شامل تھے۔ حضرت عثمان رضؓ نے حضرت حفصہ رضؓ کے پاس سے وہ صحیفے منگوائے جو صدیق اکبر رضؓ نے لکھوائے تھے اور فرمایا کہ اسے سورتوں کی ترتیب کے ساتھ نقل کر دو اور جہاں تلفظ میں اختلاف ہو وہاں خاص قریش کی زبان میں لکھنا کیونکہ قرآن انہیں کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ ان حضرات نے پوری امت کی اجماعی تصدیق سے مکمل معیاری نسخہ سورتوں کی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا اور اس کا رسم الخط ایسا رکھا جس میں تمام متواتر قراءتیں سما سکیں، اسی لئے نقطے اور اعراب بھی نہیں لگائے۔ حضرت عثمان رضؓ نے ایک قول کے مطابق سات نسخے تیار کرائے، ایک مدینہ منورہ میں محفوظ رکھا اور ایک ایک نسخہ مکہ مکرمہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، اور کوفہ بھیج دیا، اور مختلف صحابہ کے پاس جتنے انفرادی نسخے تھے ان سب کو ضائع کر دیا تاکہ کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ حضرت عثمان رضؓ کے اس کارنامہ کی تمام صحابہ رضؓ نے تائید وحمایت فرمائی اور امت نے اسے بنظر استحسان دیکھا، حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ عثمان کے بارے میں سوائے بھلائی کے کچھ نہ کہو کیونکہ واللہ انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں ہمارے مشورہ سے کیا، یہ واقعہ ۲۵ھ کا ہے۔ اب امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآ

کریم کو رسم عثمانی کے خلاف کسی اور طریقہ سے لکھنا جائز نہیں، چنانچہ صحابہؓ وتابعینؒ نے مصاحف عثمانی کی وسیع پیمانہ پر نقول کراکے اشاعت کی۔

اہل عرب کو بے نقطے اور بے اعراب کے قرآن پڑھنے میں کوئی دشواری نہ تھی لیکن جب ممالک عجم میں اسلام..... پھیلا تو اہل عجم کو دشواری ہونے لگی اس لئے ایک روایت کے مطابق سب سے پہلے ابوالاسود دئلی نے نقطے اور اعراب لگائے، دوسری روایت یہ ہے کہ حجاج بن یوسف نے حسن بصریؒ، یحییٰ بن یعمرؒ اور نصر بن عاصم لیثیؒ سے ۸۶ھ میں نقطے اور اعراب لگوائے بعد میں خلیل بن احمدؒ نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں۔

صحابہؓ وتابعینؒ کا معمول تھا کہ ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرتے تھے اور روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کرلی تھی جس کو منزل یا حزب کہا جاتا ہے اس طرح پورا قرآن سات منزل (احزاب) پر تقسیم ہوا۔ پہلی منزل تین سورتوں کی، دوسری پانچ سورتوں کی، تیسری سات سورتوں کی، پانچویں گیارہ سورتوں کی، چھٹی تیرہ سورتوں کی اور ساتویں سورۂ ق سے آخر قرآن تک۔ ہر منزل کی پہلی سورہ کا پہلا حرف لیکر "فمی بشوق" مجموعہ بنایا گیا جو ابتداء منزل بتاتا ہے۔

بچوں کی سہولت کے لئے قرآن کریم کے تیس اجزاء یعنی تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا، اس تقسیم میں معنیٰ کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا ہے بلکہ کہیں کہیں ادھوری بات ہی پر پارہ ختم ہوجاتا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے تیس صحیفوں پر قرآن لکھوایا تھا اور بعض کا خیال ہے کہ ۸۶ھ میں یہ تقسیم ہوئی۔ البتہ رکوع کی تقسیم معنیٰ کے لحاظ سے کی گئی ہے یعنی جہاں ایک سلسلۂ کلام ختم ہوا وہاں رکوع کی علامت بنادی گئی تاکہ اتنی مقدار ایک رکعت میں پڑھی جائے اسی وجہ سے اس کو رکوع کہتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مشائخ نے قرآن کو پانچ سو چالیس رکوعات پر تقسیم کیا ہے اور اس کی علامتیں بنادی ہیں تاکہ تراویح میں ستائیسویں شب میں قرآن ختم ہوسکے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ رکوعات کی تعیین حضرت عثمانؓ ہی کے دور میں ہوئی۔

اس بات پر بھی اجماع منعقد ہے کہ قرآن کی کل سورتیں ۱۱۴ ہیں اور ایک قول میں ۱۱۳ ہیں جبکہ "انفال" اور "براءۃ" ایک سورہ مانی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کی کل آیتیں ۶۶۱۶ ہیں اور ۳۲۳۶۷۱ حروف ہیں، آیات کی تعداد میں علماء کا اختلاف بھی ہے۔ کلمات قرآن کی تعداد بہت سے علماء نے ۷۷۹۳۴ بتائی ہے، بعض مفسرین نے ۷۷۴۳۷ اور کچھ علماء نے ۷۷۲۷۷ بتائی، ان کے علاوہ بھی اقوال ہیں یہ اختلاف کلمہ کی حقیقت، مجاز، تلفظ اور رسم الخط کی وجہ سے ہوا، کسی نے کسی کی رعایت کی اور کسی نے کسی کی

پریس کی ایجاد سے پہلے قرآن کریم قلمی ہوتے تھے اور ہر دور میں کاتبوں کی ایک بڑی جماعت رہا کرتی تھی جس کا مشغلہ صرف کتابت قرآن ہوتا تھا۔ حروف قرآن کو بہتر سے بہتر بنانے میں مسلمانوں نے جو عظیم محنتیں کی ہیں اس کی تاریخ بڑی دلچسپ اور بہت طویل ہے۔ جب پریس ایجاد ہوا تو سب سے پہلے ہمبرگ میں ۱۱۱۳ھ میں قرآن کریم طبع ہوا جس کا ایک نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے اس کے بعد متعدد مستشرقین نے طبع کرائے لیکن اسلامی دنیا میں وہ مقبول نہ ہوئے۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے مولائے عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ میں ۱۷۸۷ء میں طبع کرایا اس کے بعد قازان میں چھاپا گیا پھر ۱۸۲۸ء میں ایران کے شہر تہران میں پتھر پر چھاپا گیا۔ جس کے نسخے دنیا بھر میں عام ہوئے

(علوم القرآن، ظفر المحصلین، ایک عالمی تاریخ)

مسلم پرسنلا نمبر! مسلم پرسنلا کیا ہے، شرعاً اس کی کیا اہمیت ہے عصر حاضر میں اس کی اہمیت میں کیوں اضافہ ہوا ہے — حکومت اس سلسلے میں کیا اقدام کر رہی ہے، اور مسلمان اس سے کس طرح متاثر ہو رہے ہیں مستقبل میں کیا اندیشے ہیں۔ اس موضوع پر اہل علم کے گرانقدر مقالات کے لئے پڑھئے

ماہنامہ دارالعلوم کا مسلم پرسنلا نمبر جو مارچ ۱۹۸۵ء میں آرہا ہے۔
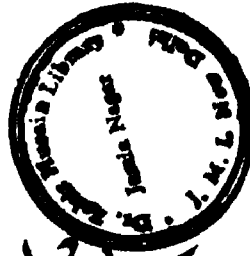
جدید مطبوعات

تعارف وتبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

نام۔ تشریح المتشابہات ۔ مرتبہ جناب حافظ عبدالحلیم چشتی۔ کتابت وطباعت عمدہ۔ مطبوعہ عظیمی پرنٹرز ۱۳- K - 1، ناظم آباد کراچی۔ ملنے کا پتہ۔ مدرسہ حفظ القرآن اسلم روڈ کراچی ۱۔ قیمت درج نہیں

قرآن کریم انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اللہ کی آخری کتاب ہے، جو بغیر کسی کمی بیشی اور تحریف وتبدیل کے اپنی اصلی شکل میں نہ صرف موجود ہے بلکہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ مسلمانوں نے قرآن عظیم کو جس طرح اپنا حرز جان بنایا ہے، مذاہب وملل کی تاریخ میں اس کی مثال تلاش نہیں کی جا سکتی

قرآن حکیم کے ساتھ شغف ہی کا نتیجہ ہے کہ درجنوں علوم ایسے ہیں جو خالص قرآن اور اس کے متعلقات کو پیش نظر رکھ کر مدوّن کئے گئے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی فن متشابہات آیات ہے جو حفاظ وقراء کی سہولت اور آسانی کے لئے وضع کیا گیا جن میں ان آیات کی نشاندہی کی جاتی ہے جہاں قاری کو تشابہ پیش آسکتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب اسی موضوع پر ہے جیسا کہ نام سے واضح ہے مذکورہ کتاب کے علاوہ اس فن پر کنز المتشابہات" مؤلفہ حافظ محبوب علی الخبیر، رموز المتشابہات" مرتبہ جناب قاری بندہ الٰہی گجراتی تحفۃ الحفاظ" از مولانا محمد حنیف گنگوہی وغیرہ بھی ہیں۔ لیکن ان میں بعض بہت مبسوط اور بعض نہایت مختصر اور بعض ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ اس وجہ سے حفاظ ان سے پورے طور پر استفادہ نہیں کر سکتے برخلاف زیر تبصرہ کتاب کے جو قرآن ہی کے حاشیہ پر ہے۔ پھر آیات متشابہات کی نشاندہی میں الفاظ کم سے کم استعمال کئے گئے ہیں۔ اس لئے حفاظ کو اس سے استفادہ میں بڑی آسانی ہے۔ اگر اسی کے ساتھ قرآن کریم کے ہر صفحہ کو آیت پر ختم کرنے کا التزام کیا گیا ہوتا تو اس کی افادیت میں چار چاند لگ جاتے۔ بہرحال کتاب

نہایت مفید اور اپنے موضوع پر مکمل ہے۔ مؤلف موصوف تمام مسلمانوں بالخصوص حفاظ
کرام کے شکریہ کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور
اس کی برکت سے انھیں اپنے مقدس کلام کی مزید خدمت کا موقع بخشے۔ آمین۔

نام۔ رضاخانی ترجمہ وتفسیر پر ایک نظر:۔

تالیف:۔ مولانا جمیل احمد نذیری۔ ناشر مکتبہ صداقت مبارکپور اعظم گڈھ۔ کتابت وطباعت
عمدہ، صفحات: دوسو ایک ۲۰۱ - قیمت۔ بیس ۲۰ روپے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے تلمیذ خاص مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے اپنے غلط
اور بے بنیاد عقائد واعمال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن حکیم کے ترجمہ وتفسیر میں جس طرح
توڑ مروڑ اور تحریف وتلبیس سے کام لیا ہے اُسے دیکھ کر روح کانپ اٹھتی ہے اسی بناء پر حکومت
سعودیہ عربیہ اور دیگر ممالک اسلامیہ نے مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ اور مولانا نعیم الدین کی تفسیر
"کنزالایمان" (جو درحقیقت زنگی برعکس نہند نام کافور کا صحیح مصداق ہے) پر پابندی عائد کردی
ہے اب ان ممالک میں اسے اپنے پاس رکھنا قانوناً جرم ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں فاضل مؤلف نے ان مقامات کی نشاندہی کی ہے۔ جہاں استاذ و
شاگرد نے اپنے عقیدہ ومسلک کی تائید وتوثیق کی غرض سے تفسیر بالرائے کی مجرمانہ حرکت کی
ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس مقام کی صحیح تفسیر بھی فن تفسیر کی مستند اور مشہور کتابوں سے
کردی ہے۔ بعض جگہوں پر مؤلف کا انداز مناظرانہ ہوگیا ہے۔ جو ایک علمی طرز تحریر کے مناسب
نہیں ہے۔ امید کہ اگلے ایڈیشن میں اس پر توجہ کی جائے گی۔ کتاب اپنے موضوع پر بہتر
اور اس کی تمام گرفت مدلل ہے۔ امید کہ علمی حلقوں میں پسند کی جائے گی۔

حبیب الرحمٰن قاسمی

بیان ملکیت متعلقہ ماہنامہ دارالعلوم بابت رجسٹریشن

ایکٹ فارم ۴ رول نمبر ۸

نام ـــــــــــــــ رسالہ دارالعلوم
وقفہ اشاعت ـــــــــــــــ ماہانہ
پرنٹر و پبلشر ـــــــــــــــ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
قومیت ـــــــــــــــ ہندوستانی
پتہ ـــــــــــــــ دارالعلوم دیوبند
ایڈیٹر ـــــــــــــــ مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی۔
قومیت ـــــــــــــــ ہندوستانی
پتہ ـــــــــــــــ دارالعلوم دیوبند
مالک ـــــــــــــــ دارالعلوم دیوبند

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا تفصیلات میرے علم و اطلاع کے مطابق درست ہیں

(مولانا) مرغوب الرحمٰن (صاحب)

Regd. No. SHN-L-13-NP-21-85
DARUL ULOOM MONTHLY
DEOBAND [U. P.]

تاریخ .... نمبر ....

محترم و مکرم ! زید مجدکم

سلام مسنون ! "دار العلوم دیوبند" ہماری حیاتِ ملی کا علمبردار، نقیب اور محافظ ہے اور ماہنامہ دار العلوم اس کا ترجمان ہے، بالفاظ دیگر وہ ہمارا اپنا ترجمان ہے اسکی ترویج و اشاعت اور ترقی خود ہمارے ارتقاء کی ضامن ہے، اس لئے آنجناب سے خصوصی درخواست ہے کہ رسالہ دار العلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں، خود بھی خریدار بنیں اور اپنے حلقۂ اثر میں زیادہ سے زیادہ خریدار بنانے کی کوشش فرمائیں۔

رسالہ دار العلوم میں

- اسلامی تعلیمات کو سہل اور دل نشیں پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے،
- اسلام کے قدیم و جدید مخالفین کی بطریقِ احسن مدافعت کی جاتی ہے،
- دقیق علمی مسائل میں علماء دیوبند کے محققانہ مقالات شائع ہوتے ہیں
- دار العلوم کے احوال و کوائف سے معاونین کرام کو مطلع کیا جاتا ہے،
- تاریخ اسلام کے رجال فکر و دعوت کی زندگی پر پُر اثر مقالے پیش کئے جاتے ہیں

امید کہ آنجناب رسالہ دار العلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر اپنی آواز کو مضبوط اور اپنے ترجمان کو طاقتور بنائیں گے۔ والسلام

دار العلوم پرنٹنگ پریس دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

23 DEC 1985
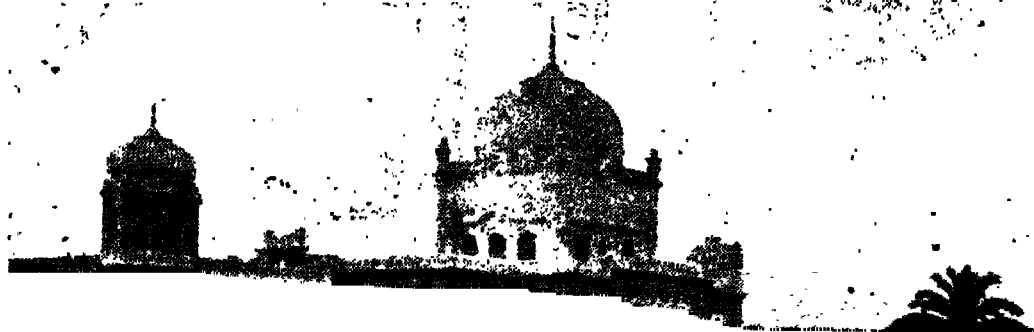
شمارہ نمبر ۳ | بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۸۵ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۶ھ | جلد نمبر ۶۹

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمٰن القاسمی

قیمت فی پرچہ -/۳ ؛ سالانہ =/۳۰

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے } سعودی عرب، کویت، ابوظہبی ایرمیل -/۱۱۵ جنوبی مشرقی افریقہ، برطانیہ -/۱۲۵
امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل -/۱۴۵ پاکستان بذریعہ ایرمیل -/۴۰ بنگلہ دیش -/۳۲

محبوب پریس دیوبند۔ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہوگیا ہے۔

فہرست مضامین

ہندوستانی اور پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) - ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اوّل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں۔

۲- پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپے مولانا عبد الستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان (پاکستان) کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ اس چندہ کو رسالہ دار العلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن القاسمی

عدل وانصاف کا حصول، جان ومال کا تحفظ دین ومذہب کی آزادی، اور حق شہریت میں مساوات یہ وہ بنیادی انسانی حقوق ہیں جو انسان کے فطری شرف کا خاصّہ ہیں جنھیں تاریخ کے ہر دور میں تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ "بھارت میں انگریزی راج" کے مصنف پنڈت سندر لال الٰہ آبادی سلطنت مغلیہ میں مذہبی آزادی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور ان کے بعد اورنگ زیب کے تمام جانشینوں کے زمانہ میں ہندو مسلم یکساں رہتے تھے۔ دونوں مذاہب کی یکساں توقیر کی جاتی تھی اور مذہب کے لئے کسی کے ساتھ کسی قسم کی جانب داری نہ کی جاتی تھی ہر بادشاہ کی طرف سے بے شمار مندروں کو جاگیریں اور معافیاں دی گئی تھیں۔ آج تک ہند میں متعدد ہندو مندروں کے پجاریوں کے پاس اورنگ کے دستخطی فرمان موجود ہیں جن میں خیرات اور جاگیروں کے عطا کئے جانے کا تذکرہ ہے" (روشن مستقبل ص ۲۴)

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان مذکورہ حقوق بالخصوص آزادیٔ مذہب پر جب بھی کسی حکومت کی جانب سے قدغن لگائی گئی ہے عوام نے اُسے برداشت نہیں کیا ہے۔ اور اگر حالات میں حکومت کا یہی رویہ انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا ہے۔ خود ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا ایک اہم محرک ہندؤں اور مسلمانوں کا یہ اندیشہ تھا کہ اُن کے مذہب میں رخنہ اندازی کی جارہی ہے اور اُسے خراب کرنے کی کوشش ہو رہی ہے جنگ آزادی کے مشہور مجاہد اور...... حکومت ہند کے سابق وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے حکومت برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

اسلام کے احکام کوئی راز نہیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہ ہو وہ چھپی ہوئی کتابوں
میں مرتب ہیں اور مدرسوں کے اندر شب و روز لوگ ان کا درس دیتے ہیں پس گورنمنٹ
کو چاہئے کہ صرف اس بات کی جانچ کرے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہیں یا
نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ایسا ہی ہے تو پھر صرف دو ہی راہیں گورنمنٹ کے سامنے
ہونی چاہئیں۔ یا مسلمانوں کے لئے ان کے مذہب کو چھوڑ دے۔ اور کوئی ایسی بات نہ کرے
جس سے اُن کے مذہب میں مداخلت ہو یا پھر اعلان کر دے کہ مسلمانوں کے مذہبی احکام
کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ نہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ ان کے مذہب میں مداخلت نہ ہوگی
اس کے بعد مسلمانوں کے لئے بھی نہایت آسانی ہو جائے گی کہ اپنا وقت بے سود شور و
فغاں میں ضائع نہ کریں اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام ان دونوں میں سے کوئی
ایک بات اپنے لئے پسند کریں،، (مسئلہ خلافت و جزیرۃ عرب ص ۲۰۴)

آزادیٔ مذہب کا مسئلہ اتنا حساس ہے کہ کوئی قوم بھی ایک لمحہ کے لئے اس میں مداخلت
برداشت نہیں کرتی۔ بالخصوص مسلمانوں کا احساس تو اس مسئلہ میں انتہائی نازک ہے یہی وجہ
ہے کہ ملک کے آزاد ہونے کے بعد جب اس کا نیا دستور مرتب کیا گیا تو اس میں مذہب کی کھلی ضمانت
دی گئی۔ کیونکہ اس ضمانت کے بغیر ملک کا سیاسی اتحاد برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ ملاحظہ کیجئے دستور
ہند کا باب سوم جس کا عنوان ہے "بنیادی حقوق" جس میں ہندوستان میں رہنے والے تمام
باشندوں کے لئے چند حقوق کو بنیادی حقوق کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ اور ان کے تحفظ کی
ضمانت دی گئی ہے۔ چنانچہ اس باب کے (دفعہ ۲۵) اور (دفعہ ۲۹) میں کھلے لفظوں کہے ہیں یہاں
کے شہریوں کے ہر طبقہ کو اپنی مخصوص تہذیب و کلچر کو برقرار رکھنے اور اپنے لئے کسی مذہب کو
اختیار کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کرنے کا پورا پورا حق دیا گیا ہے۔

پھر ان بنیادی حقوق کی بالادستی کو قائم رکھنے کیلئے دستور کی (دفعہ ۳۲) میں یہ صراحت کی
گئی ہے۔ ہر بنیادی حق کو سپریم کورٹ کے ذریعہ نافذ کرایا جاسکے گا۔ اسی کے ساتھ بنیادی حقوق کو

مزید مستحکم و مضبوط کرنے کے لئے دفعہ ۱۳ ضمن ۲ کے ذریعہ ریاست کے اختیاراتِ قانون سازی کو محدود کر دیا گیا ہے کہ ریاست کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتی جس سے باب سوم میں مندرجہ بنیادی حقوق میں سے کسی حق پر کوئی ضرب پڑے۔

دستور ہند کا چوتھا باب "ریاست کی پالیسی کے رہنما اصول" کے عنوان سے ہے جو متعدد دفعات پر مشتمل ہے۔ ان دفعات میں سے دفعہ ۴۴ میں کہا گیا ہے کہ ریاست ہندوستان کے پورے علاقے کے شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ بنانے کی کوشش کرے گی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رہنما اصولوں اور بنیادی حقوق کے ابواب میں سے کون سا مقدم ہے۔ ماہرین قانون اس مسئلے میں مختلف الرائے ہیں۔ لیکن عدلیہ کے اب تک کے فیصلوں کے پیش نظر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رجحان بنیادی حقوق کو اہم تر قرار دینے کا ہے۔ لیکن محمد احمد بنام شاہ بانو کے مقدمہ میں سپریم کورٹ کی فل بنچ کا نفقہ مطلقہ سے متعلق جو فیصلہ اپریل ۱۹۸۵ء میں سامنے آیا ہے جس میں صاف لفظوں میں یکساں سول کوڈ کے نافذ کرنے کی حکومت سے سفارش کی گئی ہے اس نے اس رجحان کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ اور حکومت کی جانب سے مسلسل یقین دہانیوں اور دستور ہند کی ان مستحکم ضمانتوں کی موجودگی میں ہندوستان کی عدالت عالیہ کا یہ فیصلہ اور حکومت سے اس کی مذکورہ سفارش ایک عظیم خطرہ کا سگنل ہے۔ لیکن حکومت کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ اس خطرہ کے شکار تنہا مسلمان ہی نہیں ہوں گے بلکہ پورا ملک ہوگا۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت ہند پر عائد ہوگی۔

اس لئے اس وقت کے آنے سے پہلے پہلے حکومت کو اس مسئلہ میں دو ٹوک فیصلہ کر کے ملک کو انتشار و اضطراب بچانے کی فکر کرنی چاہیئے۔

حدیث پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں

ترجمہ:- مولانا محمد حنیف ملی معہد ملت مالیگاؤں

ہمیں وہ حالات اور ماحول معلوم ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آپ نے اپنی دعوت کیلئے جو درمیانی مدت گذاری ہے درحقیقت وہی اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیاد بنی جس نے نہ صرف تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا بلکہ تاریخ انسانی کے مختلف گوشہ حیات کو بھی تہذیب و ترقی کے سرمایہ سے مالامال کیا جب ہم اس صدی کے ایک چوتھائی حصہ پر غور کرتے ہیں جو دعوت کے آغاز سے وفات تک پر مشتمل ہے تو اس قلیل عرصہ میں ایک عظیم درسگاہ کا سراغ ملتا ہے جو تعلیم و تربیت کے پُرکشش، دلنواز اور نئے موڑ سے گذر رہی ہے جس کے نظام تربیت، دائرہ عمل اور تبلیغ و اشاعت کے نگراں خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس درسگاہ کا موضوع کتاب و سنت ہے اور اس میں تعلیم حاصل کرنے والے صحابہ ہیں

اس پختہ تعلیمی تجربہ پر اظہار خیال کرنے سے پہلے ضروری ہوگا کہ ہم اس کے نظام تعلیم و تربیت کا جائزہ لیں تاکہ اس عظیم درسگاہ کی کامیابی کا راز کھل سکے اور یہ اندازہ بھی ہوجائے کہ یہاں کے پڑھنے والوں نے اتنا زبردست استفادہ کیونکر کیا یہی آج کا موضوع سخن بھی ہے اور یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعال شخصیت کا مطالعہ ایک معلم خیر اور اتالیق انسانیت کی حیثیت سے کریں دعوت اسلامی اور طلبہ سے آپ کے

بے پناہ ربط کو سمجھیں اور یہ بھی جان لیں کہ خود ان طلبہ کا اپنے موضوع اور مربی سے کس قدر لگاؤ تھا تب ہی اس نظام تعلیم و تربیت کے فوائد کو سمجھیں گے جسے صحابہ نے حاصل کیا اور اُسے اپنے اُوپر جاری و ساری کیا۔

اس لئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا مربی اور معلم کی حیثیت سے گہرا مطالعہ کیا جائے آپ کے طریقۂ تعلیم کو بھی سمجھیں جو آپ کا نصب العین تھا ہمیں یہ بھی جاننا ہوگا کہ صحابہ آپ سے کس طرح علم حاصل کرتے تھے ان کا خدا کے رسول کے ساتھ کس نوعیت کا تعلق تھا اور آپ کی شریعت کا ان کی نظر میں کیا مقام تھا۔ حدیث کی روشنی میں ان تمام امور پر غائرانہ نظر ڈالنے کے بعد ہی سنت کی صحیح تصویر ہمارے سامنے آسکے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مربی اور معلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیرت و اخلاق کے جس عظیم ترین منصب پر فائز ہیں اسکو بیان کرنے سے ہم قاصر ہیں اور یہ ذرا بھی حیرت کی بات نہیں۔ آج بھی کسی ادیب اور مؤرخ کی مجال نہیں کہ آپکے تمام اوصاف حمیدہ، آپ کی ہمہ گیر خصوصیات اور آپ کی حیات طیبہ کے تمام واقعات کو از اوّل تا آخر جمع کرسکے تاہم آپ کی مبارک زندگی اور مختلف دور پر کوشش کر کے جتنی کتابیں لکھی گئیں تاریخ کے کسی دور میں اتنی کتابیں کسی انسان کی زندگی پر نہیں ملتی میری بھی کوشش ہوگی کہ اپنے موضوع کے اہم ترین پہلوؤں کو اجاگر کرتا چلوں۔

خداوند عالم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپؐ کی تربیت فرمائی اور اپنے لطف خاص سے بے پناہ علوم سے نوازا تاکہ آپ نبوت کی گراں بہا ذمہ داری اٹھا سکیں اور دوسروں تک پہنچا بھی سکیں خدا نے قرآن کریم کو آپ کی سیرت و اخلاق بنا کر آپ میں سارے عالم کے اوصاف پیدا فرما دیئے کہ خدا کی خوشی آپ کی خوشی اور اس کی ناراضگی آپ کی ناراضگی ہوگی۔ آپ چونکہ دنیا میں ضابطۂ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجے

گئے تھے اس لئے نہ آپ بُرے تھے اور نہ کسی بُرائی کو ایک لمحہ کے لئے گوارا فرماتے تھے۔ بلکہ فرمایا کرتے تھے " ان من خیارکم احسنکم اخلاقاً تم میں سب سے زیادہ اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ آپ پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ حیامند تھے جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تو چہرہ مبارک سے اس کا اثر نمایاں ہو جاتا تھا اور جب خوش ہوتے تو روئے مبارک مہ پارے کی طرح چمک اٹھتا تھا صحابہ کرام بھی رُخ انور کی لکیروں سے مسرت و رنج محسوس کر لیتے تھے آپ نہ کبھی کسی انسان سے اپنی ذات کے لئے دشمنی کی اور نہ کسی سے بدلہ لیا ہاں اگر خدا کے حدود پامال ہو رہے ہوں تو پھر آپ سے زیادہ سخت کوئی نہ تھا۔ آپ اپنے معاملات میں سب سے زیادہ ممتاز اور بلند تھے اور کیوں نہ ہوتے جب کہ خدا نے آپؐ کو سارے جہاں کے لئے نمونہ بنایا ہے اور آپؐ کو وحی کے ذریعہ سارے عالم کے لئے بشیر و نذیر بنا دیا قرآن کا ارشاد ہے " ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین "، وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی کی قوم میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت کی بات سکھاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

دعوت کے ساتھ بے پناہ انہماک:-

اپنے مشن کے ساتھ مربّی اور معلّم کا بے پناہ لگاؤ ہی طلبہ کے استفادہ میں دوررس اثر رکھتا ہے اور علمی باتیں ان کے ذہنوں میں راسخ بھی ہو جاتی ہیں اس لئے جی چاہتا ہے کہ اس حقیقت کو بھی آشکارا کیا جائے کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مشن اور اپنی دعوت سے کتنا گہرا ربط ہے اس لئے یہ جانے بغیر کہ حدیث کی حفاظت کیسے ہوئی، ماحول پر اسکے کیا اثرات رہے، صحابہ نے اس پر کتنی جاں فشانی دکھلائی ان امور کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا اور اس میں تو کسی کو ذرا شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری و معنوی سارا

زور اپنی دعوت کی نشر و اشاعت میں صرف کر دیا تمام قسم کی مشکلات برداشت فرمایا اور دین حنیف کی بنیادوں کو پائیدار بنانے کے لئے صبر و ضبط سے کام لیا حتیٰ کہ اس مقصد کے لئے وطن عزیز کو بھی خیر باد کہا اور تا دم واپسیں اپنی قوم کی ہدایت کے خواہش مند رہے بالآخر خدا نے آپ کی دلجوئی کے لئے اعلان فرما دیا کہ اے نبی انھیں ہدایت دینا تو خدا کے ہاتھ میں ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے: انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشاء وهو اعلم بالمهتدين - اے نبی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ خدا جس کو چاہے گا ہدایت دے گا وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے - ایک اور جگہ قرآن پاک نے آپ کی قلبی کیفیت کی عکاسی اس طرح کی ہے: لعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم يومنوا بهذا الحديث اسفا- آپ جو ان پر اتنا غم کھاتے ہیں شاید آپ اُن کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے (یعنی آپ اتنا غم نہ کیجئے -

لیکن جب اسلام کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں اور شان و شوکت میں دن دونی افزونی ہوئی اور نظام اسلام مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گیا تو آپ مجسم دعوت، پیکر قیادت، نگرانی کرنے والے سردار، تعلیم دینے والے فقیہ اور مسائل بتانے والے سچے مفتی کی حیثیت سے جلوہ گر ہوئے آپ نے اس فرض کی ادائیگی میں اپنے نفس عالیہ اور مرتاض و زاہد روح کی تمام توانائیاں وقف فرما دیں - اور ساری عمر داعی الی اللہ اور معلّم خیر بنے رہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رفقاء سے بے پناہ محبت تھی اور اُن کے دکھ درد میں شریک رہتے تھے ان کا پورا خیال فرماتے تھے اور ان تمام امور میں بے پناہ انہماک کے باوجود دعوتِ رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں لگے رہے - آپ کی ذات زندگی کے تمام گوشوں میں صحابہ کے لئے بہترین نمونہ تھی صحابہ بھی آپ سے تا زندگی مانوس رہے ، حدیثیں سنیں - ہر بڑے سے بڑے اور باریک سے باریک حکم کو سیکھا بھی بلکہ پورے اخلاص اور احساس ذمہ داری کے ساتھ ہم تک پہنچایا بھی -

علم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف

سب سے پہلی وحی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس نے انسانی فکر ونظر کو یک لخت تعلیم کی طرف موڑ دیا۔ خدا کا ارشاد ہے۔ "اقرأ باسم ربك الذی خلق" اس رب کے نام سے پڑھو جس نے تمہیں پیدا کیا یہ وحی نہ صرف تعلیم کی دعوت دے رہی ہے بلکہ علماء کا مقام بتاتی ہے اور قدرت کی نشانیوں پر غور کرنے کی ترغیب بھی دیتی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے "قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لايعلمون" کیا ان پڑھ اور پڑھے لکھے برابر ہو سکتے ہیں ایک جگہ ارشاد ہے " شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولوا العلم قائما بالقسط، اللہ، فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی ہے کہ اس کی ذات کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، ایک دوسری جگہ ارشاد ہے " يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين اوتوا العلم درجات"، خدا ایمان اور علم والوں کے درجے بلند فرمائیگا کہیں اہل علم سے دریافت کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد ہے "فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون"، اگر تم کو علم نہیں تو دوسرے اہل علم سے پوچھ دیکھو، کہیں احکامات الٰہی اور علم کی نشر واشاعت کو ضروری بتاتے ہوئے ارشاد ہے "واذ اخذ الله ميثاق الذين اوتوا الكتاب لتبيننه للناس ولاتكتمونه" اور جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا اور اس کو پوشیدہ مت کرنا۔ بعض مقام پر قرآن تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب اس انداز سے دیرہا ہے " فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون"، ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ یہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب وہ ان کے پاس واپس آئیں۔ ڈراتے رہیں۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ایک جگہ قرآن کہتا ہے " وقل رب زدني علما"، آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے

رب! میرا علم بڑھا دیجئے۔

یہاں ہم قرآن کی نہ اُن تمام آیات کو جمع کریں گے جو تعلیم، علم، اور علماء کے باب میں نازل ہوئی ہیں۔ اور نہ اس کی یہاں گنجائش ہے تاہم یہ معلوم کرتے چلیں کہ علم کا مقام علماء کی فضیلت، طلبہ کی حوصلہ افزائی، تعلیم و تربیت، درس و تدریس اور علما میں کمال پیدا کرنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا موقف ہے اور آپ نے کس طرح اس کی ترغیب دی ہے اس لئے کہ قرآن کریم کی تدوین کے ساتھ حفاظتِ حدیث کے لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف بڑا دُور رس اور خوش آیند اثرات کا حامل رہا ہے ہم مُشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند مثالیں دے رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علم کی ترغیب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف علم کے مقام و مرتبہ کو بیان فرمایا بلکہ امت کو اُسے حاصل کرنے کی ترغیب بھی دی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے من یرد اللہ به خیرًا یفقهه فی الدین "۔ جب خدا کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں " فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد "۔ ایک عالمِ دین شیطان پر ہزاروں عابد سے بھاری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو تمام اچھائیوں کا سب سے اہم رکن قرار دیا ہے اور علم کے ذریعہ لوگوں کو امتیازی مقام بخشا، آپ کا ارشاد ہے " الناس معادن فخیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا "۔ لوگ کان ہیں پس جو لوگ عہد جاہلیت میں اچھے تھے اگر صاحبِ علم ہیں تو اسلام میں بھی اچھے ہیں۔ آپؐ نے علم شریعت کو دینی امور کی درستی کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور بلا امتیاز سب کے لئے علم سیکھنا فرض فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت مشہور حدیث ہے۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ "۔ بقدرِ ضرورت دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے ہاں ان علوم کو آپ نے فرض کفایہ بتایا ہے جن کی زندگی میں

کبھی کبھی ضرورت پڑتی ہے اگر ایسا علم کوئی ایک فرد بھی نہ سیکھے تو اس کوتاہی کی وجہ سے پوری بستی کے مسلمان گناہ گار اور قابلِ مواخذہ ہوں گے۔ اور جب تک اس کمی کو پورا نہ کریں گے گناہ سے نہیں بچ سکیں گے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک ترغیب دی ہے کہ ہر مسلمان کو کسی نہ کسی درجہ میں علمِ دین کا کچھ حصہ حاصل کرنا چاہیئے۔ آپؐ کا پاک ارشاد ہے " اغد عالماً اومتعلماً اومستمعاً او محبًّا ولا تکن الخامسۃ فتھلك، تم عالم بنو یا متعلم بنو یا علم کی بات سُننے والے بنو یا علمِ دین کے چاہنے والے بنو کوئی پانچویں مت بنو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔ حضرت عطارؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مسعرؒ نے مجھ سے کہا آپ نے پانچویں بات کا تو اشارہ فرما دیا اور وہ یہ کہ دُنیا علم اور اہلِ علم سے نفرت کرنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم کی ترغیب کے ساتھ دین کے ہر مسئلہ کو خوب اچھی طرح سمجھانے کی تلقین بھی فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے دریافت کرلیا کرو اور بغیر علم کے کوئی مسئلہ مت بتاؤ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص بُری طرح زخمی ہوجانے کی وجہ سے جنبی ہوگیا۔ صحابہؓ نے اس کی نازک حالت کا جائزہ لئے بغیر اُسے غسل کرنے کا حکم دیدیا وہ بے چارہ غسل کرتے ہی تاب نہ لاسکا اور انتقال کرگیا۔ جب آپؐ کو معلوم ہوا تو بہت برہم ہوئے اور فرمایا " قتلوہ قتلھم اللہ ھل لا سألوا اذ لم یعلموا انما شفاء العی السوال" لوگوں نے اس کو غسل کی زحمت دے کر مار ڈالا۔ خدا انھیں بھی مارے جب لوگوں کو معلوم نہیں تھا تو دریافت کیوں نہیں کرلیا۔ اس لئے کہ ایک عاجز (درماندہ) کی شفا اور تسلی تو دریافت کرلینے میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قرآن وسنّت کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دی بلکہ ہر ایسے علم کی دعوت دی جس میں مسلمانوں کا نفع مضمر ہو حتّٰی کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے اور حضرت زید بن ثابت جیسے کم عمر صحابی کی زبان سے قرآن کریم کی کوئی دس سورتیں سنیں

بہت خوش ہوئے۔ اور انھیں یہودیوں کی زبان بھی سیکھنے کا حکم دیا اور یہ فرمائش کی یا زید تعلم لی کتاب یھود فانی واللہ لا آمن یھود علی کتاب اللہ" اے زید تم یہود کی زبان اور اُن کے خطوط بھی سیکھ لو۔ اس لئے کہ مجھے یہود کی خط و کتابت پر ذرا بھی اعتماد نہیں ہے۔ بعض روایت میں ہے کہ دوسری قوموں کو خط لکھتا ہوں تو اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ کمی زیادتی نہ کر دیں۔ اسلئے تم سُریانی زبان سیکھ لو حضرت زید فرماتے ہیں کہ میں نے کل سترہ دن میں خوب اچھی طرح عبرانی زبان سیکھ لی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو قابل رشک نعمت قرار دیتے ہوئے اس میں بازی لے جانے کی بھی ترغیب دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں" لاحسد الا فی اثنین رجل آتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق و اخر آتاہ اللہ حکمۃ فھو یقضی بھا و یعلمھا"، رشک صرف دو شخصوں میں ہے ایک تو وہ جسے اللہ نے دولتِ زر سے نوازا ہے اور اُسے خیر کی راہوں میں خرچ کرنے پر مقرر فرمادیا اور دوسرا وہ شخص جسے خدا نے دولتِ علم سے نوازا وہ علم دوسروں کو سکھاتا بھی ہے اور اس کی روشنی میں فیصلے بھی کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم نافع کے لئے خدا کی بارگاہ میں بکثرت دُعا مانگتے تھے حدیث میں ہے: اَللّٰھمّ انی اعوذ بک من علم لا ینفع و من دُعاء لا یسمع و من قلب لا یخشع و من نفس لا تشبع۔ اے اللہ میں ایسے علم سے پناہ چاہتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو اور ایسی دعا سے پناہ مانگتا ہوں جو بے اثر ہو اور ایسے دل سے پناہ مانگتا ہوں جو جری ہو اور ایسے نفس سے پناہ مانگتا ہوں جو کبھی سیر نہ ہو۔ آپ نے علم نافع کا شمار ایسی تین چیزوں میں فرمایا ہے جس کا اجر مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے فرماتے ہیں "اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلثۃ من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ" جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا اجر بھی ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن صدقہ جاریہ، علم نافع، اور صالح اولاد کی دعاؤں کا اجر مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ غرض اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے مقام اور

اس کی عظمت بیان کرتے ہوئے صحابہ اور تمام مسلمانوں کو نہ صرف علم حاصل کرنے بلکہ دوسروں تک پہنچانے کی بھی تاکید فرمادی ہے۔

اشاعتِ علم کی ترغیب و تلقین

علم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ علم والے اور دوسرے سب اس سے یکساں مستفید ہوں ایسے علم سے کیا فائدہ جو پردۂ خفا میں یا علماء کے نہاں خانۂ دل میں ہو اور اس سے کسی کو فائدہ بھی نہ پہنچے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی نشر و اشاعت پر بڑا زور دیا ہے اور اُسے چھپائے رکھنا حرام بتایا ہے آپ نے یہ بات مختلف موقعوں پر دہرائی ہے جسے ہزاروں مسلمانوں نے سُنا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "نضر اللہ امرءا اسمع مناحد یثا فحفظہ حتی یبلغہ فرب مبلغ احفظ لہ من سامع ہے۔ اور بعض روایات میں" رب مبلغ اوعی من سامع، اور بعض میں" رب حامل فقہ غیر فقیہ" کے الفاظ ملتے ہیں۔ غرض ان تمام روایتوں سے علم کی نشر و اشاعت کی اہمیت بتائی جارہی ہے۔

جو وفود خدمت اقدس میں دین سیکھنے کے لئے آتے تھے انھیں آپ دوسروں تک دین پہنچانے کے لئے روانہ فرماتے تھے اور دوسروں کو سکھانے کی تلقین بھی فرماتے تھے چنانچہ وفد عبدالقیس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی معاملہ فرمایا جب یہ وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اُن سے کہا آپ حضرات کا کس قبیلہ سے تعلق ہے انھوں نے کہا ربیعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا آنا مبارک ہو نہ تمہیں کوئی پشیمانی ہوگی نہ ندامت اس وفد نے کہا ہم کافی دور سے آئے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار آباد ہیں جو ہمارے حریف ہیں۔ اے اللہ کے نبی ہم آپ کی خدمت میں قابل احترام مہینوں کے علاوہ آ نہیں سکتے اس لئے آپ ہمیں نمٹی ہوئی باتیں بتادیجئے جسے ہم اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی بتادیں اور اس پر عمل کرکے جنت میں بھی داخل ہوسکیں۔ چنانچہ آپ نے انھیں چار باتوں کا حکم دیا اور

باتوں سے منع فرمادیا اور تاکید بھی کردی کہ انھیں یاد رکھو اور دوسروں کو بھی بتادو غرض اس زمانہ میں نشر واشاعت کے جتنے بھی طریقے ہوسکتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب اختیار فرمایا آپؐ نے قبائل کی تبلیغ کے لئے مبلغ روانہ کئے تبلیغی خطوط بھیجے گورنروں اور قاضیوں کو مختلف علاقوں کا ذمہ دار بنا کر بھیجا جو نشر واشاعت اور ادائے امانت کی اگر بہترین مثال ہے تو احساس فرض بھی آپؐ نے علم کی ادنی ادنی بات کو چھپانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "من سئل عن علم فکتمہ الجم یوم القیٰمۃ بلجام من نار، جس سے کوئی بات دریافت کیجائے اور وہ جانتے ہوئے بھی چھپائے رکھے تو قیامت کے دن اس کی باچھوں میں آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے " قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی یتعلم علما ثم لا یحدث بہ مثل رجل رزقہ مالا فکنزہ فلم ینفق منہ" آپؐ فرماتے ہیں کہ جس نے علم سیکھا اور دوسروں کو نہیں بتایا اس کی مثال ایک سرمایہ دار کی ہے جس نے دولت خوب کمائی ذخیرہ کیا لیکن اس میں سے کچھ بھی خرچ نہیں کیا ایسا شخص قرآن کی اس آیت کا مصداق ہے۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھٰذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون (ترجمہ) جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں نہیں خرچ کرتے آپ اُن کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے اس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا۔ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ اب اپنے جمع کرنے کا مزا چکھ لو۔

علمائے کرام کا مقام و مرتبہ

علماء کی فضیلت کے لئے یہی بہت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ کے قافلہ سالار اور میر کارواں ہیں آپ ہی نے سب سے پہلے جہالت کی ضلالت

نجات دلانے کیلئے آزادی کا پرچم بلند فرمایا۔ آپ نے کتنے دل نشین انداز میں علماء کے مقام و مرتبہ کو بیان فرمایا ہے ارشاد ہے " العلماء ورثة الانبياء " علماء انبیاء کے وارث ہیں آپ نے امت کو بھی علماء کے احترام اور قدر دانی کی ترغیب دی ہے ایک جگہ فرماتے ہیں " ليس من امتي من لم يجل كبيرنا ويرحم صغيرنا ويعرف لعالمنا حقه " میری امت میں جو بڑوں کا احترام نہ کرے، چھوٹوں پر مہربان نہ ہو اور علماء کی قدر نہ کرے وہ میری امت میں سے نہیں۔ اسلام میں جو اجر ایک طالب علم کو ملتا ہے وہی ایک عالم کو بھی ملے گا۔ آپ کا ارشاد ہے العالم والمتعلم شريكان في الاجر، ایک اور جگہ فرماتے ہیں " معلم الخير يستغفر له كل شيئ حتى الحيتان في البحار " خیر کی تعلیم دینے والے کیلئے ہر چیز حتٰی کہ سمندر کی مچھلیاں بھی دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ (جاری)

(باقی ص۲۴) ان کی اولاد میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بہت مشہور ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ بڑے وجیہ وشکیل اور حسین وجمیل تھے۔ ساتھ ہی بڑے باوقار اور معزز و معظم جانے تھے۔ ان کا وصال ۱۲۴ھ میں شام میں ہوا، ان کی خصوصیت تھی کہ باپ بیٹے کی عمر میں صرف چودہ سال کا فرق تھا۔ والد علی بن عبداللہ سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے۔ اور بیٹے محمد بن علی سرخ خضاب لگاتے تھے، دونوں کی عمر میں چودہ سال کے فرق کے بعد یہ چیز لوگوں کو شبہ میں ڈال دیا کرتی تھی، اور جو لوگ اس بات سے واقف نہیں تھے وہ بیٹے ہی کو باپ سمجھتے تھے علامہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے۔

واما محمد بن علی فكان من اجمل الناس واعظمهم قدرا، وكان بينه وبين ابيه اربع عشر سنة وكان علي يخطب بالسواد ومحمد بالحمرة فيظن من لا يعرفهما ان محمدا هو علي۔

(كتاب المعارف ص۔۔)

Dr. Zakir ...

از مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

مطالعات و تعلیقات

رفاہِ عام کے کام :-

رفاہِ عام کے کام اسلامی نقطۂ نظر سے صدقاتِ جاریہ ہوتے ہیں اور جب تک اُن سے انسانوں کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ اُن کے کرنے والوں کو ثواب ملتا رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے کام آنے والے خیرات و صدقات کیلئے بڑی تاکید فرمائی ہے کیونکہ خدمت خلق اور انسانوں کے کام آنا اللہ کی عبادت کے بعد سب سے بہتر عمل ہے، اسی لئے بہت سے صحابۂ کرام رفاہِ عام کے کاموں کی طرف خصوصی توجہ کرتے تھے۔ اور اس بارے میں انھوں نے شاندار کارنامے انجام دئے ہیں۔ کنواں، نہر، پُل، سرائے بنانا، سایہ دار درخت، پھل دار درخت لگانا، راستہ درست کرنا، مسجد، مدرسہ کی تعمیر، اور اسی قسم کے عوام کے کام آنے والے کام رفاہ عام میں شامل ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عامر بن کُریز رضی اللہ عنہ مشہور صحابیٔ رسول ہیں، جب آپ پیدا ہوئے تو دستور کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے۔ آپؐ نے اُن کے مُنہ میں اپنا لعاب مبارک لگایا۔ اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یہ بچّہ آگے چل کر سقی ہوگا اس دُعائے رسولؐ کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ اسلام کے بہت بڑے فاتح اور مجاہد ہوئے۔ ایران خراسان، سجستان اور کابل کے عام علاقوں کو فتح کیا، بڑے بڑے احاطے بنا کر ان میں درخت اور باغات لگائے۔ پانی کے چشمے اور کنوئیں جاری کرائے، جو اُن کے نام سے مشہور ہوئے

بصرہ سے مکہ مکرمہ آنے والے راستہ پر جگہ جگہ باغ لگوائے، چشمے جاری کئے، کنوئیں کھدوائے قبا کے قریب محل بنوایا اور اس میں ملازموں کو رکھا تاکہ دیکھ بھال کریں۔ عرفات میں جگہ جگہ حوض بنوائے، اور کھجوروں کے باغات لگوائے۔ بصرہ میں دو نہریں جاری کیں ایک اسکے وسط بازار سے ہوکر گذرتی تھی۔ اور دوسری ان کی والدہ ام عبدالرحمن کے نام پر تھی۔ اُبلہ کی نہر بھی آپ ہی نے جاری کرائی۔

حضرت عبداللہ بن عامرؓ کا یہ ذوق بہت بلند تھا۔ نہر نکالنا۔ کنواں کھدوانا۔ باغ لگوانا راستوں پر عمارتیں بنوانا ان کی زندگی کا خصوصی امتیاز تھا فرماتے تھے کہ۔ ولو تُرکتُ لخرجت المراۃ فی حداجتہا علی دابتہا ترد کل یوم علی ماء وسوق حتّٰی توافی مکۃ۔

یعنی اگر میں زندہ رہا تو ایک عورت اپنی سواری پر ہودج میں بیٹھ کر بصرہ سے یوں مکہ مکرمہ تک چلیگی کہ پورے راستہ میں روزانہ پانی اور بازار سے ہوکر گذرے گی۔

حضرت عبداللہ بن عامرؓ کی وفات ۵۹ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی اور عرفات میں آپ کو دفن کیا گیا۔

حلال کمائی کام آتی ہے :-

جب حضرت عبداللہ بن عامر بن کریزؓ کا آخری وقت ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے پاس گئے اس وقت کچھ لوگ حضرت ابن عامرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے ان کے ان رفاہ عام کے کاموں اور عرفات میں حوض وغیرہ بنانے کی تعریف کر رہے تھے۔ ان کی ان باتوں کو سن کر حضرت ابن عامرؓ نے ان کی طرف نظر اٹھائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔

اذا طابت المکسبۃ زکت النفقۃ وستردِ فتعلم (المعارف ص۱۴۲)

یعنی جب کمائی حلال وطیّب ہوتی ہے تو اس کا خــرچ کرنا بھی پاک وصاف ہوتا ہے۔ اور تم کو عنقریب اس کا علم ہو جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن کریز رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے لعاب مبارک اور آپ کی دعا کی برکت نے ان کو یوں بلند مرتبہ بنا دیا کہ وہ
اسلام کے عظیم فاتح بنے اور عجم کے اکثر ملک آپ کی سرکردگی میں فتح ہوئے اور آپ نے رفاہ
عام کے بہت سے کام کئے۔ عام مقامات سے لے کر مقاماتِ حج تک میں آپ نے لوگوں کو
راحت رسانی کے سامان بہم پہونچائے، اور کہا کہ اگر میں زندہ رہ گیا تو بصرہ سے حرمین شریفین
تک پانی اور ضروریات زندگی کا انتظام کردوں گا، دوسری بات یہ ہے کہ ان کی عیادت
کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عیادت کرنے والوں کی نفسیات کو انجام بینی اور
حقیقت بینی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک حضرت عبداللہ بن عامر کی دولت پر
کیا موقوف ہے جو روزی پاک ہوگی اور حلال وطیب طریقہ سے کمائی جائے گی وہ مقبول و
مبرور ہوگی۔ اور اسی طرح اس سے نیکی کے کام کئے جانے کی توفیق ملے گی۔ مطلب یہ ہے کہ
رفاہِ عام کا کام بھی حلال وطیّب روزی والے ہی کرتے ہیں، اور جن کی کمائی حرام کی ہوتی
ہے ان کو اس کی توفیق نہیں ہوتی، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ کتنے ہی غلط کمائی کرنے والے
مالدار اپنی دولت کو لٹاتے ہیں مگر لوگوں کے نفع کے کام نہیں کرتے حالانکہ ان کا مقصد
لوگوں میں ناموری اور شہرت ہوتا ہے اور ایسے رفاہِ عام کے کام میں شہرت بھی ہوتی ہے
مگر ان کو اس کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ ان کا مال دوسرے نیک کاموں میں خرچ
ہو، اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ ان کی کمائی غلط اور ناجائز طریقہ پر ہوتی ہے اور اکارت
جاتی ہے اسی کو کہا گیا ہے کہ مالِ حرام بود، بجائے حرام رفت۔

قرضہ کی ادائیگی کی ترکیب :-

حسب عادت ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے اور
دیکھا کہ ایک انصاری صحابی مغموم بیٹھے ہوئے ہیں جن کو ابوامامہ کہا جاتا تھا آپ نے اُن سے
فرمایا اے ابوامامہ! کیا بات ہے نماز کا وقت نہیں ہے اور تم مسجد میں اس طرح بیٹھے ہو؟

ابوامامہ نے عرض کیا کچھ افکار اور قرضوں کا بار ہوگیا ہے یارسول اللہ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں چند ایسے کلمات بتادوں کہ جب تم انھیں پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہارے غم کو دور کردے اور تم سے تمہارا قرضہ اداکرائے ابوامامہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا ضرور یارسول اللہ یہ کلمات بتائیے۔ آپ نے فرمایا تم صبح وشام یہ دعا پڑھتے رہو۔ اللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحَزَنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَمِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ

ابوامامہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے بہت جلد غم اور فکر کو دور فرمادیا اور قرضہ کی ادائیگی کی صورت نکال دی

اوّلاً آپ قرضہ لینے کی عادت نہ ڈالیں بلکہ عسرت وتنگی کے ساتھ گذر بسر کرلیں لیکن اگر کسی وقت ایسی مجبوری آپڑے اور بغیر قرض لئے کام ہی نہ چلے تو پھر بقدر ضرورت اس نیت سے لیں کہ وقت مقررہ سے پہلے ہی ادا کردوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر مجبور بندہ قرض لیتا ہے اور لیتے وقت جلد از جلد ادا کرنے کی نیت بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جلد از جلد اس کی ادائیگی کی صورت پیدا فرمادیتا ہے۔ جو لوگ پاک نیت اور صاف دل رہ کر مجبوری سے قرض لیتے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اس کی ادائیگی کے لئے دعا بھی کرتے اور پڑھتے رہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مدد یوں فرمائی ہے کہ قرضہ کی ادائیگی کے لئے ایسی دعائیں بتائیں جن کا اثر اور فائدہ نمایاں طور پر تجربہ اور مشاہدہ میں آتا ہے۔

ایک فکرمند اور قرضدار صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی زود اثر اور فائدہ مند دعا بتادی ہے جس کو انھوں نے پوری عزیمت اور پوری پابندی سے پڑھکر فکر اور قرض سے جلد از جلد نجات حاصل کرلی۔ اگر آپ بھی اس طرح کی الجھن میں مبتلا ہوجائیں تو دوسری ترکیبوں کے ساتھ اس ترکیب کو بھی عمل میں لایئے بلکہ اس کو اصل ترکیب قرار دیکر

دوسری ترکیبوں کو اسکے تابع کردیجئے۔ اگر سچی نیت صدق دل اور ایمان ویقین کی توانائی کے ساتھ یہ دعا، پڑھیں گے۔ اور اس کا درد رکھیں گے۔ تو کھلا ہوا فائدہ نظر آئے گا۔ دل میں چور نہ ہو اور کچھ دنوں میں گھبراہٹ نہ ہو اگر یہ دونوں باتیں ہوئیں تو پھر کوئی دعا قبول نہیں ہوگی۔

میت کی رسمیں

علامہ مجد دین فیروز آبادی نے سفر السعادت میں لکھا ہے کہ میت اور اہل میت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ اہل میت کی تعزیت فرماکر ان کو صبر کی تلقین فرماتے۔ اور یہ عادت نہیں تھی کہ لوگ میت کے نام پر ایک مقام پر جمع ہوں اور اس کے لئے قرآن پڑھیں اور اس کا ختم مردے کی قبر کے پاس کریں اور دوسری جگہ یہ کام کریں یہ سب بدعت اور مکروہ ہے اور عہد رسالت میں یہ عادت بھی نہیں تھی کہ خود اہل میت دوسرے لوگوں کے لئے کھانا تیار کریں۔ اور بھیجیں بلکہ آپ لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ وہ اہل میت کے گھر کھانا بھیجیں کیونکہ وہ لوگ مصیبت کی وجہ سے کھانے پکانے سے رہ گئے۔

اسلام میں میت کے سلسلے میں کوئی خاص رسم نہیں ہے۔ تجہیز وتکفین، نماز جنازہ، مُردے کے لئے دعائے خیر، مغفرت اور ایصالِ ثواب، اہل مصیبت کے ساتھ اظہار ہمدردی، ان کو تسلی اور حادثہ کے دن اُن کے کھانے پینے کیلئے معمولی طور پر انتظام کرنا، یہ اور اسی قسم کی مردوں اور زندوں کے کام آنے والی اخلاق اور انسانیت اور دین وایمان کی باتیں سنت ہیں۔ باقی رہا مردہ پر رونا، پیٹنا، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کا مل کر نوحہ کرنا، اہل میت کا اس موقع پر کھانا پکانا، کفن ودفن میں شریک ہونے والوں کی دعوت کرنا، اور بعد میں خاص خاص دنوں میں خاص انداز سے کھانا پکاکر دھوم دھام سے کھانا کھلانا۔ کھاتے پیتے اور خوشحال لوگوں کو بلاکر قرآن پڑھنا اور اس پر ان کی دعوت کرنا، بالفاظ دیگر ایصالِ ثواب کے نام پر قرآن پڑھنے کی اجرت کھانے کی شکل میں دینا، تیجا، فاتحہ، چالیسواں کے نام پر طرح طرح

کے رسوم برتنا یہ سب اور اسی قبیل کی دوسری باتیں دینِ اسلام سے میل نہیں کھاتی ہیں اور اسلام نے ان سے شدت سے منع کیا ہے۔ بعض مقامات پر جاہل مسلمانوں کے یہاں بھی غیرمسلموں کی طرح ارواح نکالنے کی رسم ہوتی ہے۔ رات کے آخری حصہ میں قبروں پر لوگ جاتے ہیں۔ وہاں ناریل توڑتے ہیں۔ کچھ کھاتے پیتے ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ، ان مشرکانہ باتوں سے اسلام کو کیا تعلق ہے۔ میت کی رسمیں ہندوستان میں عجیب عجیب انداز میں پائی جاتی ہیں اور مختلف مقامات کے لوگ اپنی اپنی رسمیں ادا کرتے ہیں۔ اور ان کو شریعت کا درجہ دیتے ہیں گویا ہر جگہ کی شریعت الگ الگ ہے۔ ابھی قریبی زمانہ تک جاہل گھرانوں میں رواج تھا کہ جب کوئی گھر کا بڑا بوڑھا مر جاتا تو اس کا فاتحہ بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ بلکہ اس میں ختنہ وغیرہ کی رسموں کو شامل کر کے کھانا پکتا تھا۔ دعوتیں ہوتی تھیں اور ڈھول تاشے تک بجتے تھے۔ بلکہ بعض مقامات پر اب بھی لوگ گھر کے بڑوں کے مرنے پر اس طرح فاتحہ کرتے ہیں کہ بارات کا منظر ہوتا ہے۔ اور محلہ والے مل کر کھاتے ہیں۔ لوگ ان لغو باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں حالانکہ وہ لکھے پڑھے ہوتے ہیں۔ باپ دادا کی تقلید دنیا میں سب سے بڑی مصیبت ہے جس کے لئے لوگ اپنے مذہب تک کو تاویل کر کے چھوڑ دیتے ہیں اور مطمئن ہوتے ہیں کہ یہ بھی مذہب کے مطابق ہے۔

تعلیم قرآن اور جہاد

ایک مرتبہ حضرت مطرفؒ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے کہا کہ انا کنا ضلالا فهدانا الله وكنا اعرابا يقيم مقيمنا يتعلم القرآن، ويغزو الغازي فاذا قدم الغازي اقام يتعلم القرآن وغزا المقيم۔

یعنی ہم لوگ گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہم لوگ بدوی تھے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی جو شخص ہم میں مقیم ہوتا تھا وہ قرآن کی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ اور غازی جنگ میں رہتا تھا۔ جب واپس آتا تو وہ قرآن کی تعلیم حاصل کرتا اور مقیم آدمی جہاد پر نکل جاتا تھا۔

جب مسلمان دیہاتوں اور صحراؤں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو انھوں نے قرآن کی تعلیم کا اہمیت کے ساتھ انتظام کیا اور اس طرح نظام چلایا کہ کچھ لوگ جہاد میں جاتے تھے اور کچھ لوگ بستی میں رہ کر قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور جب مجاہدین واپس آتے تو قرآن کی تعلیم میں لگ جاتے اور مقیم لوگ جہاد پر چلے جاتے یعنی مسلمانوں کے دو کام تھے قرآن کی تعلیم اور جہاد ان ہی دونوں میں ان کی زندگی بسر ہوتی تھی۔

آج ہم کو نہ دینی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے اور نہ دینی کام کرنے کی فرصت ملی ہے اگر ہمارے اسلاف آج کل آکر ہمیں دیکھیں تو معلوم نہیں وہ ہمارے بارے میں کیا فیصلہ کریں گے؟

اعظم گڈھ کی جنگ آزادی انگریزوں کی زبانی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اعظم گڈھ میں بڑی شان سے لڑی گئی۔ اور حریت پسندوں نے اعظم گڈھ کے سرکاری انتظام خزانہ اور جیل خانہ وغیرہ پر قبضہ جمالیا۔ مبارکپور کے قریب مقام بمہور کے رجب علی مرحوم نے اپنی بے پناہ بہادری سے انگریز کا ناک میں دم کردیا تھا۔ انھوں نے اپنے ایک ہندو دوست کو جیل خانے سے چھڑانے کیلئے جیل خانہ کا دروازہ توڑ ڈالا اور تمام قیدی جیل خانہ سے نکل گئے۔ بعد میں ان کو انگریزوں نے تعاقب کرکے گولی مار دی۔

جنگ ختم ہوگئی اور انگریزی فوج شہر اور ضلع کے دوسرے مقامات خالی کرکے غازی پور واپس چلی گئی حتیٰ کہ انگریزوں کی بنائی ہوئی عوام کی صلح کمیٹی کا ناظر سررشتہ دار بھی اعظم گڈھ سے غازی پور چلا گیا۔ مگر چونکہ محمد آباد تحصیل کے حالات اب تک انگریزی حکومت کے نزدیک اطمینان بخش نہیں تھے۔ اس لئے وہاں فوج پڑی رہی۔

اس کے بعد دوبارہ اعظم گڈھ میں تحریک شروع ہوئی۔ اس کی ابتدا سنگھولی ضلع چمپارن سے ہوئی اور برطانوی اقتدار کے خلاف ایک جماعت ضلع اعظم گڈھ کی طرف بڑھی۔ ادھر ضلع کے اندر کے پلوار راجپوتوں نے پرتھی پال سنگھ کی قیادت میں شہر پر قبضہ کرلیا۔ اور عوام سے دس ہزار

روپیہ جمع کرکے تحریک کو آگے بڑھایا یہ لوگ شہر پر دوبارہ ۹ راگست سے ۲۵ راگست تک قابض رہے۔ یہاں تک کہ کرنل راٹن کی سرکردگی میں گورکھا فوج نے یہاں آکر باغیوں کو شکست دی اور ۲۶ راگست ۱۸۵۷ء کو دوبارہ قبضہ کرلیا۔ اور ۳ر ستمبر کو ضلع کے انگریزی حکام نے انتظام سنبھالا، دوبارہ قبضہ کے بعد بظاہر ضلع کے جنوبی مشرقی علاقہ میں امن بحال ہوگیا۔ اور گورکھا فوج ۷ر ستمبر کو اعظم گڈھ سے جونپور کیلئے روانہ ہوگئی۔ مگر ضلع شمالی اور مغربی حصہ میں ابھی تک بے چینی پائی جاتی تھی۔ پرگنہ ماہل پر مظفر خاں نہایت خاموشی اور اطمینان سے قابض تھے۔ اترولیا کے بلوار بینی مادھو سنگھ کی قیادت میں ضلع کے مضافات پر حملہ آور ہوئے اور اعظم گڈھ سے ۱۰ میل دور منڈوری (کپتان گنج) میں پڑاؤ کرکے اسے اپنا مرکز بنایا آخرکار انگریزی فوج نے دو طرف سے ان پر حملہ کیا۔ ۱۸ر ستمبر کو ۱۲۰۰ گورکھا فوج لیکر کیپٹن بائیلو جونپور سے آیا اور ۲۰ر ستمبر کو مسٹر ڈیبلس فوج لے کر آیا اور محاصرہ کیا اس معرکہ میں ۲۰۰ سو حریت پسند مارے گئے اور بینی مادھو سنگھ اودھ کی طرف جاکر پناہ گزیں ہوگئے۔

گورکھپور کا جوائنٹ کلکٹر مسٹر برڈ ایک دوسری فوج لے کر ماہل کی طرف بڑھا اور شمس آباد اور برآمد پور کے قلعوں کو جلادیا جو پرتھی پال سنگھ کی پناہ گاہ تھے۔ مظفر خاں بھی یہیں پناہ گزیں تھے، اس کے بعد مسٹر برڈ نے ماہل پر قبضہ کرلیا۔

(اعظم گڈھ گزٹیر ۱۹۱۱ء ص ۱۷۸)

آب وہوا کا اثر جسمانیات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضؓ کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عباس مشہور صحابی رسول اور قرآنی علوم کے ترجمان ہیں، حضرت عبداللہ نے ۶۸ھ میں طائف میں انتقال فرمایا۔ ان کے کئی اولاد تھی، جس میں علی بن عبداللہ بن عباس زیادہ مشہور ہیں۔ آپ بڑے عبادت گذار حلیم و بردبار تھے، روزانہ ایک ہزار رکعات نفل نمازیں پڑھتے تھے۔ ان کا وصال اسّی سال کی عمر میں ۱۱۷ھ میں شام میں ہوا۔ اموی خلیفہ ولید نے آپ کو ایک ناگوار واقعہ کے سلسلے میں ساٹھ سو کوڑے لگوائے تھے،

(بقیہ ص ۱۶ پر)

مولانا عزیز اللہ اعظمی کوپا گنج
اعظم گڈھ یوپی

سائنس اور مطالعۂ قرآن

آج کا دور سائنسی دور ہے۔ تحقیقاتی اور تجرباتی دور ہے کائنات کی ہر چیز کو تحقیق و تجربہ اور مشاہدہ سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے سائنس دانوں کے نزدیک وہی چیز حقیقت و صداقت پر مبنی سمجھی جاتی ہے جو تجربہ اور مشاہدہ کی راہ سے آتی ہے۔ اور جو تجربہ و مشاہدہ کی راہ سے ہٹ کر سامنے آتی ہے اُسے وہ قطعًا ماننے کے لئے تیار نہیں۔ چنانچہ جناب محمد رفیع صاحب "اسلام اور سائنس میں سائنس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

علم کے جس شعبہ کو ہم سائنس کہتے ہیں اس کا دوسرا نام علم کائنات ہے جسمیں انسان کا علم بھی شامل ہے سائنسی علوم کی کلید کائنات کے قدرتی حالات اور واقعات یا دوسرے لفظوں میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے جو ہمارے حواس خمسہ کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ سائنسداں کائنات کے مشاہدہ سے کچھ نتائج اخذ کرتا ہے پھر ان نتائج کو ایک قابلِ فہم تنظیم اور ترتیب کے ساتھ جمع کرتا ہے۔ ہر درست سائنسی نتیجہ کو ہم ایک مستقل علمی حقیقت یا قانونِ قدرت سمجھتے ہیں۔ مشاہدے سے دریافت ہونے والے نتائج یا علمی حقائق کو جب مرتب و منظم کر لیا جاتا ہے تو ہم اسے سائنس کہتے ہیں۔ (اسلام اور سائنس)

وقت بہت آگے نکل چکا دنیا ترقی کے بام عروج تک پہونچ رہی ہے۔ آج کا انسان کائنات کی چیزوں کی حقیقت تجربہ و مشاہدہ سے معلوم کرتا ہے۔ علم طبیعات ہو یا علم کیمیا،

علم الافلاک ہو یا علم الارض، علم حیاتیات ہو یا علم نباتات یا مذاہب کے اعتقادی مسائل ہوں۔ جیسے نبوت ورسالت، توحید، جنت ودوزخ اور پل صراط وغیرہ کسی چیز کو بلا مشاہدہ تسلیم کرنے کیلئے کسی قیمت پر آمادہ نہیں ہے۔

لیکن عجیب بات ہے سائنس جیسے جیسے ترقی کرتی جارہی ہے قرآنی حقائق اور اس کی تعلیمات کی صداقت اور کھل کر سامنے آتی جارہی ہیں۔ چنانچہ حشرونشر، حساب کتاب اور پل صراط و معراج جیسے اہم دینی امور کا سمجھنا سمجھانا اور ان کا یقین کرنا۔ موجودہ سائنسی دور میں بہت آسان ہوگیا ہے۔ مولانا وحیدالدین خاں صاحب "علم جدید کا چیلنج" میں لکھتے ہیں۔

"مصنف کا یقین ہے کہ علم کی روشنی مذہب کی صداقت کو اور زیادہ واضح کرنے میں مددگار ہوئی ہے۔ اس نے کسی بھی اعتبار سے مذہب کو نقصان نہیں پہونچایا ہے۔ دور جدید کی تمام دریافتیں اس بات کا اعتراف ہیں کہ آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے اسلام کا یہ دعویٰ کہ وہ آخری صداقت ہے اور آئندہ کی تمام انسانی معلومات اس کی صداقت کو اور مبرہن کرتی چلی جائیں گی۔ بالکل صحیح تھا۔

سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق (حٰم، سجدہ) (ترجمہ) عنقریب ہم دکھائیں گے اپنی نشانیاں ان کو آفاق میں اور خود ان کے اندر یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے کہ وہ حق ہے

(علم جدید کا چیلنج ص۱۵)

سائنس یا علم جدید کی ضرورت

سائنس کی ہمہ گیریت ایک حقیقت مسلمہ ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں سائنس کی ایجاد اور اس کی پیدا کردہ سہولت بہم نہ ہو۔ آج کا انسان سائنسی ذرائع ووسائل اور اسکی ایجاد کردہ اشیاء کے استعمال کرنے پر مجبور ہے۔ اس سے صرف نظر کرنا ایک امر محال ہے۔ جب انسان نے تحقیق وتدقیق اور تجربہ ومشاہدہ کی دنیا میں قدم رکھا۔ اور تجربہ ومشاہدہ

ر چیزوں کی حقیقت وصداقت کے لئے معیار قرار دیا۔ اور اسی انداز سے کائنات کا مطالعہ
شروع کیا۔ اور مذہبی تعلیمات کو بھی اسی انداز پر سوچنے کی کوشش کی مگر مذہب کی بنیاد
نیقت کے ایک ایسے تصور پر مبنی ہے جو سرے سے تجربے اور مشاہدے میں آ ہی نہیں
ملتی۔ اس لئے اپنی فکری نارسائی کی بنا پر بہت سے لوگ مذہب کے مخالف ہوگئے اور مذہب
ر سائنس کا دشمن اور مخالف قرار دے لیا۔ علم جدید کا چیلنج کے مصنف لکھتے ہیں۔

یعنی وہ علم جو حقیقی ہے وہ تجربات سے اس طور پر متعلق ہوتا ہے کہ اس کی جانچ
ہ راست یا بالواسطہ طریقہ سے اس کی تصدیق کرنا ممکن ہو۔ اس طرح مخالفینِ مذہب
ے نزدیک صورتحال یہ بنتی ہے کہ ارتقار کے عمل نے انسان کو جس اعلیٰ ترین مقام تک
ہنچایا ہے۔ وہ عین اپنے طریق فکر کے اعتبار سے مذہب کی تردید ہے۔ کیونکہ جدید
تقاریافتہ علم نے ہمیں بتایا ہے کہ حقیقت صرف وہی ہوسکتی ہے جو تجربہ ومشاہدہ میں
آ ہو۔ جب کہ مذہب کی بنیاد ایک ایسے تصور پر مبنی ہے۔ جو سرے سے تجربہ ومشاہدہ
ں آ ہی نہیں سکتی۔ دوسرے لفظوں میں واقعات وحوادث کی الٰہیاتی توجیہ ترقی یافتہ ذرائع
ے ثابت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے وہ غیر حقیقی ہے۔ (علم جدید کا چیلنج ص۱۸)

جب صورتِ حال یہ ہے تو اس وقت سائنس اور علوم جدیدہ سے واقفیت ضروری
ہے۔ بلکہ مسلمانوں کیلئے یہ وقت کا اہم فریضہ ہے۔ عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھکر
ہب کی تعلیمات کو اہلِ مذہب اور دُنیا والوں کے سامنے پیش نہیں کیا گیا تو یہ مذہب
ر دُنیا والوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ اس لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم سائنسی علوم
سے پورے طور پر واقف ہوں۔

سلمان سائنسی طریق تحقیق کے موجد ر سائنسی علوم کے بانی تھے!

صحیح بات یہ ہے کہ مسلمان سائنسی طریق تحقیق کے موجد تھے۔ جناب محمد رفیع
حب لکھتے ہیں ــــ

بعض یورپین مُصنّفین کی غلط بیانیوں کی وجہ سے دُنیا مدّت تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہی ہے کہ سائنسی علوم اور سائنسی طریقِ تحقیق کے موجد یورپ کے لوگ ہیں چنانچہ بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ سائنسی طریق تحقیق کا موجد "روجر بیکن ROJER-BACON" یا اسکا ایک اور ہم نام ہے۔

لیکن سائنسی علوم کی تاریخ کے موضوع پر حال کی علمی تحقیق نے اس ناقابلِ تردید تاریخی حقیقت سے پردہ چاک کر دیا ہے کہ سائنسی طریق تحقیق جس کی بدولت موجودہ سائنسی علوم وجود میں آکر ترقی پذیر ہوتے ہیں۔ مسلمانوں نے ایجاد کیا تھا۔ اور یورپ کے حالیہ سائنسی علوم کی بنیاد بھی مسلمانوں ہی نے رکھی تھی پھر بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ مسلمانوں نے سائنسی طریق تحقیق یونانیوں سے سیکھا تھا۔ اور اپنے سائنسی علوم کی بنیاد ان کے سائنس پر رکھی تھی لیکن یہ خیال بھی درست نہیں۔ (اسلام اور سائنس ص ۸-۹)

مسلمانوں کو یہ امتیاز کیسے حاصل ہوا

سوال پیدا ہوتا ہے اس کا سبب کیا تھا کہ دنیا کی تمام قوموں میں سے صرف مسلمانوں کو ہی یہ امتیاز نصیب ہوسکا کہ انھوں نے مظاہر قدرت کے گہرے مطالعہ اور مشاہدہ کو اپنا شعار بنایا۔ یہاں تک کہ وہ اس قابل ہوئے کہ سائنسی طریق تحقیق ایجاد کریں اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھیں۔ قرآن کی تعلیمات پر سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی اس بات میں ذرا شک باقی نہیں رہتا کہ اس کا سبب خود قرآن حکیم ہے جس کے تقریباً ایک تہائی حصّہ میں قدرت کے گوناگوں مظاہر کی طرف توجہ دلاکر کائنات کے مطالعہ اور مشاہدہ پر زور دیا گیا ہے دراصل قدرت کے مطالعہ و مشاہدہ کیلئے جو سب سے پہلی مؤثر آواز دنیا میں بلند کی گئی ہے وہ قرآن ہی کی آواز ہے۔ (ایضاً)

علّامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علم جدید

ڈاکٹر سید محمد فاروق صاحب اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں۔ علّامہ انور شاہ کشمیریؒ نے صاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ موجودہ

سائنس ہی اسلام سے زیادہ قریب ہے وہ خود بہت سے مسائل جدید تحقیقات کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔ ہم چند مثالیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

خواب کے بارے میں قرآن واحادیث شریفہ میں بہت کچھ مذکور ہے۔ سورۃ یوسف میں تین قسم کے خوابوں کا ذکر ہے۔ (۱) منام (۲) رویاء (۳) اضغاث احلام

فلاسفہ اور متکلمین اسلام نے خواب کی حقیقت کی نوعیت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اسی طرح جدید تحقیقات نے بھی خواب "DREAM" کے بارے میں بہت سی نئی باتیں دریافت کی ہیں۔ نفسیات کے مشہور فاضل سگمنڈ فرائڈ (S-FRAUD) نے تعبیر خواب (THE JNTERFUETATION-DREAON) کے نام سے جو کتاب لکھی اس نے خوابوں کی ایک نئی دنیا سے روشناس کرایا۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ ایک حدیث قدسی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن میں جو رویاء مذکور ہے اس کے بارے میں میرا ذاتی خیال یہ تھا کہ یہ نیند اور بیداری کی ایک درمیانی حالت ہے یعنی وہ حالت جسے نہ کامل نیند کہا جا سکتا ہے۔ اور نہ کامل بیداری فرماتے ہیں یہ میری ذاتی تحقیق تھی۔ اس کے بعد میں نے فرید وجدی کی دائرۃ المعارف کا مطالعہ کیا۔ اور دیکھا کہ اہل یورپ کی بھی یہی تحقیق ہے۔

ان الرویاء لیس بنوم ولا یقظۃ کما کنت حققت فی سالف من الزمان بل ھی حالۃ متوسطۃ بینھما واذا لا تزال تتسلسل ولا تنقطع الا بنوم العرف او الیقظۃ ثم اطلعت بعد زمن طویل علی دائرۃ المعارف لفرید وجدی فرأیت فیھا تحقیق

رویاء کے بارے میں ایک عرصہ پہلے میری یہ تحقیق تھی کہ یہ نہ نیند کا عالم ہے اور نہ بیداری کا۔ بلکہ یہ اُن دو کی درمیانی حالت ہے۔ یہ حالت تب تک بدستور قائم رہتی ہے جب تک کامل نیند یا کامل بیداری اسکو منقطع نہ کردے۔ یہ میری ذاتی تھی۔ پھر اس کے طویل مدت بعد میری نظر فرید وجدی کی دائرۃ المعارف پڑی اور دیکھا کہ

اهل الورپا الآن بعین ما کنت حققته   اہل یورپ کی بھی یہی تحقیق ہے

سابقاً (فیض الباری ج۱ ص۲۱-۲۲)

مولانا احمد رضا صاحب بجنوری (صاحب انوار الباری) لکھتے ہیں کہ ایک بار یہی بات شاہ صاحب سے پوچھی گئی کہ آیا فلسفۂ قدیم ہی اسلام سے قربت رکھتا ہے یا جدید عصری معلومات و تحقیقات۔ اس پر انھوں نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا کہ علوم جدیدہ ہی اسلام سے قربت رکھتے ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے دینی عالم کا یہ ملفوظ جب شائع ہوا تو بڑے بڑے اصحاب فکر و بصیرت نے علامہ کشمیری کی ربانی بصیرت کا اعتراف کیا۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے جو قدیم و جدید علوم کے شناسا اور شناور تھے۔ صدق جدید میں اس ملفوظ پر یہ رائے ظاہر کی ہے۔

"بات ہے صاف اور کھلی ہوئی لیکن صدیوں کے تعصب اور مذاق قدیم کی پاسداری نے پردے بھی ایسے تہ بہ تہ ڈال دیئے کہ اس حقیقت تک رسائی کیلئے ضرور حضرت کشمیری ہی جیسے علامۂ وقت کی ربانی بصیرت پڑنی چاہیئے۔ کاش ان کے اس قسم کے ملفوظات کی اشاعت اسی وقت ہوگئی ہوتی اس سے بے زبانوں کی بھی زبان ہوجاتی اور اس سے متأخر نسل میں تو کم سے کم مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے فاضل یگانہ تو اسی کے سہارے بہت کچھ لکھ ڈالتے۔

حضرت علامہ کشمیری کے اعتراف اور جدید تحقیقات سے استفادہ کے بعد اب ہمارے لئے گنجائش نہیں کہ اس سے فائدہ حاصل نہ کریں اور دینی امور کی تشریح و توضیح میں اس سے استفادہ نہ کریں۔

سائنس اور قرآنی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ اور اسکے بنیادی اصول!

سائنس اور قرآن کا تقابلی مطالعہ ایک نہایت نازک اور اہم موضوع ہے۔ اس پر بہت سی کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور آئندہ بھی لکھی جاتی رہیں گی۔ لیکن ان کے درمیان

تقابلی مطالعہ کرنے والے کیلئے چند بنیادی باتیں سامنے رکھنی لازمی اور ضروری ہیں۔

(۱) اس سلسلے میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ قرآن مجید کوئی سائنس کی کتاب نہیں ہے اور نہ سائنس براہ راست اس کا موضوع ہے۔ لیکن چونکہ وہ خالقِ کائنات کی کتاب ہے اس لئے کائنات کے دلائل سے استدلال کرتے ہوئے قرآن کریم میں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے سائنس کے بہت سے حقائق کا انکشاف ہے لیکن قرآن کریم میں اس موضوع پر جو اشارے ملتے ہیں ان پر غور وفکر کرنے سے بہت سے حقائق ومعارف کا انکشاف ہوتا ہے۔ قلب سلیم ہو تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اسکے علمِ محیط کا استحضار پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے بعض پہلو سامنے آتے ہیں۔ اور ان تمام چیزوں سے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں مختلف علوم وفنون سے متعلق بیشمار اشارے وکنائے موجود ہیں۔ جن کے سمجھنے کے لئے متعلقہ علوم اور ان کی تفصیلات سے بحث کرنا پڑتا ہے۔ اسطرح قیامت تک جتنے علوم وفنون خصوصیت کے ساتھ نظامِ کائنات سے متعلق وجود میں آتے جائیں گے اور ان کی جو بھی تحقیق وتدقیق ہوتی جائے گی ان کی تمام تفصیلات کو قرآنی اشارے کے ذیل میں لایا جا سکتا ہے۔ گویا کہ انسان اپنے ہی علم وفن کے زور میں قرآن کریم کی نئی نئی تفسیریں کرتا چلا جائے گا۔ مگر پھر بھی قرآنی حقائق ومعارف کی نہ تو انتہا ہوگی۔ اور نہ اس کی تفسیر مکمل ہو سکے گی۔

۲۔ قرآن مجید خالق کائنات کا کلام ہے اس کی تعلیمات وبیانات اپنی جگہ اٹل ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے برخلاف سائنس جو مطالعۂ قدرت سے عبارت ہے جو نظریہ پیش کرتی ہے اس میں استقلال وجماؤ نہیں ہوتا ہے۔ تجربات سے نظریئے میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ تجربہ کرنے کے بعد سائنس دان اپنا ایک نظریہ پیش کرتا ہے۔ دوسرا سائنس داں آتا ہے اور اپنے جدید تجربات سے اس نظریہ کی تردید کر دیتا ہے۔ حاصل یہ کہ سائنسی نظریات غیر اٹل اور تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں قرآن اور سائنسی نظریئے کے درمیان تطابق صحیح نہیں ہوگا اور نہ سائنسی نظریئے سے قرآن کے کسی بیان کی تردید کر سکتے ہیں۔

(۳) قرآن کریم کی حقانیت وصداقت کیلئے کسی بیان وتائید کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو اس ذات باری کا کلام ہے جو تمام سچائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اُسے نہ کسی تصدیق کرنے والے کی تصدیق کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی تائید کرنے والے کی تائید کی حاجت۔ سو سائنس کے کسی مشاہد واقعہ اور قرآن کے بیان کے درمیان مطابقت پائی جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس سے قرآن کی تائید ہوتی ہے بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس کی قرآن سے تائید ہوتی ہے۔

(۴) قرآنی بیان اور سائنسی نظریہ یا مشاہد واقعہ کے درمیان تطابق نہ پایا جائے تو قرآن کے بیان کی غلط یا دور از کار تاویل کرنے کے بجائے اپنے ناقص علم اور نارسائی عقل کا اعتراف کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے بیان کی حقیقت تک پہونچنے کیلئے ابھی مزید علم کی ضرورت ہے۔ موجودہ علم اسکے سمجھنے میں ناکام ہے۔

سائنسی مسلمات اور قرآنی حقائق وبیانات

قرآن کریم چونکہ عوام وخواص عالم و جاہل، ہر کس وناکس کیلئے ہادی و رہنما ہے اس لئے اس کی تعلیمات نہایت سہل اور آسان ہیں۔ خصوصًا جب کائنات سے بحث کرتا ہے تو دلائل میں انھیں چیزوں کو پیش کرتا ہے جو ہمارے مشاہدہ میں ہوتی ہیں اسکے برخلاف سائنس جو نظریہ پیش کرتی ہے اس میں تغیر وتبدل کا ہر آن احتمال رہتا ہے۔ لیکن تجربہ کے بعد مشاہدہ میں جو چیز آتی ہے وہ اس احتمال سے خالی ہوتی ہے۔ چنانچہ سائنسی نظریہ اور باقاعدہ طور پر مشاہد واقعہ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرانسیسی مصنف مورس بوکائلے لکھتا ہے

سائنس میں زمانہ کے ساتھ تبدیلیاں ہورہی ہیں۔ چنانچہ ایک واقعہ آج تسلیم کرلیا جاتا ہے اور بعد میں مسترد ہوجاتا ہے۔ اس آخری رائے زنی کیلئے مندرجہ ذیل وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

ایک سائنسی نظریہ اور باقاعدہ طور پر مشاہدہ شدہ واقعہ کے درمیان امتیاز ضروری ہے نظریہ کا مقصد کسی ایسے حادثہ یا حوادث کے ایسے سلسلہ کی تشریح ہوتا ہے۔ جو فوری طور پر قابل فہم نہیں ہوتا۔ بہت سی مثالیں ایسی ہیں جنہیں نظریہ میں تغیر وتبدل ہوجاتا ہے یا تو اس کی شکل ہی تبد

ہوجاتی ہے یا اگر سائنسی ترقی کی وجہ سے یہ آسان ہو کہ واقعات کے تجربہ سے ایک سے زیادہ قابلِ قبول تشریح سامنے آجائے تو ایک دوسرا نظریہ اس کی جگہ لے لیتا ہے اس کے بخلاف مشاہدہ میں آیا ہوا واقعہ جس کی تجرباتی طور پر جانچ بھی کرلی گئی ہو تغیر پذیر نہیں ہوتا چنانچہ یہ بات پوری طرح تسلیم کرلی گئی ہے کہ زمین سورج کے گرد اور چاند زمین کے گرد گھومتا ہے اور یہ موضوع اب ایسا ہوگیا ہے کہ اس پر نظر ثانی نہیں ہوگی آئندہ صرف اتنا ہوگا کہ ان مداروں کا زیادہ وضاحت کے ساتھ یقین کرلیا جائے ۔

(بائبل و قرآن اور سائنس ص۱۹۸)

نظریہ اور مشاہدہ واقعہ کے فرق سے قرآن کے بیانات اور سائنسی نظریات کا فرق بھی واضح ہوگیا۔ اور ان دونوں کے درمیان عدم مطابقت کی صورت میں ہمارا یہ کہنا کہ قرآن کا بیان اپنی جگہ بالکل صحیح ہے اور سائنس کا پیش کردہ نظریہ غلط ہے، صحیح ہوگا اور جب ان میں ٹکراؤ اور عدم مطابقت کی صورت پیدا ہوگی تو سائنسی نظریہ کی تغلیط کرنے پر مجبور ہوں گے ۔

باقی مشاہدہ شدہ واقعہ جنھیں ہم دوسرے الفاظ میں سائنسی مسلمات سے تعبیر کرسکتے ہیں اور قرآن کے بیانات جو اپنی جگہ اٹل ہیں اور تغیر و تبدل کے شائبہ سے خالی ہیں انشاءاللہ ان کے درمیان ٹکراؤ کی صورت پیدا نہیں ہوگی۔ اور اگر ہو بھی گئی تو اپنے عقیدے کے مطابق قرآن کے بیان کو صحیح قرار دیں گے۔ اور مشاہد واقعہ کی واقعی حقیقت تک پہونچنے کیلئے مزید علم کی ضرورت کو ضروری سمجھیں گے ۔

قرآن کریم کے چند علمی معجزے سائنس کی روشنی میں

تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں اب ہم ارضیات و فلکیات سے متعلق بعض مادوں کے بارے میں قرآن کے بیانات اور جدید تحقیقات پیش کریں گے اور دیکھیں گے کہ ان کے درمیان کس درجہ مطابقت پائی جاتی ہے ۔

سورج اور چاند سائنس جدید نے ہمیں بتایا کہ سورج نظام شمسی کا ایک اہم سیارہ ہے اور نہایت روشن سا اور چاند بھی جو اسی نظام شمسی کا ایک فرد ہے ایک چمکتا ہوا سیارہ ہے۔ لیکن دونوں میں فرق ہے۔ سورج کی روشنی خود اپنی روشنی ہے۔ یہ قدرتی روشنی سے روشن ہے۔ چاند کی روشنی خود اپنی روشنی نہیں، وہ سورج کی روشنی سے چمکتا ہے۔ جب سورج کا عکس چاند پر پڑتا ہے تو وہ حصہ روشن ہوجاتا ہے قرآن کریم نے آج سے بہت زمانہ پہلے اس حقیقت کا انکشاف کرچکا اور اسکے فرق واضح الفاظ میں بیان کرچکا ہے

تبارك الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیها سراجا وقمرا منیرا۔	بہت بابرکت ہے وہ ذات جس سے آسمان میں بروج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند، روشن کیا۔
وجعل القمر فیهن نورا وجعل الشمس سراجا وبنینا فوقکم سبعا شدادا وجعلنا سراجا وهاجا۔	اور ان (آسمانوں) میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا، اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ایک نہایت روشن اور گرم چراغ پیدا کیا۔

روشن اور گرم چراغ سے واضح طور پر سورج مراد ہے۔ یہاں چاند کو ایک ایسا چراغ قرار دیا گیا ہے جس سے روشنی منعکس ہوتی ہے (منیر) جس کا مادہ وہی ہے جو نور کا یعنی وہ روشنی جس کا اطلاق چاند پر ہوتا ہے۔ لیکن سورج کو ایک مشعل (سراج) یا ایک گرم چراغ (سراج وهاج) سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

ذرہ کی تقسیم ذرہ کی تقسیم ناممکن ہے۔ یہ ایک قدیم نظریہ تھا۔ لیکن آج سائنس نے یہ ثابت کردکھایا ہے کہ ذرہ کی تقسیم ہوسکتی ہے۔ آسے چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور ذرہ جتنا باریک اور لطیف ہوتا جائیگا۔ توانائی اور طاقت غیر معمولی بڑھتی جائے گی۔ ذرہ کے اسی تقسیمی عمل سے ایٹمی توانائی اور ایٹمی ذرات وجود میں آئے۔

قرآن کریم میں اس جدید تحقیق کی طرف ایک لطیف اشارہ ملتا ہے۔

ولا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض ولا اصغر من ذٰلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین۔	اور غائب نہیں ہو سکتا کچھ ذرہ بھر آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی جو نہیں ہے کھلی کتاب میں

اس آیتِ کریمہ میں دو اہم امور کی طرف اشارہ موجود ہے۔

۱۔ ولا اصغر من ذٰلک۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے چھوٹے سے چھوٹا ذرہ غائب نہیں رہتا ہے۔ اس جملہ سے اشارہ ہوتا ہے کہ ذرہ کے چھوٹے سے چھوٹے اجزاء ہو سکتے ہیں، ممکن ہے۔

۲۔ فی السمٰوٰت۔ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ارضی مادّہ کے ساتھ ساتھ سماوی مادہ سورج چاند، اور ستارہ میں بھی ذرّہ کی تقسیم کی خاصیت موجود ہے۔

دوئی یا زوجیت کا فلسفہ

خیال کیا جاتا تھا کہ زوجیت یعنی نر و مادہ محض انسان و حیوان میں ہوتے ہیں لیکن سائنس جدید نے بتایا ہے کہ جمادات و نباتات اور کائنات کی تمام چیزوں میں زوجیت پائی جاتی ہے حتّٰی کہ بجلی میں بھی دو قسم کی مثبت و منفی یا گرم و ٹھنڈی لہریں پائی جاتی ہیں اور ان کے باہم ملنے سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح ذرّہ میں جو ایک معمولی اور حقیر چیز ہے۔ پروٹون اور نیٹرون دو قسم کے ذرّے ہوتے ہیں۔ اس نئے انکشاف کی قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے تائید ہوتی ہے

۱۔ اولم یروا الی الارض کم ابنتنا من کل زوج کریم (الآیۃ)	کیا ان لوگوں نے زمین میں غور نہیں کیا ہم نے ہر قسم کے بے شمار جوڑے اُگائے۔
۲۔ ومن کلّ شیٔ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون۔	ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے کہ شاید تم لوگ اس سے نصیحت حاصل کرو۔

Dr. Zakir Husain Library Jamia Nagar New Delhi

سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لایعلمون۔

پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا کیا ہر قسم کے جوڑے نباتات وجمادات اور انسان وحیوان میں اور ان چیزوں میں جن کا ان کو علم نہیں

سائنس کی تحقیق کے مطابق درختوں میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں اور ہوا کے چلنے سے دونوں قسم کے مادہ ایک دوسرے کی جانب منتقل ہوتے ہیں اور اس سے درختوں میں پھل آتے ہیں۔

وارسلنا الریاح لواقح فانزلنا من السمآء ماءً فاسقیناکموہ وما انتم لہ بخازنین (الآیۃ) سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

تقابلی مطالعہ کے سلسلے میں قرآن کریم کے چند بیانات اور ان کی سائنسی تحقیق قارئین کرام کے سامنے بطور نمونہ پیش کردی گئی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج سے تقریباً پندرہ صدی قبل قرآن کریم نے بنی نوع انسانی کے سامنے جو بیانات ارشاد فرمائے اور اُن کے اندر قدرت کے جو رموز و اسرار مضمر کر دئے وہ بالکل صحیح ہیں اور علم جیسے جیسے ترقی کرتا جائے گا۔ قرآن کے رموز و اسرار کھل کر سامنے آتے جائیں گے۔ چنانچہ کلام الٰہی کے جن حقائق تک عقل کی رسائی نہیں تھی۔ آج اس علمی ترقی کے دور میں وہاں تک پہونچنے میں انسان سرگرم عمل ہے یعنی کل تک قرآن کے جن حقائق و بیانات کی صداقت میں متردد تھا۔ آج اُن کی حقانیت و صداقت ثابت کرنے میں سرگرداں اور کوشاں نظر آرہا ہے۔

تاہم انسان کا علم بہت محدود ہے اس کی معلومات بہت معمولی ہیں۔ اس لئے قرآن کے کسی بیان کی صحیح تشریح و توضیح میں ناکام ہو سکتا ہے۔ غلط تاویل و تفسیر کر سکتا ہے۔ قرآنی بیان اور سائنسی تحقیق کے درمیان تطابق دینے میں خطاء کر سکتا ہے۔ سائنسی تحقیق غلط بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن قرآن کا بیان ہمیشہ اٹل رہے گا۔ اور اس کی حقانیت میں ذرہ برابر فرق نہیں آسکتا۔

سائنس اور قدیم وجدید تفسیریں

یہ صحیح ہے کہ آج سے کچھ صدی پہلے جبکہ سائنسی ذرائع و وسائل نہیں تھے۔ علم جدید نے اتنی ترقی نہیں کی تھی ۔ دنیا موجودہ انکشافات وتحقیقات سے محروم تھی۔ مفسرین قرآن ان آیات کی جو تخلیق کائنات اور مظاہر قدرت سے متعلق ہیں۔ اور جن میں کائنات کی قدرت کے عجیب و غروب رموز واسرار مضمر ہیں اپنے اسلاف کی بیان کردہ تفسیر کو سامنے رکھکر توضیح وتشریح کی۔

لیکن جب زمانہ آگے بڑھا، علم نے ترقی کی، اور اشیاء کی حقیقت وصداقت کو تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ سمجھنے کا مزاج بن گیا۔ اور کائنات ومظاہر قدرت کو اسی انداز پر سمجھا جانے لگا تو قدرت کے عجیب وغریب رموز واسرار کھل کر سامنے آنے شروع ہوتے۔ تو بعد کے علماء نے اپنے اسلاف کی قدیم تفسیر اور علم جدید کو سامنے رکھکر ایسی توضیح وتشریح کی ہیں کہ حقائق ومعارف کے سمندر میں ان پنہاں رموز واسرار کو پڑھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے اور ایمان میں تروتازگی پیدا ہو جاتی ہے۔

ماضی قریب کے جن علماء نے علم جدید کی تحقیقات کو سامنے رکھکر قرآن کی تفسیریں لکھی ہیں ان میں

علامہ طنطاوی کی تفسیر جوہری احمد مصطفے المراغی کی تفسیر مراغی
محمد فرید الوجدی ، تفسیر وجدی جمال الدین القاسمی ، تفسیر القاسمی
محمد محمود حجازی ، التفسیر التوضیح ۔ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

آخری بات

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن کلام ربانی ہے۔ صداقت وحقانیت کے آخری درجے پر ہے اُسے اپنی صداقت کے لئے کسی تائید کی ضرورت ہے بلکہ دنیاوی علوم وفنون کو اپنی صحت وصداقت کیلئے اس کی تائید حاصل کرنے کی حاجت ہے اس لئے جب کوئی نئی تحقیق سامنے آئے جو قرآن کی بیان کردہ تعلیم کے مطابق ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس سے قرآن کی تائید ہوتی ہے۔ بلکہ یوں کہا جائیگا کہ اس کو قرآن کی تائید حاصل ہے۔

سائنس کی بہت سی تحقیقات قرآن کی بیان کردہ تعلیمات کے خلاف ہوتی ہیں۔اور تقابلی مطالعہ کرنے والے کے ذہن میں برابر کھٹکتی رہتی ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان کی عقل اس کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکی ہے۔ ابھی اس کے سمجھنے کے لئے مزید علم کی ضرورت ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن ہی نعوذ باللہ غلط ہے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

مُسلِم پرسنل لا نمبر

مسلم پرسنل لا کیا ہے، شرعاً اسکی اہمیت کیا ہے
عصر حاضر میں اسکی اہمیت میں کیوں اضافہ ہوا
حکومت اس سلسلہ میں کیا اقدام کررہی ہے اور اس سے کس طرح متأثر ہو رہے ہیں۔
مستقبل میں کیا اندیشے ہیں۔
اس موضوع پر اہل علم کے گرانقدر مقالات کیلئے پڑھئے

ماہنامہ دارالعلوم کا مسلم پرسنل لا نمبر
جو
مارچ سنہ ۱۹۸۶ء میں آرہا ہے

از۔ مولانا عبد القیوم حقانی
رفیق مؤتمر المصنفین واستاذ دار العلوم حقانیہ پاکستان

ریشم کا کاروبار کرنے والے ارباب علم وفضل کا تذکرہ

علامہ سمعانی سے ایک ملاقات

گرمیوں کا موسم ہے آدھی رات گذر چکی ہے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے آسمان پر ستاروں کی مجلس شبینہ آراستہ ہے صبح صادق کے برآمد ہونے میں ابھی کافی دیر ہے کائنات پر سکوت اور ستاروں کی روشنی سے مخلوق تاریکی چھائی ہوئی ہے علامہ جامیؒ کی مجلس سعادت "نفحات الانس" سے جی بہلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک تخیل کے وسیع گوشوں، اطمینان کی خاطر طلبگاریوں، تصورات کے انتشار، کچھ بے چینی اور اضطراب کی تاریکیوں میں ایک درخشاں چہرہ" ایک نورانی اور شیریں تبسم اور پُر اسرار انداز کی نگاہ دلآویز نے تاریکیاں دور اور...... اضطرابات کافور کر دئے۔

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہوتا ہے یہ جب چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں خلوت و تنہائی، دل کے اضطراب اور رات کی وحشت و تاریکی میں یہ دلنواز اور شیریں آواز ایسی آواز جو سراسر شفقت اور ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ ایسی آواز جس سے ہمت افزائیاں اور سرفرازیاں حاصل ہوئیں جس نے مایوسیوں میں ڈھارس بندھوائی یہ آواز "الانساب" کے مصنف علامہ ابو سعید عبد الکریم بن محمد السمعانی (المتوفی ۵۶۲ھ) کی آواز تھی جو قصر معرفت کے روزن اور گلشن علم کے دریچے "الانساب"

سے بول رہے تھے۔ ان کی نگاہیں ایسی دلآویز، گفتگو ایسی شیریں اور انداز تخاطب ایسا مشفقانہ تھا کہ دنیا کی ساری راحتیں اور سکون گویا ان ہی کی نظرِ عنایت میں سما کر رہ گیا تھا اور حقیقت واقعہ بھی یہی ہے کہ جب علم وقلم اور نگاہِ دلنواز کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

آج ان کی محفل اور مجلسِ علم وفضل (بصورتِ مطالعہ کتاب الانساب) میں حقیقت اپنی پوری شانِ تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو کر سامنے آگئی تھی۔ اس سے قبل بھی علامہ عبدالکریم سمعانیؒ سے تین ملاقاتیں ہو چکی ہیں ان کی روئیداد بھی قارئین تک پہنچا دی جاچکی ہے اور ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں کوئی عار نہیں کہ بغیر کسی غرض اور انتفاع کے علامہ سمعانی کا ہم طلبہ کے ساتھ شفقت، عنایت اور حسنِ سلوک، دل پر تیر محبت کا زخم بن کر رہ گیا ہے جو روح کے لئے ناسور اور دل کیلئے ایک دہکتا ہوا انگارہ ثابت ہو رہا ہے جس قدر بھی ان کی مجلسِ فیض وافادہ میں حاضری ہوتی رہی ہے۔ روح کا زخم گہرا ہوتا جارہا ہے اور دل کی تپش بڑھتی جارہی ہے۔

احقر اس سے قبل بھی علامہ سمعانیؒ کی نیک شہرت، علم پروری، اصاغر نوازی، عظیم علمی وتصنیفی کارناموں اور کسی حد تک مجلسی افادات سے بے خبر نہ تھا۔ لیکن صورت آشنا نہ تھا کہ مجلس میں حاضری کا موقع ہی نہ ملا تھا۔

اب کہ بار بلکہ چوتھی بار جب ان کی مجلسِ رشد وہدایت (الانساب) میں حاضری کا موقع مِل رہا ہے اگرچہ دل جو سوسائٹی کی بے مہری، اپنوں کی سنگدلی، زندگی کے تلخ تجربوں اور درماندگیوں سے پتھر کی طرح سخت ہو گیا ہے مگر "الانساب" کے مصنف و میر مجلس علامہ سمعانیؒ کی محبت کی دلنوازیوں سے پگھلنے لگتا ہے۔ گویا روح کو ان کی نگاہِ محبت نے خرید لیا ؎

صد ملکِ دل، بہ نیم نگاہے تواں خرید
خوباں دریں معاملہ، تقصیر می کنند!

علامہ سمعانی اپنی مجلسِ عشق ومستی میں گویا ایک چہچہاتی ہوئی بلبل ہیں۔ جو اپنی شیریں راگوں سے

غم زدہ دلوں میں طرب پیدا کردیتی ہیں

اب کہ بار جب ان کی مجلس میں حاضری ہوئی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ موصوف نے اپنی محفل کو ایسے لوگوں سے سجا رکھا تھا جو کاروبار اور پیشہ کے لحاظ سے نسلاً بعد نسلٍ دستکار، صنعت کار، ریشم ساز، اور ریشم فروش چلے آرہے تھے مگر دنیا ان کے اشاعتِ علم و خدمتِ دین، زہد و تقویٰ اور علم و فضل کا لوہا مانتی چلی آرہی تھی۔ دست کاری، صنعت گری، ریشم سازی، اور ریشم فروشی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ سینکڑوں افراد اس کاروبار میں مشغول رہتے تھے۔ مگر ان کے خاندان میں پیشہ اور کاروبار کی طرح تحصیل و اشاعتِ علم کا مشغلہ بھی نسلاً بعد نسلٍ چلا آرہا تھا۔ صنعت و حرفت کی وراثت کی طرح علم و فضل کی وراثت پر بھی انھیں فخر و ناز ہوا کرتا تھا ؎

تمام عمر تیرے دردِ محبت نے مجھے!
کسی سے دل نہ لگانے دیا گلستاں میں

اُن کے علوم و معارف اور دینی و علمی کمالات کا آئینہ ان کے سیرت و کردار کے نادر نمونے ہیں جو معاشرت اور سوسائٹی میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں جن کی ایک جھلک علامہ سمعانیؒ سے "الانساب"، کے صفحہ ۲۳۸ پر ثبت فرمائی ہے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ سمرقند شہر میں ایک علمی خاندان "دیوکش" کے لقب سے معروف اور زیادہ مشہور تھا وجہ یہ ہے کہ اُن کے یہاں ریشم سازی اور ریشم فروشی کا کاروبار ہوتا تھا بلکہ ان کا خاندان پورے علاقے میں اس کاروبار کا مرکز تھا۔ خاندان کے افراد ریشم کے کیڑے ایک خاص ترکیب کے ساتھ پالتے اور پھر ان کو دھوپ میں سکھا کر ان سے ریشم نکالا کرتے تھے چونکہ فارسی میں ان کیڑوں کو دیو کہتے ہیں اس لئے اسی مناسبت سے اس پورے خاندان کا نام "دیوکش" پڑ گیا علامہ سمعانی نے "الانساب" میں اس باب کا عنوان بھی لفظ "دیوکش" سے قائم کیا ہے۔

دیوکشوں کے اسی خاندان کے افراد نے جس طرح ریشم سازی کی صنعت میں ترقی و کمال

Dr. Zakir Husain Library Jamia Nagar New Delhi دارالعلوم

حاصل کرکے بھی خاندانی امتیاز باقی رکھا اسی طرح انھوں نے ایمان ویقین، علم وتحقیق، ذاتی تجربات، ذوق صحیح، کتاب وسنّت کا صحیح وعمیق علم اور علم وفکر کی بلندیوں تک رسائی حاصل کی، تزکیۂ نفس، رُوح کی لطافت وذکاوت کی صنعت میں ان کی قوت فکریہ کے طائر بلند پرواز نے رضائے الٰہی کے بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا اور رحمتِ الٰہی کی کھلی فضاؤں میں پرواز کی

ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن دیوکُش اسی خاندان کے چشم وچراغ ہیں جنھوں نے مختلف علوم وفنون بالخصوص علمِ فقہ میں اپنی خداداد صلاحیتوں اور توفیق ایزدی کی رفاقت سے گراں قدر علمی تنقیحات، نادر تحقیقات اور پیچیدہ فقہی مشکلات کی عقدہ کشائی کی جوان کے علم کی پختگی اور گہرائی کا زندۂ جاوید ثبوت ہے۔ اُن کے استقلال واخلاص، توکّل، اعتماد، زہد وقربانی، دردِ دل اور سوز دروں نے ان کی سیرت وکردار کو جِلا بخشی اوران ہی کی مخلصانہ مساعی اور پاکبازی کی وجہ سے خاندانِ دیوکُش کو زندگی اور تاریخی عظمتیں حاصل ہوئیں۔

خدا کی شان کہ جو صنعتیں، کاروبار اور پیشے ہزاروں برس، صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید ورسالت کے پیغام سے ناآشنا تھے۔ ابو محمد عبداللہ جیسے پاکباز، نیک سیرت اور خدا پرست حضرات کی محنت، ریاضت اور شبانہ روز مشقّت سے وہ خاندان، علماء اور اولیاء کے خاندان اور علوم اسلامیہ اور کمالات دینیہ کے محافظ وامین بن گئے۔

موصوف نے احمد بن شر بجری کے لڑکوں ابو احمد عبدالرحمٰن اور ابو محمد عبداللہ سے علمِ حدیث کی تحصیل وتکمیل کی ہر دو حضرات کا اپنے زمانے میں اکابر اساتذۂ حدیث میں شمار ہوتا تھا دونوں حضرات کو علمِ حدیث میں پختگی، گہرائی اور علاقہ بھر میں مرکزیت حاصل تھی۔

تحصیلِ علم کے بعد موصوف کو اللہ تعالیٰ نے خدمت واشاعتِ علم، درس وتدریس کے مواقع عطا فرمائے۔ انھیں بھی اپنے قابل، فائق اور فاضل اساتذہ کی طرح قبولِ عام اور بقائے دوام حاصل ہوا، طالبانِ علوم نبوت کے مرجع بنے اور شہرت وقبولیتِ عامہ نصیب ہوئی آپ کا حلقۂ درس اور حلقۂ ارادت روز بروز وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

آپ کے تلامذۂ حدیث میں ہمارے "الانساب" کے مصنف علامہ سمعانیؒ کے والدکا نام
گنوایاجاتاہے اور انھیں اس نسبت پر ہمیشہ فخر وامتیاز بھی حاصل رہا جیساکہ علامہ سمعانی
تحریر سے یہی معلوم ہوتاہے ان کے علاوہ ابوطاہر محمد بن محمد بن عبداللہ سنجی، اور ابوبکر عتیق
علی غازی کو بھی علم حدیث میں آپ سے تلمذ کا شرف حاصل رہا ۹۱ ۴ھ کے حدود میں عازم
اقلیم عدم ہوئے۔

محمد بن عبداللہ دیوکُش، آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ بڑے ذہین، ذکی اور نقطہ رس
تھے۔ انھیں بھی اپنے عظیم والد کی طرح دستکاری اور ریشم سازی میں تجربہ ومہارت کے ساتھ ساتھ
خدمتِ دین، اشاعتِ علم اور درس وتدریس کے بھی خوب مواقع ملتے رہے، خداتعالیٰ نے اُن کو
منصب کی قوت استدلال سے نوازا تھا۔ بیان کی دلآویزی۔ زبان کی شگفتگی اور دلائل کی قوت
سے بحث کے اطراف وجوانب بڑی خوبی کے ساتھ ایک نقطۂ جامعیت پر سمیٹ دیتے تھے
اس کی وجہ سے انھیں دینی وعلمی حلقوں اور طلبۂ حدیث میں شہرت اور قبولیتِ عامّہ نصیب ہوئی۔
ہمارے "الانساب" کے مصنف علامہ سمعانی کو بھی ان سے زیارت وملاقات اور استفادے
کی سعادت حاصل ہوئی تھی جس کا انھوں نے بڑے فخر وامتیاز اور اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا ہے
خاندانِ دیوکُش جو ریشم سازی کا مرکز اور علاقہ بھر کیلئے مرجع بنا ہوا تھا۔ دیوکُشوں کے
خاندان میں اللہ تعالیٰ نے ایسے رجال کار اور فرد رشید کھڑے کردئے تھے جنھوں نے
دستکاری اور ریشم سازی کے ساتھ ساتھ آدم سازی اور آدم گری کی صنعت میں بھی اپنے خاندان
نامورای اور نیکنامی کے معراج تک پہنچایا، بطور مثال ہم نے "الانساب" سے ابومحمد عبداللہ بن محمد
دیوکُش اور اُن کے ہونہار صاحبزادے محمد بن عبداللہ دیوکُش کا اجمالی تذکرہ نقل کردیاہے
سوجھ بوجھ اور قدرے عقل سے کام لینے والوں کیلئے صرف ان دو حضرات ہی کے اس
مختصر تذکرہ میں کتنی نصیحتیں، کتنی عبرتیں اور کتنے انقلاب انگیز اسباق موجود ہیں کہ تحصیل علم
اور پھر اشاعت علم کے دوران اگر اپنے ہاتھ کی کمائی سے رزقِ حلال کے قوتِ لایموت پر زندگی۔

اور مستقبل کی جسمانی ساخت کا سانچہ تیار کیا جاتا رہا تو قدرت انھیں مستقبل کی علمی زندگی میں علمی و روحانی سانچے بھی ویسے میسّر کر دے گی جس کی طلبگاریوں میں انھوں نے اپنی قیمتی صلاحیتیں کھپا دیں۔

آج نہیں کہ اس دور کا "آج" گزشتہ زمانے کے کل سے بہت زیادہ بدل چکا ہے کہ جب علم دین کی ہستی ڈگریوں کی نہ حکومت خریدار تھی اور نہ پبلک میں ان معاشی اجازت ناموں کی کوئی طلبگاری تھی جو بھی اس راہ میں قدم رکھتا۔ سر راہ وسوسہ ڈالنے والا "خناس" خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ کا بورڈ آویزاں کر دیتا۔

کیا عجب زمانہ تھا اور کیسا عجب تماشہ تھا کہ صرف دیوکشوں کے خاندان کے ان افراد نے نہیں بلکہ ہمارے اسلاف اور مشاہیر ارباب علم وفضل نے

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ — کیا اپنے بندہ کیلئے اللہ کافی نہیں۔

کے قرآنی سوال کے جواب میں۔

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ — ہمارے لئے اللہ بس ہے بڑا اچھا وکیل۔

نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ — (پشت پناہ) کتنا اچھا آقا اور کیسا اچھا یارائی فرما۔

کی مضبوط چٹان سے زندگی کے جہاز کو باندھ دیا تھا، مگر تاریخ گواہ ہے" الانساب" کے بارہ سو چھ صفحات پڑھ جائیے۔ اس کے علاوہ کتابیں اٹھا اٹھا کر ایک ایک مؤرخ سے دریافت کرتے چلے جائیے۔ سب کے ہاں ایک جواب اور اجماعی جواب ملے گا۔ کہ اولاً انھیں

زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا — جھنجوڑ دیئے گئے اچھی طرح جھنجوڑنا

کہ مقام پر رکھا اور پھر رکھا گیا وہ جب تک اس مقام رہے فقر و فاقہ اور بعض اوقات بھوک کی شدت سے گر گر کر بھی تسلیم و رضا کی راہ چلتے رہے اور ان کے چہروں پر کفران نعمت اور ناشکری کے بل تک کو باریابی حاصل نہ ہو سکی۔

چند ہی دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اپنے فضل وکرم کے دھارے کھول دیئے۔ انعاماتِ اور ربّانی تجلّیات۔ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کی صورت میں جلوہ گر ہوتے رہے۔

مگر آج کس کس پہلو پر رونا رویا جائے کس کس سوراخ کو بند کیا جائے اور کس کس زخم پر مرہم رکھا جائے۔ علم کے زوال اور امّت کے ادبار وتنزّل کیلئے کیا یہ کوئی کم واقعہ ہے۔ کہ طلبہ کو رزقِ حلال، پیشہ ورانہ تربیت، دستکاری اور اپنے ہاتھوں سے حلال کی کمائی کے بجائے ابتدائے روز سے انجمن سازی تنظیم بازی، سیاست گری، صفائی۔ تہذیب اور خدا جانے کن کن ناموں کا پردہ ڈال کر کیسے کیسے لایعنی مشاغل اور تنعمات کا عادی بنایا جارہا ہے جن چیزوں کو ہمارے اسلاف نے غیر ضروری سمجھا، مگر اب ان ہی چیزوں کو زندگی کی اوّلین ضرورت قرار دیا جارہا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے اسلاف اور اربابِ علم وفضل نے تعلیم کے ایام تعلیم ہی کے لئے گذارے ہیں۔ تحزّب، تحریک، سیاست، انجمن سازی بننے، سنوارنے، نوعروسی اور دولہا بننے کی مشق نام کا کوئی کارنامہ ان کی طالب علمانہ زندگی میں نظر نہیں آتا۔

اُن کی زندگی صاف ستھری، دھلی دھلائی۔ اجلی محنت ومشقت اور اپنے ہاتھوں سے رزق حلال کی کمائی والی سرد وگرم چشیدہ زندگی تھی۔ ایسی زندگی اپنے اندر جو پختگی رکھتی ہے۔ سیرت وکردار کی یہ استواری ان لوگوں میں تلاش کرنا بے کار اور فضول ہے۔ جن کی پوری زندگی سرد ماحول میں گذری ہو، پیشہ ور، دست کار اور صنعت کار اربابِ علم وفضل کا یہ تذکرہ مسلمانوں کی ماضی کا صاف آئینہ اور ایسا آئینہ ہے۔ جس میں مستقبل کو دیکھا بھی جاسکتا ہے اور سنوارا بھی۔

تبصرہ

جدید مطبوعات

نوٹ:۔ تعارف وتبصرہ کیلئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

نام:۔ زمخشری کی الکشاف ایک تحلیلی جائزہ۔ مصنف: پروفیسر فضل الرحمٰن ڈین، دینیات فیکلٹی وصدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

ناشر:۔ دینیات فیکلٹی علی گڈھ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔ کتابت وطباعت معمولی۔ صفحات ۵۷۶

سائز بڑا۔ قیمت درج نہیں۔

یہ کتاب کا پہلا ایڈیشن ہے جو ۱۹۸۲ء میں لیتھو کلر پرنٹرز اچل تالاب علی گڈھ میں چھپا ہے۔ مصنف نے اسلامیات میں پی۔ایچ ڈی کے لئے اپنا یہی موضوع منتخب کیا تھا جس کی تکمیل پر انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ موصوف نے اس طویل خالص علمی مقالہ کو لکھکر آجکل کے پی۔ایچ ڈی، کرنے والوں کی لاج رکھ لی ہے۔ بلاریب وہ اپنے اس اہم ترین علمی کام پر مبارکباد کے مستحق ہیں یہ ضخیم کتاب ایک مقدمہ چار ابواب، اختتامیہ اور فہرست مصادر ومراجع پر مشتمل ہے۔ مقدمہ بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں تفسیر وتاویل کی لغوی واصطلاحی تعریف، تفسیر کی ضرورت، تاریخ تدوین، الکشاف کے زمانۂ تالیف چھٹی صدی ہجری تک کے تفسیری رجحانات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ پہلے باب میں زمخشری کے حالاتِ زندگی، اور تصانیف کے علاوہ تحریک اعتزال کے تاریخی پس منظر معتزلہ کے عروج وزوال اور اسکے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرا باب "الکشاف" اور اعتزال کے موضوع پر ہے۔ جس میں توحید، عدل الوعد والوعید، ادر المنزلۃ بین المنزلتین وغیرہ عنوانات کے تحت متکلمانہ انداز میں گرانقدر علمی مباحث

جمع کردیئے گئے ہیں۔ کتاب کا یہ حصہ اہل علم کے لئے خاصے کی چیز اور دراصل وہی اس کی اہمیت
سمجھ سکتے ہیں۔ تیسرا باب الکشاف اور اعجاز القرآن پر ہے۔ یہ باب بھی خالص علمی اور فنی حیثیت
کا حامل ہے۔ چوتھے باب الکشاف اور بعض دیگر اہم تفسیری رجحانات کی توضیح میں ہے اختتامیہ
میں الکشاف کے بارے میں ماہرین فن کی رائے جمع کردی گئی ہے۔ مصادر و مراجع کی فہرست
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنی اس کتاب کی تالیف میں ۴۰۸ کتابوں سے استفادہ
کیا ہے جس میں عربی کے علاوہ اردو اور انگریزی کی کتابیں بھی شامل ہیں، مراجع کی فہرست سے
مصنف کی محنت اور جانفشانی، اور کتاب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ پھر
ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ پوری کتاب میں ان کا قلم جادۂ اعتدال سے پھسلنے نہیں پایا۔
جو اس طرح کے مقالوں کے لئے ایک نادر بات ہے۔ الحاصل کتاب اپنے موضوع پر خوب سے
خوب تر ہے البتہ ناشر نے کتابت و طباعت اور تصحیح میں کتاب کی اہمیت و وقعت کا بالکل
لحاظ نہیں کیا ہے۔ امید کہ اگلے ایڈیشن میں اس کا خیال رکھا جائے گا۔

طالب علم

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں!
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے، مگر صاحب کتاب نہیں

علامہ اقبالؒ

Dr. Zakir Husain Library
Jamia Nagar
J.M.I. New Delhi
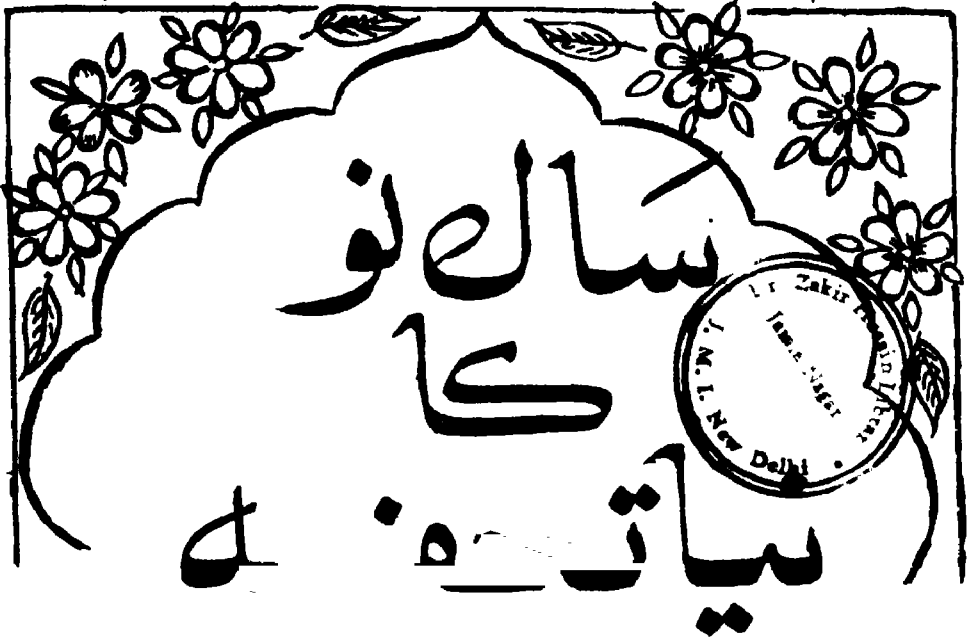
ہمدردان دار العلوم دیوبند کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ ۱۹۸۶ء کیلئے دار العلوم کیلنڈر انگریزی و عربی تاریخوں پر مشتمل ۱۳ صفحات پر شائع ہو کر منظر عام پر آگیا ہے۔

ہر صفحہ پر دار العلوم کی اہم عمارتوں کی تصاویر۔ اور قرآنی آیات اور احادیث رسول، اسلاف واکابر کے زرّیں اقوال اور مختصر سوانح کا بہترین مجموعہ، دلکش اور دیدہ زیب چار رنگوں میں طباعت عمدہ کاغذ۔ سائز ۱۸ + ۲۲/۲ صفحات ۱۳

قیمت -/6 روپئے

تاجروں اور ایجنٹ حضرات کیلئے خصوصی رعایت
موقع سے فائدہ اٹھا لیجئے۔ محدود طبع کرایا گیا ہے

مکتبہ دار العلوم دیوبند ۲۴۷۵۵۴

Regd. No. SHN-L-13-NP-21-85

DARUL ULOOM MONTHLY

DEOBAND [U. P.]

Dr. Zakir Husain Library
Jamia Nagar
J. M. I. New Delhi

تاریخ .... نمبر

محترم و مکرم ! زید مجدکم

سلام مسنون ! "دارالعلوم دیوبند" ہماری حیات ملی کا علمبردار، نقیب اور محافظ ہے اور ماہنامہ دارالعلوم اس کا ترجمان ہے۔ بالفاظ دیگر وہ ہمارا اپنا ترجمان ہے اسکی ترویج و اشاعت اور ترقی خود ہمارے ارتقار کی ضامن ہے، اس لئے آنجناب سے خصوصی درخواست ہے کہ رسالہ دارالعلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں، خود بھی خریدار بنیں اور اپنے حلقۂ اثر میں زیادہ سے زیادہ خریدار بنانے کی کوشش فرمائیں۔

رسالہ دارالعلوم میں

- اسلامی تعلیمات کو سہل اور دلنشیں پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے۔
- اسلام کے قدیم و جدید مخالفین کی بطریق احسن مدافعت کی جاتی ہے۔
- دقیق علمی مسائل میں علماء دیوبند کے محققانہ مقالات شائع ہوتے ہیں
- دارالعلوم کے احوال و کوائف سے معاونین کرام کو مطلع کیا جاتا ہے،
- تاریخ اسلام کے جاں فکر و دعوت کی زندگی پر پُراثر مقالے پیش کئے جاتے ہیں

امید کہ آنجناب رسالہ دارالعلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر اپنی آواز کو مضبوط اور اپنے ترجمان کو طاقتور بنائیں گے۔ والسلام

دارالعلوم پرنٹنگ پریس دیوبند

20 JAN 1986

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

Jan 86

جلد نمبر ۶۹	بابتہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۸۶ء مطابق ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۶ھ	شمارہ نمبر ۴

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمن القاسمی

قیمت فی پرچہ -/۳ : سالانہ =/۳۰

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے | سعودیہ عرب، کویت، ابوظہبی ایرمیل -/۱۱۵ جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل -/۱۲۵ پاکستان بذریعہ ایرمیل -/۱۴۵ بنگلہ دیش -/۳ ٪۶

محبوب پریس دیوبند، سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپکا زر تعاون ختم ہوگیا ہے۔ ○

فہرست مضامین

ہندوستانی اور پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۶۰/- روپے مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد، ضلع ملتان، پاکستان، کو بھیج دیں اور انہیں لکھیں کہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں، خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

حبیب الرحمٰن القاسمی

بلاشبہ دارالعلوم دیوبند ایک تعلیمی ادارہ اور دینی درسگاہ ہے لیکن اس کے باوجود اس نے مجموعی طور پر کبھی قومی زندگی سے اپنا تعلق منقطع نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ اس نے ہمیشہ قوم کی ہر مرحلہ میں رہنمائی کی ہے، اور اس کے تربیت یافتہ علماء میں ہمیشہ سے ایک ایسی سربرآوردہ اور بیدار مغز جماعت رہی ہے، جسکا ہاتھ قوم کی نبض پر رہا ہے اور قومی زندگی میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔

اس بنا پر دارالعلوم دیوبند کو محض ایک تعلیمی ادارہ سمجھنا صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح معنوں میں وہ ایک تعلیمی تحریک ہے، اور تعلیم کتابوں کے پڑھنے پڑھانے تک محدود نہیں رہتی بلکہ اسکا دائرہ کار اس سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے، دارالعلوم دیوبند ایک خاص فکر اور ایک مخصوص فلسفۂ حیات کی دعوت کے لئے وجود میں آیا تھا اور تقریبا ایک سو بیس سال سے وہ یہ دعوت دے رہا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ روز بروز اس کی دعوت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اور اسکے تربیت یافتہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ملک کے ہر حصے اور قومی زندگی کے ہر شعبہ میں پہنچ کر مصروف عمل ہیں، اس طرح دارالعلوم دیوبند کی فکر معنوی اور جماعتی زندگی کی ایک مستقل اساس بن گئی ہے۔

اگر دارالعلوم دیوبند کا مقصد قیام صرف یہ ہوتا کہ یہاں عربی پڑھنے والے طلبہ آئیں، اور اپنا تعلیمی نصاب مکمل کر کے اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں تو پورے وثوق سے یہ بات کہی جا سکتی ہے دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے وہ محیر العقول خدمات اور عظیم کارنامے وابستہ نہ ہوتے جو آج دارالعلوم دیوبند ہی کی نہیں بلکہ قوم و ملت کی تاریخ کا قابل صد فخر

اور روشن باب ہیں ۔

۱۸۵۷ء کے ہلاکت خیز اور تباہ کن انقلاب کے بعد ایک طرف مسلمانوں کے اندر جماعتی انتشار اور دینی انحراف پھیل رہا تھا، اور دوسری طرف عیسائی مشنریوں اور آریائی مبلغوں نے اسلام کو بے سہارا سمجھ کر اس پر دھاوا بول رکھا تھا، ایسے نازک اور سنگین حالات میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہ ان رخنہ اندازیوں کے تدارک کے لئے میدان میں نکلے اور اول الذکر نے حدیث و فقہ کے درس و تدریس سے اور ثانی الذکر نے اپنی دلپذیر تقریروں اور حکمت آمیز تحریروں کے ذریعہ اس طوفان بلا کے رخ کو پھیر دیا ۔

پھر جب سفید فام درندوں نے وطن عزیز کے سینے میں اپنے خونی پنجے گاڑ دیئے اور وطن باشیوں پر اپنے ظلم و تشدد کی حد کر دی اور انکی آزادی کو سلب کر لینے کے بعد ان کے دین و مذہب اور تہذیب و تمدن پر بھی شبخون مارنا شروع کر دیا، تو اس عہد بے بسی میں آزادی کامل اور قومی خودمختاری کیلئے تحریک انقلاب کا نقشہ مرتب کرنے والا بطل حریت اور مجاہد جلیل اسی دارالعلوم دیوبند کا ایک سپوت تھا، جسے آج دنیا "شیخ الہند" کے نام اور اسکی انقلابی جدوجہد کو "ریشمی رومال تحریک" سے جانتی پہچانتی ہے، اسی قابل صد فخر جرم پر اس ضعیف العمر مگر جواں ہمت جنرل کو تین سال سے بھی زیادہ عرصہ تک مالٹا جیسے دور افتادہ اور بے فیلے جزیرہ میں قید و بند کی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، پھر بھی اس کے عزم و ارادہ میں سر مو فرق نہیں آیا، اور قید فرنگ سے رہائی حاصل ہوتے ہی "ترک موالات" کا وہ انقلابی فتویٰ اور تاریخی منشور شائع کیا جسنے ایک طرف برطانیہ کے قصر سلطنت کو متزلزل کر دیا اور دوسری طرف قومی تنظیموں ! "خلافت کمیٹی" "جمعیۃ علماء ہند اور انڈین نیشنل کانگریس کے اندر زندگی کی تازہ روح پھونک دی اور پھر ان تینوں قومی جماعتوں کو ایک فلیٹ فارم پر متحد کر کے ایک ایسی سرد جنگ کا آغاز کر دیا، جس نے حکومت برطانیہ کے جبر و تشدد کے سارے ہتھیار کند کر دیئے ،

علاوہ ازیں داعی انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی اور انکے عظیم رفیق کار مولانا محمد میاں المعروف به مولانا منصور انصاری غازی دارالعلوم دیوبند ہی کے ساختہ پرداختہ تھے جنہوں نے آزادی وطن کے سلسلے میں ایثار و قربانی کی ایسی مثال پیش کی جس کی نظیر تاریخ کے صفحات میں مشکل سے ملے گی۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادی، مولانا محمد میاں دیوبندی وغیرہ فضلائے دارالعلوم دیوبند نے آزادیٔ ملک و ملت کی جنگ میں جو قائدانہ کردار پیش کیا ہے، اور اس راہ میں جن مشکلات و مصائب کا سامنا کیا ہے اس کے عینی گواہ اب بھی موجود ہیں۔

اور آزادیٔ وطن کے بعد امت کی علمی، دینی، اقتصادی اور سیاسی رہنمائی کا فریضہ جو جماعتیں انجام دے رہی ہیں ان میں غالب عنصر علمائے دارالعلوم ہی کا ہے اسلئے بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان بھر میں صرف دارالعلوم دیوبند ہی ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہے، جسے حقیقی معنوں میں جمہور کا ادارہ کہا جاسکتا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ!

قسط ۲ از: مولانا محمد حنیف ملّی

حدیث پاک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں

طلبہ کا مقام و مرتبہ! اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ایک مسلم جس کام کو بھی کرتا ہے اس کی خیر و برکت اور فائدے سے لازمی طور پر مستفیض بھی ہوتا ہے اور اس کا اجرا سے خدا کے یہاں مل کر رہتا ہے، پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

من غدا إلى المسجد لا يريد إلا ان يتعلم خيرا او يعلمه كان له كأجر حج تام وفى رواية كان بمنزلة المجاهد فى سبيل الله "

جو لوگ مسجد میں صرف علم سیکھنے اور سکھانے کے لئے جائیں گے ان کو ایک کامل حج کا ثواب ملیگا اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے درجے میں ہوگا

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"من طلب علما فادركه كتب الله له كفلين من الاجر، ومن طلب علما فلم يدركه كتب الله كفلا من الاجر"

جو شخص علم حاصل کرے اسے دوگنا ثواب ملے گا اور جو شخص جستجو کے باوجود نہ پا سکے اسے ایک گونہ اجر ملے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

اذا جاء الموت طالب العلم وهو على حاله مات شهيدا "

اگر علم حاصل کرتے کرتے طالب علم کو موت آجائے تو وہ شہید ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے زیادہ ہے آپ کا ارشاد ہے

"فضل العلم خیر من فضل العبادة و ملاک الدین الورع" — علم کی فضیلت عبادت سے زیادہ ہے اور دین کا بڑا سرمایہ تقویٰ ہے۔

نیز طالب علم کا مقام بہت زیادہ نمایاں ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی اس روایت سے عیاں ہے آپ فرماتے ہیں

"من سلک طریقاً یلتمس فیہ علماً سہل اللہ لہ طریقاً إلی الجنة وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ الا نزلت علیہم السکینة وغشیتہم الرحمة وحفتہم الملائکة وذکرہم اللہ فیمن عندہ ومن بطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ"

جو شخص علم کے لئے نکلے گا خدا اس کے لئے خدا اس کے لئے جنت کا راستہ ہموار آسان کر دے گا اور جب کوئی قوم خدا کے گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب پڑھتی اور اس کا مذاکرہ کرتی ہے تو اس پر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت حق اسکو گھیر لے گی، فرشتے ان کو حلقے میں لے لینگے اور خدا ان کا ذکر اپنے یہاں کی مخلوق کے سامنے بڑے فخر سے کرے گا اور جو شخص عمل میں پیچھے ہو گا اس کا نسب اس کو آگے نہ لیجا سکے گا۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا آپ مسجد میں ایک سرخ چادر پہ لیٹے ہوئے تھے میں نے عرض کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں علم حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہوں آپ نے فرمایا مبارک ہو فرشتے طالب علم کو اپنے بازوؤں میں چھپا لیتے ہیں، یہی وہ خوبیاں ہیں جنکا ظہور طالب علم کی زندگی میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔

طلبہ کے ساتھ رسول اللہ کی خیر خواہی:- حضرت ابوہارون عبدی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ہم جب حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس حدیث حاصل کرنے کی غرض سے آتے تو فرماتے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت (خیر خواہی) آپ کو مبارک ہو ہم نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کی خیر خواہی کیا ہے تو حضرت ابو سعید نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور وصیت فرمایا ہے کہ ابو سعید میرے بعد کچھ لوگ آپ سے حدیث حاصل کرنے آئینگے وہ جب آئیں تو ان سے نرمی سے پیش آؤ اور ان سے حدیث بیان کرو بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابو سعید نوجوانوں کو دیکھتے تو فرماتے کہ خدا کے رسول کی وصیت تم کو مبارک ہو آپ نے ہمیں وصیت کی ہے کہ جب تم آؤ تو ہم مجلس میں جگہ کشادہ کریں اور تمہیں حدیث سکھائیں اس لئے کہ تم ہمارے بعد آنے والے محافظ حدیث ہو تم ہی ہمارے بعد حدیث کی ذمہ داری سنبھالنے والے ہو، اس سے اہل علم کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موقف کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ آپ طلبہ اور علماء کی اس طرح ہمت افزائی فرماتے تھے کہ سننے والا غیر اختیاری طور آپ کی طرف ہوئے بغیر نہ رہتا آپ نے اہل علم کی حوصلہ افزائی کے لئے ایسے تمام طریقے اختیار فرمائے جس سے شوق بڑھتا ہے آئندہ ہم یہ بھی بتائیں گے کہ صحابہ کی تعلیم و تربیت کے لئے آپ نے کتنا کامیاب راستہ اختیار فرمایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم! آنحضرت صلی اللہ علیہ کا طریقۂ تعلیم قرآن سے کسی طرح مختلف نہیں ہے اس لیۓ کہ آپ کتاب اللہ کے داعی، خدائی احکامات کے شارح اور قرآنی آیات کے مفسر ہیں پورا قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ سال میں نازل ہوا اور آپ نے اپنی قوم اور اطراف میں بسنے والوں کو اس طرح بیان فرما دیا کہ نہ کوئی گوشہ تشنہ رہا اور نہ کوئی گوشہ پوشیدہ آپ زندگی بھر معلم، قاضی، مفتی، فیصل اور قائد سب کچھ رہے اور امت مسلمہ کی تمام ضرورتیں آپ ہی کی ذات سے پوری ہوتی تھیں چاہے وہ فرد سے متعلق ہوں یا پوری سوسائٹی سے اگر اس ضرورت کا ذکر قرآن

میں نہیں ہے تو آپ کی عملی سنت یہ ضرور ہوگا اسی لئے ہم اسلامی احکامات کا ایک بڑا حصہ ایسا بھی پاتے ہیں جو ربع صدی کے دوران امت پر عائد ہوا جس میں عبادات، آداب و اخلاق، فرائض و واجبات سب ہی ہیں ہم جسے سنت کہتے ہیں وہ انسان کے ذہن کی کاوش نہیں جسے واعظوں نے تقریریں بیان کیا ہو یا اہل قلم نے مرتب کر رکھا ہو بلکہ زمانہ کی دینی سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ امن و جنگ یا خوش حالی اور بد حالی کے زمانہ میں رفتہ رفتہ احکام آتے رہے اور سنت مرتب ہوتی رہی تا آنکہ امت کے لئے پورا ایک متحرک اور مبارک نظام تعلیم وجود میں آگیا اور یہ کوئی آسان بات بھی نہیں ہے کہ انسان دیکھتے ہی دیکھتے ہی بدل جائے اور اپنی پرانی تعلیم قدیم روایات اور آبائی تہذیب و تمدن کو یک لخت چھوڑ کر اسلامی عقائد و عبادت کا پابند بن جائے۔

قرآن کریم نے فاسد عقائد، بری عادت اور قومی رسم و رواج کا خاتمہ بھی بتدریج فرمایا ہے جس پر زمانہ صدیوں قائم رہا اور عبادات، واحکام کی تخم ریزی بھی رفتہ رفتہ کی ہے اس نے پہلے بلند کردار اور اعلیٰ سیرت کی دعوت دی اور شمع نبوت کے پروانوں کو صبر و استقامت پر ابھارا اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تفسیر فرماتے لوگوں کو مسائل سکھاتے ان کے باہمی نزاع کے فیصلے فرماتے اور مجرموں کو سزا دیتے رہے اور آپ کے انہی اقدامات کا نام سنت ہے ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ سنت کی نشر و اشاعت میں آپ کا طریقہ تعلیم کیا رہا اور لوگوں کے دل سنت کی طرف کیوں کھنچتے رہے۔

ابتدا میں جب اسلامی دعوت مخفی طور پر جاری تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے لئے حضرت زید بن ارقم کے مکان کو پناہ گاہ بنایا جہاں مشرکین کی اذیتوں سے بچ کر مسلمان اکٹھا ہوتے اور قرآن کریم کا مذاکرہ فرماتے تھے آپ انہیں اسلام کی بنیادی تعلیم دیتے اور جو آیتیں نازل ہوتیں انہیں یاد کراتے تھے کچھ دنوں بعد مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامگاہ ہی علم و تربیت کا مرکز ہوگئی اب یہیں براہ راست .....

صحابہ کرام قرآن کریم سیکھنے لگے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چشمۂ صافی سے اپنی تشنگی بجھانے لگے صحابہ کرام قرآنی آیات زبانی یاد کرتے اور آپس میں اس کا مذاکرہ فرماتے پھر یہ ذوق اتنا بڑھا کہ مکان ہو یا بازار، بستی ہو یا ویرانہ بس یہی کوشش رہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا گیا ہے اسے کسی طرح بھی محفوظ کر لیا جائے بعض مرتبہ آیتوں کی ترتیب کا مذاکرہ بھی آپس میں ہوتا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد اسی بہانے معلوم ہو جائے اس لئے دراصل آپ کا ارشاد ہی قرآن کی تفسیر ہے بہرحال قرآن پاک کی حفاظت کے ساتھ حدیث کی حفاظت کا بھی پورا اہتمام جاری رہا جیسا کہ حضرت عمر کے قبول اسلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ دور اول میں گھروں میں قرآن پڑھتے اور دینی مسائل سیکھتے تھے۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ مسجد نبوی ہی عبادت، دینی شعائر، اور تمام مذہبی امور کے ساتھ فکر و فن، علم و معرفت، اور افتاء و قضا کا مرکز ہو گئی تاہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و اشاعت کی سرگرمی کو کسی مقام تک محدود نہیں رکھا بلکہ راستوں پر بھی لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے تو آپ اس کا جواب عنایت فرماتے، سفر ہو یا حضر، بستی ہو یا ویرانہ، حالت امن ہو یا جنگ جہاں کہیں آپ کو دعوت کا موقعہ ملا اسے غنیمت جانتے اور تبلیغ فرماتے رہے اس کے علاوہ آپ کی مخصوص مجلسیں بھی ہوتیں جس میں وعظ فرماتے اور صحابہ کے نشاط طبع کا پورا خیال فرماتے تھے آپ جہاں تشریف فرما ہوتے صحابہ آپ کے ارد گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے، حضرت انس فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی حلقوں میں بٹ جاتے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور فرائض و سنن سیکھتے تھے، صحابہ کی تاریخ اور ان کی عملی زندگی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی صحابی کے ساتھ بخل سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ ان کے ساتھ کثرت سے بیٹھتے انہیں تعلیم دیتے، ان کے دلوں کا تذکیہ فرماتے جیسا کہ واقعات پر

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بالموعظۃ فی الایام کراھۃ السآمۃ علینا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ وارشاد کے وقت اس اندیشہ سے ہماری نگرانی فرماتے تھے کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں۔

اور درمیان میں وقفہ رکھتے تھے اس لئے کہ مسلسل تعلیم اور وعظ وارشاد سے بسا اوقات دلوں میں اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور فائدہ بھی نہیں ہوتا اس لئے اور تعلیم میں اس کا لحاظ کرنا دانائی ہوگی اور یہی وہ بنیادی طریقۂ تعلیم ہے جس کا آج بھی علمی اور تربیتی ادارے بڑا اہتمام کرتے ہیں اور طلبہ کے دلوں میں علمی باتیں اتار دینے کی یہی بہترین تدبیر ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو بھی لوگوں کی عقل و دانش کے مطابق ہوتی تھی اس لئے کہ جو گفتگو مخاطب کی سمجھ سے بالاتر ہو بسا اوقات فتنوں کا باعث اور لاحاصل ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین کے سامنے ایسی ہی بات پیش فرماتے تھے جسے وہ سمجھ سکیں چنانچہ شہری اور قصباتی کو ان کے مزاج اور ماحول کے مطابق باتیں ذہن نشیں فرما دیتے تھے اسی طرح آپ ان کی عقل وخرد کی بھی رعایت فرماتے تھے اور ان کی فطری یا کسبی صلاحیت کا بھی لحاظ رکھتے ہوئے تنبیہ فرماتے تھے ذکی اور سمجھدار کے لئے آپ کا اشارہ کافی ہوتا تھا اور جس کی یادداشت اچھی ہوتی اس کے لئے بس آپ کا ایک سرسری تذکرہ کافی ہوتا ایک واقعہ بطور مثال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو فزارہ کا سیدھا سادہ آدمی آں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میری بیوی کو انتہائی سیاہ بچہ پیدا ہوا ہے جو کسی طرح میرا نہیں ہو سکتا آپ نے اس سے دریافت کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ بھی ہیں اس نے

کہاں ہاں، آپ نے فرمایا ان کا رنگ کیسا ہے اس نے کہا وہ سرخی مائل ہے آپ نے فرمایا اچھا ان میں کوئی خاکستری بھی ہے اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا سرخ اونٹ کے جوڑوں سے یہ خاکستری رنگ کہاں سے آگیا اعرابی نے کہا ممکن ہے ان میں بعضوں کی رگیں سیاہ ہوں آپ نے فرمایا یہاں بھی یہ سیاہی کسی اندرونی رگ کا اثر ہو یہ سن کر اعرابی مطمئن ہو گیا، اسی طرح ایک قریشی نوجوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا مجھے زنا کی اجازت دیجئے صحابہ نے سنا تو اسے ڈانٹنا شروع کیا آپ نے فرمایا دیکھو عجلت مت کرو اسکو میرے پاس لے آؤ پھر آپ نے اس سے فرمایا کیا تو یہ عمل اپنی والدہ کے ساتھ پسند کرے گا اس نے کہا آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں قسم بخدا نہ صرف میں بلکہ کوئی بھی اپنی ماں کے ساتھ یہ حرکت پسند نہیں کریگا آپ نے فرمایا اچھا اپنی بچی کے ساتھ یہ پسند کرو گے اس نے پھر یہی جواب دیا پھر آپ اس کی خالہ، پھوپھی اور بچی وغیرہ کا ذکر کیا اور وہ نوجوان ہر بار ہرگز نہیں کہتا رہا آپ نے اسکے سر پر دست مبارک رکھ کر فرمایا۔

اللھم اغفر ذنبہ و طھر قلبہ وحصن فرجہ، خدایا اسکے گناہ معاف کر دے، دل کو صاف کر دے اور اس کے شرمگاہ کی حفاظت فرما

راوی کا بیان ہے کہ دعا کی برکت کا یہ اثر ہوا کہ پھر وہ نوجوان کسی بھی غیر فطری خواہش کی طرف مائل نہیں ہوا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی برائی اس انداز سے بیان فرمائی کہ اس نے پوری سوسائٹی میں زنا کے برے اثرات محسوس کئے اور طے کر لیا کہ جس کام کو لوگ پسند نہیں کرتے وہ خود کیوں پسند کرے بالآخر اسی جذبہ نے نوجوان کو زنا سے بالکل دور رکھا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہی عمل اچھا ہے جس میں انسان کا نفس حقیقی واعظ ہو اور ضمیر کو تسکین ہو جائے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بات چیت میں لوگوں کے لب و لہجہ کی بھی رعایت فرماتے تھے مشہور مورخ خطیب بغدادی نے حضرت عاصم اشعری سے آپ کا یہ ارشاد

نقل کیا ہے، لیس من امبر امصیام فی امسفر یہ جملہ اور اسلوب اداس قبیلے کی زبان کی غمازی کرتے ہیں جس کی اصل یہ ہے " لیس من البر الصیام فی السفر" سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے قبیلہ اشعر تلفظ میں لام کی جگہ میم استعمال کرتا ہے آپ نے ان سے گفتگو کے وقت اس کی رعایت فرمائی، آپ ہر بات کو واضح طور پر بین مرتبہ بیان فرماتے تھے تاکہ سننے والے خوب اچھی طرح سمجھ لیں اور سنتے ہی اسے یاد کرلیں،

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یسرد کسردکم ولکن کان اذا تکلم بکلام فصل یحفظہ من سمعہ "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کی طرح تیزی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ جب بات چیت کرتے تو سننے والا آپ کی ہر بات یاد کرلیتا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ اگر کوئی چاہتا تو گفتگو کے کلمات بھی گن لیتا معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت شریفہ تھی کہ آپ ہر بات کو بار بار دہراتے تاکہ سننے والے محروم نہ رہیں اور آپ کے ارشادات کا کوئی مختصر سا جز بھی نہ رہ جائے حضرت انس فرماتے ہیں "

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلثا حتی تفھم عنہ و اذا اتی علی قوم فسلم علیھم سلم علیھم ثلثا "

آپ جب گفتگو فرماتے تو ہر بات تین مرتبہ دہراتے اور سلام بھی تین مرتبہ فرماتے تھے،

لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ایسا بوقت ضرورت فرماتے تھے غرض تمام گذشتہ باتوں سے معلوم ہوا کہ آپ شرعی احکام بڑی عمدگی سے بیان فرماتے تھے تاکہ کسی کو پوچھنے

کا موقع نہ رہ جائے بلکہ بسا اوقات مسائل کے سوال سے زیادہ تفصیلی جواب آپ عنایت فرماتے تاکہ کسی کی کوئی مشکل باقی نہ رہ سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں آسانی پسند فرماتے تھے اور مشکل باتوں سے منع کرتے تھے آپ کی خواہش تھی کہ عزیمت کے ساتھ لوگ رخصت اور رعایت سے بھی فائدہ اٹھائیں آپ عبادت میں حد سے زیادہ غلو اور احکام میں تنگی سے بھی منع فرماتے تھے اور اس میں کوئی حیرت اس لئے نہیں کہ آپ نے ایک آسان دین کا اعلان اپنی زبان رسالت سے فرمایا ہے سیرت کا مطالعہ کرنے سے آپ کی بردباری امت کے ساتھ بے پناہ محبت حق کے لئے آپ کی ناراضگی اور پیچیدہ امور میں آپ کی ممانعت بھی نمایاں ہوتی ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا "اللھم ارحمنی و محمدا ولا ترحم معنا احداً" اے اللہ تو مجھ پر اور محمد پر رحم فرما اور کسی پر رحم مت فرما، یہ جملہ سنتے ہی آپ نے فرمایا تو نے یہ کیا ستم کیا کہ دعا جیسی وسیع چیز کو اس قدر تنگ کر دیا پھر تھوڑی دیر کے بعد یہی تعصباتی مسجد کے ایک گوشے میں پیشاب کرنے لگا صحابہ نے دیکھا تو اس کی طرف لپک پڑے آپ نے صحابہ سے فرمایا اسے پیشاب کر لینے دو اس لئے کہ تم دنیا والوں کے لئے سہولت پسند بنا کر بھیجے گئے ہو تمہیں مشکل میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے جاؤ اس کے پیشاب پر دو چار ڈول پانی بہا دو، آپ نے امت کو ہمیشہ آسانی بہم پہنچانے کی تعلیم دی ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ کا ارشاد ہے۔

علموا و یسروا ولا تعسروا واذا غضب احدکم فلیسکت "
تم لوگوں کو سکھاؤ، ان کے ساتھ آسانی برتو اور سخت مت بنو اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو چپ سادہ لے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

خیر دینکم ایسرہ و خیر العبادۃ الفقہ » 　　بہترین عبادت علمی شغلہ ہے اور بہترین دین وہ ہے جو آسان ہو ۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیچیدہ اور لاینحل معمہ سے بھی منع فرماتے تھے آپ کے بارے میں یہ مشہور بھی ہے کہ جب دو باتوں میں مبتلا ہوتے تو آپ نے آسان بات کو اختیار فرمایا بشرطیکہ اس میں کوئی معصیت نہ ہو ہاں اگر اس میں معصیت ہوتی تو سب سے زیادہ آپ اس سے بچتے تھے آپ نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لئے بدلہ بھی نہیں لیا ہاں اگر اسلامی حدود کی بے حرمتی ہو رہی ہو تو پھر آپ اللہ کے لئے ضرور انتقام لیتے تھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ ایک بے تکلف بھائی اور مہربان باپ کی طرح پیش آتے تھے جب صحابہ کو ادب سکھاتے تو انتہائی نرم اور پیار بھرے لہجہ میں پکارتے تھے آپ فرماتے تھے »

انما انا لکم مثل الوالد اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا » 　　میں تمہارے لئے ایک باپ کی طرح ہوں دیکھو جب تم قضائے حاجت کے لئے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف رخ کرو اور نہ پشت ۔

جب صحابہ آپ کی حدیث سے محظوظ ہو کر آپ کی تعریف کرنا چاہتے تو آپ یہ کہہ کر تنبیہ فرما دیتے ۔

لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسیٰ بن مریم فانما انا عبد اللہ ورسولہ) 　　تم نصاریٰ کی طرح میری تعریف میں غلو مت کرو میں تو محض اللہ کا بندہ اور رسول ہوں ۔

آپ نے کسی نیت پر یہ بھی گوارا نہیں فرمایا کہ کوئی آپ کو بشریت کے مقام سے بلند کر کے پیش کرے آپ کسی بیان کرنے والے سے کوئی صلہ یا کلمہ شکر کی آس بھی نہیں رکھتے تھے ،

عورتوں کی تعلیم ایک مرتبہ چند صحابیات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم مردوں کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے محروم ہیں اس لئے ہمارے لئے بھی کوئی دن مقرر فرما دیجئے تاکہ ہم بھی آکر سیکھ سکیں آپ نے فرمایا بہت اچھا تم فلاں صحابی کے مکان میں جمع ہو جاؤ چنانچہ آپ وقت مقررہ پر عورتوں کے مجمع میں تشریف لائے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ آپ نے اس روز عورتوں سے فرمایا۔

مامن امرأة تقدم ثلثا من الولد تحتسبهن الا دخلت الجنة فقالت امرأة منهن او اثنتان قال واثنتان"	جس عورت کے تین بچے کمسنی میں گذر جائیں اور وہ احتساب کے ساتھ صبر بھی کرے تو وہ یقینا جنت میں جائے گی ایک عورت نے کہا جس کے دو بچے گذرے ہوں تو . آپ نے فرمایا کہ وہ بھی جنت میں جائے گی۔

صحابہ کی عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف سوالات کرتیں اور آپ انہیں جواب دیا کرتے تھے اور یہ موقعہ اتفاقی نہیں بلکہ عورتوں کے لئے آپ نے مقرر فرمایا تھا صحابیات آتیں ، اسلامی تعلیم کے علاوہ اور بھی دیگر مسائل دریافت کرتی تھیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں " نعم النساء نساء الانصار لم يمنعهن الحياء ان يتفقهن فی الدین ،، انصاری عورتیں بہت خوب ہیں کہ وہ دینی مسائل دریافت کرنے اور سمجھنے سے نہیں شرماتیں ، یہ حضرت انس کی والدہ ام سلیم ہیں ایک مرتبہ اللہ کے نبی کے پاس آئیں حضرت ام سلمہ بھی موجود تھیں اور عرض کیا یا رسول اللہ خدا صحیح اور سچی بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا کیا احتلام کی وجہ سے عورتوں پر بھی غسل واجب ہو گا آپ نے فرمایا کہ رطوبت کا اثر اگر موجود ہو تو غسل واجب ہو گا ، حضرت ام سلمہ یہ سن کر مارے شرم کے منہ چھپانے لگیں اور دریافت کرنے لگیں یا رسول اللہ کیا عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے ، آپ نے فرمایا

تیرے ہاتھ خاک آلودہوں) پھر بچے عورتوں کے ہم شکل اور مشابہ کیوں ہوتے ہیں۔

اس خوش مزاجی، عالی نفسی، فراخدلی اور صحیح انداز تربیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو عام احکام اور آداب اسلام کی تعلیم دیا کرتے تھے شاہان دنیا اور قیصر وکسریٰ کی طرح آپ کے یہاں کوئی دربان یا چوکیدار نہ تھا بلکہ مسجد ہی تعلیم وتربیت گاہ تھی جہاں صحابہ احکام سیکھتے تھے کبھی آپ سے راستہ ہی میں دریافت کر لیتے تو آپ بہت خوش ہوتے اور انہیں خوش ہوکر جواب دیتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صحابہ حج کے ایام میں سواری ہی پر آپ سے دریافت کرتے تب بھی آپ کے معنی خیز تبسم میں فرق نہ آتا کبھی کسی کے سوال کا جواب جم غفیر میں دیتے کبھی منبر نبوی پر جلوہ افروز ہوکر دین کے احکام تفصیل سے بتاتے جسے سننے والے دوسروں تک پہنچا دیتے اسی لئے جس نے آپ کے ارشاد کو سنا آپ کو دیکھا اور آپ کے ارشاد کو یاد کر لیا ہے اس کے دل میں آپ کی تصویر ایک زمانہ تک باقی رہتی تھی اور اگر کبھی کسی لفظ میں ادنی سا شبہہ بھی ہوتا تو فوراً در اقدس پر حاضری دیکر ازالہ کر لیتے تھے معلوم ہوا کہ آپ کا طریقہ تبلیغ اس مقصد کے لئے کافی اور وافی تھا آپ کا انداز تربیت، آپ کا طریقہ تعلیم بھی صحابہ کے دلوں میں اتار دینے کے لئے کافی ہے اب ہمیں موضوع کا جائزہ لینا ہے تاکہ صحابہ کی سرگرمی اور حدیث کے ساتھ ان کے تعاون کا اندازہ ہوا ور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح استفادہ کرتے تھے۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس باب کے مقدمہ میں ہم جان چکے ہیں کہ سنت وہ ذخیرہ ہے جسے قرآن کریم کے ساتھ صحابہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہے اور اس کی اتباع اور اس سے ہم آہنگ ہونے میں پوری دلچسپی بھی لی غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کا تعلق مسلمانوں کی عبادات احکامات، معاملات، اخلاقیات، اور شخصی مسائل جیسے زندگی کے بے شمار شعبوں۔

سے ہے بلکہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل، امن و جنگ، پریشانی و آسودگی سب سے ہے جس موضوع کا تعلق ان امور سے ہو ظاہر ہے کہ ایک طالب علم نہ صرف اس سے متعلق ہو گا بلکہ غیر معمولی محبت بھی کرے گا اور کون نہیں جانتا کہ صحابہ کرام حدیث نبوی کے سچے عاشق تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں کے دلدادہ تھے اسے حاصل کرنے کے لئے دوسروں پر بازی لے جاتے تھے اور یہ سب نتیجہ ہے ان کے قوی ایمان اور معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق و محبت کا صحابہ چونکہ علم کی عظمت اور علماء کی فضیلت جانتے تھے اس لئے اخلاص اور صدق دل سے حدیث حاصل کرنے اور اپنے اوپر منطبق کرنے میں لگ گئے جیساکہ صحابہ کی علمی سرگرمیوں اور گوناگوں شوق سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ (جاری)

یاد رفتگان

۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۸۵ء بروز پنجشنبہ دارالعلوم کے قدیم استاذ حضرت مولانا سعید احمد گنگوہی (المعروف بہ بھائی جی) طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے، مرحوم حضرت قطب ارشاد مولانا رشید احمدؒ گنگوہی قدس سرہ کے پوتے تھے، ۲۶ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ کو آپ کی ولادت ہوئی اور پیدائش پر ابھی ایک ماہ بیس یوم ہی گذرے تھے کہ والد محترم صاحبزادہ محمود احمد عین جوانی میں اللہ کو پیارے ہو گئے، اسلئے انکی پرورش اور نشوونما حضرت گنگوہی کے زیر سایہ ہوئی، حضرت گنگوہیؒ مرحوم سے حد درجہ محبت کرتے تھے، ایک مرتبہ جبکہ عمر تقریباً آٹھ سال کی تھی، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے گلے میں بانہیں ڈال کر کسی چیز کا اصرار کر رہے تھے، اتفاق سے اسی وقت انکے تایا ابا صاحبزادہ مولانا حکیم مسعود احمد صاحب آگئے اور انہیں حضرت سے اس طرح چمٹے ہوئے دیکھ کر کہا کہ "حضرت یہ تو بہت گستاخ ہوتا جارہا ہے"

(بقیہ ص۴۲ پر)

تعلیقات ومطالعات

از ــــ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

دینی باتیں غیرمسلموں سے نہیں سننی چاہیئے!

قاہرہ کے مجلہ منبر الاسلام میں سوال ہے کہ کیا ہم مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ عیسائیوں کے وعظ ونصائح جو ہمارے دین اسلام کے بارے میں ہو ہم ان کو سنیں ؟ یعنی ہمارے دین اسلام کی باتیں عیسائی علماء بیان کریں اور اسلام پر وعظ کریں تو کیا ہم اس کو اسلامی وعظ سمجھ کر سنیں ؟

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اسلامی شریعت کے بارے میں کسی غیرمسلم سے وعظ ونصیحت سنے، کیونکہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ نے اپنے اپنے دین میں تحریف کر کے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی شریعت کو بدل دیا ہے، اسی طرح انہوں نے تورات اور انجیل کو بھی بدل دیا ہے، جب وہ اپنی شریعت کے بارے میں یہ کام کر چکے ہیں تو پھر ان کو شریعت اسلامیہ کے بارے میں کیسے قابل اطمینان اور امین ذمہ دار قرار دیا جائے ؟ اسی لئے کسی مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ کسی غیرمسلم سے اسلامی شریعت کی باتیں سنے۔

یہ فتویٰ مصر کے متنور اور روشن خیال علماء کا ہے جن کے یہاں یہود ونصاریٰ بھی ہیں اور وہ جدید اعلیٰ تعلیم اور مغربی تہذیب وتمدن سے قریب بھی ہیں، یہود ونصاریٰ کے بارے میں ان کے تجربات بھی زیادہ ہیں، یہ مصری علماء کھلم کھلا فتویٰ دیتے ہیں کہ ہم بھی

ہو یا عیسائی یا کوئی دوسرا غیر مسلم اس سے اسلامی شریعت کی باتیں نہیں سنی جا سکتی ہیں اور اس سے دین کی معلومات نہیں لی جا سکتی ہے، اس تصریح کی روشنی میں برملا کہا جائے گا کہ جو لوگ یورپ کے عیسائی مصنفوں کی کتابوں سے اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں، ان کے تراجم پڑھ کر قرآن سمجھنا چاہتے ہیں وہ سراسر غلطی پر ہیں، یورپ کے غیر مسلم مستشرقین کے ذریعہ جو دینی کتابیں ملتی ہیں، یا جن اسلامی موضوعات پر وہ اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں ہم ان پر اعتبار نہیں کر سکتے کیونکہ وہ جب اپنے مذہب کے نہیں ہیں تو اسلام کے کب ہوں گے، کوئی مستشرق کتنی ہی عرق ریزی اور تحقیق سے کسی اسلامی اور دینی موضوع پر کتاب لکھے ہم مسلمان اسے ہرگز سند کا درجہ نہیں دے سکتے اور نہ اس کی تحقیق کو اپنے لئے دلیل بنا سکتے ہیں۔

یہ جو ہمارے خالص دینی اور مذہبی جلسوں میں غیر مسلموں کو منت سماجت کر کے بلایا جاتا ہے اور ان سے اسلامی اور دینی موضوعات پر کچھ نہ کچھ کہلوایا جاتا ہے، یہ بھی سراسر غلط اور لغو کام ہے، ہمارے خالص دینی اور اسلامی معاملات میں قومی یک جہتی کی یہ ترکیب مرعوبیت ہے، دینی امور میں غیروں کی کوئی بات نہیں سنی جائے گی اور نہ ان کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھی جائیں گی، البتہ دیگر معاملات میں ان کی باتیں سنی جائیں گی، ان کی کتابیں پڑھی جائیں گی۔

خوشحالی کا ابتلاء

غزوۂ احد میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور اس اعتبار سے آپ کی شہادت بڑی مظلومیت کی تھی کہ نعش مبارک کے ساتھ کفار نے بے پناہ گستاخی کی تھی جس وقت حضرت حمزہ کو قبر میں دفن کیا جا رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ورنجیدہ قبر کے پاس کھڑے تھے، ایک چھوٹا سا کمبل کفن کے لئے تھا جب اسے سر کی طرف سے کھینچتے تو دونوں قدم کھل جاتے اور جب قدم کی طرف سے کھینچتے تو سر کھل جاتا، یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے لوگوں سے فرمایا کہ سر کی طرف کمبل کر دو اور دونوں قدموں پر گھاس رکھدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا دیکھا قبر کے ارد گرد صحابہ کھڑے رو رہے ہیں آپ نے ان سے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آج ہم ایک ایسا کپڑا نہیں پا رہے ہیں جو آپ کے چچا کے کفن کیلئے کافی ہو آپ نے فرمایا۔

انه لیاتی علی الناس زمان یخرجون الی الاریاف فیصیبون فیها مطعما و ملبسا ومرکبا او قال مراکب فیکتبون الی اهلهم هلموا الینا فانکم بارض حرویة والمدینة خیر لهم لو کانو یعلمون لایصبر علی لاوائها وشدتها احد الا کنت له شفیعا یوم القیامة (طبقات ابن سعد ج۴ ص۱۵)

ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں لوگ سبزہ زاروں کی طرف نکل جائیں گے جہاں ان کو کھانا، پہننا اور سواری ملے گی اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس لکھیں گے کہ تم لوگ بھی ہمارے یہاں چلے آؤ کیونکہ تم لوگ بنجر زمین میں رہتے ہو حالانکہ اگر وہ جانتے تو ان کے لئے مدینہ بہتر تھا جو شخص مدینہ میں رہ کر یہاں کی سختی اور مصیبت پر صبر کریگا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کرونگا۔

اسی طرح ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگوں! مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے خطرہ نہیں ہے بلکہ تمہاری مالداری اور خوشحالی سے خطرہ ہے تم اس زمانہ میں دنیا داری میں پڑکر دین کے تقاضوں کو بھول جاؤ گے اور رات دن عیش وعشرت میں رہ کر عبدیت کی قدروں تک سے کورے ہو جاؤ گے صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اندیشے اور خطرہ کو آج ہم اس کی اصلی شکل وصورت میں دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان دنیا میں پھنس کر دین وایمان اور اخلاق وانسانیت سے دور ہوتے جا رہے ہیں مالداری اور خوشحالی بری چیز نہیں ہے بلکہ اللہ کی بڑی نعمت ہے مگر اس کا غلط استعمال بڑی لعنت ہے ایسی لعنت جو انسانیت کو ختم کر دیتی ہے اور اچھے

خاصے آدمی کو جانور بنا کر صرف شہوت اور خواہش کا غلام بنا دیتی ہے مسلمان اس نقطہ کو سمجھ کر دنیا حاصل کریں ان سے بڑھ کر اللہ کی نعمتوں کا حقدار دوسرا کون ہے ، مگر کسی حال میں خدا پرستی اور خدا ترسی سے غافل نہیں ہونا چاہیئے ،

محمد الاصغر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لڑکوں میں عمرو بن عثمان رضی نسب سے بڑے اور کثیر اولاد تھے ، ان کے لڑکوں میں ایک عبد اللہ الاکبر بن عمرو بن عثمان ہیں جو حضرت عثمان کے پوتے ہیں ، بڑے حسین وجمیل تھے ان کے حسن وجمال کی وجہ سے ان کا لقب مطرب پڑ گیا تھا ۔ عبد اللہ الاکبر کی بیویوں میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ بنت حسین بن علی بن ابو طالب تھیں ۔ ان سے جو اولاد ہوئی اس میں محمد الاصغر بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بھی تھے ، جو حضرت حسین کے نواسے تھے یہ بھی بڑے وجیہ وشکیل تھے ان کا لقب دیباج تھا ، بڑی قدر ومنزلت اور عزت و وقار کے آدمی تھے مگر ان میں ایک خامی یہ تھی کہ شادیاں بہت زیادہ کرتے تھے اور اسی حساب سے طلاقیں بھی زیادہ دیا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کی ایک عورت نے ان کو دنیا سے تشبیہ دی جس کی نعمتیں باقی رہنے والی نہیں ہیں اور جس کی ناگواریوں سے کوئی محفوظ نہیں ہے۔

انما مثله مثل الدنیا لا یدوم — یعنی ان کی مثال اس دنیا کی سی ہے جس کی نعمت کو نہ دوام ہے اور نہ جس کی مصیبتوں سے امان ہے ۔

حضرت محمد الاصغر عباسی حکومت وسیاست کی لپیٹ میں آئے اور ابو جعفر منصور نے ان کو گرفتار کر کے گردن ماردی اور سر کو ہندوستان روانہ کر کے ظاہر کیا کہ یہ سر محمد بن عبد اللہ بن حسن کا ہے یعنی حضرت حسن کے پوتے کا ۔

واخذه ابو جعفر مع الفاطمین ثم اَمَرَبه فضُرِبت عنقه صبراً و — یعنی ان کو ابو جعفر منصور نے بنو فاطمہ کے ساتھ گرفتار کر کے گردن مارنے کا حکم دیا

بعث براسه الی الہند، واظهر انه راس محمد بن عبد اللّٰہ بن الحسن (المعارف ص۸۶) اوران کے سرکو ہندوستان بھیج کرظاہر کیا کہ یہ محمد بن عبد اللہ بن حسن کا سر ہے۔

یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں ایک یہ کہ بیوی نے اپنے شوہر کے بارے میں کس آزادی اور خوبی کے ساتھ اظہار رائے کیا ہے اس میں شوہر کی تنقیص نہیں ہے اسے دنیا سے تشبیہ دے کر ایک خاص وصف کو ظاہر کیا گیا ہے کہ جس طرح دنیا کی زندگی بے ثبات کی ہے اس طرح اپنے شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے۔

دوسری بات یہ کہ ابوجعفر منصور نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے اور حضرت حسین رضؓ کے نواسے محمد بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کر کے ان کا سر ہندوستان میں بھیجا جہاں اس وقت عباسی حکام وعمال رہا کرتے تھے اس سرزمین کو خاندان نبوتؐ خلافت کے افراد سے نسبت ہے جو ہم مسلمانوں کے نزدیک بڑے مجد و شرف کی بات ہے اور ہم اس ملک کو ابتداء ہی سے اسلامی مجد و شرف کا امین مانتے ہیں اور یہاں کی سرزمین رجال اسلام کی مقدس امانتوں کی وجہ سے مقدس و محترم ہے۔

پرتگیزیوں سے پہلی جنگ!

۱۰۴۱ھ میں شاہجہاں نے حاکم بنگالہ قاسم خان کو ہوگلی میں فرنگیوں سے جنگ کر کے ان کا قلع قمع کرنے کا حکم دیا، صورت یہ ہوئی کہ بنگالیوں کی بحری تجارت کے زمانہ میں کچھ فرنگی تاجر تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں ساتھ گاؤں (چاٹ گام) آنے جانے لگے، ان کا مرکز سرندیپ (سری لنکا) تھا، وہیں سے یہ لوگ یہاں آتے تھے، ساتھ گاؤں (چاٹ گام) کی بندرگاہ بنگال کی بہت ہی اہم بندرگاہ تھی اس کے ایک سمت سمندر کی کھاڑی واقع تھی جو راج محل کی طرف سے ہو کر سمندر سے مل جاتی تھی، اور راج محل دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے پرتگال کے عیسائی تاجروں نے ہوگلی پر آہستہ آہستہ قبضہ جما کر

اسے اپنا تجارتی اور مذہبی مرکز بنالیا تھا ابتداءً چند فرنگی سوداگروں کے بھیس میں یہاں آکر آباد ہوئے اور مقصد یہ تھا کہ آہستہ آہستہ خلیج بنگال پر قبضہ کیا جائے ویسے کہنے کے لئے یہی تھا کہ صرف تجارت مقصود ہے طرح طرح کے حیلے بہانے سے وہاں کے حکام سے اقامت کی اجازت طلب کرتے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ سرمایہ دار فرنگیوں نے بہت جلد ہوگلی کو اپنا مستقر بنالیا، مکانات بنائے اور بہ تدریج اپنے مکانوں کے گرداگرد مضبوط چہار دیواریاں اور قلعہ نما مکانات بنا لئے نیز ان چہار دیواریوں پر ایسے برج بنائے جن سے بندوق اور توپ استعمال کی جاسکتی تھی اپنی آبادی کے تین طرف کے علاقے جو خشک تھے کھود کر خندق بنالی تھی اور سمندر کی طرف کا حصہ باقی رکھا، ہوگلی میں فرنگیوں اور مسلمانوں کے تجارتی جہاز آنے جانے سے رونق بہت بڑھ گئی جس کی وجہ سے چاٹگام کی رونق پھیکی پڑنے لگی پھر یہاں کے مقیم مالدار فرنگیوں نے آس پاس راجوں اور زمینداروں سے اجارہ پر دیہات و قریات حاصل کئے وہاں کے عوام و رعایا کو اپنے قریب کرکے عیسائی بنانا شروع کیا اور بہت سے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر، اور دباؤ ڈالکر عیسائی بنایا اور سمندر کے راستہ سے بہت سے لوگوں کو پرتگال روانہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ سخت انتشار پیدا ہوگیا اور جب پانی سر سے گذرنے لگا تو شاہ جہاں نے حاکم بنگالہ قاسم خان کو حکم دیا کہ اس جگہ کو نصاریٰ کے اقتدار سے پاک کرے، قاسم خان نے نہایت خاموشی اور رازداری سے ان اطراف میں اپنی طاقت، اسلحہ اور فوج کا اندازہ لگایا اور پھر پورے سازوسامان سے فوج کشی کی بردوان میں رک کر بنگال کے زمینداروں میں سے خواجہ شیر اور معصوم اور محمد صالح کنبو کو جم غفیر کے ساتھ آگے بھیجا تاکہ وہ ہوگلی کی کھاڑی کی ناکہ بندی کرے اور کشتیوں اور جہازوں سے حملہ کے وقت فرنگی بھاگ نہ سکیں مسلمانوں کی فوج نے حملہ کیا تو ساڑھے تین ماہ تک فرنگی فوجوں کے گھیرے میں رہے مقابلہ سے تھک تھکا کر چور ہوگئے تھے مگر پرتگال سے مدد آنے کے انتظار میں کبھی کبھی مقابلہ پر آ ... جاتے

تھے اور جب بالکل ہی ناامید ہو گئے تو خود امان طلب کر کے صلح و مصالحت کا دروازہ کھولا، چھ سات ہزار بندوقچیوں اور تیر اندازوں نے معافی مانگ کر جان بچائی اور ایک لاکھ روپیہ حق الامان کے نام پر دیا، مگر مسلمانوں نے اسے دھوکہ قرار دیا اور سمجھا کہ یہ فرنگی پرتگال سے مدد آنے تک مہلت لینے کی ترکیب کر رہے ہیں، اور واقعی فرنگیوں نے یہی چال چلی تھی، شاہی فوج نے بھی اس درمیان خفیہ طور سے ان کے قلعہ جات اور خاص خاص مقامات میں سرنگ کھود کر ان میں بارود بھر کر چھوڑ دیا تھا تاکہ جب ضرورت ہو ان کو داغ دیا جائے چنانچہ جب فرنگی دوبارہ مقابلہ میں آئے اور چاہا کہ ہندوستانی فوجوں کو تازہ دم ہو کر ختم کریں اسی درمیان میں ایک سرنگ میں شاہی فوج نے آگ لگائی جس سے دھویں اور پتھروں کے ٹکڑے تیر و تفنگ ہو گئے، اور نتیجہ میں شاہی فوج کو فتح ہوئی۔

اس جنگ میں دس ہزار انسان جن میں مرد، عورتیں چھوٹے بڑے مقتول، غریق اور حریق سب شامل ہیں ضائع ہوئے۔ چار ہزار چودہ سو آدمی جن میں مرد سب ہی تھے اور مجبورا عیسائی بنائے گئے تھے گرفتار ہوئے، اور دس ہزار آدمی جو مختلف علاقوں کے تھے اور فرنگیوں کی قید میں تھے سب آزاد کیے گئے۔

اس معرکہ میں شروع سے آخر تک ایک ہزار مسلمانوں فوجیوں نے جام شہادت نوش کیا (عمل صالح صلے ۳۷ ج صد ۳۸۲ ملخص) اس واقعہ کے بعد پرتگالیوں کا زور جنوبی اور مشرقی ہندوستان سے ٹوٹ گیا مگر گجراتیوں اور جنوبی ہند کی بعض دوسری حکومتوں کی غداری کی وجہ سے ان کو یہاں قدم جمانے کا موقع مل گیا چنانچہ گوا، دمن، اور دیو، ان کے قبضے میں رہے یہاں تک کہ چند سال ہوئے حکومت ہند نے شاہ جہاں کے ارادے کی تکمیل کی اور پرتگالیوں کو یہاں سے ہمیشہ کے لئے جانا پڑا۔

جماعت اسلامی

پس منظر، قیام، مقصد سے انحراف، اور نتائج۔

مولوی شمس الاسلام کشمیری
دارالعلوم دیوبند

انسانی تاریخ کا ہر عہد گوناگوں تغیرات سے لبریز ہے۔ ذہنیتوں میں اختلاف، مزاجوں میں تبدیلیاں، فکر و نظر میں تغیر، اور طرز معاشرت میں شدید ترین تلون ہر عہد کا لازمی نتیجہ ہے، اور کبھی ایک عہد سے دوسرے عہد تک اس درجہ وسیع پیمانے پر تبدیلیاں آتی ہیں کہ: پچھلے عہد کے تمام امتیازات، تمام علمی و فکری تصورات، اور تمام معاشرتی و تمدنی اقدار ایک قصۂ پارینہ بن کر رہ جاتے ہیں۔

اٹھارویں صدی کا عہد پچھلی تمام تاریخ انسانی سے اس لئے ممتاز عہد ہے کہ اس میں علمی دنیا سے لے کر معاشرت کے میدان تک، تہذیبی افکار سے لے کر تمدنی مظاہر تک، علمی سرگرمیوں سے لے فکری تصورات تک، اور علم و اخلاق کے معنوی گوشوں سے لیکر حرکت و عمل کی جولان گاہ تک ایک ہمہ گیر انقلاب برپا ہو گیا، یہ صدی مغرب کے شباب کا عہد ہے چنانچہ مشرق میں ہی نہیں پورے عالم میں مغرب کے نئے علوم نئی تہذیب نیا فلسفۂ حیات، اور نئے اطوار زندگی غرض تجدد کی بلاخیز لہر اٹھی اور...... عالم کے ہر گوشے میں اس کے اثرات دیکھے جانے لگے۔ مشرقی علوم، یہاں کی اقدار و

روایات ، یہاں کے تہذیبی وتمدنی امتیازات ، اور فی الجملہ تمام شعبوں کی انفرادیت دم توڑنے لگی ، بلکہ مغربی سیلاب کی رو میں پورا مشرق تنکوں کی طرح بہنے لگا ، رہی سہی کسر مغرب کی استعماریت نے پوری کردی ، اور اب علوم ، اخلاق ، معاشرت ، سیاست ، تمدن غرض ہر شعبہ زندگی میں مغرب کا سکہ رائج ہوگیا۔

اس انقلاب معکوس کا شکاریوں تو عمومی طور پر تمام اقوام مشرق ہوتیں ، مگر خود مغرب نے اپنی پوری قوت سے جس پر کمندیں ڈالنے کی کوششیں کیں وہ قوم مسلم تھی ، مسلمانوں کے پاس چونکہ ، راسخ عقائد ، مضبوط تصور زندگی ، اور ناقابل تزلزل فلسفہ حیات تھا اس لئے اہل مغرب نے اپنی تمام تر علمی وعملی سرگرمیاں انہی کو رام کرنے میں صرف کردیں ، اور اس میں شک نہیں کہ کافی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے ، چنانچہ مذہبی عقائد واخلاقی اقدار کا مضحکہ اڑانا ، تمام اسلامی علوم کو آثار قدیمہ کے طور پر سامنے لانا اور یہاں کی انفرادی واجتماعی زندگی کے ہر پہلو کو شدید ترین نقائص کا مجموعہ ظاہر کرنا اسی کا اثر ہے خاص طور پر سرکاری تعلیم گاہوں سے منسلک افراد زیادہ حد تک اس کا شکار ہوئے اور اگرچہ مغرب خاطر خواہ حد تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا ، اور نہ اپنی اس منزل تک اسے رسائی حاصل ہوئی ، جس کا نشانہ تمام اسلامی علوم وسلم کلچر کو ڈائنامنٹ کرنا تھا ، مگر پھر بھی اس کے اثرات خوفناک حد تک پھیلنے گئے۔

ان حالت میں امت مسلمہ کے حقیقی دردمندوں کو کیونکر سکون آسکتا تھا ، اور وہ محض تماشائی کی طرح کب رہ سکتے تھے ، خاص طور پر جب عیسائی مشنریاں سرکاری پشت پناہی کے ساتھ پوری طاقت سے تبلیغ مسیحیت میں سرگرم تھیں اور پھر دوسری طرف انگریز کے چہیتے فرزند معنوی پنڈت دیانند سرسوتی شدھی سنگھٹن تحریک سے ہندو ازم کے احیاء کے لئے انتھک کوشش میں لگ گئے ، اسلامی تعلیمات پر مسیحی یلغار کے ساتھ آریہ سماج کے پیہم حملے ممکن نہیں کہ دردمندان ملت کو خاموش بیٹھنے دیتے ، چنانچہ مغربی

استعماریت کس خطرناک جذبہ کے ساتھ اسلام اور اس کی مقدس تعلیمات کو نیست نابود کرنے پر کمربستہ تھی اس کا کچھ اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ برطانیہ کے مشہور وزیر اعظم گلیڈاسٹون نے بھرے مجمع میں قرآن مجید کو ہاتھ میں اٹھایا، اور بآواز بلند کہا -

" جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے دنیا متمدن اور مہذب نہیں ہوسکتی "

خطبہ صدارت از حضرت مدنی ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ

سر ہنری طامس نے قرآنی تعلیمات کو صفحہ ہستی سے مٹانے؛ در مسلمانوں کے تئیں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا

مسلمان کسی ایسی حکومت کے جس کا مذہب دوسرا ہو، اچھی رعایا نہیں ہوسکتے ،
اس لئے کہ احکام قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں ، (حکومت خود اختیاری ص۵۵)

اس لئے انگریزی تعلیم کے پس پردہ مسیحی تعلیمات کی تبلیغ ، الحاد و زندقہ کی ترویج اور مغربی زندگی کے فلسفہ کو عام کرنے کے لئے ہر طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں ،

اس کے ساتھ ہی آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی ہندوازم کی تحریک چلائی اور قرآنی تعلیمات کا برملا مضحکہ اڑانا اور اس پر بیجا اعتراضات کرنا اپنا مقصد زندگی بنالیا چنانچہ اپنی مشہور کتاب " ستیارتھ پرکاش "، کے چودھویں باب میں اپنا یہ خیال اس طرح ظاہر کیا ہے ،

" قرآن کی بسم اللہ سے سورۂ والناس تک میرے اعتراضات نے قرآن کو جھوٹا ثابت کردیا ہے" اس پر مستزاد یہ کہ مسلمان سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد دینی ، معاشی ، تمدنی اور سیاسی غرض ہر اعتبار سے روبزوال تھے ، اور سراسیگی کے ایک دلدل میں بری طرح پھنس چکے تھے -

ان حالات میں اسلام کے حقیقی دردمندوں نے پھر سے ہندوستان میں اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کی بقا کے لئے مختلف راستے اپنانے کا بیڑا اٹھایا ، ان مختلف راستوں

میں سب سے کامیاب، دوررس، اور نتیجہ خیز طریقہ مدارس اسلامیہ کا قیام تھا جنہیں بقول حضرت شیخ الہند اسلام کے مجاہد پیدا کرنے مقصود تھے، اگرچہ ظاہراً علم کا پردہ ڈال دیا گیا تھا۔

بلاشبہ اسلام کی حفاظت اور اس کی تعلیمات کی اشاعت کا جو مؤثر کردار ان مدارس نے ادا کیا اس کا مشاہدہ ہندوستان کے ایک ایک خطہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خالص دینی اثرات اور اسلامی اقدار کے محفوظ اور پختہ ہونے سے بخوبی ہو سکتا ہے، مدارس کی خدمات دیکھکر یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ آج ہندوستان میں اسلامی تعلیمات کا وجود صرف اور صرف، انہی مدارس دینیہ کا ثمرہ ہے،

تاہم یہ دور چونکہ عمومی تحریکوں.. اجتماعی سرگرمیوں، اور مشترکہ سعی کا دور تھا، اور کسی بھی تحریک کو پھیلانے کے لئے انجمنیں، جماعتیں، ادارے اور اجتماعیت ناگزیر ہوگئی تھی اور اس نئے انداز کو کسی طرح بھی نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے ملت اسلامیہ کے ان سپوتوں اور پرچم محمدی کے ان علمبرداروں نے تحریک کی شکل میں بھی احیاء اسلام کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ جمعیۃ العلماء ہند، خلافت کمیٹی، مولانا آزاد کی قائم کردہ حزب اللہ اور اس نوع کی دوسری چھوٹی بڑی تنظیمیں اگرچہ سیاسی رنگ و روپ میں ظاہر ہوئیں مگر درحقیقت انکا اصل مقصد اسلام کی حقیقی تعلیمات کی حفاظت، مسلمانوں کی درست رہنمائی اور وقت وحالات کے ساتھ ساتھ قوم مسلم کی قیادت تھا، ظاہر ہے اسلام کے علمی عملی اور اعتقادی کسی بھی نوع کے زوال کو نہ یہ تحریکیں برداشت کر سکتی تھیں اور نہ ان راستوں سے یہ غافل رہ سکتیں تھیں جن سے اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جا سکتے تھے اس کے علاوہ مولانا عبیداللہ سندھی نے فتحپوری دہلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ نامی ادارے کی بنیاد ڈالی، جس کا مقصد اسلام کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنا، اور نئے تقاضوں کے مطابق قرآنی تعلیمات کی ترویج تھا، اس کے ساتھ ہی انہی علامہ سندھی نے حضرت شیخ الہند کے ایماء پر جمعیۃ الانصار قائم کی، جس کا بظاہر مقصد صرف دارالعلوم دیوبند

کا تعارف اور علمائے دیوبند کے لیے متحدہ پلیٹ فارم بنانا تھا مگر درحقیقت اس کی اصل تاسیس صرف اس لئے ہوئی تھی کہ ہندوستان میں تبلیغ دین، احیاء کلمۃ اللہ، اور حکومت عادلہ کے قیام کی راہ ہموار ہو، اور انگریزوں سے وطن عزیز کو آزاد کرایا جائے، چنانچہ جمعیۃ الانصار کے قواعد اور اسکے منشور سے یہی واضح ہوتا ہے، پھر خالص اسلامی تعلیمات کی خدمت کے لئے دارالعلوم دیوبند میں شعبہ تبلیغ قائم کیا گیا، مولانا عبدالشکور لکھنوی نے دارالمبلغین کی داغ بیل ڈالی، اور اعظم گڈھ میں دارالمصنفین، دہلی میں ندوۃ المصنفین کا قیام بھی اسلام کو فکری و نظریاتی طور پر مستحکم کرنے، اور اس کے لئے وسیع لٹریچر تیار کرنے اور نئے عہد کے مزاج کے مطابق اسلام کا تعارف کرانے کیلئے عمل میں آیا۔

ان مختصر اشارات سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت کے علماء نہ تو حالات و واقعات کے پیچ وخم سے بے خبر تھے، اور نہ ہی خواب غفلت میں مدہوش تھے، ٹھیک انہی حالات میں، اسی طرح کے احساسات کے ساتھ اور وقت کے اسی تقاضے سے متاثر ہوکر حیدرآباد کے ایک دیندار مسلمان، مولوی ابو محمد مصلح، نے ۱۳۵۱ھ میں تحریک قرآن کی بنیاد ڈالی، اور اس کا ایک آرگن رسالہ "ترجمان القرآن" جاری کیا، انہوں نے خود اپنی تحریک کا مقصد واضح کرتے ہوئے لکھا،

"تحریک قرآن کی کامیابی کے سلسلے میں دو کام کرنے ہیں، ایک قرآنی فضا بنانا، دوسرے اشخاص پیدا کرنا"

کچھ سطروں کے بعد اپنے پختہ عزم کا اس طرح اظہار کیا ہے،

اور آئندہ چاہے کیسے ہی کٹھن حالات آئیں اس کا نصب العین یہی رہے گا۔

ادارایہ ترجمان القرآن ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

یہ رسالہ چند ماہ تک چلتا رہا، اور اپنے اسی بلند ترین نصب العین کی وضاحت کرنے اور قرآنی فضا بنانے میں مصروف رہا، چھ ماہ کے بعد مولانا سید ابوالاعلی مودودی جو اس

سے پہلے "تاج" جبلپور، "مسلم" دہلی "اور الجمعیۃ دہلی میں ادارت کا کام کر چکے تھے، نے رسالہ ترجمان القرآن کی ادارت سنبھالی، الجمعیۃ کی ادارت کے دوران مولانا مودودی کے قلم سے "الجہاد فی الاسلام" نکل چکی تھی جس نے علمی حلقوں میں ان کی عظمت قائم کردی تھی، اس لئے حیدرآباد کی یہ تحریک ان کے سپرد کردی گئی بحیثیت مدیر اپنے پہلے اداریہ میں انہوں نے بھی اسی مقصد کا اعادہ کیا چنانچہ لکھا۔

پیش نظر کام یہ ہے کہ قرآن کو اس کی اصلی روشنی میں پیش کیا جائے، اور قرآن حکیم کی تعلیمات کو اور اس کے حقائق کو اس طریق سے بیان کیا جائے جس طریقہ پر سلف صالحین نے اسے پیش کیا تھا۔

حالات کی نزاکت اور اپنی ذمہ داری کا احساس ظاہر کرنے کے بعد لکھا۔

ان حالات میں قرآن کو اور اس کے معارف کو اس طریقہ پر سمجھنا اور سمجھانا جس طرح قرن اول کے مسلمان سمجھتے اور سمجھاتے تھے ہمارا مقصد ہے،

آگے اپنے عزم و مقصد کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

ترجمان القرآن کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو قرآن سمجھنے کی دعوت دی جائے۔ (ترجمان القرآن بابت ماہ محرم ۱۳۵۲ھ)

یہ ہیں وہ خیالات اور عزائم جو ترجمان القرآن کی تاسیس کے وقت کارفرما تھے، گویا ضرورت کا وہی احساس ہے جو عام علماء کو تھا، تعلیمات قرآنی کو سلف صالحین کے نقوش قدم پر عام کرنے کا پاکیزہ جذبہ اور اس پر اپنے پختہ حوصلہ کے ساتھ رسالہ کی ادارت سنبھالی گئی، اور اس میں شک نہیں کہ کام کا آغاز انہی خطوط پر ہوا۔

قلم میں چونکہ زور تھا، استدلال میں قوت تھی، انداز بیان دلنشیں تھا، اس لئے تھوڑے عرصے میں اچھے خاصے لوگ ان کی تحریر سے شدید حد تک متاثر ہوئے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ تاثر کوئی قابل طعن و تنقید بھی نہ تھا، اس لئے کہ حالات کی پکار اور

وقت کے تقاضوں کے عین مطابق جو بھی کوشش ہوتی منتظر نگاہیں لپک پڑتیں اور مضطرب قلوب متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ پاتے، اس زمانے میں نہایت سادہ انداز میں دلنشیں انداز بیان عمدہ اور شستہ زبان میں خالص اصلاحی، اور علمی مضامین لکھے جاتے، ...... اسی لئے بہت سے علماء وقت مولانا مودودی سے متاثر ہوئے، بلکہ ان کو متکلم اسلام، اور مفکر اسلام کے خطابات بھی دیتے جانے لگے، تقریباً چار سال تک یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا۔

یہ وہ وقت ہے جب ہندوستان شدید ترین سیاسی بحران کا شکار تھا، جنگ آزادی عین شباب پر تھی، ہر طرف مغربی سامراج کے خاتمے اور برصغیر کی آزادی کا غلغلہ تھا، ہندوستان کے مسلمان دو دھڑوں میں، جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ میں تقسیم ہو گئے تھے،

۱۹۳۶ء میں ان سیاسی و ملکی احوال سے متاثر ہو کر مولانا مودودی نے اپنے رسالہ میں اب سیاسی بحثوں کا آغاز کیا، اور بیک وقت انڈین نیشنل کانگریس، جمعیۃ علماء ہند، اور مسلم لیگ پر تنقید کرنے لگے، کانگریس کے ساتھ اشتراک ان کی نظر میں کسی طرح بھی جائز نہ تھا، اور مسلم لیگ جس مقصد کو لے کر اٹھی تھی، اس مقصد کے تقاضوں سے وہ خود عملی اور فکری طور پر تہی دست تھی، اس لئے دونوں ہی ان کی نظر میں مطعون ٹھہرے چنانچہ مسلسل سیاسی موضوعات پر مضامین لکھے گئے، اگرچہ ان مضامین کا وہ سلسلہ کافی حد تک مقبول ہوا، مگر خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا، اسی دوران ان دونوں سیاسی پلیٹ فارموں سے الگ خالص دینی و اسلامی مزاج پر حکومت الٰہیہ کے قیام کی تجویز بھی ان کے ذہن میں آئی اور اب اس کے متعلق بھی ترجمان القرآن کے صفحات میں مضامین لکھنے لگے، چنانچہ احیاء دین، اور اعلاء کلمۃ اللہ کو اصل نصب العین قرار دے کر خالص دین کے اساس پر ایک تنظیم وجماعت کی تشکیل کے متعلق تفصیلات پیش کیں، اور ساتھ ہی دارالاسلام

کا خاکہ بھی پیش کر دیا، چنانچہ مختلف لوگوں نے آپ کی تائید کی، اور ہر طرح کے تعاون و اشتراک عمل کا یقین دلایا، جس سے ان کے حوصلے اور بڑھ گئے، اسی دوران پنجاب کے ایک دیندار اور متمول مسلمان چودھری نیاز علی نے اپنی جاگیر پیش کر دی، جو پٹھان کوٹ کے قریب ایک بستی میں تھی، ابھی تک جس تنظیم و جماعت کو صرف کاغذات کے صفحات پر تشکیل دیا جارہا تھا اب جب اس کے عملی وجود کی راہ نکل آئی تو مولانا مودودی نے حیدرآباد کو خیرباد کہا، اور پٹھان کوٹ کے قریب اسی بستی میں مقیم ہوئے اور وہیں سے ترجمان القرآن جاری کیا بستی کا نام دارالاسلام رکھا اور اپنے فکر سے متفق حضرات کو دارالاسلام آنے کی دعوت دیتے رہے، چنانچہ بہت سے لوگ ہجرت کر کے دارالاسلام جانے کیلئے تیار ہو گئے، اور کچھ حضرات پہونچ بھی گئے۔

ابھی تک جماعت اسلامی کے قیام کے لئے صرف میدان ہموار کیا جارہا تھا، اور اب ان کو بھی محسوس ہونے لگا تھا کہ اس کی منزل نہایت قریب ہے، جن حضرات نے حیدرآباد سے پٹھان کوٹ تک قدم قدم پر ان کی تائید کی تھی، بلاشبہ یہ تائید نیک نیتی اور خلوص پر مبنی تھی، لیکن کچھ حضرات کو جو دوراندیش صاحب بصیرت اور سر کی آنکھوں کے بجائے چشم دل سے دیکھنے کے اہل تھے، شدید خطرات بھی محسوس ہو رہے تھے، مگر موہوم خطرات کی بنیاد پر کچھ کہنا بہر حال قبل از وقت ہوتا اس لئے خاموش ہی رہے، اور دوسرے ہندوستان کے بحرانی احوال کسی کو دم لینے کی مہلت نہیں دے رہے تھے، اس لئے اس طرف توجہ کا موقع بھی نہیں تھا تاہم ان کے لئے مولانا مودودی سے خطرات کی بنیاد ان کا ادعائی انداز بیان، برملا شوق تنقید نگاری اور اس عملی زندگی کا فقدان تھا جس کی طرف وہ دعوت دے رہے تھے، کچھ حضرات جن میں نمایاں شخص مولانا محمد منظور نعمانی تھے، محض دینی جذبہ کی بنیاد پر دارالاسلام وارد ہوئے ان سب کا مقصد اس وقت اسلام کا علمی و عملی نمونہ بن کر ابھرنا، اور اسی کی دعوت میں اپنی تمام تر فکری و عملی توانائیاں صرف کرنا تھا، خالص اسلامی ماحول پیدا کر کے اسلامی

طرز زندگی اپنا کر اور احتساب عمل کی کسوٹی سے نکھر کر ایک صحیح دیندار داعی کی صفات پیدا کرنا اور اسلامی نظام کو عملی شکل میں نافذ کر کے کامل طور پر عقائد، عبادات، معاملات، تمدنی، معاشرت اور عقوبات و محاسبہ غرض ہر چیز کو پہلے اپنے آپ پر لاگو کرنا، اور اسی کی اشاعت کے لئے تیار ہونا یہ ہیں وہ عزائم جو ان حضرات کے لئے دارالاسلام پہونچنے کا سبب بنے، اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت تک خود مولانا مودودی کی ذات میں ایسی کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی تھی اور نہ ان کے قلم سے نکلی تھی جس پر حرف گیری کا موقعہ ہوتا، اس وقت تک وہ بھی مخلصانہ جذبہ کے ساتھ اس کی دعوت دے رہے تھے، اگرچہ ان کی اپنی نجی زندگی...... ان اوصاف سے تہی دست تھی جن اوصاف سے آراستہ ہونا ایک داعی کے لئے اولین شرط ہے، مگر نقطۂ نظر چونکہ پہلے اپنی اصلاح اور اپنے آپ پر اسلام کا نفاذ تھا، اس لئے طوعاً کرہاً دوسرے حضرات بھی اسے گوارہ کرتے رہے پھر ایسے بلند ترین مقصد اور وسیع ترین منصوبہ کو لے کر جو شخص بھی اٹھتا، وہ بہر حال کچھ اوصاف کے فقدان کی وجہ سے اس قابل نہیں ہو سکتا تھا کہ اس سے یکسر التفات نہ کیا جاتا؟ اس لئے کہ جن خیالات و عزائم کو لے کر اس سرگرمی کا آغاز ہوا تھا اس کے لئے بہر حال کامل و مکمل اور ہر اعتبار سے پختہ شخص کا ملنا سخت ترین دشوار... تھا، اس لئے دعوت جاری رہی، اور متفقین کی تعداد بڑھتی گئی، ابھی تک جن مقاصد کی بنیاد پر یہ نقل مکانی اور ہجرت کا طرز اپنایا گیا تھا، اگر وہ اپنے حدود میں رہ کر سلف صالحین کے اسی طرز کو باقی رکھکر جس کا اظہار ترجمان القرآن کے پہلے اداریہ میں گیا گیا تھا جاری رہتا تو بلاشبہ یہ سراسیمہ قوم مسلم کے خوابوں کی تعبیر اور درد مندان ملت کی آرزوں کی عملی تشکیل ہوتی، اس صورت میں نومولود تنظیم ہر طرح کی نصرت واعانت اور تائید و تحسین کی مستحق ہوتی، مگر افسوس یہ مقصد ہر بعد کے آنے والے مرحلے میں مستور ہوتا گیا، حتی کہ جب دستوری طور پر جماعت کی تشکیل کا موقعہ آیا اور جماعت کیلئے اصول و قواعد مرتب ہوئے تو یہیں سے اس کی ڈگر میں فرق آگیا۔ (بقیہ آئندہ)

مولانا عزیز اللہ اعظمی

علامہ شامی

حضرت علامہ شامی کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں، علمی دنیا کا ہر شخص آپ کی ذات سے واقف ہے جس طرح آپ کی ذات علمی دنیا میں معروف ہے اسی طرح آپ کی شہرۂ آفاق کتاب شامی بھی مشہور ہے شامی کا اصل نام ردالمحتار علی الدرالمختار ہے، ردالمحتار، درمختار کا حاشیہ ہے اور درمختار شرح ہے تنویرالابصار کی یعنی تنویرالابصار متن، درمختار شرح اور ردالمحتار حاشیہ، تنویرالابصار کے مصنف کا نام محمد بن عبداللہ تمرتاشی ہے، درمختار کے مصنف کا اسم گرامی محمد علاء الدین حصکفی اور ردالمحتار جو شامی کے ساتھ مشہور ہے حضرت علامہ شامی کی سالہا سال کی عرق ریزی کا نتیجہ ہے، ردالمحتار کا تعارف کراتے وقت تنویر الابصار، درمختار اور ان کے مصنفین کا تذکرہ کرنا ضروری ہے، میرے خیال میں اس کے بغیر ردالمحتار اور حضرت علامہ شامی کا صحیح تعارف ممکن نہیں ہے، اس لئے ضمناً حضرت ماتن اور شارح کے تذکرے اختصار کے ساتھ لکھے جاتے ہیں،

صاحب تنویرالابصار

نسب نامہ آپ کا نام محمد، لقب شمس الدین اور والد کا نام عبداللہ ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، محمد بن عبداللہ بن احمد الخطیب بن محمد الخطیب بن ابراہیم الخطیب، لیکن آپ کے نبیرہ ارشد کے رسالہ میں ابراہیم الخطیب کے بعد ابن خلیل ابن تمرتاش کا اضافہ ہے، تمرتاش بعض کے نزدیک خوارزم کے ایک قریہ کا نام ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کے

جد اعلیٰ کا نام ہے اور اس کی طرف نسبت کرکے تمرتاشی کہے جاتے ہیں۔

ولادت باسعادت آپ ۹۳۹ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰۰۴ھ ہجری میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال کرگئے۔

تعلیم فقہ علامہ شمس الدین محمد شافعی غزی اور شیخ زین ابن نجیم صاحب ... البحرالرائق اور امین الدین ابن عبدالعادل اور علی بن حنائی سے پڑھی، اللہ نے آپ کو گوناگوں خصوصیات سے نوازا تھا، فقہ میں بڑا کمال حاصل تھا قوت حافظہ غضب کا تھا، علم کے بحر بیکراں تھے، ہم عصر علماء بھی آپ کی علمی فضیلت کا کھلے دل سے اعتراف کرتے تھے۔

علمی کارنامے تصنیف و تالیف کا خاص ذوق رکھتے تھے، مختلف علم و فن میں کتابیں لکھی ہیں، فقہ میں تنویر الابصار آپ کی کتابوں میں سب سے زیادہ اہم اور مقبول ہے اس کی اہمیت اور دقت کے پیش نظر آپنے خود منح الغفار کے نام سے اس کی شرح لکھی جس پر شیخ الاسلام خیرالدین رملی ؒ حاشیہ بھی چڑھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مفتی شام علامہ علاءالدین حصکفی اور ملا حسین ابن اسکندر رومی، شیخ عبدالرزاق اور شیخ الاسلام محمد انکوری وغیرہم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں لیکن درمختار ان میں سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔

تنویر الابصار کے علاوہ دوسری کتابیں بھی یادگار چھوڑی ہیں جن میں معین المفتی، تحفۃ الاقران اور اس کی شرح مواہب الرحمٰن، فتاوی تمرتاشی، رسالہ درحرمت قرارت خلف الامام، شرح کنزالدقائق (ناقص) حاشیہ درر (ناقص)، رسالہ عشرۃ بشرو، اس کے علاوہ بھی دوسرے رسالے مختلف موضوع پر ارقام فرمائے

شامی ص ۱۳۔۱۴ ج ۱

صاحب درمختار

نسب نامہ نام محمد، لقب علاء الدین اور والد کا نام علی ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، محمد بن علی بن محمد بن علی ابن عبد الرحمن الاثری الحصکفی، آپ حصن کیفا، جو دیار بکر میں ایک قلعہ کا نام ہے اور دریائے دجلہ کے کنارے جزیرہ ابن عمر وادیا فارقین کے درمیان واقع ہے ... کے رہنے والے تھے اس لئے اس کی طرف نسبت کر کے حصکفی کہے جاتے ہیں۔

ولادت آپ ۱۰۲۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰ رشوال ۱۰۹۸ھ ہجری میں ۶۳ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

علمی فضل وکمال آپ بڑے ادیب و بلیغ تھے، تحریر و تقریر میں بڑا ملکہ حاصل تھا نحو و صرف، فقہ و علم حدیث میں ابنی نظیر آپ تھے، علمی صلاحیت و لیاقت کا آپ کے مشائخ نے بڑے اچھے انداز میں اعتراف کیا ہے۔

سند افتار ابتدا رمیں آپ دمشق کی جامع مسجد میں امام رہے، پھر اس کے بعد مسند افتار پر فائز ہوئے، اور پانچ سال تک افتار کی خدمت انجام دیتے رہے فتوی کے معاملے میں بہت احتیاط برتتے تھے حتی الامکان کوئی فتوی راجح قول کے خلاف نہیں دیتے تھے۔

تصانیف اللہ تعالی نے آپ کو زبان و قلم کی دولت سے نوازا تھا، مختلف علم و فن میں کتابیں تصنیف کی، فقہ میں ملتقی الابحر کی شرح، فتاوی میں درمختار، مختصر الفتاوی الصوفیہ، اصول فقہ میں شرح منار، نحو میں شرح قطر، تعلیقات بخاری ۳۰ اجزار میں، حاشیۂ تفسیر بیضاوی، حاشیہ درر، اس کے علاوہ مختلف رسالے تحریر فرمائے آپ کی کتابوں میں درمختار کو سب سے زیادہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔

(شامی ص ۱۰ ج ۱، حدائق الحنفیہ ص ۴۲۲)

صاحب ردالمحتار

سلسلہ نسب اسم گرامی محمد امین ہے، ابن عابدین کے ساتھ مشہور ہیں، والد کا نام سید شریف ہے سلسلۂ نسب یوں ہے، محمد امین (ابن عابدین) ابن السید شریف عمر بن عبدالعزیز عابدین الحسینی الدمشقی۔

ولادت باسعادت آپ ۱۱۹۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۱ ربیع الثانی ۱۲۵۲ھ ہجری کو ۵۴ برس کی عمر میں انتقال کیا (قرۃ عیون الاخیار)

لیکن عمر رضا کحالہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب معجم المؤلفین میں آپ کی ولادت ۳ ربیع الاول ۱۲۴۴ھ اور وفات ۱۱ شوال ۱۳۰۶ھ لکھا ہے اس حساب سے آپ کی عمر ۶۲ سال کی ہوگی لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

ابتدائی تعلیم بچپن والد محترم کے سایۂ عاطفت میں گذرا اور ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی اور بہت معمولی عمر میں قرآن حفظ کرلیا، والد محترم پڑھے لکھے تاجر تھے، تجارت کے شوق میں صاحبزادے دکان پر بیٹھا کرتے تھے، ایک روز دکان پر بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے، سامنے سے ایک صاحب کا گذر ہوا، قرآن کی آواز سن کر رک گئے اور بولے بیٹے! اس وقت تمہارا قرآن پڑھنا درست نہیں، یہ تجارت کی جاہے، لوگ راستہ سے گذرتے وقت تمہاری تلاوت نہیں سنتے، جو قرآن کی آیت اذا قرء القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا، کے خلاف ہے اس طرح وہ لوگ تمہاری وجہ سے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، اور نیز تمہاری قرأت قواعد تجوید کے خلاف بھی ہے، یہ بات دل کو لگ لگی، صاحبزادے فوراً اٹھے، تجوید کے استاذ کا پتہ لگایا، اور وقت کے شیخ، سعید الحموی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے علم تجوید پڑھنا شروع کیا اور معمولی مدت میں فن کی مشہور کتابیں مثلاً میدانیہ، جزریہ اور شاطبیہ یاد کرلیا: اس

کے بعد نحو وصرف اور فقہ شافعی پڑھی، اور شیخ عصر سید محمد شاکر السالمی سے علم معقول، حدیث، تفسیر اور اعلیٰ فقہ پڑھی، اور دوسرے علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی، اور وقت کے زبردست عالم، فقیہ، محدث اور محقق بن گئے۔

آپ کے اساتذہ میں شیخ سعید الحموی، شیخ ابراہیم جلی، شیخ عبدالرحمن الکزبری، شیخ الامیر الکبیر اور سید محمد شاکر کے اسمار گرامی قابل ذکر ہیں۔

کتاب جمع کرنیکا شوق

آپ کے پاس ہر علم وفن کی بیشمار کتابیں موجود تھیں، بہت سی کتابیں تو آپنے اپنے ہاتھ سے نقل کیں، کتاب جمع کرنے میں آپ کے والد محترم کا بھی بڑا ہاتھ تھا، انہوں نے کہہ رکھا تھا بیٹا جو کتاب پسند ہو خرید لو قیمت میں دیدیا کرونگا، بہت سی نایاب اور بیش بہا کتابیں اپنے اسلاف سے وراثت میں ملیں تھیں آپ کا ایک ذاتی کتب خانہ تھا، مطالعہ بہت وسیع تھا، یہی وجہ ہے کہ شامی میں جابجا کتابوں کے حوالے ملتے ہیں، چنانچہ بیان کیا جاتا ہے درمختار کی شرح لکھنے کے وقت حضرت علامہ شامی کے پیش نظر سیکڑوں کتابیں تھیں۔

علمی فضل وکمال

آپ کی جلالت قدر، عظمت شان، تبحر علمی، فکر کی بلندی اور ذہنی صلاحیت کے لئے کسی بیان وشہادت کی حاجت نہیں تاہم آپکا ایک سیرت نگار لکھتا ہے۔

محجل القول فی المترجم المذکور انہ رحمہ اللہ کان ممن یتذکر بہ سیرۃ الصالحین من وفور العلم وکثرۃ التفنن ومتانۃ الدین نبعد غورہ فی العلوم تشہد بہ مؤلفاتہ الشہیرۃ ..... الخ

فی الجملہ حضرت علامہ شامی ان لوگوں میں تھے جن کے وفور علم، جامع کمالات اور دین میں پختگی سے صالحین کی سیرت یاد آجاتی ہے، اور اس کی تائید آپ کی شہرۂ آفاق کتابوں سے ہوتی ہے۔ - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - -

شیخ آفندی الحلوانی مفتی بیروت اپنے استاذ محترم حضرت علامہ شامی کے علمی کمال کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ہم لوگ کتاب کا پہلے سے خوب اچھی طرح مطالعہ کر لیتے اور یہ سمجھتے کہ عبارت کا اس سے صحیح کوئی مطلب و معنی نہیں ہوگا، لیکن جب حضرت شیخ کی خدمت میں پہونچتے تو درس میں وہ تمام باتیں بیان کر دیتے جو ہم پہلے سے سوچ سمجھ کر جاتے اور مزید برآں ایسے ایسے رموز و اسرار بیان کرتے جس سے ہماری عقلیں دنگ رہ جاتی تھیں

ذوق شعر درس وتدریس، تقریر و تحریر اور افتار کے ساتھ ادبی وشعری ذوق بھی اچھا رکھتے تھے آپ کے شعری کلام کا ایک ضخیم مجموعہ بھی ہے جو فن ادب کا بہترین مرقع ہے، آپنے اپنے شیخ کی مدح میں مقامات حریری کے طرز پر مقامات لکھا ہے قلائد المنظوم جو نظم میں ہے اس کی الرحیق المختوم کے نام سے شرح لکھی اسی طرح مفتی وافتار کے آداب میں ایک منظوم رسالہ بنام رسم المفتی تحریر فرمایا۔

علمی اشتغال حضرت علامہ نے اپنے کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا، سارا وقت ملی و دینی خدمات میں صرف کرتے، کثرت امور کی وجہ سے اپنے اوقات کو کئی حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، کچھ وقت درس وتدریس میں، کچھ فتوی نویسی میں، کچھ مریدین کی اصلاح میں اور کچھ اللہ کی عبادت کے لئے خاص کر رکھا تھا، آپ کی ذات سے ایک عالم نے فائدہ اٹھایا، اور مرنے کے بعد بھی آپ کے تلامذہ سے ایک مدت تک اٹھاتا رہا۔ یوں تو آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں۔

(۱) سید محمد علاء الدین ابن حضرت علامہ شامی	(۴) سید حسین الرسامہ
(۲) شیخ آفندی جائی زادہ قاضی مدینہ منورہ	(۵) شیخ عبدالقادر جابی
(۳) شیخ آفندی الحلوانی مفتی بیروت	(۶) شیخ محمد الجقلی

قوم کی قدردانی آپ کی مقبولیت و شہرت ہر طرف پھیل گئی تھی، جدھر جاتے لوگوں کی آنکھیں بچھ جاتیں اور آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیتے، آپ کی اور آپ

کے علم کی بے حد قدر کرتے تھے، چنانچہ اپنی مختصر زندگی میں مختلف منصب پر فائز ہوئے جب طرابلس پہونچے تو قضا کے منصب پر فائز کئے گئے، اس کے بعد مجلس معارف دمشق کے صدر منتخب ہوئے۔

تقویٰ وطہارت

آپ نسلاً حسینی تھے، حسینی سیرت وصورت کے حامل تھے، اعلیٰ درجہ کے متقی وپرہیزگار صائم النہار قائم اللیل تھے، اپنے قیمتی اوقات کو درس وتدریس اور عبادت وریاضت میں صرف کرتے، کبھی کبھی تمام رات قرآن کی تلاوت میں گذار دیتے تھے، ہر وقت باوضو رہتے تھے، شبہات سے بہت دور رہتے رزق طیب پر گذر بسر کرتے تھے، غرضیکہ سیرت وصورت میں اپنے اسلاف کی یادگار تھے، سیرت نگار آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

هو وان كان كبير القدر، شهير الذكر لا تستقصى مناقبه فى مجلدات غير اننا احببنا ان لا يفوتنا التبرك بذكر شئ من سيرته لانه عند ذكر الصالحين تنزل الرحمات۔

آپ اتنے جلیل القدر عظیم المرتبت اور صاحب شہرت بزرگ تھے کہ آپ کے اوصاف و مناقب بیان کرنے کے لئے دفتر کے دفتر ناکافی ہیں اس لئے تبرکاً ہم آپ کی زندگی کے کچھ حالات بیان کرتے ہیں کہ صالحین کے تذکرے سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

سیرت نگار آگے لکھتا ہے۔

وكان حسن الاخلاق والسمات مقسما زمنه الشريف على انواع الطاعات وربما استغرق ليله اجمع بقراءة القرآن والبكاء و لايدع وقتا من غير طهارة وكان

آپ با اخلاق تھے، اپنے قیمتی اوقات کو مختلف عبادت کے کاموں میں تقسیم کر رکھا تھا، کبھی کبھی پوری رات تلاوت قرآن میں مشغول رہتے، ہر وقت باوضو رہتے، کثرت سے صدقہ کرتے، شبہات سے دور رہتے

كثير التصدق بعيدا عن الشبهات ولا يأكل الامن مال تجارية وكان مهاجا مطاع الكلمة فاخلاقه الشريفة لا تنحصر۔

تجارت کے مال پر گذر بسر کرتے تھے، بڑے بارعب اور ہر دلعزیز تھے، غرضیکہ آپ کے اخلاق کریمانہ کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

. . . .

علمی خدمات

حضرت علامہ شامی کا سب سے بڑا سرمایہ ان کی کتابیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا، زبان وقلم کی دولت سے بہرور کیا تھا، تصنیف وتالیف سے خاص دلچسپی تھی، مختلف علم وفن میں کتابیں لکھیں، اور بفضل تعالیٰ ہر کتاب کو شرف قبولیت حاصل ہوا آپ کی تالیف میں مستقل کتابیں، شرحات، حواشی اور رسالے شامل ہیں اب تک آپ کی جن کتابوں کا علم ہوا ہم ذیل میں ان کی فہرست اسی ترتیب سے پیش کرتے ہیں۔

شروحات

(۱) معراج النجاح شرح نور الایضاح (۲) عقود رسم المفتی شرح رسم المفتی (۳) شرح کافی فی العروض والقوافی (۴) العقود الدرية فی تنقیح الفتاوی الحامدية (۵) الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم۔

حواشی

(۱) رد المحتار علی الدر المختار (۲) قرة عيون الاخيار لتكملة رد المحتار علی الدر المختار (۳) منحة الخالق علی البحر الرائق (۴) حاشیہ بیضاوی (۵) حاشیہ مطول (٦) حاشیۂ شرح ملتقی الابحر (۷) حاشیہ نہر (۸) حاشیہ شرح منار (۹) حاشیہ شرح نبذة الاعراف۔

رسائل

(۱) قصة المولود الشریف النبوی (۲) الهداية العلانية ۔ (۳) رسائل الحسام الهندی لنصرة مولانا النقشبندی (٤) نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف (٥) الاحکام المخصصة بکی الحمصة، (٦) تنبیه الولاة والحکام علی احکام شاتم خیر الانام (صلی اللّٰه علیه وسلم) الخ ۔ (۷) شفاء العلیل وبل الغلیل فی الوصیة بالختمات والتهالیل (۸) العقود اللآلی فی الاسانید العوالی ۔ (۹) رفع الاشتباه عن عبادة الاشباه ۔ (۱۰) فتح رب الارباب علی لب الالباب (۱۲) منهل الواردین من بحار الفیض علی ذخر المتاهلین، (۱۲) رسالہ نفقات ۔ (۱۳) الاجوبة العجیبة فی اعراب الکلمات الغریبة

(١٤) اجابة الغوث فی احکام النقباء والنجباء والابدال والغوث (۱۵) العلم الظاهر فی النسب الطاهر (۱٦) تنبیه الغافل والوسنان فی هلال رمضان (۱۷) الابانة فی الحضانة، (۱۸) رفع الانتقاض ودفع الاعتراض فی قولهم الایمان مبنیة علی الالفاظ لا الاغراض، (۱۹) تحریر العبارة فیمن هو اولی بالاجارة، (۲۰) اعلام الاعلام فی الاقراء العام، (۲۱) رسائل در اوقاف (۲۲) تنبیه الرقود، (۲۳) تحریر النقول، (۲٤) غایة انسان (۲۵) الدر المضیئة (۲٦) رفع التردد، (۲۷) الاقوال الواضحة الجلیه، (۲۸) اتحاف الذکی النبیه، (۲۹) تحفة الناسك فی ادعیة المناسك ۔

علامہ شامی کی جن بعض کتابوں کے مطالعہ کرنیکا موقع ملا یا ان کی فنی نوعیت کا علم ہوا ان کے بارے میں ہم ذیل میں مختصر روشنی ڈالنا چاہتا ہے۔

(۱) تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام ۔ الخ ۔

اس رسالہ میں شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے والے کے احکام بیان کئے گئے ہیں، کہ اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابہ کو سب وشتم کرے تو اسکا کیا حکم ہے اور مسلم حکمراں کو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے، کتب فقہ و فتاوی کی روشنی میں قول فیصل کی نشاندہی کی گئی ہے ۔

(۲) نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف ۔

اس رسالہ میں علامہ شامی نے عرف سے متعلق ضروری مباحث پر روشنی ڈالی ہے، رسالہ بہت کارآمد اور معلومات افزا ہے۔ اس میں عرف سے متعلق تمام بحثیں آگئیں ہیں ۔

(۳) تحفۃ الناسک فی ادعیۃ المناسک ۔

رسالہ کی نوعیت، نام سے ظاہر ہے اس میں بھی دعائیں جمع کردی گئیں جو مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر پڑھی جاتی ہیں ۔

(۴) العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ۔

فتاوی حامدیہ، شیخ حامد آفندی مفتی دمشق کے فتاوی کا مجموعہ ہے، حضرت علامہ شامی نے کچھ کمی وبیشی اور قیمتی اضافہ کے ساتھ جدید ترتیب سے جمع کیا اور اس کا نام "العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ" رکھا۔ کتاب بہت مفید اور قابل مطالعہ ہے اور فتاوی کے طور پر لکھی گئی ہے، ہر سوال کے ساتھ جواب موجود ہے

(۵) عقود رسم المفتی ۔

رسالہ ہذا میں علامہ شامی نے فقہاء کے طبقات، فقہی کتابوں کے درجات، فتاوی کے اصول وقواعد اور مفتی وافتاء کے آداب، طریقہ استنباط واستخراج مسائل پر بصیرت افروز بحث کی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے فقہی بصیرت حاصل ہوتی ہے اور پڑھنے والا ہر قسم کے مسائل کو بخوبی سمجھنے لگتا ہے ۔

(۶) قرة عیون الاخیار لتکملة رد المحتار الخ۔۔

درحقیقت یہ حضرت علامہ شامی کے حاشیہ الدرالمختار ہی کا بقیہ حصہ ہے، ہوا یہ کہ جب علامہ درمختار کے حاشیہ کے مسودے سے فارغ ہوئے تو سب سے پہلے کتاب الاجارہ کا مبیضہ تیار کیا، اس کے بعد ابتدا رکتاب سے تبییض کرنی شروع کی کتاب القضاء کا کچھ حصہ ہو پایا تھا کہ ہاتف غیبی کی صدا پر لبیک کہا اور عالم جاودانی کے لئے رخصت ہو گئے اس طرح یہ عظیم کام نامکمل رہ گیا، بعد میں آپ کے صاحبزادے علامہ محمد علاء الدین عابدین نے اس دور کے وزیر کے ایما رپر بقیہ حاشیہ کو اضافہ کے ساتھ شائع کیا اور اسکا یہ نام تجویز کیا۔

(۷) رد المحتار علی الدرالمختار (شامی)

یوں تو حضرت علامہ کی تمام کتابیں مقبول ہوئیں، لیکن آپ کی کتابوں میں شامی کو جو شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی شاید ہی کسی اور کتاب کو ہوئی ہو، اہل علم نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا، حرز جان بنایا، فتوی نویسی میں اس سے پورا پورا استفادہ کیا۔

ردالمحتار کی مقبولیت کتب فتاوی میں عالم گیری کا جو مقام ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، عالم گیری، فقہاء متقدمین ومتاخرین کے کتب فتاوی کا خلاصہ ونچوڑ ہے، یہ کتاب ہزاروں لاکھوں جزئیات ومسائل پر مشتمل ہے، سچ سچ یہ کتاب ایک دائرہ المعارف اور اسلامی انسائیکلوپیڈیا ہے، شامی سے پہلے مفتیان کرام اسی سے فتوی دیتے تھے، لیکن جب شامی منظر عام پر آئی تو اس نے گوناگوں خصوصیات اور معنویت کی وجہ سے علماء کی نظریں اپنی طرف کھینچ لی، اور اب ہر مفتی کے لئے عالم گیری کے ساتھ شامی کا ہونا ضروری ہے۔

مقبولیت کے اسباب شامی کو جو اتنی زیادہ مقبولیت اور شہرت ہوئی، میرے نزدیک اس کے چند اسباب ہیں، جس کے پیش

پیش نظر اسے یہ مقام بلند حاصل ہوا۔

۱ شامی، جملہ کتب فقہ و فتاویٰ سابقہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

۲ شامی میں راجح اور مفتیٰ بہ قول نقل کئے جاتے ہیں جن سے مفتی کو حوالے پر پورا اعتماد ہوتا ہے۔

۳ مختلف اقوال کے درمیان بحث وتمحیص کے بعد ایک آخری قول بیان کر دیا جاتا ہے۔

۴ دو عبارت کے درمیان بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے علامہ شامی ان کی برمحل توجیہ فرماکر تعارض رفع کر دیتے ہیں۔

۵ گنجلک عبارت اور پیچیدہ مسئلہ کی پوری وضاحت کر دی جاتی ہے۔

۶ شامی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر اصولی مسائل بیان کئے گئے ہیں جن میں غور کرنے سے بے شمار جزئی مسائل سامنے آتے ہیں۔

۷ شامی ہمارے زمانہ سے بہت قریب ہے، اس سے اپنے زمانہ کے نئے اور جدید واقعات و مسائل کے سمجھنے اور اس کا صحیح حل تلاش کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے اس کے علاوہ بھی دوسری خصوصیات ہیں جن کا یہاں استقصار کرنا مقصود نہیں۔

مسلم پرسنل لا نمبر

جس کی قیمت ۲۰/= روپئے

نئے خریداروں کیلئے مفت۔

(ادارہ)

مسلم پرسنل لا نمبر

مسلم پرسنل لا کیا ہے، شرعاً اسکی اہمیت کیا ہے
عصر حاضر میں اسکی اہمیت میں کیوں اضافہ ہوا
حکومت اس سلسلہ میں کیا اقدام کر رہی ہے
اور مسلمان اس سے کسطرح متاثر ہو رہے ہیں۔
مستقبل میں کیا اندیشے ہیں،
اس موضوع پر اہل علم کے گرانقدر مقالات کیلئے پڑھئے

ماہنامہ

دارالعلوم

کا مسلم پرسنل لا نمبر

جو
مارچ ۱۹۸۶ء میں آرہا ہے

ص ۱۸

حضرت گنگوہی یہ سن کر مسکرائے اور یہ مصرعہ پڑھا "برگ گل را شاخ گل بر فرق خود جامی دہد"

مرحوم دارالعلوم کے فارغ التحصیل تھے ، ۱۳۳۷ھ سے دارالعلوم ہی میں شعبہ تدریس سے متعلق تھے اس وقت دارالعلوم کے اساتذہ میں سب سے قدیم استاذ ہی تھے ، معمولات کی پابندی اور ضبط اوقات میں اپنی مثال آپ تھے ، اس وقت پورے ہندوستان میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کو دیکھنے والا ان کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا ، غرضیکہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے ۔

شیخ الہند سیمینار منعقدہ دہلی میں شرکت کرنے کے لئے آنے والے پاکستانی احباب سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی مہتمم جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا ۲۷ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ کو انتقال ہوگیا ، مرحوم پاکستان کے نامور عالم دین اور تحریک ختم نبوت کے سرگرم رکن تھے ، دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کے تو عاشق تھے ، دارالعلوم سے اسی والہانہ تعلق کی بنا پر عرصہ ہوا اپنے ماہنامہ الرشید کا تقریباً ۸۰۰ صفحات پر مشتمل دارالعلوم نمبر شائع کیا اس کے بعد پونے پانچ سو صفحات پر مشتمل مدنی اقبال نمبر نکالا ۔ تاریخ دارالعلوم جو دارالعلوم دیوبند سے دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے ، اسے ریڈیوز کر کے تقریبا تین سو صفحات پر شائع کیا تاکہ سستی ہونے کی وجہ سے عام لوگ خرید سکیں ، واقعہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی وفات سے دارالعلوم دیوبند اپنے ایک فعال و متحرک نمائندہ اور بے لوث و مخلص ترجمان سے محروم ہوگیا ہے ۔

اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے ۔!

Dr. Zakir Husain Library, Jamia Nagar, New Delhi, J.M.I.

Regd. No. SHN-L-13-NP-21-80
DARUL ULOOM MONTHLY
DEOBAND [U. P.]

تاریخ

محترم و مکرم ! زید مجدکم

سلام مسنون ۔ دارالعلوم دیوبند ہماری حیات ملی کا علمبردار، نقیب اور محافظ ہے اور ماہنامہ دارالعلوم اس کا ترجمان ہے۔ بالفاظ دیگر وہ ہمارا اپنا ترجمان ہے اسکی ترویج و اشاعت اور ترقی خود ہمارے ارتقاء کی ضامن ہے۔ اس لئے آنجناب سے خصوصی درخواست ہے کہ رسالہ دارالعلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں، خود بھی خریدار بنیں اور اپنے حلقہ اثر میں زیادہ سے زیادہ خریدار بنانے کی کوشش فرمائیں۔

رسالہ دارالعلوم میں

- اسلامی تعلیمات کو سہل و دلنشیں پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے۔
- اسلام کے قدیم و جدید مخالفین کی بطریق احسن مدافعت کی جاتی ہے۔
- دقیق علمی مسائل میں علماء دیوبند کے محققانہ مقالات شائع ہوتے ہیں
- دارالعلوم کے احوال و کوائف سے معاونین کرام کو مطلع کیا جاتا ہے۔
- تاریخ اسلام کے رجال فکر و دعوت کی زندگی پر پُر اثر مقالے پیش کئے جاتے ہیں

امید کہ آنجناب رسالہ دارالعلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر دینی آواز کو مضبوط اور اپنے ترجمان کو طاقتور بنائیں گے۔ والسلام

دارالعلوم پرنٹنگ پریس دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

Feb - 86

دار العلوم دیوبند کا ترجمان

ماھنامہ

دار العلوم

شمارہ نمبر ۵	بابتہ ماہ فروری ۱۹۸۶ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ	جلد نمبر ۷۰

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

قیمت فی پرچہ تین ۳ روپے

سالانہ تیس ۳۰ روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے: سعودی عرب، کویت، ابوظہبی ایرمیل -/۱۱۵ جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل -/۱۲۵ پاکستان بذریعہ ایرمیل -/۱۴۵

سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو گیا ہے۔

محبوب پریس دیوبند

فہرست مضامین

ہندوستانی اور پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اوّل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ ۶۰/- روپے مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان، پاکستان کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر خریداری محفوظ فرمالیں۔ خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں

گرم تا کے بماند ایں بازار!

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہمارا ملک ہندوستان امن و آشتی اور اتحاد و اتفاق کا ایک گہوارہ تھا یہاں کے باشندے ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں مداخلت تو بڑی چیز ہے ایسی گفتگو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جس سے کسی مذہب کے ماننے والوں کی دل آزاری ہو اور باہمی منافرت کا روگ جنم لے۔ اگر کبھی کسی بادشاہ اور حکمراں نے اپنی حکمرانی کے زعم میں مذہبی امور میں دخل اندازی کے لئے سوچا بھی تو اس وقت کے علماء اور دانشوروں نے برملا اس کی مخالفت کی اور اس غلط خیال سے روک دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سلطان سکندر لودی متوفی ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء نے ہندوؤں کے ایک مذہبی میلہ کو بند کرانا چاہا تو اس وقت کے مشہور عالم شیخ عبداللہ اجودھنی نے بادشاہ سے برملا کہدیا کہ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں سکندر کو اس پر بڑا طیش آیا اور اس نے تلوار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کہ یہ طرفداری کا فتویٰ ہے پہلے میں تجھے قتل کروں گا۔ پھر اس میلہ کو بند کروں گا — شیخ اجودھنی نے فرمایا قتل کی دھمکی بیکار ہے حکم خدا کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ جان کے خوف سے شرعی حکم کو چھپایا نہیں جاسکتا۔

شیخ اجودھنی کا یہ جرأتمندانہ جواب سنکر سکندر کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اور اپنے اس خیال فاسد سے وہ باز آگیا (تاریخ فرشتہ ص ۱۸۷ ج ۱) تاریخ میں اس قسم کے ایک دو نہیں ہزاروں واقعات ملیں گے۔ مسلم حکام اور عوام کا یہی وہ رویہ تھا جس کی بنا پر ملک میں باہمی یکجہتی قائم تھی اور مذہبی منافرت اور فرقہ واریت سے یہاں کے باشندوں کے ذہن پاک وصاف تھے۔

لیکن ملک پر جب انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو اس شاطر قوم نے اپنی حکومت کے استحکام و بقا

کی راہ میں اس باہمی صلح و آشتی کو سب سے بڑا خطرہ تصور کیا۔ چنانچہ "سر جان میلکم" نے ایک موقع پر اس کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے۔

"اس قدر وسیع سلطنت میں ہماری غیر معمولی حکومت کی حفاظت اس پر منحصر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی جماعتیں ہیں ان کی عام تقسیم ہو اور پھر ہر جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں فرقوں" اور قوموں میں ہوں جب تک یہ لوگ اس طریقے سے جدا رہیں گے اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اٹھکر ہماری قوم کے استحکام کو متزلزل نہ کرے گی (کمپنی عہد کی تاریخ تعلیم انگریزی از میجر باسو ص۱۴۷ بحوالہ روشن مستقبل ص۲۵۹)

لڑاؤ اور حکومت کرو کی اس پالیسی کو بروئے کار لانے کیلئے مختلف تدبیریں کی گئیں چنانچہ سر ہنری ایلیٹ نے ہندوستان کی ایک تاریخ مرتب کی جس میں مسلمانوں کے خلاف جی بھر کے زہر اگلا۔ ہندوستان کی یہی وہ پہلی نام نہاد اور منحوس تاریخی کتاب ہے جس کے ذریعہ مذہبی منافرت کی شجر کاری کی گئی پھر اس شجر خبیث کو بارآور بنانے کیلئے اس کے ملکی زبان میں تراجم کئے گئے۔ اور اسکولوں و کالجوں کے نصاب میں انھیں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح سے بچوں کے ذہنوں کو ابتدا ہی سے منافرت اور فرقہ واریت کی غذا بہم پہنچا گئی۔ علاوہ ازیں ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے کچھ جاہ پسند اور لالچی قسم کے مہرے تلاش کئے گئے اور انھیں راجہ، مہاراجہ، سر، بہادر اور شمس العلماء جیسے خطابات اور نقدی رقومات دیکر آمادہ کیا گیا کہ وہ ہندو مسلم قدیم اتحاد کو ختم کرنے کیلئے ایک دوسرے کے مذہب پر کیچڑ اچھالیں۔ چنانچہ یہ مہرے اپنے سفید فام آقا کی اسکیم کے مطابق سرگرم عمل ہوگئے۔ قادیانیت، شدھی سنگھٹن اور آریائی تحریکیں انگریزوں کی اسی ڈپلومیسی کی کوکھ سے پیدا ہوئیں جنھوں نے ملک کو فرقہ داریت اور باہمی منافرت کا ایک اکھاڑا بنا دیا۔ اور جو قوم سیکڑوں سال سے باہم مل جل کر زندگی گزار رہی تھی وہ ایک دوسرے سے دست بگریباں ہوگئی۔

خدا سمجھے بُتِ سحر آفریں سے　　گریباں کو لڑایا آستیں سے!

بہرحال انگریز اپنی اس شیطانی پالیسی سے پائیدار اور دیرپا نفع نہ حاصل کر سکے اور انھیں یہاں سے چار و ناچار جانا پڑا۔ اور ملک کی زمام حکومت خود ملک کے سپوتوں نے سنبھالی اور انگریزوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کو سرد کرنے کی غرض سے ملک کو سیکولر اسٹیٹ قرار دیا گیا۔ دستور میں ہر مذہب کو پھولنے پھلنے کی ضمانت دی گئی۔ مذہبی کتابوں، مذہبی محترم شخصیتوں کی عزت و حرمت کا پختہ عہد

کیا گیا، اور ہر ایسا شخص اور گروہ مجرم گردانا گیا جو کسی کے مذہب میں رخنہ اندازی کرے یا مذہبی کتاب و شخصیت کی توہین و تحقیر کا مرتکب ہو۔

لیکن ان تمام پیش بندیوں کے باوجود وہ آگ اب تک سلگ رہی ہے۔ اور آزادی کے وقت سے اب تک لاکھوں مسلمان اس کی نذر ہو چکے ہیں۔ ان کی کروڑوں کی جائیدادیں خاکستر ہو چکی ہیں۔ اور اب جان و مال کے ساتھ دین و مذہب بھی اس کے شعلوں کی زد میں آ گئے ہیں۔ اور انگریزی ڈپلومیسی کے یہ پرستار کہیں قرآن مقدس کو ضبط کرانے کی سازشوں میں لگے ہیں۔ کہیں مذہبی شعار داڑھی کو غیر قانونی قرار دیکر اس پر پابندی عائد کر رہے ہیں۔ اور اس اسلامی شعار پر عمل کرنے والوں کو سرکاری ملازمتوں سے برطرف کر رہے ہیں۔ کبھی مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کرتے ہیں۔ اور کبھی یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ مسلمان ان مظالم اور زیادتیوں کے خلاف چیخ رہا ہے احتجاجی جلسے اور جلوس نکال رہا ہے۔ وزیر اعظم کی بارگاہ میں میمورنڈم پیش کر رہا ہے۔ مگر یہاں ایک خاموشی میری سب کے جواب میں "کا عالم ہے۔ حکومت یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہی ہے۔ مگر بیان بازیوں سے آگے کچھ کرنا نہیں چاہتی۔

ابھی چند ہفتوں کی بات ہے میرٹھ کے کسی سوامی نے "میرٹھ کا پاگل کتا" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس میں قرآن حکیم میں معنوی تحریف کر کے مذہب اسلام کو جس بیدردی کے ساتھ طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا ہے کہ اس کے تصور ہی سے روح کانپ جاتی ہے۔ اس نازیبا اور اشتعال انگیز کتاب کی اشاعت سے میرٹھ کمشنری کے مسلمانوں میں شدید بے چینی اور اضطراب پھیلا ہوا ہے جگہ جگہ احتجاجی جلسے ہو رہے ہیں جن میں لاکھوں مسلمان شریک ہوتے ہیں اور اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر حکام اقتدار کے نشہ میں اس قدر مدہوش ہیں کہ مظلوموں کی یہ صدائیں انھیں سنائی نہیں دے رہی ہیں۔

مسلمان چالیس سال سے صبر کرتا آرہا ہے مگر اب اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے وہ جان و مال تو دے سکتا ہے۔ لیکن اپنے رسول، اپنی آسمانی کتاب اور اپنے مذہب کی توہین و تحقیر کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلئے حکومت اب بیان بازیوں اور حیلہ سازیوں کی پالیسی کو چھوڑ دے اور صاف صاف اعلان کر دے کہ اس کے نزدیک مسلمانوں کے پرسنل لاء، مسلمانوں کی مقدس کتاب اور مسلمانوں کے مذہبی شعار کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تاکہ مسلمان بھی ان احتجاجوں، جلسے جلوسوں اور میمورنڈم سے یکسو ہو کر اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کر لیں۔ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔

صحابہ کرام حدیث کیسے حاصل کرتے تھے

دلوں میں ایمان کا بسنا تھا کہ صحابہ نے اسلام کی عظمت سمجھ لیا اور جب اپنی آنکھ سے قرآن کا اعجاز اور اس کی ہمہ گیر تعلیم کو دیکھ لیا تو اس چشمۂ صافی سے (جس کا سوتا کبھی نہیں خشک ہوا) فیضیاب ہونے کیلئے امڈ پڑے۔ اُن کے دل خدا اور رسول کی محبت سے سرشار، اور اپنے معلم و رہنما کی حمایت میں اسلامی اصولوں کی حفاظت کیلئے تیار ہو گئے۔ بلکہ جان تک کی بازی لگادی، اُن کی گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک صحابی اپنا اثاثہ، اپنی اولاد اور جسم وجان کی قربانی کیلئے ہر وقت آمادہ تھا ان کی فطری توانائی، طبعی کمالات، اس کی مستقل سرگرمیاں سب کے سب دین کی نشر واشاعت اور اسلام کی حفاظت پر مرکوز ہو گئیں ان کی بے مثال اور حیرت انگیز قربانیوں کے زندۂ جاوید اور قابلِ فخر کارنامے آج بھی تاریخ کے مقدس سینوں میں محفوظ ہیں جب کبھی دولت کا مطالبہ ہوا تو بازی لیجانے کیلئے مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر اپنا تمام سرمایہ ڈالدیا، کسی نے ایک تہائی، کسی نے نصف حصہ، اور کسی نے تو سارا اثاثہ آپ کے اشارے پر لاکر رکھدیا اور جب زمانہ کی افتاد نے مسلمانوں کو بالخصوص حالات کی گرفت میں لے لیا تو یہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے شام سے آنے والے غلّہ سے لدے ہوئے

اونٹ کے قافلے مسلمانوں میں مفت تقسیم کردیا اور اس وقت کے بڑے رشک انگیز مادی نفع کو قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ نفع مل رہا ہے ——— صحابۂ کرام نے اسلام کے چشمۂ صافی کی حفاظت میں اپنی عمریں کھپادیں اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جانِ عزیز بھی قربان کردی۔ اگر کبھی اُن پر جنگ اُحد میں مصائب آئے تو ہم نے دیکھا کہ ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیلئے سب سے پہلے اپنی جان کی بازی لگادی یہ ابودُجانہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کی پُشت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ڈھال ہے۔ زخموں سے چور ہیں ان سے کچھ فاصلے پر حضرت علی شمشیر بکف آپکی حفاظت کیلئے جان دیئے ہوئے ہیں۔ یہ سعد بن ابی وقاص رضؓ ہیں جو دشمنانِ اسلام پر تیر برسا رہے ہیں۔ تاآنکہ خدا نے کامیابی مقدر فرمادی۔ صحابہ کی بے مثال قربانی اور اپنے دین سے محبت کے یہ چند نمونے ہیں۔ انہی عظیم قربانیوں اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حاصل کرنے کیلئے بھی بہت نمایاں اور پیش پیش ہیں۔

صحابۂ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی چند آیتیں سیکھتے، اس کے معانی سمجھتے، اس کے لطیف فقہی نکتوں کو حاصل کرتے اور اُسے اپنی زندگی سے ہم آہنگ کرلیتے تب دوسری آیتیں یاد کرنے کیلئے آگے بڑھتے وہ جب تک خوب یاد نہ کرلیتے اور اُس کے تقاضے پر عمل نہیں کرلیتے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ وہ کہا کرتے "تعلمنا القرآن والعلم والعمل جمیعاً" ہم نے قرآن، اس کا علم اور اس پر عمل کرنا سب ایک ساتھ سیکھا ہے۔ ان میں بعض صحابی آپ کی خدمت میں رہ کر اسلامی احکام وعبادات سیکھتے۔ پھر گھر آکر اپنی قوم اور خاندان کو سکھاتے تھے۔ حضرت مالک بن حویرث سے امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ ہم چند ہم عمر نوجوان آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور آپ کے یہاں بیس دن رہ گئے جب گھر والوں سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا تو آپ نے ہم سے پوچھا گھر میں اور کون ہے جو آپ کے ساتھ نہیں آسکے ہم نے آپ کو سب بتادیا آپ چونکہ انتہائی شفیق اور مہربان تھے۔ اس لئے فرمایا۔ اب اپنے گھر اور بچوں میں واپس چلے جاؤ اور گھر والوں کو دین کی تعلیم دو، نماز کا حکم کرو اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھتے رہو اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی اذان کہہ دے اور تم

میں جو بڑا ہے امام بن جائے۔

صحابہ کرام اپنی معاشی اور تجارتی مصروفیتوں کے باوجود پیغمبر علیہ السلام کی مجلس میں شرکت کرنے کا بے پناہ شوق رکھتے تھے اور اگر کسی صحابی کیلئے آپ کی مجلس میں شریک ہونا مشکل ہوتا تو چند صحابہ کرام آپس میں مل کر باری مقرر فرما لیتے جیسا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا فرماتے ہیں کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی قبیلہ بنی امیہ میں رہتے تھے (یہ قبیلہ کافی اونچائی پر آباد تھا) ہم دونوں باری باری آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ایک دن وہ پیغمبر علیہ السلام کے یہاں جاتے ایک دن میں جاتا تو انھیں دن بھر کی وحی وغیرہ تفصیل سے بتا دیتا اور وہ جاتے تو مجھے بتا دیتے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ہم نے تمام حدیثیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہیں بلکہ ہم تو اونٹ چرانے میں لگے رہتے اور ہمارے ساتھی حدیثیں سنکر ہمیں بیان کر دیتے تھے اور صحابہ جو حدیث اپنی مصروفیت کی وجہ سے نہیں سُن پاتے تو اس کا تدارک اُن ساتھیوں سے کر لیتے تھے جنھیں براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سننے کی سعادت حاصل ہے اور دوسروں سے جو روایات سنتے اس کی حفاظت کا بھی اتنا ہی اہتمام فرماتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت براء سے نقل ہے کہ ہم میں سے ہر شخص تو حضور سے حدیث نہیں سُن پاتا تھا اس لئے ہمارے کچھ مشاغل اور جائیدادیں تھیں جن سے ہمیں فرصت ہی نہیں تھی لیکن چونکہ لوگ سچے تھے جھوٹ جانتے ہی نہ تھے اسلئے جو شخص بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا وہ غیر حاضر لوگوں کو من وعن حدیث بتا دیا کرتا تھا حضرت انس بن مالک بھی یہی فرماتے ہیں کہ جو حدیثیں ہم تم سے بیان کرتے ہیں وہ آنحضرت سے نہیں سُن پاتے تھے بلکہ ایک دوسرے کی مدد سے حاصل کرتے تھے نہ کسی کو کسی کی سچائی پر شبہ تھا۔ نہ کسی کو کوئی نشانہ ملامت بناتا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت انس نے حدیث بیان کی ایک شخص نے پوچھا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سُنی ہے حضرت انس نے فرمایا ہاں ہم یا تو براہِ راست رسول اللہ سے سنتے تھے یا پھر کوئی ایسا ساتھی

بتاتا تھا جو کذب بیانی سے پاک تھا۔ قسم بخدا! نہ ہم جھوٹ کہتے ہیں نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ جھوٹ ہے کیا؟

صحابۂ کرام آپ سے جو حدیثیں بھی سنتے تھے اس کا بڑے اہتمام سے مذاکرہ فرماتے تھے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم مجلس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنتے اور مجلس سے اٹھ کر سُنی ہوئی حدیثوں کا آپس میں مذاکرہ کر کے زبانی یاد کر لیتے تھے۔ ان تمام مجلسوں میں شرکت کے علاوہ صحابہ آں حضرت سے اور طریقوں سے بھی حدیث حاصل کرتے تھے جن کو ہم آئندہ ذکر کریں گے

ایسے واقعات جو خود ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئیں اور آپ خود اس کا حکم شرعی بھی بیان فرمادیں۔ اب اس وقت جو صحابہ حاضر ہیں وہ بھی آپ کا ارشاد سُن لیں گے۔ بسا اوقات سننے والوں کی تعداد اتنی بڑی ہوتی تھی کہ آپ کا ارشاد مبارک بجلی کی طرح دوسروں تک پہنچ جاتا تھا۔ اور کبھی سننے والے کم بھی ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود لوگوں تک پہنچا دینے کیلئے اعلان فرمادیتے اور آپ کا ارشاد بآسانی بے شمار مسلمانوں تک پہنچ جاتا مثال کے طور پر حضرت ابوہریرہ کی بیان کردہ اس روایت پر غور کیجئے۔ ایک مرتبہ اللہ کے نبیؐ ایک تاجر کے قریب سے گذرے جو بازار میں غلہ بیچ رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا تم غلّہ کیسے فروخت کرتے ہو اس نے تفصیل بتائی آپ نے دستِ مبارک غلّہ کے اندر داخل کیا اور جب نکالا تو سارا ہاتھ تر تھا آپ نے اس کی فریب دہی پر فرمایا۔ "مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا" جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ دوسرا واقعہ حضرت عائشہ رضؓ نقل کرتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے یہاں تشریف لائے تو دیکھا دروازے پر رنگین اور منقش پردہ آویزاں ہے جسمیں کچھ تصویریں بھی ہیں آپ کا چہرۂ انور بدلنے لگا آپ پردہ کی طرف لپکے اور اپنے دستِ مبارک سے اُسے پھاڑ دیا۔ پھر فرمایا۔ "اِنَّ اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یشبھون بخلق اللہ"

قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب خدا کی صفت تخلیق سے مشابہت پیدا کرنے والے کو ہوگا۔ کبھی آپ کسی صحابی سے کوئی نامناسب بات سُن لیتے یا اُن کی کمزوری دیکھ لیتے تو اس کی اصلاح فرما دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو انھوں نے جلدی جلدی وضو کرتے دیکھا تھا۔ اور پیر کے پاس کچھ حصّہ خشک رہ گیا جسے آں حضرت نے بھی دیکھ لیا آپؐ نے فوراً فرمایا " اِرْجِع فاحسن وضوءك " جاؤ خوب اچھی طرح وضو کرو چنانچہ اس نے پھر سے وضو کیا۔ ایک روایت حضرت عمرؓ سے اور منقول ہے کہ جب خیبر کا معرکہ گرم ہوا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں فلاں شخص شہید ہوگئے آپ نے سُنا تو ایک شخص کے بارے میں پوری قدرت سے فرمایا ہرگز نہیں! میں نے تو اُسے مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے ایک چادر چرانے کے جرم میں جہنم میں دیکھا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا عمرؓ جاؤ لوگوں میں اعلان کردو کہ جنت میں صرف مخلص مسلمان جائیں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اعلان کردیا " الا لا یدخل الجنّۃ الّا المؤمنون "

ایسے واقعات جو مسلمانوں کو پیش آتے ہیں اور مسلمان اس موقعہ پر نبیؐ سے دریافت کرلیتے ہیں اور آپ انھیں جواب عنایت فرمادیتے ہیں کبھی اس نئی صورت حال کا تعلق خود دریافت کرنے والے کے اوصاف سے ہوتا ہے اور کبھی دوسروں سے ان حالات میں آپ دیکھیں گے کہ صحابہ دریافت کرنے میں ذرا شرماتے نہیں تھے۔ بلکہ انسانیت کے محسن اعظم اور معلمِ اوّل کی طرف تسکین قلب وجگر کے لئے دوڑ پڑتے تھے۔ اور اگر آپ سے کسی صحابی کو بالمشافہ دریافت کرنے میں حیار محسوس بھی ہوتی تو وہ کسی اور کو ذمہ دار بنا کر آنحضرت سے دریافت کرلیتے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے کثرت سے مذی خارج ہوتی تھی۔ آں حضرت کی صاحبزادی حضرت فاطمہ میرے نکاح میں تھیں۔ اس لئے مارے شرم کے دریافت نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے حضرت مقدادؓ سے کہا انھوں نے آپؐ سے دریافت کیا تو آں حضرت صلی اللہ جناب نے فرمایا: ایسا شخص شرم گاہ دھولے اور وضو کرلے۔ حضرت قیسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت

حضرت طلق بن علی یا کسی اور صحابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ، بعض مرتبہ ران کھجلاتے ہوئے ہاتھ شرمگاہ پر چلا جاتا ہے تو کیا حکم ہے فرمایا آخر وہ بھی آپ کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے ۔بعض مرتبہ صحابہ کرام اس سے بھی زیادہ نجی اور مخصوص سوالات پیغمبر علیہ السلام سے کیا کرتے تھے ۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رفاعہ کی بیوی آپ کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے شوہر رفاعہ نے مجھے طلاق مغلظہ دے دیا ہے ۔میں نے عدت گذرنے کے بعد عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے نکاح کر لیا ہے ۔لیکن وہ میری ازدواجی ضرورت پوری کرنے سے قاصر ہیں ۔آپؐ نے فرمایا کیا رفاعہ کے پاس جانے کی پھر خواہش ہے ۔اب تو تم بغیر صحبت (خلوت صحیحہ) کے ان کے ساتھ نہیں رہ سکتیں ،حضرت صدیق اکبرؓ بھی پاس میں حاضر تھے ۔اور حضرت خالد بن سعید اجازت مل جانے کے منتظر تھے ۔اتنے میں خالد نے ابوبکر سے کہا کیا آپ سن نہیں رہے ہیں یہ عورت اپنا مدعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح با آواز بلند پیش کر رہی ہے ۔

قرنِ اوّل کے مسلمان اپنے معاملات اور مسائل بھی بلا جھجک دریافت کیا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے میں نہ انھیں کوئی حجاب تھا اور نہ کوئی رکاوٹ یہی وجہ ہے کہ دور دراز علاقوں کے رہنے والے اعرابی بھی آپ سے حاضر باش صحابہ کی طرح ہر بات دریافت کر لیتے تھے اور ان سوالات میں تلاش حق کے سوا کوئی اور مقصد نہیں تھا

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم جنگل میں ہوتے ہیں کبھی کبھی ہوا خارج ہو جاتی ہے ۔آپؐ نے فرمایا خدا حق بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا ۔جب کسی کو یہ صورت پیش آجائے تو وضو کر لے اور دیکھو غیر فطری حرکت مت کرو ۔

بلاشبہ صحابہ کرام بہت سے شخصی سوالات کرتے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرماتے بھی تھے لیکن عبادات ،عقائد، معاملات اور دیگر امور میں آپ سے دریافت کرنے میں انھیں

کوئی حجاب نہ تھا بلکہ بعضوں کا تو یہ حال تھا کہ جہاں آپ کی آمد کی اطلاع ملی فوراً تشنۂ علم حاصل کرنے اور سیراب ہونے کیلئے کشاں کشاں پہنچ گئے جیسا کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ اور ان کی قوم کے ساتھ ہوا جب قوم کو معلوم ہوا کہ آپ کے قاصد اسلام کا پیغام لے کر پہنچے ہیں۔ تو حضرت ضمام صورت حال کی تحقیق کیلئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صحابہ کرام آپ کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ ضمام شتر سوار مسجد میں داخل ہوئے اونٹ رسی سے باندھکر مجمع سے پوچھا تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں ہم نے کہا یہ جو رنگ میں سب سے زیادہ روشن، اجلے اور سہارا لگائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ضمام نے کہا اے عبدالمطلب کے فرزند، آپ نے فرمایا میں تمہیں جواب ہی دینے بیٹھا ہوں۔ اس نے کہا میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے سوال اور الفاظ میں کچھ تیزی ہوگی۔ مگر آپ مجھ پر برہم نہوں آپنے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ اس نے کہا میں آپ کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ کو اللہ نے سب لوگوں کی طرف مبعوث کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں، اُس نے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا اللہ نے آپ کو دن رات میں پانچ نمازوں کا حکم دیا ہے آپؐ نے فرمایا۔ بخدا ہاں، اس نے کہا کیا بخدا اللہ نے آپ کو سال میں ایک ماہ کے روزے کا حکم دیا ہے آپ نے فرمایا ہاں، اُس نے کہا آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا خدا نے امراء سے صدقہ وصول کر کے فقراء میں تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا! ہاں پھر اس آدمی نے کہا۔ میں آپ کی لائی ہوئی تمام چیزوں پر ایمان لایا۔ اور میں اپنی قوم کے تمام لوگوں کا فرستادہ ہوں۔ اور میں ضمام بن ثعلبہ بن سعد بن بکر ہوں۔ ان دونوں واقعات کے علاوہ ایک اور صحابی کا واقعہ ہے۔ جنھوں نے روزہ کی حالت میں بیوی کو بوسہ لے لیا تھا اور بہت زیادہ فکر مند تھے۔ صحابی نے مسئلہ دریافت کرنے کیلئے اپنی بیوی کو حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں اپنی ازواج کو بوسہ لیا کرتے تھے۔ اس عورت نے اپنے شوہر سے جواب نقل کیا لیکن

بوسہ کے اس ناگوار عمل کا احساس اور تیز ہوگیا اور عرض کیا ہم تو پیغمبر علیہ السلام کی طرح نہیں ہیں۔ یہ عورت اپنے شوہر کی بات سُن کر حضرت ام سلمہ کے پاس پھر آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے ام سلمہ سے دریافت کیا کہ اس عورت کا کیا قضیہ ہے۔ ام سلمہ نے سب کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں بتا دینا تھا کہ میں خود بھی ایسا کرتا ہوں۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا اللہ کے نبی میں نے اُسے یہی جواب دیا ہے لیکن اُس عورت نے جب اپنے میاں سے کہا تو وہ برہم ہوگئے۔ اور یہ کہتے رہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری نہیں کرسکتے۔ خدا آپ کے لئے جو چیز چاہے مباح کردے یہ سُنکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور یہ کہتے رہے " واللہ انی لاتقاکم للہ ولاعلمکم بحدودہ " قسم بخدا میں تم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں۔ اور اُس کے حدود کو سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ دراصل صحابی نے اپنے تقویٰ کی بنا پر یہ خیال کر رکھا تھا کہ شاید یہ حکم آپ کے ساتھ خاص ہو۔ لیکن آپؐ نے فرمادیا کہ نہیں یہ سب کے لئے ہے۔ خود حضرت عائشہ بعض مرتبہ کوئی بات سُن کر نہ سمجھ پائیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باصرار دریافت کرلیتیں تا آنکہ سمجھ لیں۔

کبھی دو مسلمان کسی قضیہ میں فصل خدمات کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے اور آپ ان دونوں میں مبنی برانصاف اور صحیح فیصلہ سُناتے تھے۔ یہ طریقہ بھی بجائے خود اخذ حدیث کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکم کو سورۃ فرقان پڑھتے ہوئے سُنا انھوں نے اس صورت میں کچھ ایسے کلمات بھی بڑھا دیتے تھے جسے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پڑھا ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ انھیں نماز ہی میں اچک لوں۔ لیکن میں نے ضبط کیا۔ جب وہ قرأت سے فارغ ہوگئے۔ تو ان سے میں نے پوچھا۔ ہشام آپ کو سورۃ فرقان اس طرح کس نے پڑھایا؟ انھوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ میں نے کہا تم

جھوٹ بولتے ہو۔ بخدا اللہ کے نبی تمہیں اس طرح ہرگز نہیں پڑھا سکتے۔ مجھے غصہ آیا میں نے اُن کی گردن پکڑلی اور کھینچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے مجھے سورۃ فرقان جس طرح پڑھایا ہے۔ یہ اس سے کچھ مختلف طریقے سے پڑھتے ہیں۔ آپ میری بات سُنکر فرمایا ہشام! سورۃ فرقان پڑھکر سُناؤ انھوں نے اسی طرح پڑھ کر سُنایا۔ آپنے فرمایا سورۃ فرقان اس طرح بھی نازل ہوئی ہے۔ پھر آپنے مجھ سے پڑھنے کے لئے فرمایا۔ میں نے اپنے طرز سے پڑھ کر سُنایا۔ آپنے فرمایا کہ یہ سورت اس طرح بھی نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا "ان ھٰذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ماتیسر منہ۔ قرآن کریم سات زبانوں میں نازل ہوا ہے۔ تم جس میں سہولت ہو پڑھتے رہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جوابات، فیصلوں اور فتاوے میں حدیث کے مختلف ابواب کے لئے بے پناہ ذخیرہ موجود ہے۔ اور ہم چاہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادگرامی کا ایک بڑا حصّہ مرتب ہوجائے۔ اور یہ تو بعید از قیاس ہے کہ یہ امور جس کے ساتھ پیش آئیں یا جس نے آپ سے براہ راست دریافت کیا ہے۔ اُسے وہ فراموش بھی کردے اس لئے کہ یہ مسائل سائل کی زندگی کا جز بلکہ وہ اہم واقعات ہیں جسے انسان کبھی بھلا نہیں سکتا۔

ج ــــ ایسے واقعات جس میں صحابہ نے بچشم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور ایسی مثالیں آپ کی نماز، روزہ، حج، سفر وحضر میں بکثرت ملیں گی ان واقعات کو صحابہ نے تابعین تک اور تابعین نے بعد کے لوگوں تک پہنچایا۔ ہم اگر چاہیں تو یہاں بھی سنّتِ نبوی کا ایک بڑا ذخیرہ مرتب ہوجائے۔ بالخصوص عبادات، معاملات، اخلاقیات، اور آپ کا اسوۂ مبارکہ بجائے خود حدیث کا بیکراں دفتر ہوسکتے ہیں۔ مثلاً آپ سے ایمان اسلام، احسان کی بابت حضرت جبرئیل کا استفسار، ہر سوال کا تفصیلی جواب حضرت جبرئیل

کے چلے جانے کے بعد یہ بتانا کہ عمر یہ جبرئیل تھے جو تمہیں دین سکھانے آئے تھے یا مثلاً حضرت علی کا بیان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی، درمیانی، انتہائی رات کے حصہ میں وتر پڑھی ہے۔ اور حضرت ابن عمر کا بیان کہ انھوں نے شیخین کو جنازے کے آگے آگے چلتے دیکھا ہے اور حضرت علی کا ارشاد کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں تھے کہ آپ فوراً پلٹے پھر جب آپ واپس آئے تو سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا آپ نے نماز پڑھائی پھر فرمایا لوگو میں جب نماز کیلئے کھڑا ہوا تو مجھے یاد آیا کہ میں نے اب تک جنابت کا غسل نہیں کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ جو شخص اپنے پیٹ میں قراقر محسوس کرے یا اس قسم کی صورتِ حال سے دوچار ہو تو اُسے اپنی ضرورت اور غسل سے فارغ ہونے کے لئے فوراً واپس ہوجانا چاہئے۔ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے آخری لمحات تک نماز کی پابندی اور کنیزوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید فرماتے رہے۔

اوپر کی گذارشات سے یہ بات ہم پر واضح ہوجاتی ہے کہ سنّت کی حفاظت کیلئے یہی تین اسباب انتہائی مؤثر ہیں، آپ کی ذات ایک رسول اور مربّی کی حیثیت سے۔ حدیث کا زبردست ذخیرہ، صحابہ کرام کا والہانہ جذبہ شوق وطلب، انھوں نے حدیث کو اپنے سر کا سودا بنایا، اُسے اپنی ذات پر نافذ کیا۔ معلّم اخلاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت کا ثبوت دیا۔ خلوص دل سے آپ کی خدمت میں رہے۔ اور ضلالت وگمراہی سے کسی قیمت پر مصالحت نہیں کی۔ صحابہ کی انہی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے کہ حدیث کا باریک سے باریک گوشہ محفوظ ہے اس گراں قدر امانت کو صحابہ سے تابعین نے اور تابعین سے اُن کے بعد کے لوگوں نے بصد شوق۔ اٹھایا۔ جو آپ ہی کی توجہ کا اور آپ کے ارشاد کا صدقہ ہے آپ نے فرمایا ہے "یسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم" حدیث پاک تم سنتے ہو پھر دوسرے تم سے سنیں گے پھر ان سے اور دوسرے سنیں گے۔

ہم پورے یقین واعتماد سے کہتے ہیں کہ حدیث بھی کتاب اللہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے دورِ حیات ہی میں صحابہ کے پاس محفوظ تھی اگرچہ ان میں درجہ کا فرق بھی تھا، کسی صحابی نے بکثرت حدیث نقل کی، کسی کی روایتوں کی مجموعی تعداد نسبتاً کم تھی اور کوئی متوسط درجہ میں تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ نے حدیث کی پوری حفاظت کی اور کامل احساس فرض کے ساتھ تابعین تک پہنچایا، حدیث سے صحابہ کی بے پناہ دلچسپی اور والہانہ شغف کا مطالعہ کرنے سے ان لوگوں کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ بہت سی روایتیں صحابہ سے ضائع ہو گئی ہیں بلکہ یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ یہی وہ مقدس گروہ ہے جس نے ہجرت سے پہلے اور بعد کے دس سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ میں گذارا ہے اور آپ کے ارشادات، معمولات، ہوش و خواب، نشست و برخواست، عبادت و مجاہدہ، سفر و جنگ، خوش مزاجی، زجر و توبیخ، خورد و نوش، سیرت و اخلاق، خاندان کے ساتھ سلوک، گھوڑوں کی جنگی تربیت، اپنوں اور عزیزوں سے مراسلت، دعاء و معاہدے جنبش ابرو، نفوس قدسیہ، آپ کے وعظ، اور آپ کے اوصاف کا بغور مطالعہ کرکے اُسے محفوظ کیا ہے۔ علاوہ ازیں شرعی، احکامات، حلال وحرام اور عبادات جیسے اہم امور بھی ضبط کیا۔ کیا اتنے اہتمام اور اس قدر دقّت نظر کے باوجود کوئی بھی حدیث ان صحابہ سے چھوٹ سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلاشبہ صحابہ کرام اپنے اچھے سلف (پیش رو) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچّے اور بہترین جانشین اور آپ کے ارشادات کے کامیاب امین تھے۔

حقِ تصنیف و طباعت کا شرعی حکم دریافت کرنے کی ایک کوشش

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی فاضل دیوبند
صدر شعبۂ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء و ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

ادھر کوئی نصف صدی سے جو مسائل زیر بحث ہیں ان میں "حق تالیف" اور اس کے رجسٹریشن کا مسئلہ بھی ہے۔ اگرچہ اس درمیان اس موضوع پر کافی لکھا گیا ہے۔ مگر اندازہ ہوتا ہے کہ حقانی علماء کی پوری جماعت ابھی متفقہ طور پر کسی ایک متعین نتیجہ تک نہیں پہنچ سکی ہے۔[۵]

۵۔ اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ برصغیر کے اکابر علماء۔ مثلاً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (سابق مفتی اعظم پاکستان) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہم اللہ کی اکثریت نے حق تالیف و تصنیف اور رجسٹریشن کرانے (خاص طور پر اسکی خلاف ورزی کرنے والے سے ہرجانہ لینے) کو ناجائز بتایا ہے، لیکن بعض دیگر علماء، مثلاً مولانا مفتی عبد الغنیؒ (سابق مفتی مدرسہ امینیہ دہلی، و شاگرد حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ) اور مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ حق تالیف یعنی اس پر معاوضہ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں (دیکھئے فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم صفحہ ۲۴۳ تا ۲۴۵) ان دونوں قولوں کے درمیان فی الجملہ ایک نقطۂ اشتراک بھی غور کرنے سے نکالا جا سکتا ہے (کیا عجب ہے کہ اگلی سطریں اسی کی تلاش کی ایک کوشش ثابت ہوں) بعض ثقات سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ بھی جواز کے قائل تھے۔

اس لئے گفتگو کی گنجائش اب بھی باقی ہے اسی صورتِ حال سے راقم سطور کو جرأت ہوئی کہ اپنے حقیر مطالعہ اور غور و فکر کا سلسلہ جاری رکھے۔ اور پھر اس کے نتائج۔ جن میں غور و فکر کے کچھ نئے پہلو ہیں۔ اہل علم کے سامنے برائے استصواب پیش کرے۔ بس ان سطروں کا حاصل اور محرک اس وقت یہی ہے۔ یعنی ان کی حیثیت کسی قطعی فیصلہ یا فتویٰ کی نہیں۔ بلکہ ایک طالب علمانہ رائے کی ہے۔ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس مسئلہ کے تحت کتنے مسئلے ہیں ——— غور و فکر کے وقت ان سب ہی پر نظر رکھکر رائے قائم کی جاسکے گی۔ مثلاً مصنف کا مسودہ اور اس کی خرید و فروخت، ۲۔ مصنف کا کسی شخص کو طباعت و اشاعت کا اختیار دینا اور اس پر معاوضہ لینا۔ ۳۔ طباعت کا اختیار ملنے والے شخص کا اپنا یہ اختیار کسی دوسرے کے سپرد کرنے پر معاوضہ لینا ۴۔ مصنف یا ناشر کا رجسٹریشن کرانا اور اس کی خلاف ورزی کر کے چھاپنے والے شخص سے ہرجانہ وصول کرنا۔ ۵۔ بلا اجازتِ مصنف (یا مجاز طابع و ناشر کی اجازت کے بغیر) چھاپ لینا)

ذیل میں ان شکلوں میں سے ہر ایک کا شرعی حکم دریافت کرنے کی ——کتاب و سنت نیز فقہ و فتاویٰ وغیرہا کی روشنی میں ——ایک کوشش کی گئی ہے۔ (ان اصبت فمن اللہ، وإن أخطأت فمني، ومن الشیطان)۔

ضروری گذارش

اہل علم سے گذارش ہے کہ وہ بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنی آراء سے مطلع فرمائیں کہ یہ نہ صرف راقم سطور پر احسان ہوگا بلکہ دین و شریعت، نیز امت مسلمہ کی ایک بہت بڑی خدمت بھی ہوگی۔

تصنیف کی فروخت

حق تصنیف و تالیف کے معنیٰ اگر یہ ہیں کہ جس مصنف نے محنت شاقہ برداشت کرتے نیز اپنا قیمتی وقت اور بسا اوقات کثیر دولت خرچ کرنے کے بعد ایک اہم تصنیف تیار کی ہے، وہ اس کی قیمت وصول کرنے اور دوسرے شخص یا اشخاص کو اس تصنیف سے فائدہ اٹھانے کی اجازت

دینے پر معاوضہ لینے کا حق رکھتا ہے، تو شرعی اصول کے لحاظ سے۔ نیز بعض علمائے متقدمین کے ایک معمول کو سامنے رکھتے ہوئے (کچھ شرطوں کے ساتھ) اس کی گنجائش یقیناً نکلتی یا نکل سکتی ہے۔ کیونکہ مصنّف کو اپنی تصنیف کے سلسلہ میں محنت اور دقت نیز روپیہ خرچ کرنے کی وجہ سے، صنّاع، کے بمنزل اور اس کی تصنیف کو۔ ایک اعتبار سے "مصنوع"[1] کے مثل ٹھہرایا جاسکتا ہے اور جیسا کہ ہر صنّاع کو اپنی مصنوع پر حقِ ملکیت شرعاً بھی حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح مصنّف کو بھی اپنی تصنیف پر یہ حق حاصل ہے، یا کم از کم اس کے حاصل ہونے کی گنجائش نکلتی یا نکل سکتی ہے۔ اور پھر جس طرح صناع اپنی مصنوع سے استفادہ کی اجازت دینے یا نہ دینے۔ نیز بلاعوض یا معاوضہ لیکر اجازت دینے میں مختار ہے۔ اسی طرح مصنّف کو یہ اختیار حاصل ہے یا حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ بھی استفادہ کی اجازت دینے میں مختار ہو۔ اور.... اس پر معاوضہ بھی لے سکے۔ نیز جتنے افراد کو وہ چاہے اجازت دے، اور جس کو چاہے نہ دے، اس کا بھی اُسے اختیار ہونا چاہیئے۔ ہم اس بارے میں (علمائے متقدمین میں سے) ان بعض محدّثین کے طرزِ عمل سے استیناس (نہ کہ "استشہاد"[2]) کر سکتے ہیں کہ جو اپنی مرویات کی اجازت، جسے چاہتے دیدیتے تھے اور

---

[1] بس فرق یہ ہے کہ عام مصنوعات سے عموماً جسم و قالب کو فائدہ پہنچتا ہے، اور تصنیف سے قلب و دماغ کو، پھر عقل کے توسط سے بعض شکلوں میں جسم کو بھی فائدہ پہنچتا یا پہنچ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی مصنوع شے فروخت کر دے تو جسطرح ہر فروخت شدہ شے کا حکم ہے کہ اسکی ملکیت سے نکل جاتی ہے، اسی طرح مصنف کا اصل نسخہ بھی، اگر اسنے فروخت کر دیا تو وہ خریدنے والے کی ملکیت میں آجائیگا، مصنّف کی ملکیت سے نکل جائیگا اور خریدار کیلئے بعینہٖ اس نسخہ کا بیچنا جائز ہوگا۔ لیکن اگر مصنّف نے کسی شخص کو صرف طباعت کا اختیار دیا ہے تو اس "اختیار" کے فروخت کا حق اُسے ہوگا یا نہیں،؟ اُس کا جواب آگے آرہا ہے [2] "استشہاد" اور "استیناس" کے درمیان جو فرق ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں (یعنی دلیل نہیں بلکہ ایک ہلکا سہارا، تھوڑی سی مناسبت کی بناپر)

جسے مناسب نہ سمجھتے اُسے منع بھی کر دیتے تھے۔[ص] اور بعض محدثین سے معاوضہ لیکر اجازت دینا بھی منقول ہے۔ (جیسا کہ حارث ابن اسامہ کے بارے میں شاہ عبدالعزیز رحؒ نے "بستان المحدثین"[1] میں نقل کیا ہے) علاوہ ازیں اصول حدیث کی مشہور و معتمد کتاب "مقدمہ ابن الصلاح" میں اجرت لیکر حدیث بیان کرنے والوں کے بارے میں یہ تفصیل مذکور ہے۔

من اخذ على التحديث اجرًا منع ذالك من قبول روايته عند قوم من ائمة الحديث وترخص ابونعيم الفضل بن دكين وعلى بن عبد العزيز المكي واخرون فى اخذ العوض على التحديث، وذالك شبيهٌ بأخذ الأجرة على تعليم القرآن ونحوه غير أن فى هذا من حيث العرف خرما للمروة، والظن يساء بفاعله إلا أن يقترن ذلك بعذر ينفي ذالك عنه كمثل ... ما ذكر أن ابا الحسين بن النقور فعل ذالك لان الشيخ ابا اسحق الشيرازي أفتاه بجواز اخذ الاجرة على التحديث[2]

حدیث سنانے اور اس کی روایت و اجازت پر جو شخص اجرت لے اس کی روایت کے قبول کرنے نہ کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ و محدثین منع کرتے ہیں اور بعض اجازت دیتے ہیں اجازت دینے والوں میں ابونعیم، علی بن عبدالعزیز مکی اور دیگر بعض محدثین شامل ہیں، جو حدیث سنانے پر اجرت کو جائز کہتے ہیں اور اسے تعلیم قرآن کی اجرت کے مشابہ سمجھتے ہیں لیکن حدیث سنانے پر اجرت لینے کو (یہ حضرات بھی) بلند اخلاقی کے خلاف سمجھتے ہیں اور ایسے شخص کے بارے میں حسن ظن کی گنجائش کم خیال کرتے ہیں۔ ہاں اس پر اجرت اگر کسی عذر کی وجہ سے لی جائے تو مضائقہ نہیں، شیخ ابو اسحٰق شیرازی نے اُس کے جواز

---

[1] بستان المحدثین ص ۳۵ از شاہ عبدالعزیز دہلوی (حبیب پرنٹر، باہتمام محمد منیر طبع شدہ) [2] مقدمہ ابن الصلاح ص ۵۶ مطبع قیمہ بمبئی ۱۳۵۷ھ، [ص] لیکن اگر اجازت کے بغیر بھی کوئی استفادہ (یا روایت کرتا ہے تو علماء کے نزدیک یہ استفادہ (و روایت) کرنا بھی درست ہوگا، البتہ نامناسب یا ناپسندیدہ ہوگا۔ (یہ بحث اصول حدیث کی اہم کتابوں میں ملتی ہے، خصوصاً "مقدمہ ابن الصلاح" کی النوع الرابع کے آخری حصہ میں)

؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ کا فتویٰ دیا ہے، (مجبوری یا عذر کی صورت میں
؛ ؛ ؛ ؛ ؛ اجرت لینے پر)۔

ان صراحتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس پر معاوضہ اور اجرت لینے کے جواز کی تو بہت سے علماء کے نزدیک گنجائش ہے۔ لیکن اُسے (معاوضہ لینے کو) عموماً ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے تصنیف سے فائدہ اٹھانے کی کی ایک دوسری شکل (بلکہ پائیدار شکل) اس کی نقل حاصل کرلینا ہے۔ لہذا اُسے بھی مصنّف کی اجازت پر موقوف ہونا چاہیئے اور موجودہ زمانے میں نقل ہی کی گویا ایک ترقی یافتہ شکل طباعت ہے، اس بناء پر طباعت کی اجازت دینے کا حق بھی مصنّف ہی کو پہنچتا ہے۔ یعنی جس شخص کو مصنّف طباعت کی اجازت دے گا وہ گویا مصنّف کا نمائندہ ہوگا۔ اور اسی کے توسط سے اجازت لیکر قارئین و مستفیدین تصنیف سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور اس بات کا حق بھی صرف مصنّف ہی کو ہے کہ وہ ان مطبوعہ نقلوں (یعنی کتاب کے مطبوعہ نسخوں) کی تعداد بھی متعین کرے۔ کیونکہ تعداد متعین کرنا، اتنے افراد کو استفادہ کی اجازت دینے کے قائم مقام ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

البتہ ان مطبوعہ کتابوں (نقلوں) کی قیمت مقرر کرنا اور ان کی قیمت لینا طابع کا حق ہوگا۔ کیوں کہ یہ نقول (کتابیں) وہی خود، یا اپنے نمائندوں کے ذریعہ فراہم کرتا ہے اور وہ نقول (کتابیں) بذاتِ خود "مالِ متقوم"[1] ہیں جن کا مالک بالعموم طابع و ناشر ہوتا ہے، تو جیسا کہ ہر مالک کو اپنی مملوک شے پر تصرّف کا حق ہوتا ہے ویسے ہی ان مطبوعہ نسخوں (کتابوں) پر ان کے مالک کا حق بیع ہوگا۔

مذکورہ بالا تفصیل کو سامنے رکھ کر اگرچہ یہ کہا جانا تو شرعاً درست نظر آتا ہے کہ مصنف کو اپنی تصنیف پر مستفیدین سے بالواسطہ اور بلاواسطہ معاوضہ لینے کا فی الجملہ حق حاصل ہے البتہ یہ بات قابلِ بحث رہ جاتی ہے کہ معاوضہ دینے کا ہمارے ملک میں جو مروّجہ طریقہ ہے کہ ناشر ہر اڈیشن پر مصنّف کو مطبوعہ نسخوں یا کتابوں کی "قدر و قیمت" کے لحاظ سے اپنی صوابدید

---

[1] یعنی ایسا مال جس پر شرعاً معاوضہ ملتا ہے۔

کے مطابق عموماً معاوضہ دیتا ہے۔ تو اس طریقہ سے معاوضہ لینے کا معاہدہ جائز ہے یا نہیں؟
مروّجہ شکل میں عموماً پہلے سے نہ تو معاوضہ کی مقدار ہی متعین ہوتی ہے۔ اور نہ ادائیگی کی مدت بلکہ بعض اوقات سرے سے کوئی اصول ہی طے نہیں ہوتا۔ بس مصنف یا تصنیف کی مقبولیت یعنی "مانگ" پر اس کے عوض کی مقدار کو موقوف رکھا جاتا ہے۔ اس آخری صورت میں، نہ صرف یہ کہ معاوضہ کی مقدار مجہول ہوتی ہے۔ بلکہ اس کا ملنا بھی یقینی نہیں ہوتا۔ اسطرح یہ صورت ان شکلوں میں شامل ہو جاتی ہے۔ جسے "غَرَر" کہا جاتا ہے۔ اور بیع غرر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، یہ حدیث مستند احادیث کی اکثر کتابوں میں ملتی ہے۔ یہاں ہم صحیح مسلم (ج ۲ ص ۲) سے الفاظ حدیث نقل کر رہے ہیں؟۔

نھیٰ رَسُولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم عَن بَیْعِ الغَرَرِ" (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے مشہور شافعی عالم امام نووی رح فرماتے ہیں[1]۔

اما النھی عن بیع الغرر فھو أصل عظیم من اصول کتاب البیع ولھذا قدّمہ مسلم ویدخل فیہ مسائل کثیرۃ غیر منحصرۃ کبیع المعدوم والمجھول ومالا یقدر علی تسلیمہ ومالم یتملك البائع علیہ ونظائر ذلك، فکل ھذا بیعہ باطل لأنہ غرر الخ۔

بیع غرر سے ممانعت والی حدیث خرید فروخت اور معاملات کے بارے میں ایک عظیم بنیاد فراہم کرتی ہے اور اس کے تحت بہت سے مسائل آتے ہیں مثلاً معدوم اور مجہول اشیاء کی بیع اور ایسی چیزوں کی بیع کہ جن کے سپرد کرنے پر بائع قادر نہ ہو، اور یا جن کا وہ مالک نہ ہو اور اس جیسے دیگر بہت سے معاملات، جو سب کے سب ناجائز ہیں کیونکہ غرر کا مصداق ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

---

[1] صحیح مسلم مع الشرح للنووی ج ۲ ص ۲ (مکتبہ رشیدیہ دہلی)

تصنیف سے فائدہ اٹھانے پر معاوضہ لینا

خلاصہ یہ کہ اس طور پر اگر معاوضہ لینے دینے کا معاہدہ ہو جاتا ہے کہ اس میں نہ معاوضہ مجہول رہے اور نہ مدت ادائیگی غیر متعین ہو (نیز اس کے علاوہ اور بھی کوئی ایسی شرط یا کوئی ایسا نقص نہ ہو جو شریعت کے مسلّمہ معاملاتی اصول کے خلاف ہو) تو جائز ہے یا اُسے جائز کہنے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس میں بھی معاوضہ لینا اسی صورت میں درست ہوگا۔ جبکہ یہ تصنیف ایسے مضامین پر مشتمل نہ ہو۔ جن کا تحریری طور پر ظاہر کرنا مصنّف پر شرعاً واجب تھا۔

حق تصنیف میں وراثت

اوپر کی تفصیل سے چونکہ یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ تصنیف[ع] مصنوع کی طرح ایک مستقل وجود رکھنے والی متقوم شے ہے۔ محض حق (حق غیر متاکد) نہیں ہے اس لئے نفس اس تصنیف میں وراثت کا جاری ہونا تو اصولاً صحیح ہونا ہی چاہئے۔ اسی طرح اس پر جو مالی معاوضہ مصنّف کو اس کی حیات میں مل چکا ہے اگر وہ موجود ہے تو اس میں بھی وراثت کا جاری ہونا ظاہر ہی ہے کہ صحیح ہوگا۔ نیز مصنّف کے اپنے کئے ہوئے معاہدہ یا معاملہ کے نتیجہ میں اس کی وفات کے بعد جو معاوضہ ملے گا اس میں وراثت جاری ہونا بھی کچھ فقہی نظیروں اور بعض اصول شرعیہ کی بنا پر درست نظر آتا ہے۔ مثلاً فقہ حنفی کی مشہور کتاب ردّ المحتار شرح درمختار میں ایک یہ اصولی جزئیہ بھی ملتا ہے۔

"والحق المتأکد یورث" [۱] اور اسی اصول کی بنا پر کہا گیا ہے:۔ حظ الامام ای المرتب له من الوقف۔ لومات یورث عنه [۲] (شامی ج ۴ ص ۱۳)

[ع] اس جگہ تصنیف سے مراد مصنف کا وہ مسودہ (یا کاغذی پیرہن) ہے جس کی فی نفسہٖ مالیت ہے (اس کے صرف معانی و مضامین نہیں)

[۱] ترجمہ:۔ متاکد حق میں وراثت جاری ہوتی ہے،

[۲] یعنی امام (حکمراں) کیلئے وقف کی طرف سے مقررہ حصہ میں امام کی وفات کے بعد وراثت جاری ہوگی۔

حق طباعت اور حق وراثت کا فروخت کرنا

لیکن جس طرح حق وراثت کا بیچنا شرعاً جائز نہیں اسی طرح مصنف کے کسی وارث کو تصنیف کے معاوضہ کی وراثت کے حق کو فروخت کرنا یعنی اس پر نئے معاہدہ کے ذریعہ معاوضہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ حق وراثت کی بنا پر جب تک کوئی حقیقی شے (عین) حاصل نہ ہوجائے اس وقت تک وہ بس ایک ایسا حق ہے جس کی (یعنی مجرد حق ارث) کی نہ بیع ہوسکتی ہے نہ شراء، البتہ اگر وہ تصنیف بعینہٖ موجود ہو (جیساکہ اوپر مذکور ہوا) اور اُسے مصنف نے معاوضہ لیکر فروخت نہ کردیا ہو، تو چونکہ وہ حقیقی شے (عینی ہے) لہٰذا بعینہٖ اس میں (اور اس کی قیمت میں بھی) وراثت جاری ہوسکتی ہے (یعنی اصل نسخہ کی قیمت میں) یہیں سے اس مسئلہ کا جواب بھی نکل آتا ہے کہ محض طابع یا ناشر کیلئے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ مصنف کی طرف سے ملی ہوئی طباعت کی اجازت کو "متقوم شے" (قابل عوض) سمجھ کر اس کی خرید و فروخت کرنے لگے، اس لئے کہ ایسی اجازت (یا اجازت کی بنیاد پر ملا ہوا حق) شرعاً متقوم نہیں ہے۔ یعنی ایسی چیز نہیں ہے کہ اس پر مالی معاوضہ لینا درست ہو۔ جس کی کچھ تفصیل آگے ذکر کی جارہی ہے۔

حق طباعت کی فروخت پر مزید گفتگو

صرف "حق" کی بیع کی ممانعت کا پتہ اس حدیث سے بھی... چلتا ہے۔ جس میں "ولاء"[۱] کی بیع سے ممانعت کی گئی ہے۔ (جیساکہ صحیح مسلم ج ۱ ص۴۹۵ میں ہے)

اِنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیٰ عن بیع الولاء وعن ھبتہٖ (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے "ولاء" کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع کیا ہے)۔ حالانکہ حق "ولاء" مذکورہ حق جیسا ضعیف حق نہیں بلکہ وہ حق متاکد کے قبیل کا ہے۔ اس لئے حق ولاء میں وراثت جاری ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بیع نہیں ہوسکتی؛

علاوہ ازیں یہ کہ طابع یا ناشر اگر کسی دوسرے کو طباعت یا اشاعت کی اجازت دے

---

[۱] آزاد کردہ غلام کا حق وراثت جو عموماً اس کے آزاد کرنے والے کا ہوتا ہے "ولاء" کہلاتا ہے

معاوضہ لے گا، تو اس پر "بیع مالیس عندہٗ" بھی اپنے عموم کے لحاظ سے صادق آئیگا، جس کی ممانعت صریح وصحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ مثلاً سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳۹ و جامع ترمذی ج ا ص ۱۶۸) وغیرہ میں اس مفہوم کی متعدد احادیث موجود ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "لا تبع مالیس عندك" (تمہارے پاس جو چیز نہ ہو اس کی بیع مت کرو) اور لا یحل سلف وبیع ولا بیع ما لیس عندك" (جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کی بیع حلال نہیں ہے) اوّل الذکر روایت کو ترمذی نے "حسن" اور ثانی الذکر کو "حسن صحیح" کہا ہے لہ

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر کوئی طابع کسی دوسرے طابع سے کچھ نقد رقم لے کر اُسے طباعت کی اجازت دیتا ہے تو پہلا طابع وہ رقم۔ گویا۔ اس نقد رقم کے مقابلہ میں لیتا ہے جو اس نے (طابع اوّل نے) مصنّف کو دی تھی، اسی طرح گویا نقد رقم کا تقابل نقد رقم سے ہوگا، (جو عموماً کم وبیش ہوتی، نیز اموال ربویہ میں سے ہوتی ہے) اس طرح "ربوا" کا تحقق یا کم سے کم "ربوٰ" کے شبہ کا تحقق ہوگا، جس کی ممانعت بھی منصوص ہے۔ اور اسی شبہ کی بنا پر غلہ (خریدنے والے کیلئے اس) کی بیع قبل القبض جائز نہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے۔

"من ابتاع طعامًا فلا یبعہ حتی یقبضہ قال ابن عباس واحسب کل شیئ بمنزلۃ الطعام، (صحیح مسلم ج ۲ ص ۵) یعنی غلّہ خرید کر اس پر قبضہ کرنے سے قبل دوبارہ ہرگز نہ بیچا جائے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس بارے میں ہر چیز کا حکم غلّہ جیسا ہی ہے)۔ اس ممانعت کی وجہ جب راوی حدیث حضرت ابن عباسؓ سے پوچھی گئی تو آپؓ نے فرمایا:۔

ألا تراهم يتباعون بالذهب والطعام مرجأ ؑ کلہ (کیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ

مہ غیر موجود چیز کی بیع۔ لہ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۹ و ترمذی ج ا ص ۱۶۸۔ کلہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۵)

عام طور پر لوگ غلّہ سونے کے عوض خریدتے ہیں، اور غلّہ کی وصولیابی بعد میں) اس وجہ کا حاصل وہی ہے جو اوپر گذر چکا۔ چنانچہ شارح حدیث ملّا علی قاری بھی "مرقاۃ" میں یہی فرماتے ہیں

معنی الحدیث أن یشتری من إنسان طعامًا بدینار إلیٰ أجل ثم یبیعہ منہ أو من غیرہ قبل أن یقبضہ بدینارین مثلا فلا یجوز لأنہ فی التقدیر بیع ذھب بذھب والطعام غائب فکأنہ باعہ دینارہ الذی اشتریٰ بہ الطعام بدینارین فھو ربوٰا [1]	حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص سے مثلاً غلّہ (کی مقررہ مقدار) ایک دینار سونے کے بدلے خریدے اور غلّہ کی وصولیابی کرے بغیر، خریدار پھر کسی تیسرے شخص کے یا پہلے ہی شخص کے ہاتھ دو دینار سونے کے بدلہ میں وہی غلّہ فروخت کر دے تو یہ شکل جائز نہیں کیونکہ یہ ایسا ہی ہو گیا کہ گویا جیسے کوئی شخص ایک دینار (سونے کا سکّہ) دو دینار کے بدلہ فروخت کرے (ظاہر ہے کہ یہ بات متفقہ طور پر حرام ہے چونکہ یہ ربوٰا ہے)

مزید برآں یہ کہ حقوق کی بیع کی ممانعت کے بارے میں سب سے قوی اور واضح دلیل وہ روایت ہے جو صحیح مسلم اور مؤطا امام مالک ص۲۶۴ وغیرہ میں جزوی فرق کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے مروی ملتی ہے صحیح مسلم ج ۲ ص۵ میں اس طرح ہے۔

"عن أبی ھریرۃ أنہ قال لمروان احللت بیع الربوا فقال مروان ما فعلت فقال ابوھریرۃ احللت بیع الصکاک وقد نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الطعام	حضرت ابوہریرۃؓ نے مروان (حاکم وقت) سے کہا کہ تو نے سودی لین دین کو جائز قرار دے رکھا ہے مروان نے کہا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کیا۔ اس پر حضرت ابوہریرۃؓ نے مروان سے کہا تو نے "صکاک" کی بیع کی اجازت دے رکھی ہے

[1] بحوالۂ حاشیۂ ابوداؤد ج ۱ ص۱۳۰۔ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور۔

حتی یستوفی فخطب مروان الناس فنهیٰ عن بیعها، قال سلیمان فنظرت الی حرس یأخذ منها من أیدی المسلمین۔"

اس پر مروان نے خطبہ دیا (یعنی زبانی اور بعض نقش جاری کیا) کہ "صکاک" کی بیع ممنوع قرار دی گئی ہے (اسکے بعد راوی کہتے ہیں کہ) اس حکم کی ایسی پابندی کرائی گئی کہ اگر حکومت کے سپاہی کسی کو "صک" فروخت کرتے دیکھتے تو اس سے چھین لیتے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اس کی شرح میں علامہ نووی رقمطراز ہیں :۔

الصکاک جمع صك ۔۔۔۔ والمراد ههنا الورقة التی تخرج من ولی الأمر بالرزق لمستحقه بأن یکتب فیها للانسان کذا کذا من طعام اوغیرہ فیبیع صاحبها ذٰلك للإنسان قبل ان یقبضه [1]

"صکاک" صک کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد وہ کاغذ (یعنی سند، یا دستاویز) ہے جو حکمراں کی طرف سے تنخواہ کے مستحقین کو دی جاتی تھی اور اس میں اس تنخواہ کی مقدار لکھی ہوئی ہوتی تھی (غلّہ کی مقدار) چنانچہ وہ سند دکھا کر تنخواہ (غلّہ) وصول کی جاتی تھی، بعض لوگ اس سند ہی کو غلّہ وصول کرنے سے پہلے بیچ دیتے تھے (انگریزی پھر اردو میں لفظ "چیک" غالباً صک ہی کی عجمی شکل ہے)

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اس روایت کی بنا پر امام ابوحنیفہ وغیرہ تو "صکاک" کی بیع کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں (اور "صکاک" کی بیع کے معنی حقوق کی بیع کے ہوئے) لیکن امام مالکؒ اور امام شافعیؒ صکاک کی بیع مالک اوّل کیلئے تو جائز کہتے ہیں۔ البتہ مالک ثانی و ثالث کیلئے یہ حضرات بھی ناجائز ہی کہتے ہیں۔ یہ تفصیل تمام شروح حدیث (مثلاً مسلم کی شرح نووی اور اوجز المسالک شرح مؤطا ج ۵) میں ملتی ہے، اس تادیل سے بھی جو امام مالک وغیرہ نے کی ہے معاوضہ لینے کی گنجائش زیادہ

---

[1] مسلم مع الشرح ج ۲ ص ۶

[library stamp]

سے زیادہ مصنف کیلئے نکل سکتی ہے، طابع یا ناشر کیلئے نہیں نکل سکتی (کیونکہ طابع کی حیثیت تو بہرحال مالک ثانی ہی کی ہوگی، مالک اوّل کے بمنزل اگر کوئی ہو سکتا ہے تو مصنف ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی نہیں)

زمانۂ حاضر کے بعد ہندوستانی علمار نے حق طباعت کے جواز پر فقہ حنفی کے مشہور مسئلہ "النزول عن الوظائف بمال"[1] یعنی نقد مال لے کر وظیفہ کے (آئندہ کے) استحقاق سے دست بردار ہوجانا) کے جواز کے بارے میں بعض فقہار کی رائے سے استدلال کیا ہے۔ لیکن اس سے استدلال کرنا ضعیف بنیاد پر عمارت کھڑی کرنے کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ اوّلاً تو یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے۔ اور اکثر فقہار کا رجحان عدم جواز ہی کی جانب ہے۔ دوسرے یہ کہ وظیفہ کے حق سے دست برداری کے عوض مال لینے اور طباعت کے حق (اگر اسے حق کہنا درست ہو) کے عوض مال لینے میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ وظیفہ ایسی چیز ہوتی ہے کہ جس پر "چک" مل جانے کے بعد اگرچہ مستحق کی ابھی پوری ملکیت قائم نہیں ہوتی تھی۔ لیکن استحقاق مؤکد ہو چکا ہوتا تھا بلکہ جن فقہار نے جواز کا رجحان ظاہر کیا ہے ان کے کلام میں غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جواز اس وقت ہے جب کہ مستحق کا حصہ مقرر ہو کر منتظم کے پاس آچکا ہو۔ گویا اس پر مستحق کا صرف قبضہ کرنا رہ گیا ہو، باقی تمام مراحل طے اور مکمل ہو چکے ہوں، اس کے علاوہ حق وظیفہ اور حق طباعت میں ایک اور ایسا بنیادی فرق بھی ہے جس کی موجودگی میں ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، وہ فرق یہ ہے کہ حق وظائف میں وظیفہ کی مقدار متعین ہوتی ہے۔ اور اس کا ملنا یقینی ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف (یہاں پر حق طباعت کے بارے میں جو طریقہ رائج ہے اسی کے مطابق) اس میں مالی منفعت کا حاصل ہونا نہ متیقن ہوتا ہے اور نہ متعین، اس لئے اس کی بیع "بیع غرر" کے حکم میں آجائے گی، جس کی ممانعت صریح حدیث میں آئی ہے (وہ حدیث اوپر گذر چکی ہے) بلکہ کبھی تو طباعت کے بعد خسارہ اور بعض مرتبہ شدید

---

[1] اس کی تفصیل شامی ج ۵ ص۱۵ اور اتحاف الابصار ص۲۳۷ میں دیکھئے ۔ عہ صفحہ ۲۹ پر دیکھے

خسارہ ہوجاتا ہے۔ (اور جب شریعت کی طرف سے یہ اصول مقرر ہے کہ "اعیان موجودہ بھی اگر مجہول ہو یا محل خطر میں ہوں تو ان کی بیع "غرر" کا مصداق ہونے کے باعث درست نہیں ہوتی" تو حقوق غیر متعینہ غیر متأکدہ جیساکہ وہ محل خطر میں بھی ہوں تو ان کی بیع کیوں درست ہوسکتی ہے؟[۱]

کچھ علماء نے "النزول عن الوظائف بمال" والے مسئلہ کے جواز کی "دلیل" کے طور پر حضرت امام حسن رضؓ (سبط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی خلافت سے دست برداری کے بعد ان کے وظیفہ قبول کر لینے کو پیش کیا ہے، لیکن یہ استدلال ایسا ہے۔ جس پر کسی تبصرہ کی ضرورت اہل علم کے سامنے نہیں، کیونکہ جیساکہ تمام باخبر جانتے ہیں امام عالی مقام کا وظیفہ قبول کرنا محض خلافت سے دست برداری کے عوض میں نہیں تھا۔ بلکہ اس کے اور بھی مصالح واسباب تھے۔ پھر دربار خلافت سے وظیفہ تنہا انہی کو تو نہیں ملتا تھا اُن کے علاوہ بھی مقدار کے فرق کے ساتھ بکثرت ممتاز صحابہ اور تابعین کو اس زمانہ میں ملتا رہا ہے۔ اس بنا پر بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ امام موصوف کے وظیفہ کو اگر کسی نے پہلے بھی خلافت سے دست برداری کا عوض کہا ہے تو وہ صرف طریق تعبیر ہے، نہ کہ حقیقت کا اظہار۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے (احادیث نبوی نیز شریعت کے مسلمہ اصول اور مختلف و متعدد فقہی نظائر کی روشنی میں) کہ محض حق طباعت کے عوض مال لینے کی گنجائش نظر نہیں آتی، کیوں کہ اس حق کی حیثیت بس ایک اجازت کی ہے جس سے مصنف کی طرف سے مستفیدین کو۔ تصنیف کی نقلیں فراہم کرنے کی صورت میں۔ استفادہ کی اجازت دینے کا اُسے حق حاصل ہوا ہے (اور نقلیں مہیا کرنے کی بنا پر وہ کچھ ملی منفعت کا بھی مستحق ہوسکتا ہے)۔ البتہ مصنف کو اس کی تصنیف کا عوض ملنا متعدد شرطوں کے ساتھ جائز معلوم ہوتا ہے، جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ بلکہ خاصی تفصیل پیش کی جا چکی ہے

---

[۱] راقم سطور (۱۸ دسمبر ۱۹۶۲ء کو) اخبار الجمعیۃ دہلی کے ذریعہ اس "دلیل" پر نقد کر کے شائع کرچکا ہے اور مسئلہ پر تفصیلی و سیر حاصل کلام بھی۔ اسی بحث کا خلاصہ یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس زمانہ میں اخبار الجمعیۃ کے صفحات پر یہ بحث خاصی مدت تک چلتی رہی تھی جس کے محرک ممتاز عالم اور سابق ناظم جمعیۃ العلماء مولانا محمد میاں رحؒ تھے۔

خلاصۂ بحث

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ مصنف کو اپنی تصنیف پر، کتاب کے لکھنے کے بعد وہ جس شکل میں بھی ہو اس پر معاوضہ لینے کی شرعاً گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (بشرطیکہ وہ کتاب یا تصنیف ایسے مضامین پر مشتمل نہ ہو جن کا بیان کرنا تحریراً مصنف پر واجب ہو۔) مصنف اگر بعینہٖ وہ کتاب کسی شخص کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ تب تو اس کی قیمت یا عوض لینے کا جواز ظاہر ہی ہے۔ کیونکہ وہ ایک مستقل وجود رکھنے والی نافع اور مباح الاستعمال شے (مال متقوم) ہے لیکن اگر مصنف اصل کتاب کو (مجموعۂ اوراق کی شکل میں) فروخت نہیں کرتا بلکہ اس کتاب سے استفادہ کا معاوضہ لیتا ہے تو یہ شکل بھی جائز معلوم ہوتی ہے (شروع میں ذکر کئے گئے بعض محدثین کے معمول کی بنیاد پر) جتنے لوگوں کو استفادہ کی اجازت چاہے دے سکتا ہے اس میں وہ مختار ہے کسی ناشر کو طباعت کی اجازت دینا گویا لوگوں کو ناشر کے واسطے سے اس کتاب سے استفادہ کی اجازت دینا ہے اس لئے کتاب کی اشاعت کی تعداد مقرر کرنے کا بھی مصنف ہی کو اختیار ہوگا۔ یہ اجازت یافتہ شخص طابع یا ناشر مستفیدین اور مصنف کے درمیان بمنزل واسطہ کے ہوگا جس طرح یہ واسطہ مصنف اور کتاب سے فائدہ اٹھانے والوں کے درمیان کتاب پہونچانے کیلئے ہے۔ اسی طرح یہ شخص (طابع یا ناشر) فائدہ اٹھانے والوں سے معاوضہ لے کر اُسے مصنف تک پہونچانے کیلئے بھی واسطہ ہے۔ اوپر یہ بیان ہوچکا ہے کہ مصنف کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی تصنیف سے فائدہ اٹھانے والے ہر شخص سے معاوضہ لے سکتا ہے۔ آج کل اس کی ایک امکانی اور عملی شکل یہی ہے کہ تصنیف کی نقل (یعنی مطبوعہ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت ایسی چیز جائز ہوتی ہے جو واقعۃً موجود اور متعین ہو، اور جس کا سپرد کرنا بائع کے اختیار وقدرت میں ہو ورنہ بیع درست نہ ہوگی اس لئے جانور کے تھن کے اندر دودھ یا مچھلی تالاب کے اندر ہو تو اسکی خرید فروخت جائز نہیں،

کتاب) حاصل کرنے والے ہر شخص سے معاوضہ لے جس کے وصول کرنے کیلئے ناشر مصنف کی طرف سے بمنزل وکیل کے ہوگا۔ اور کتاب کی نقل (مطبوعہ نسخہ) فراہم کرنے کی بنا پر یہ ناشر بھی اس بات کا مستحق ہوا کہ وہ بھی اپنے اس عمل کا معاوضہ لے سکے بشرطیکہ اس کی مقدار متعین ہو۔ پھر وہ مطبوعہ نسخے چونکہ عموماً ناشر ہی کی ملکیت ہوتے ہیں (اور جو بذات خود بھی، مال متقوم ہیں) اس لئے ان کی قیمت مقرر کرنے کا اختیار ناشر کو ہوگا۔ مصنف کو نہیں۔ البتہ مصنف کو استفادہ کا عوض مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔ اسی بنیاد پر ہر مطبوعہ نسخے کی فروخت پر وہ (یعنی مصنف) کچھ عوض مقرر کر سکتا ہے۔ اس لئے مجاز ناشر سے براہِ راست یا بالواسطہ کتاب خریدنا گویا استفادہ کی اجازت بھی مل جانے کے برابر ہوگا۔ حاصل یہ کہ مطبوعہ نسخوں کی قیمت مقرر کرنا اور وصول کرنا تو طابع و ناشر کا حق ہوگا۔ اور استفادہ کا عوض مقرر کرنا مصنف کا حق، اگر مصنف نے استفادہ کے لئے کوئی عوض مقرر کرکے اسے وصول کرنے کا ذمہ دار طابع کو بنا دیا ہے تو مقررہ عوض ہر مستفید شخص سے لیکر یہ طابع و ناشر مصنف تک پہونچانے کا ازروئے معاہدہ مکلف ہوگا۔ اگر مصنف نے ناشر کو یہ اختیار بھی دیدیا ہو کہ جس کو وہ چاہے بلا عوض بھی استفادہ کی اجازت دے سکتا ہے۔ تو یہ ناشر مصنف کو عوض دئے بغیر بھی کتابیں کسی کو بلاقیمت یا بالقیمت) دے سکتا ہے، اگر مصنف نے بلاعوض استفادہ کیلئے کوئی حد مقرر کر دی ہے تو بس وہ اسی حد کے بقدر عوض کا مستحق نہ ہوگا۔ (بقیہ کتابوں سے استفادہ کے عوض کا مستحق ہوگا۔) لیکن ایک سوال یہاں پھر بھی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ مصنف کی اجازت کے بغیر کسی کے لئے اس کی تصنیف کا چھاپنا اور اس کی (قیمتاً یا بلاقیمت) اشاعت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

راقم سطور کو اس کے عدم جواز کی کوئی دلیل قطعی ابھی تک نہیں مل سکی ہے۔ البتہ اگر مصنف نے قانونِ ملکی کے ذریعہ کتاب رجسٹرڈ کرا کر دوسروں کو (یا مجاز شخص کے علاوہ کسی اور کو) چھاپنے سے منع کر دیا ہو۔ تو ایسی صورت میں اس کا چھاپنا (قانونِ ملکی کی پابندی کرنے والے عام اصولی معاہدہ کی رو سے) شرعاً بھی ممنوع ہو سکتا ہے[۵] کیونکہ "صلحتہً" بعض مواقع پر (جہاں کوئی

اور شرعی قباحت لازم نہ آتی ہو تو) کسی مباح فعل کی ممانعت کا اختیار حکومت وقت کو ہوتا ہے۔ پھر اس ممانعت کی پابندی کرنا معاہدہ قانون ملکی پر عمل کی وجہ سے شرعاً بھی ضروری ہوگا) (بشرطیکہ کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہ کر دیا گیا ہو۔) البتہ اس صورت میں بھی بلا اجازت چھاپ کر فروخت کرنے والے سے ہرجانہ وصول کرنا جائز نہ ہوگا، لیکن قانونِ حکومت کی خلاف ورزی پر حکومت کی طرف سے (غیر مالی) تعزیر کی جا سکتی، یعنی اُسے سزا دی جا سکتی ہے کیونکہ مالی تعزیر (یعنی جرمانہ) راجح قول کی بنا پر اب مشروع نہیں رہی (فتاویٰ رشیدیہ ص۱۹۶ مکتبہ رحیمیہ دیوبند) میں حضرت گنگوہیؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ مصنّف اپنا جو نسخہ طابع۔ یا کسی بھی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ وہ خریدکردہ نسخہ تو خریدار جس قیمت پر چاہے اور جس کے ہاتھ چاہے شرعاً فروخت کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو مصنّف نے صرف طباعت واشاعت کی اجازت دی ہے۔ تو یہ مجاز شخصی (طابع وناشر) اس "اجازت" کو فروخت نہیں کر سکتا۔ یعنی یہ کسی اور کو چھاپنے کی صرف اجازت دینے پر روپیہ (مالی عوض) نہیں لے سکتا، کیونکہ "صرف اجازت" ایسی چیز نہیں ہے جسے شرعاً خرید و فروخت کیا جا سکے۔ واللہ اعلم اتم۔

اہل علم سے مکرر گذارش

جیساکہ شروع میں عرض کیا گیا، یہاں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ فتوے، نہیں بلکہ نئے انداز سے اس مسئلہ کے حل کی ایک طالب علمانہ کوشش ہے۔ کہ جس سے کتاب وسنّت نیز بعض مسلّمہ فقہی اصول ونظائر کی روشنی میں مصنّف کیلئے مالی منفعت کے حصول کا جواز نکلتا اور اس کی سعیٔ بلیغ کے معاوضہ کی شرعاً گنجائش نظر آتی معلوم ہوتی ہے۔ اہل علم سے مکرر درخواست ہے کہ وہ اُسے بغور ملاحظہ فرما کر اپنی گرانقدر عالمانہ رائے سے راقم کو مطلع فرما کر ممنون بنائیں اور مسئلہ کے حل میں مدد دیں۔

عہ جن حضرات نے پیغام نکاح جیسے مسائلِ شرعیہ پر قیاس کر کے کسی دوسرے شخص کو کتاب کی اشاعت سے منع کر دینے کی گنجائش پر استدلال کیا ہے اس کا حاصل بھی زیادہ سے زیادہ یہی نکلتا ہے کہ بلا اجازت چھاپنا ممنوع ہو لیکن خلاف ورزی کی صورت میں مالی جرمانہ کا جواز اس سے نہیں نکلتا کیونکہ پیغام کے بعد دوسرے پیغام دینے پر مالی جرمانہ کو کوئی بھی جائز نہیں کہتا۔

مطالعات وتعلیقات

از ـ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

حسن خلق کی افادیت

سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا کہ میرا باپ مہمان نوازی کرتا تھا، اور رشتہ داروں سے تعلق رکھتا تھا اور وعدہ پورا کرتا تھا ـ اور فلاں فلاں اچھے... کام کرتا تھا، تو کیا یہ چیزیں اُسے نفع دیں گی ؟ آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارا باپ حالتِ کفر میں مرا ہے ؟ سلمان بن عامر نے کہا کہ ہاں، آپ نے فرمایا تب یہ نیکیاں اُسے فائدہ نہیں پہونچا سکتی ہیں، یہ سُن کر سلمان بن عامر چلے گئے ـ پھر آپ نے اُن کو بلاکر فرمایا ـ

اِنَّ ذالک فی ولدہ ـ لن یذلوا، ولن یفتقروا ابداً، ولن یخزوا ابداً،

موضح اوہام الجمع والتفریق ۲۲۲/۱ یعنی یہ بات اس کے لڑکوں کو فائدہ دے گی ـ وہ نہ ذلیل ہوں گے اور نہ کبھی محتاج ہوں گے اور نہ ہی کبھی اُن کو رسوائی ہوگی ـ

بحالتِ کفر وشرک کوئی اچھا کام کیا ہوا آخرت میں کام نہیں آتا ہے، بلکہ دنیا ہی میں اس کا بھگتان کردیا جاتا ہے ـ اسی لئے جب ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے باپ کے ان نیک کاموں سے اُن کو فائدہ ہوگا یا نہیں اور جب معلوم ہوا کہ باپ کفر کی حالت میں مرا ہے ـ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آخرت میں یہ سب نیکیاں کام نہ آئیں گی ـ پھر آپ نے ایک کافر کی نیکیوں کے دنیاوی فوائد وثمرات کو بیان فرمایا کہ اس کی یہ نیکیاں اس کے کام تو نہیں آئیں گی مگر اس کی اولاد کو ان سے فائدہ ہوگا ـ اور وہ ان کی وجہ سے

ذلت درسوائی اور فقر و محتاجی سے محفوظ رہے گی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ کافر کے نیک اعمال کی جزا اس کو دنیا ہی میں دیدی جاتی ہے۔ اور اسی طرح اس کی اولاد کو بھی اس سے دنیاوی فائدہ ہوتا ہے۔

کیا کھویا کیا پایا

عربی ادب و محاضرات میں ایک قصہ ہے کہ ایک اعرابی نے حنین موچی سے ایک جوڑا جوتے کا مول بھاؤ کیا، اور بھاؤ تاؤ میں بہت جھگڑا کرنے پر بھی اس نے نہیں خریدا، جس سے حنین موچی بہت غصہ ہوا اور اس نے اعرابی کے پریشان کرنے کا بدلہ لینے کیلئے یہ ترکیب کی کہ جس راستہ سے وہ گذرنے والا تھا ایک جوتا گرادیا اور کچھ آگے جاکر دوسرا جوتا گرادیا۔ جب اعرابی اپنی اونٹنی پر اس راستے سے گذرا اور ایک جوتا پڑا ہوا دیکھا تو دل میں کہنے لگا کہ یہ جوتا حنین موچی کے جوتے کے مشابہ ہے۔ اگر اس کا جوڑا ہوتا تو میں اُسے ضرور لے لیتا مگر ایک جوتا بیکار ہے۔ یہ سوچ کر اُسے چھوڑ دیا اور آگے بڑھا، جب کچھ اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ دوسرا جوتا بھی راستہ میں پڑا ہوا ہے، اب پہلے جوتا کے چھوڑنے کا افسوس کرتے ہوئے شرمندہ ہوا۔ اور اپنی سواری کو وہیں باندھکر پہلا جوتا لینے کیلئے پیچھے کی طرف چلا گیا، ادھر حنین موچی ایک جگہ چھپا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب اعرابی پہلا جوتا لینے کیلئے چلا گیا۔ تو حنین موچی اس کی سواری لیکر چلتا بنا، اعرابی پہلا جوتا لیکر آیا تو دیکھا کہ دوسرا جوتا پڑا ہے مگر اس کی سواری غائب ہے۔ تلاش بسیار کے بعد مایوس ہوکر اور دونوں جوتے لیکر اپنے گھر واپس چلا گیا۔ تو گھر اور محلہ کے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم سفر سے کیا لے کر آئے ہو؟ اُن کے جواب میں اعرابی نے کہا کہ میں تمہارے پاس حنین موچی کے دو جوتے لے کر آیا ہوں۔ جئتکم بخفی حنین یہ جملہ عربی زبان کا مثل بن گیا اور اُسے ایسے موقع پر بولتے ہیں جب آدمی کسی معمولی چیز کے چکر میں پڑکر اچھی چیز کو گنوا دے۔ اور اپنی حماقت اور بے وقوفی کی وجہ سے ناکام ہوجائے۔ کہاں وہ اعرابی جوتے کے مول بھاؤ میں کمی کرانے کیلئے جھگڑا کررہا تھا کہاں

صرف ایک جوڑے جوتے کی قیمت میں اپنی اونٹنی دیکر گھر آیا، اس طرح بہت سے آدمی اپنا نقصان کر دیتے ہیں، آدمی کو چاہیئے کہ ہر معاملہ میں اس طرح سوچے کہ کیا کھویا کیا پایا۔

حضرت کابس بن ربیعہ شامی

ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد آدم میں سے تھے، جن اور فرشتہ نہیں تھے۔ آپ کی خلقت انسانی شکل وصورت میں تھی۔ اور ناک نقشہ، اور جسم وجسمانیت سب کچھ آدم کی اولاد کی طرح تھا۔ مگر چونکہ آپ نبی ورسول تھے اس لئے تمام انسانوں میں آپ کا مرتبہ اونچا تھا اور چونکہ آپ آخری نبی ورسول تھے اور آپ پر سلسلۂ نبوت ورسالت کی تکمیل ہوگئی ہے، اس لئے آپ مکمل انسان ہونے کے ساتھ ساتھ مکمل نبی ورسول تھے۔ اور اس وصف کی بنا پر آپ تمام اولاد آدم میں سب سے زیادہ افضل واشرف، بزرگ وبرتر اور اعلیٰ وبالا ہیں۔ آپ جیسا کوئی انسان نہ ہوا ہے۔ نہ ہوگا آپ سب سے جدا، سب سے بزرگ اور سب سے اعلیٰ وارفع ہیں۔ اس کے باوجود چونکہ آپ انسان ہیں اس لئے ظاہری جسمانیت میں دوسرے انسانوں کے مشابہ ہیں، ہاتھ، پیر، ناک، آنکھ آپ کی بھی اسی طرح کی تھی جس طرح اور بنی آدم کی ہوتی ہے بلکہ ظاہری جسمانیت میں آپ کے زمانہ میں اور بعد میں کئی خوش نصیب حضرات آپ کی شکل وصورت سے ظاہری مشابہت رکھتے تھے۔ اور مسلمان اس ظاہری شباہت کی وجہ سے ایسے حضرات سے محبت رکھکر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ثبوت دیتے تھے مشہور مؤرخ علامہ محمد بن حبیب بغدادی نے اپنی کتاب " المنمق " میں ایک عنوان قائم کیا ہے۔ المشتبہون برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قریش ۔ یعنی ان لوگوں کا ذکر جو قبیلہ قریش میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ پھر اس باب میں کچھ حضرات کا تذکرہ کرکے قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو سامہ کے ایک بزرگ حضرت کابس بن ربیعہ بن مالک سامی رحمہ اللہ

کا حال لکھا ہے اور بتایا ہے کہ یہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو حضرات صحابہ کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ یہ بزرگ بصرہ میں رہتے تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے۔ اس وقت بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر بن کریز تھے۔ انھوں نے حضرت معاویہ کے پاس لکھا کہ یہاں بصرہ میں بنو ناجیہ میں سے ایک شخص ہے۔ جو ظاہری شکل وصورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے۔ حضرت معاویہ نے اپنے گورنر کو لکھا کہ اس شخص کو ہمارے پاس بھیجا جائے۔ چنانچہ حضرت کابس بن ربیعہ بن مالک سامی بصرہ سے شام آئے۔ فلمّا قدم علی معاویہ ورآہ معاویۃ مقبلاً قام عن سریرہ وقبّل بین عینیہ۔ یعنی حضرت معاویہؓ ان کو آتا دیکھ کر اپنے تخت سے اٹھے اور بڑھکر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، پھر ان سے کہا کہ آپ کس قبیلہ کے گوہر شب چراغ ہیں۔ حضرت کابس نے فرمایا کہ میں سامہ بن لوئی کی اولاد سے ہوں، اس پر حضرت معاویہ نے اظہار تعجب کرتے ہوئے کہا کہ معلوم نہیں ہمارے گورنر نے کیسے لکھ دیا کہ آپ بنو ناجیہ سے ہیں۔ حضرت کابس نے جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم ناجیہ نے مجھے جنم نہیں دیا ہے۔ مگر مجھے لوگ اس کی طرف خواہ مخواہ منسوب کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے احترام وتکریم کے طور پر حضرت معاویہ نے نہر مرغاب جاگیر میں دی جو بصرہ سے تین فرسنگ دور نہر معقل سے نکلی ہوئی ہے۔ (کتاب المنمق ص۵۳ طبع حیدرآباد)

ظاہری شکل وصورت میں مشابہت کوئی اعجوبہ نہیں ہے۔ ایسا ہوتا رہتا ہے جب تمام اولاد آدم ایک ہی احسن تقویم میں بنائی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں یکسانیت رکھی ہے انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت وصنعت کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے۔ اور تمام انسان ایک شکل وصورت ہونے کے باوجود دو آدمی بالکل ایک ہی یوں معلوم نہیں ہوسکتے کہ ان دونوں میں فرق نہ کیا جاسکے۔ بلکہ ایک طرح ہونے کے باوجود دونوں میں یکسانیت نہیں ہوگی۔

حضرت کابس بن ربیعہ بن مالک سامی صرف ظاہری شکل وصورت میں ہمارے رسول سے

تھوڑی بہت مشابہت رکھتے تھے! اسی طرح کئی اور قریش افراد آپ کے مشابہ تھے جن میں حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت کابس بن ربیعہ سامی کے خاندان کے ایک صاحب محمد بن قاسم سامی نے ملتان میں سامی حکومت قائم کی اور اس خاندان کے ایک غلام فضل بن ماہان نے بمبئی کے قریب سنجان میں دولت ماہانیہ قائم کی، اس طرح بنو سامہ کا ہندوستان سے صدیوں بڑا گہرا تعلق رہا ہے۔

عادی شرابیوں کی بکواس

ظلم وجہالت کی انتہا نہیں ہوتی۔ اور یہ آگے ہی بڑھنے والی ہے۔ اس کی وہ منزل بہت ہی خطرناک ہوجاتی ہے۔ جہاں انسان پہنچ کر دل کی سیاہی اور دماغ کی تباہی میں یوں پڑجاتا ہے کہ دین وایمان پر کیچڑ اچھالنے لگتا ہے۔ اور اپنی جہالت پر فخر وغرور کرکے واقعات وحقائق میں اپنی گندی رائے اور زہریلے مزاج کو دخیل بناتا ہے۔ مثلاً بعض شراب خور صرف گنہگار ہی نہیں ہوتے بلکہ بغاوت وجسارت پر اتر آتے ہیں اور اس منزل پر آکر وہ دین وایمان میں اپنے گندے دل ودماغ کی کاوشوں کو خرچ کرنے لگتے ہیں۔ اس قسم کے عادی مجرموں میں بعض تو کہتے ہیں کہ قرآن میں شراب کی حرمت کا ذکر ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں صاف صاف یہ نہیں لکھا ہے کہ شراب حرام ہے،، بلکہ صرف ممانعت آئی ہے اور اُسے ناپاک اور شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے ایسے عادی مجرموں کے نزدیک شراب کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں ہوتی۔ گویا یہ لوگ شراب پیتے پیتے فقیہہ ومحدث اور مفسر بلکہ قرآن وحدیث کے اسرار وانداز کے دانائے روزگار بن گئے ہیں اور امت محمدیہ کے تمام علماء، وفقہاء محدثین، مفسرین اور ائمہ دین ان شرابیوں سے کم درجہ کے عالم وفاضل ہیں۔ جن کو شراب کی قطعی حرمت قرآن وحدیث سے معلوم ہوئی۔ گویا اگر ان کو قرآن وحدیث میں یہ صاف طور سے مل جائے تو وہ شراب قطعی ترک کردیں گے۔ حالانکہ انھوں نے

اس کی استعداد کھودی ہے۔ اور وہ توبہ وانابت کے بجائے بغاوت وشرارت پر اُتر آتے ہیں۔ ایسے جاہلوں سے اسی انداز میں خطاب کرنا چاہئے۔ ان کو واقعات و حقائق سے کیا غرض جو دلائل وشواہد کی روشنی میں ان سے بات چیت کی جائے۔

شراب قطعی حرام ہے!

بعض مسلمان نادانی اور سادگی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ شراب حرام ہے مگر دوا وغیرہ کیلئے استعمال کی جا سکتی ہے یہ بھی غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی ہے۔ اور بظاہر اس سے جو شفا معلوم ہوتی ہے وہ شفا نہیں بلکہ ایک وقتی بیماری کی جگہ شراب کئی خبیث بیماریوں کی جگہ بنالیتی ہے یہ بھی غلط ہے کہ تھوڑی شراب جو نشہ نہ کرے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ حرام چیز کا قلیل وکثیر سب حرام ہی ہے۔ پیشاب ایک قطرہ پانی میں گرے یا زیادہ پانی نجس ہو ہی جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

کل مُسکرٍ خمرٌ وکل مُسکرٍ حرامٌ۔ ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے۔

مَا اَسْکَرَ کَثِیرُہٗ فَقَلِیلُہٗ حَرَامٌ۔ جس چیز کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے

ایک اور حدیث میں ہے۔

انھاکم عن قلیل ما اسکر کثیرہ۔ میں تم لوگوں کو اس چیز کے قلیل سے روکتا ہوں۔ جس کا کثیر حصہ نشہ پیدا کرتا ہے۔ لا شفاء فی الحرام۔ حرام چیز میں شفا نہیں ہے۔

شراب کم ہو یا زیادہ اس کا استعمال مسلمانوں کیلئے قطعی حرام ہے۔ اور اس کی حرمت قرآن وحدیث، اجماع امت اور قیاس ہر چیز سے ثابت ہے اس بارے میں مسلمانوں کے کسی مکتب فکر میں اختلاف نہیں ہے، البتہ اگر کسی مہلک بیماری میں جس کا علاج شراب کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ بقدر ضرورت اس کا استعمال جائز ہے۔ اور یہ بات سور کے گوشت

کے لئے بھی ہے کہ جان بچانے کیلئے حرام سمجھتے ہوئے بقدر ضرورت ان کا استعمال ہو سکتا ہے۔ اسلامی احکام پر عمل کرنے میں کوتاہی ہو تو اس پر شرمندہ ہو کر توبہ کی فکر کرنی چاہئے۔ یہ نہیں کہ اپنی حرام کاری اور حرام خوری کی وجہ سے اسلامی احکام ہی میں کلام کرنا شروع کر دیا جائے۔ یہ کفر اور بغاوت کی بات ہے۔ ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ احکام خداوندی پر پورا یقین رکھنا مومن کا فرض ہے۔ عمل میں کوتاہی دوسری بات ہے۔

(بقیہ صفحہ ۴۵ کا) جس بھیانک صورت حال کا پیش خیمہ ہے۔ اس کا اندازہ لگانا کچھ بھی مشکل نہیں اس لئے اس دوسرے مرحلے میں جماعت اسلامی اپنے اصل موقف سے اور دور ہو کر فرقہ واریت کے اور قریب پہونچ گئی۔ امت اسلامیہ کی فرقہ بندی کی طویل تاریخ میں ہر ہر فرقہ کے اساسی محرکات کا مطالعہ بھی یہی بتاتا ہے کہ نیا فرقہ کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جماعت اسلامی کی نئی فرقہ بندی کی رُوداد بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ اگرچہ اسی مرحلے میں جماعت مکمل طور پر فرقہ بندی کے قریب پہونچ گئی تھی۔ مگر ابھی کچھ خفیف گوشے ایسے باقی تھے جن کی بنیاد پر اُس کو فرقہ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خاص کر امت کا سوادِ اعظم جو جماعت سے علیحدہ ہی رہا کے متعلق ابھی تک جماعت نے کوئی رائے ظاہر نہیں کی تھی۔ حالانکہ تمام علماء جماعت کے متعلق سخت تردیدی موقف بھی اپنائے ہوئے تھے۔ اور جماعت میں شریک صفِ اول کے اساطین الگ بھی ہو چکے تھے۔ مگر جماعت کی طرف سے ابھی تک امت کے ۹۸ فیصد اس طبقہ کے متعلق کوئی فیصلہ صادر نہیں ہوا تھا۔ جو جماعت سے گریزاں رہا۔ اس لئے بہر حال جماعت کو بھی کسی فرقہ سے موسوم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ رہی سہی کسر بھی آنے مرحلے میں پوری ہو گئی ــــ
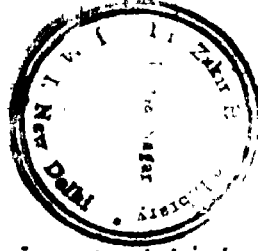
جماعت اسلامی
مقصد سے انحراف اور نتائج

مولوی شمس الاسلام کشمیری دارالعلوم دیوبند

مولانا مودودی مسلسل اپنے ان خیالات کا اظہار کرتے رہے۔ اور جو لوگ بھی اُن کے اس خیال سے متفق ہوتے گئے وہ اپنی بساط کی حد تک اس کا تعاون کرتے رہے۔ چنانچہ مولانا منظور نعمانی کا مشہور رسالہ "الفرقان" بریلی سے نکلتا تھا۔ وہ بھی دارالاسلام کا تعارف اُس کے مقاصد۔ اس کی دعوت اور اس کیلئے عملی تعاون کی اپیل کرنے میں ہمہ تن مصروف تھا۔ بلکہ کبھی کبھی پورا شمارہ صرف دارالاسلام کے موضوع پر ہوتا تھا۔

اس طرح پورے ملک میں اس کا شہرہ ہوا۔ بالآخر سنہ ۱۹۴۱ء میں بمقام لاہور ایک اجتماع بلایا گیا۔ جس میں اپنے تمام متفقین کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ ۷۵ منتخب افراد کا مجمع جمع ہوا۔ اور جماعت کی تشکیل کردی گئی جس کا نام جماعت اسلامی رکھا گیا۔ اور اُس کے پہلے امیر خود مولانا مودودی بنائے گئے۔

اس مرحلے پر غور کیا جاسکتا ہے کہ کن حالات میں جماعت کی تشکیل ہوئی کس طرح کے عزائم اس میں کارفرما تھے۔ اور کن جذبات کے ساتھ لوگ اس سے متفق ہوئے تھے مسلمانانِ ہند کو کس چیز کی ضرورت تھی۔ اور جب یہ جماعت معرض وجود میں آئی تو اس کا رُخ کس طرف

رہا۔ نیز وہ محرکات اور عوامل جو تشکیل جماعت کا سبب بنے۔ پیش نظر رہیں تو ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جماعت کا دستور کیسا ہونا چاہیئے۔ اس میں کون سی روح کام کرنی چاہیئے۔ اور اس کا مرکزی نقطہ کیا ہونا چاہیئے۔ ایسی جماعت کا دستور اجمالی طور پر ہر شخص سوچ سکتا ہے۔ مگر حیرت ہوتی ہے۔ جماعتِ اسلامی کا دستور بنا تو منجملہ اور دفعات کے یہ دفعہ بڑی اہمیت کے ساتھ رکھی گئی۔

رسولِ خدا کے سوا کسی کو معیارِ حق نہ بنائے۔ نہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو اور نہ کسی کو تنقید سے بالاتر سمجھے۔ (دستور جماعتِ اسلامی مطبوعہ دہلی)

یہ پہلا مرحلہ ہے جہاں سے جماعت اسلامی اپنے خطوط سے منحرف ہو گئی۔

ترجمان القرآن کے پہلے ادارئے کے مطابق "سلف صالحین کے طریق پر قرآن سمجھنے اور سمجھانے" کے بجائے اب اُن کے فہم کو ہی ناقابلِ اعتبار قرار دے کر تنقید سے بالاتر نہ ہونے کا دستور بنا۔ درحقیقت دستور کی اس دفعہ میں جو ذہن کام کر رہا ہے وہ وہی ہے جو اس سے پہلے ہی سامنے آگیا تھا۔ مودودی صاحب نے الفرقان جو اس وقت بریلی سے نکلتا تھا۔ کیلئے ایک مقالہ لکھا تھا۔ جو رسالہ کے شاہ ولی اللہ نمبر میں شائع ہوا۔ اور جس میں امت کے پورے تجدیدی کارنامے اور مجددین پر بے مہار قلم چلایا تھا۔ اور اُن پر اس طرح ریمارک کئے گئے تھے جیسے یہ وہ سلف صالحین نہیں بلکہ اپنے ہی دور کے کچھ ایسے اصاغر ہوں۔ جن کے بعض کاموں کو سراہا جائے۔ اور بعض کی برملا تنقیص کی جائے۔ مجموعی طور پر ساری شخصیتیں ہی بے وزن ہو گئیں۔ یہی مقالہ جو الفرقان کیلئے لکھا گیا تھا۔ بعد میں "تجدید و احیاء دین" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ اس مقالہ میں کام کرنے والی ذہنیت دستور پر بھی اثر انداز ہوئی۔ اور جائزہ، احتساب، تنقید بلکہ تنقیص کیلئے جوازی راہ بحال رکھی گئی۔ جماعت کی تاسیس کے بعد مولانا محمد منظور نعمانی نے یہ دستور حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح کی خدمت میں بھیج کر استصواب رائے چاہا تو حضرت

تھانویؒ نے تفصیلی رائے قائم کرنے کیلئے وہ دستور مولانا جمیل احمد تھانوی کو دیا۔ اور خود سرسری نگاہ ڈال کر یہ فرمایا کہ کوئی چیز قابلِ اعتراض اگرچہ نہیں پاتا، مگر دل اس کو قبول نہیں کرتا۔ چند دن کے تفصیلی جائزے کے بعد مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی نے وہی باتیں کہیں جو عام طور پر دوسرے علماء نے بعد میں کہیں۔ چنانچہ دستور میں وہ اعتراضات جو مولانا جمیل احمد صاحب تھانویؒ نے اٹھائے تھے۔ مولانا محمد منظور نعمانی کو بھیج دیئے گئے۔

دستور کی اس دفعہ میں کام کرنے والی ذہنیت نے اپنے لئے دستوری جواز فراہم کرکے ایک نہایت انوکھا اور خطرناک راستہ پیدا کر لیا۔ چنانچہ اس کے بعد اسی دستوری جواز کے وہ تلخ و نامناسب نتائج سامنے آئے جن کی بنیاد پر عام علماء جماعتِ اسلامی سے سخت برگشتہ ہوئے۔ اب نہ وہ سلف صالحین کا طرزِ فہم قرآن رہا اور نہ عام علماء کے اعتراضات پر کبھی نگہ التفات گئی۔ اس موقعہ پر سوال یہ ہے کہ خود جماعتِ اسلامی معیارِ حق اور تنقید سے بالاتر ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیوں۔ کیا امت میں اور کوئی ایسی جماعت نہیں جو جماعتِ اسلامی کی طرح معیارِ حق بن سکے اور تنقید سے بالاتر ہو۔ اور اگر جماعت خود نہ معیارِ حق ہے نہ تنقید سے بالاتر تو یہ دعوت کیسی ؟ ۔

واقعہ یہ ہے جماعتِ اسلامی اپنے اس دستور کے باعث فرقہ واریت کی ڈگر پر نکل کھڑی ہوئی۔ اور سوادِ اعظم کے عمومی تصورِ دین سے مختلف تصور پیش کرکے ایک جداگانہ فرقہ کی حیثیت اپنا ڈالی۔ دستور کی اس دفعہ کی بنیاد پر تمام سلف صالحین پر برملا تنقید کا ایک نہ بند ہونے والا سلسلہ شروع ہوا۔ محدثین، مفسرین، فقہاء، متکلمین اور صوفیاء غرض امت کے ہر اہم طبقہ پر بے باکانہ ریمارک اس طرح کئے گئے کہ ان کی حیثیت اپنے مقام سے گر کر امت کے عام لوگوں کی سی ہو گئی۔

غالباً اس دستوری دفعہ سے جو برگ و بار پھیلے انہی کے باعث وہ تمام اسالیب

جو تاسیس جماعت میں شریک تھے۔ وہ مسلسل الگ ہوتے گئے۔ چنانچہ مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تاسیس کے کچھ ہی عرصہ بعد علیحدہ ہو گئے۔ اور ۱۹۵۶ء میں یکبارگی صف اوّل کے ستّر حضرات جماعت سے علیحدگی پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد وہی لوگ منسلک ہوئے جو دینداری کے وقتی جوش میں اس کا بھی امتیاز نہیں کر سکتے تھے کہ جماعت کا رُخ کدھر ہے۔ حالانکہ قرآن کی آزادانہ تفسیر حضراتِ صحابہ پر برملا تنقید جو خلافت و ملوکیت نامی کتاب میں اپنے نقطۂ عروج پر پہونچی اور سوادِ اعظم کی عمومی شاہراہِ دین سے مسلسل دوری روز افزوں تھی۔ مگر یہ جماعت میں شریک ہونے والے افراد یا تو اس خارستان سے اُگنے والے کانٹوں سے ناآشنا رہے۔ یا اس کی حقیقت کا ان کو ادراک ہی نہ تھا۔ تنقید کی اس کسوٹی پر جس طبقہ کو بھی کسا گیا وہ غیر مستند اور غیر معتبر اور بے وزن ہو کے رہ گیا۔ چنانچہ آج بھی اس کا کھلا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ تجدید و احیاءِ دین یا خلافت و ملوکیت کا مطالعہ اُن سلف صالحین کے متعلق کیا ذہنیت پیدا کرتا ہے۔ جن کا فہم کبھی خود مولانا مودودی کی نظر میں نہ صرف معتبر تھا بلکہ قابلِ تقلید بھی تھا۔

اس کے باوجود اس موقف پر ڈٹے رہنا اور جماعت کے دیگر حضرات کی طرف سے اس میں اصرار سخت درجہ حیرناک ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ تاریخ میں ایسی کسی جماعت کا سراغ لگانا سخت مشکل ہے۔ جس کے مؤسسین ہی اپنی قائم کردہ جماعت سے الگ ہو گئے ہوں۔ یہ صرف جماعتِ اسلامی کا امتیاز ہے کہ ابتداءً جو لوگ بھی شریک ہوئے وہ سب ایک ایک کرکے الگ ہو گئے۔ مختصراً یہ کہے بغیر چارہ کار نہیں کہ جماعتِ اسلامی اپنے یوم تاسیس سے ہی فرقہ بندی کی ڈگر پر چل کھڑی ہوئی۔

دوسرا مرحلہ جس نے جماعتِ اسلامی کو فرقہ واریت کی طرف اور ڈھکیل دیا۔ وہ ہے جب مولانا مودودی کی مشہور کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، سامنے آئی۔ جس میں الٰہ، رب، دین اور عبادت پر یکسر انوکھی اور غیر مستند بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں

انھوں نے ابتداء میں ہی یہ دعوی کیا کہ قرآن کی تین چوتھائی تعلیم محو ہوگئی۔ اورایسا آج سے نہیں ہوا بلکہ صدیاں گذرگئیں کہ قرآن کی ثلث تعلیم مستورہی رہی۔ مقام حیرت یہ ہے کہ ان بنیادی اصطلاحات کے جو معانی اُجاگر کیئے گئے اور جن کے متعلق یہ دعوی کیا گیا کہ یہی وہ مستور معانی ہیں۔ یہ انہی کتابوں سے اخذ کیئے گئے جو اُسی مدت میں لکھی گئیں۔ جن میں یہ ثلث تعلیم محو ہوگئی تھی۔

پھر جو معانی اجاگر کیئے گئے اُن سے دین کی ساری تعبیر ہی بدل گئی۔ اسلام حاکم و محکوم یا مالک و مملوک کے ایک ایسے نظام کی طرح اُبھرا کہ جس میں مملوک اپنے مالک کا اطاعت شعار صرف اس لئے ہے کہ وہ اس کا حاکم اور یہ اس کا محکوم ہے۔ اس سے زائد کچھ نہیں۔ حالانکہ اسلام حاکم و محکوم کے اس تعلق کے ساتھ ہی عابد و معبود کا تعلق بھی رکھتا ہے۔ ملوکانہ نظام میں مملوک اپنے آقا کے سامنے طوعًا کرہًا اپنی اطاعت شعاری کا سرٹیفکٹ پیش کرتا ہے۔ جب کہ عبادتی نظام میں عابد اپنے معبود کو معبود اور حاکم ہی نہیں اُسے اپنا حقیقی محبوب بھی سمجھتا ہے۔ اس محبّت وعشق کے خطوط پر ادا کی گئی عبادت ہی درحقیقت اطاعت وانقیاد کا وہ قالب اپنا لیتی ہے۔ جس کا منتہاء معبود کی رضاء اور اس کی محبوبیت ہوتی ہے۔

جب کہ اس طرز تعبیر سے دین ایک نظریہ ایک نظامِ زندگی اور ایک ازم کی حیثیت اختیار کرجاتا ہے۔ اور دین کا سارا نظام اُسی کے محور پر گھومتا ہے۔ پھر اسی بنیاد پر دنیا میں مسلمانوں کا منتہاء مقصد حکومتِ الٰہیہ کا قیام قرار پاتا ہے۔ اور عبادت صرف ایک جسز وی ذریعے کے درجہ میں آجاتی ہے۔ حالانکہ قرآن کی غیر مبہم تشریح وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ ○ کے مطابق انسان کا مقصدِ تخلیق عبادت ہے۔ اور رہا مسئلہ حکومتِ الٰہیہ کا تو وہ مقصود نہیں۔ موعود ہے۔ غایۃ نہیں ثمرہ ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْكُمْ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

فِي الْاَرْضِ۔ پ ۱۸ ع ۱۳۔
ظاہر ہے کہ کسی بھی ایسے امر کو جو موعود ہو اُسے مقصود بنانا۔ اور جو مقصود ہو اُسے صرف "ذریعہ" بنانا۔ اسلام کی حقیقی تعبیر ہرگز نہیں ہوسکتی۔ تمکن فی الارض ذریعہ ہے۔ نماز، زکوٰۃ ورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کا۔ نہ کہ اس کے برعکس۔ الذین ان مکنّٰہم فی الارض قاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر۔ کی صراحت موجود ہے۔ پھر حدیث نبوی سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے۔ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ الناس حتّٰی یشہد وا اَن لَّا الٰہ الا اللہ الخ (مشکوٰۃ) ان تصریحات کے باوجود مولانا مودودی نے دین کی جو تشریح کی۔ اس کی وجہ سے دین کا تعبدی پہلو مغلوب اور سیاسی پہلو غالب آگیا۔ اور دین کا منتہاء خلافت کا قیام ٹھہرا نہ عبادت ورضاء الٰہی، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں "، نامی کتاب میں جو بحث کی گئی اُس سے دین غیر مسلسل، غیر متواتر بھی ہوگیا ہے۔ جس کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ ظاہر ہے جب قرآن کی ثلث تعلیم صدیوں تک محو رہی۔ تو اس کے معنیٰ اس کے سوا اور کیا ہوسکتے ہیں کہ دین مکمل طور پر نہ محفوظ رہا۔ اور نہ مسلسل۔ حالانکہ تمام ادیانِ عالم میں صرف اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی تمام تر تعلیمات بلکہ قرآن کے الفاظ، اس کے معانی، اس کی قرأت اور اُس کی پوری تعلیم متواتر بھی ہے، مسلسل بھی ہے۔ اور محفوظ بھی ہے۔ اور یہ حفاظت عہد نبوت کے بعد حضرات صحابہؓ اور پھر تابعین کے ہاتھوں انجام پاتی۔ اس کے بعد اسلام کی تعلیمات الگ الگ شعبوں کی صورت اختیار کرتی گئی۔ اور ہر ہر شعبہ کیلئے ایسے رجالِ باصفا پیدا ہوتے گئے۔ جو اس شعبے کو مکمل طور محفوظ رکھنے کا کارنامہ انجام دیتے گئے محدثین، مفسرین، فقہاء، متکلمین، صوفیاء اور قراء کے طبقات اسی بنیاد پر ہیں۔
ظاہر ہے کہ ایک طرف قرآن کی ثلث تعلیم کے محو ہونے کا دعویٰ ہو اور دوسری طرف امت کے تمام اُن طبقات پر بے باکانہ تنقید جن کی سعی وجہد سے دین ہم تک پہنچا۔

Dr. Zakir Husain Library, Jamia Millia Islamia, New Delhi
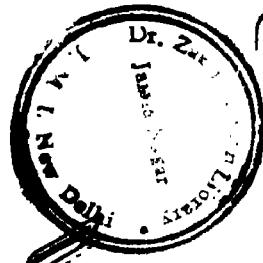
تعارف وتبصرہ کیلئے ہر کتاب کے دو ۲ نسخے آنے ضروری ہیں!

(۱) **محفوظات** (حصہ اوّل) مرتبہ جناب مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

سائز $\frac{20\times30}{16}$، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر صفحات ۱۶، قیمت صرف ایک روپیہ -/۱

ناشر:۔ مکتبہ حجاز دیوبند (یو، پی)

کسی زبان پر دسترس حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے منتخب اور چیدہ کلام کا ایک معتد بہ حصہ ذہن میں محفوظ کر لیا جائے۔ اس کے بغیر اس زبان سے براہِ راست پورے طور پر نہ تو استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس میں کمال اور مہارت پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک ایسا کلیہ ہے جس کا کوئی استثناء تلاش کرنے سے بھی نہ ملے گا۔

چونکہ اسلامی علوم ومعارف کا اصلی سرمایہ عربی زبان میں ہے اس لئے اس قیمتی سرمایہ سے سہولت اور کامیابی کے ساتھ بہرہ در ہونے کے لئے عربی زبان پر قدرت حاصل کرنا لازمی ہے اور اس کے لئے ازبس ضروری ہے کہ عربی کے منتخب کلام کا قابلِ ذکر ذخیرہ محفوظ اور ازبر رہے چنانچہ اہل عرب اس کے باوجود کہ ان کی مادری زبان عربی ہے وہ اپنے بچوں کو ابتداء ہی سے قرآن کی آیتوں، احادیث کے جملوں اور خطیبوں وادیبوں کے خطبات واشعار یاد کرانے پر بطور خاص توجہ دیتے ہیں جس سے وہ اپنے علمی کاموں کے علاوہ عام گفتگو میں بھی خوب خوب فائدہ اٹھاتے ہیں حیرت ہے کہ ان محفوظات کی افادیت واہمیت کے مسلّم ہونے کے باوجود ہمارے مدارس

میں اس کا کوئی اہتمام نہیں۔ اور نہ نصابِ درس میں اس عنوان سے کوئی کتاب شامل ہے۔ جناب مولانا سعید احمد پالنپوری صاحب نے جو ایک تجربہ کار مدرس اور بلند پایہ عالم ہیں اپنے سالہا سال کے تدریسی تجربہ کے بعد اس کمی کو شدت سے محسوس کیا۔ اور اُسے دور کرنے کیلئے محفوظات کے نام سے پانچ حصوں پر مشتمل ایک کتاب مرتب فرمائی ہے زیر تبصرہ رسالہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو درجہ اوّل کے طلبہ کیلئے ہے اس میں قرآن وحدیث کے چھوٹے چھوٹے جملے طلبہ کی استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے جمع کئے گئے ہیں۔ مولانا موصوف تمام اصحابِ درس کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ان کے کام کو آسان کر دیا ہے شروع میں کچھ مفید اور ضروری ہدایات بھی درج کی گئی ہیں جس سے حضراتِ مدرسین کو مزید روشنی ملے گی۔ یہ مجموعہ اس لائق ہے کہ تمام مدارس عربیہ اسے اپنے نصابِ تعلیم کا لازمی جز بنالیں تجربہ کی بنیاد پر یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر حضرات اساتذہ نے اس سلسلہ کو اپنے اپنے یہاں شروع کر دیا تو وہ تھوڑی ہی مدت میں واضح طور پر اس کا فائدہ محسوس کریں گے۔ اور عبارت خوانی و ترجمہ فہمی کی جو ایک عمومی شکایت ہوگئی ہے اس میں بڑی حد تک کمی آجائے گی۔

(۲) **محبِ وطن اقبال**: مصنفہ جناب سید مظفر حسین برنی گورنر ریاست ہریانہ، سائز متوسط، کاغذ، کتابت وطباعت اعلیٰ صفحات ۱۶۸، قیمت ۲۵ روپے، ناشر ہریانہ ساہتیہ اکاڈمی چنڈی گڑھ

جناب سید مظفر حسین برنی ایک آئی۔ اے۔ ایس افسر اور اپنی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کی بناء پر کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اور ۱۹۴۵ء سے ۱۹۸۱ء تک وہ حکومت کے مختلف اعلیٰ ترین انتظامی عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں اور جس شعبے میں رہے نہایت نیک نام اور کامیاب رہے اس وقت وہ ریاست ہریانہ کے گورنر ہیں۔ اور اپنے اس عظیم منصب کے فرائض کو بھی حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ موصوف کی اس تصنیف سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک بہترین فرض شناس آئی۔ اے۔ ایس افیسر ہونے کے ساتھ صاحب نظر کامیاب مصنف بھی ہیں۔ اور شعر وادب کا بڑا ستھرا اور پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔ حالانکہ ذوق وفکر کو تھکا دینے والے جن مشاغل میں اُن کے شب وروز گذر رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ علم وفن شعر وادب کے بحرِ بیکراں کی غواصی کرکے آبدار موتیوں کا نکالنا اور پھر انھیں سلکِ تصنیف میں پرو کر صاحب نظر جوہریوں کے سامنے پیش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ یہ کتاب دراصل موصوف کے ایک انگریزی خطبہ کا اُردو ترجمہ ہے جسے انھوں نے بھوپال یونیورسٹی

زیر اہتمام "اقبال اور قومی یکجہتی" کے موضوع پر ۱۹۸۴ء میں پڑھا تھا جو اسی سال شائع بھی ہوگیا تھا پھر نظر ثانی اور کافی اضافے کے ساتھ ۱۹۸۵ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا یہی ایڈیشن اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ چونکہ اصل خطبہ پر اس دوسرے ایڈیشن میں بہت زیادہ اضافہ ہے۔ اس لئے اب اس کی حیثیت ایک مستقل تصنیف کی ہوگئی ہے۔

ادبی دنیا کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ علامہ اقبال جیسا وطن دوست شاعر جس نے ہمیں "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" جیسا پیارا ترانہ دیا، خود اپنے بعض نادان دوستوں کی غلط ترجمانی کی بناء پر ایک طبقہ کی نظر میں فرقہ پرست اور وطن مخالف شاعر سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ اقبال کے سلسلہ میں ان کے دوست و دشمن سب بیک زبان کہتے ہیں کہ وہ اسلام کے شیدائی تھے۔ اور اسلام کی محبت و عقیدت ان کے رگ و ریشہ میں رچی ہوئی تھی۔ اور یہ بات ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ ایک سچا اور مخلص مسلمان وطن دشمن کبھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ "حبّ الوطن من الایمان"

برنی صاحب نے اپنی اس کتاب میں علامہ کے کلام کا تحلیلی جائزہ لیا ہے اور اس جائزے سے جو بات نکھر کر سامنے آئی ہے۔ اُسے بلا کم و کاست پوری دیانت داری کے ساتھ اپنے قاری کی خدمت میں پیش کر دیا ہے علامہ اقبال پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ برنی صاحب نے جس موضوع کو منتخب کیا ہے وہ اب تک تشنۂ تحقیق تھا اور حق تو یہ ہے کہ انھوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ جس پر وہ بلا شبہ اہل علم و ادب کی جانب سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(۳) **داستانِ حیات سید میر قاسم**، (سابق وزیر اعلیٰ جموں کشمیر) مرتبہ جناب عبدالرحمٰن کوندو، تقطیع متوسط کاغذ، کتابت، طباعت عمدہ، صفحات ۵۵۲۔ قیمت مجلد ۶۰ روپے۔ ناشر:- ادارہ ادبیات دلی۔

جناب عبدالرحمٰن کوندو صاحب کشمیر کے ایک اچھے مصنف ہیں عرصہ ہوا حضرت علامہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ پر اُن کی ایک کتاب مطالعہ میں آئی تھی۔ موصوف کی یہ دوسری تصنیف ہے۔ جسے پڑھنے کا موقع ملا۔ جناب سید میر قاسم صاحب کی شخصیت ہندوستان کے عوام و خواص کے لئے جانی پہچانی ہے۔ موصوف ایک زمانہ میں بڑے سرگرم سیاسی لیڈر تھے اور مسز اندرا گاندھی سابق وزیر اعظم سے بہت قریب تھے۔ زیر نظر تصنیف انھیں کی سوانح حیات ہے ظاہر بات ہے جب کسی دور کی اہم شخصیت کا تذکرہ اور داستان حیات لکھی جائے گی تو لازمی طور پر اس تذکرہ میں اس دور کی عکاسی ضرور ہوگی۔ اسلئے یہ صرف میر قاسم کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس میں موجودہ ہندوستان بطور خاص کشمیر کی سیاسی تاریخ بھی آگئی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہندوستان کی دیگر بہت سی سیاسی اہم شخصیات کا اجمالی تعارف آگیا ہے اسلئے یہ کتاب معلومات افزا بالخصوص سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے بڑی دلچسپ اور مفید ہے۔

Regd. No. SHN-L-13-NP-21-86
DARUL-ULOOM MONTHLY
DEOBAND (U.P.)

تاریخ .... نمبر ....

محترم ومکرم ! زید مجدکم

سلام مسنون ! "دارالعلوم دیوبند" ہماری حیات ملی کا علمبردار، نقیب اور محافظ ہے اور ماہنامہ دارالعلوم اس کا ترجمان ہے، بالفاظ دیگر وہ ہمارا اپنا ترجمان ہے اسکی ترویج واشاعت اور ترقی خود ہمارے ارتقاء کی ضامن ہے، اس لئے آنجناب سے خصوصی درخواست ہے کہ رسالہ دارالعلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں، خود بھی خریدار بنیں اور اپنے حلقۂ اثر میں زیادہ سے زیادہ خریدار بنانے کی کوشش فرمائیں۔

رسالہ دارالعلوم میں

- اسلامی تعلیمات کو سہل اور دل نشیں پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے،
- اسلام کے قدیم وجدید مخالفین کی بطریق احسن مدافعت کی جاتی ہے،
- دقیق علمی مسائل میں علماء دیوبند کے محققانہ مقالات شائع ہوتے ہیں
- دارالعلوم کے احوال وکوائف سے معاونین کرام کو مطلع کیا جاتا ہے،
- تاریخ اسلام کے رجال فکر ودعوت کی زندگی پر پُر اثر مقالے پیش کئے جاتے ہیں

امید کہ آنجناب رسالہ دارالعلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر اپنی آواز کو مضبوط اور اپنے ترجمان کو طاقتور بنائیں گے۔ والسلام

دارالعلوم پرنٹنگ پریس دیوبند

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے | سعودی عرب، کویت، ابوظبی ایرمیل ۱۴۵/- جنوبی وشرقی افریقہ ما برطانیہ ۱۲۵/- امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل ۱۴۵/-

پاکستان بذریعہ ایرمیل ۶۰/- بنگلہ دیش ۴۰/-

محبوب پریس دیوبند: سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپکا زرتعاون ختم ہوگیا ہے۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حبیب الرحمٰن قاسمی

بابری مسجد حقائق اور افسانے

یکم فروری ۱۹۸۶ء (۲۱ر جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ) سنیچر کے دن "بابری مسجد" واقع اجودھیا ضلع فیض آباد، ناجائز اور غیر منصفانہ طور پر نہایت ڈرامائی انداز سے "رام جنم استھان مندر" میں تبدیل کردی گئی، اس حادثہ فاجعہ پر مسلمانوں کو جس قدر غم ہو کم ہے،

" آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین "

یہ ظالمانہ اقدام محض جبر و تشدد اور کثرت طاقت کے نشہ میں کیا گیا ہے، لیکن دنیا کو فریب دینے کے لئے اس پر عدالت کے فیصلے کی چادر ڈال دی گئی ہے حالانکہ اس غیر قانونی عمل کو عدالت کا فیصلہ کہنا خود عدلیہ کی توہین ہے اور اب اس نام نہاد فیصلہ کو حق بجانب اور درست ثابت کرنے کی غرض سے "بابر" اور اس کی جانب منسوب "بابری مسجد" کی تاریخ مسخ کرنے کی ملک گیر تحریک چلائی جارہی ہے، اس رسوائے زمانہ تحریک کا سلسلہ اگرچہ عرصۂ دراز سے جاری تھا مگر اسے آجکل تیز تر کردیا گیا ہے، اور وشو ہندو پریشد، آریہ پرتی ندھی سبھا، بھارتیہ جنتا پارٹی، وغیرہ فرقہ پرست تنظیمیں چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں کہ "بابری مسجد کو بابر شاہ نے رام جنم استھان مندر توڑ کر اس کے کھنڈر پر تعمیر کرایا تھا اس لئے اس مسجد کو ہندو فرقہ کے حوالہ کرنے کا فیصلہ حق و انصاف پر مبنی ہے۔

اس بے بنیاد اور من گھڑت افسانے کو ایک صحیح اور سچا واقعہ باور کرانے کے لئے علم و کی تحقیق کی آبرو کو بالائے طاق رکھ کر پوری جسارت کے ساتھ تزک بابری، آئین اکبری اور عالمگیری نامہ جیسی اہم تاریخی کتابوں کا بالکل غلط طور پر حوالہ بھی دیا جا رہا ہے۔

اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ منعقدہ ۲۱، ۲۲ فروری ۱۹۸۶ء نے ضرورت محسوس کی کہ بابری مسجد کی صحیح تاریخ عوام کے سامنے پیش کی جائے تاکہ سرکاری وغیر سرکاری ذرائع ابلاغ کی مدد سے پھیلائی ہوئی غلط فہمی کا یہ بادل چھٹے جس نے ملک کی فضاء کو خطرناک حد تک مسموم بنا دیا ہے، اور ملک کا انصاف پسند طبقہ کذب وافتراء کی تاریکیوں میں بھٹکنے کے بجائے اس انتہائی حساس اور نازک معاملہ میں علم و تحقیق کی روشنی میں غور کر سکتے چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم نے یہ خدمت احقر کے سپرد کی، مظلوم بابری مسجد کے سلسلہ میں یہ تحریر اسی حکم کی تعمیل میں سپرد قلم کی گئی ہے، اور قارئین ماہنامہ دارالعلوم کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

کیا بابر اجودھیا آیا تھا؟

چونکہ یہ مظلوم مسجد بابر کی جانب منسوب ہے، اس لئے عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اسے بابر نے تعمیر کرایا تھا، پھر اس مفروضہ کی بنیاد پر یہ افسانہ گھڑ لیا گیا کہ بابر نے اجودھیا آکر "رام جنم استھان مندر کو گرایا" اور پھر اس کی جگہ پر یہ مسجد بنوائی چنانچہ حکومت یوپی کے محکمہ اطلاعات کی جانب سے شائع ہونے والے ماہنامہ "اترپردیش" میں بعینہ یہی بات کہی گئی ہے۔

"۱۹۲۸ء میں بابر یہاں (اجودھیا) آیا تھا اس نے ایک ہفتہ قیام کیا اور جنم استھان مندر کو گرا کر ایک مسجد تعمیر کرائی جو اس مندر کے ملبہ پر تعمیر کی تھی"۔

(ماہنامہ اترپردیش شمارہ اپریل ۱۹۸۴ء ص ۲۷)

اس لئے پہلے یہ طے ہو جانا ضروری ہے کہ "بابر" اجودھیا آیا تھا کیونکہ جنم استھان مندر، گرانے کی داستان اسی دعویٰ کی بنیاد پر گھڑی گئی ہے۔

مؤرخین ہند خواہ مسلم دورِ حکومت سے تعلق رکھتے ہوں یا اس عہد کے بعد کے ہوں سب اس پر متفق ہیں کہ "بابر" کے حالات میں مستند ترین مآخذ خود اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ سوانحی روزنامچہ ہے جو علمی حلقوں میں "تزک بابری" کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، "بابر" نے ۸۹۲ھ سے جبکہ اس کی عمر صرف بارہ سال کی تھی، اسے لکھنا شروع کر دیا تھا اور اپنے مرضِ وفات میں مبتلا ہونے سے چھ ماہ قبل یعنی ۹۳۶ھ تک اس سلسلہ کو جاری رکھا تزک میں اس کی آخری تحریر ۳ محرم ۹۳۶ھ کی ہے اور اسی سال رجب کے مہینہ میں بیمار ہوا اور اسی بیماری میں ۵ ر جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ کو انتقال کر گیا اس طرح یہ روزنامچہ آخری ایک سال کے علاوہ اس کے پورے سوانح حیات کو حاوی ہے جس میں اس نے اپنی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے واقعہ کو تفصیل سے قلم بند کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ جن مقامات پر گیا ہے وہاں کے عوام کی حالت، جانوروں کی قسمیں، آب وہوا باغات اور عمارتوں کا تذکرہ بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ کرتا ہے، اصل کتاب ترکی زبان میں ہے، اس کا سب سے پہلا ترجمہ "اکبر" کے حکم سے خانخاناں عبدالرحیم نے فارسی میں کیا تھا، جو اب تک غیر مطبوعہ ہے، اس کے بعد انگریز مؤرخ " اے، ایس، بیورج نے" دی بابر نامہ ان انگلش کے نام سے انگریزی میں ترجمہ کیا جو دو جلدوں میں ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا، یونیورسٹیوں اور دیگر علمی حلقوں میں عام طور پر یہی ترجمہ رائج ہے، مسز بیورج نے ترجمہ کے ساتھ تفصیلی فٹ نوٹ بھی لکھا ہے، جس سے اس کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے "بابر نامہ" کے نام سے اردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے، اب یہی انگریزی اور اردو کے دونوں ترجمے تذکرہ نویسوں کے لئے ماخذ و مرجع کا کام دیتے ہیں، کوئی بھی شخص ان ترجموں کو اول سے آخر تک پڑھ جائے اسے ان میں کہیں بھی "بابر" کے "اجودھیا" آنے کا ذکر نہیں ملے گا، البتہ ۹۳۵ھ کے واقعات کے ضمن میں اس کی یہ تحریر ضرور ملتی ہے۔

"ہفتہ، ۷ رجب کو ہم نے "اودھ" سے دو تین کوس (چھ میل) پر "گھاگھرا" اور "سردا (سارد) کے سنگم پر قیام کیا (یہ سنگم بہرائچ میں ہے) اس وقت تک

"شیخ بایزید" سردا (سارداا) کی دوسری جانب تھا اور سلطان (حسین تیمور) سے خط و
کتابت کر رہا تھا اس کی دھوکہ بازیوں سے واقفیت کی بنا پر ہم نے بوقت ظہر
"سلطان کو حکم دیا کہ وہ دریا پار کرنے کے لئے تیار ہو جائے، قبا چہ کے پہنچنے پر
انہوں نے فوراً دریا پار کیا وہاں پچاس گھوڑے اور تین چار ہاتھی موجود تھے وہ
مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور فرار کی راہ اختیار کی چند لوگ جو گھوڑے سے اتر گئے تھے انکے
سرکاٹ کر حاضر کئے گئے، (بابرنامہ اردو ۳۳۹)

"بابر" کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ "شیخ بایزید" کی بغاوت فرو کرنے کے لئے رجب
۹۳۵ھ میں اس دیار میں آیا تھا مگر بقول خود اس کا قیام اجودھیا سے ۶ میل دور سار دا کے
سنگم پر ہوا، شیخ بایزید کی شکست کے بعد اپنے ایک امیر سید "میر باقی اصفہانی" کو اس علاقے کا حاکم
مقرر کر کے یہیں سے براہ الہ آباد و کڑہ بہار چلا گیا جہاں سلطان محمود بن سکندر لودھی نے علم بغاوت
بلند کر رکھا تھا، تقریباً ایک ماہ بہار کے علاقے میں گذار کر واپس لوٹا اور واپسی کے موقع پر بھی وہ
اجودھیا سے کافی فاصلے سے گذرا، جیسا کہ تزک کی درج ذیل تحریر سے ظاہر ہے۔

"بروز دوشنبہ ۲۲ر رمضان کو ہم چوپاوہ میں پہونچے چترکھ کے راستے دریائے سرجو کے
کنارے ہوتے ہوئے بہار اور سردا (ساردا) کے قصبوں سے فارغ ہو کر اور دس کوس (۲۰
میل) چلنے کے بعد دریائے سرجو کے کنارے کیلرہ نامی گاؤں میں جو فتحپور کے علاقے میں ہے
قیام کیا، ہم نے کئی دن اس مقام پر گذارے، یہاں آب رواں ہے، اچھی عمارتیں ہیں
اشجار خاص طور پر آم کے درخت اور رنگ برنگ کی چڑیاں ہیں، پھر ہم نے غازی پور
کی طرف کوچ کا حکم دیا (بابرنامہ اردو ص)

ان دونوں تحریروں کے علاوہ "تزک بابری" میں کوئی ایسی عبارت نہیں ملتی جس سے "بابر"
کے اس دیار میں آنے کا سراغ لگایا جاسکے۔

تزک بابری کے علاوہ طبقات اکبری تالیف خواجہ نظام الدین احمد، اکبرنامہ ابو الفضل،

منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی خلاصۃ التاریخ منشی سبحان رائے ، تاریخ فرشتہ محمد قاسم فرشتہ منتخب اللباب محمد ہاشم خانی خان ، غرضیکہ کسی بھی معاصر یا غیر معاصر مستند و معتبر تاریخ میں بابر کے اجودھیا آنے کا ذکر نہیں ملتا ، اس لئے جس بنیاد پر مندر توڑ کر مسجد بنانے کی عمارت کھڑی کی گئی ہے ، جب اس بنیاد ہی کا وجود نہیں تو عمارت کا جو حال ہوگا اہل نظر سے مخفی نہیں ۔

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

"بابر" کے حالات میں اس وقت جتنی بھی کتابیں دستیاب ہیں ان میں "بابر" کے نہ صرف اجودھیا بلکہ کسی بھی مقام پر مندر توڑنے کا ذکر نہیں ہے ، حتیٰ کہ جدو ناتھ سرکار ، ایسٹ اور ڈاوسن بھی "بابر کی مندر شکنی کا کوئی واقعہ نقل نہیں کیا ہے ، جبکہ یہ مؤرخین مسلم حکمرانوں کی مندر شکنی کے واقعات میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں ۔

ان تاریخی شواہد کے علاوہ خود "بابر" ، جس ذہن و مزاج کا حکمراں ہے اس کے پیش نظر یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ کسی بھی مذہبی عبادت گاہ پر غلط نگاہ ڈالے گا ، اس کے اس مزاج کو سمجھنے کیلئے وہ وصیت نامہ کافی ہے جو اسنے اپنے بڑے بیٹے ہمایوں کے لئے قلم بند کیا تھا وہ اسمیں ہمایوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتا ہے ۔

> اے فرزند! ہندوستان کی سلطنت مختلف مذاہب سے بھری ہے ، خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں اس کی بادشاہت عطا کی ، تم پر لازم ہے کہ اپنے لوح دل سے تمام مذہبی تعصبات کو مٹادو ، اور ہر مذہب کے طریقے کے مطابق انصاف کرو ، تم خاص کر گائے کی قربانی کو چھوڑ دو ، اسی سے تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر سکو گے ، پھر اس ملک کی رعایا شاہی احسانات سے دبی رہے گی ، جو قوم حکومت کے قوانین کی اطاعت کرتی ہے ، اس کے مندروں اور عبادت گاہوں کو منہدم نہ کرو ، عدل و انصاف اس طرح کرو کہ بادشاہ رعایا سے اور رعایا بادشاہ سے خوش رہے ، اسلام کی ترویج ظلم کی تلوار سے زیادہ احسانات کی تلوار سے ہو سکتی ہے ، شیعوں اور سنیوں کے اختلاف سے چشم پوشی کرتے رہو ، ورنہ

اسلام میں ان سے کمزوری پیدا ہوتی رہے گی، مختلف عقاید رکھنے والی رعایا کو اس طرح ان عناصر اربعہ کے مطابق ملاؤ جس طرح کہ انسانی جسم ملانا ہے، تاکہ سلطنت کا ڈھانچہ اختلافات سے پاک رہے، یکم جمادی الاولیٰ ۹۳۵ھ (انڈیا ڈیوائڈڈ ص ۳۹

از ڈاکٹر راجندر پرشاد سابق صدر جمہوریہ ہند)

ان دلائل و شواہد کی روشنی میں ایک دیانتدار مؤرخ اور حقیقت پسند مبصر یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہے کہ "بابر" مندر شکنی کے الزام سے قطعاً بری ہے، چنانچہ پروفیسر "شری رام شرما" اپنی مشہور کتاب، "مغل امپائر ان انڈیا" میں پوری صفائی سے لکھتے ہیں۔

"ہم کو کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی کہ "بابر" نے کسی مندر کو منہدم کیا یا کسی ہندو کی ایذا رسانی محض سلئے کی کہ وہ ہندو ہے۔ ص۵۵ ایڈیشن ۱۹۴۵ء بحوالہ معارف فروری ۱۹۸۶ء

تلاش حقیقت

جب یقینی طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ "بابر" اجودھیا آیا ہی نہیں تو اس کے بابری مسجد تعمیر کرانے کا سوال نہیں پیدا ہوتا، لہٰذا اب ہمیں تاریخ ہی کی روشنی میں یہ پتہ لگانا چاہیئے کہ اس مسجد کا بانی حقیقتاً ہے کون اور اس نے اسے کب تعمیر کرایا ہے، اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ بابری مسجد اجودھیا ہندوستان میں موجود لاکھوں مسجدوں کے مقابلے میں کسی خصوصی امتیاز کی حامل نہیں ہے، اسی لئے مؤرخین جس طرح عام مسجدوں کی تاریخ بیان کرنے کا عام طور پر اہتمام نہیں کرتے بعینہٖ "بابری مسجد اجودھیا" کے بارے میں بھی ان کا یہی رویہ ہے، بالفرض اگر یہ مسجد کسی خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی یا اس کی تعمیر کے ساتھ کوئی جذباتی واقعہ وابستہ ہوتا یا کم ازکم اسے کسی بادشاہ کے تعمیر کا شرف حاصل ہوتا تو مؤرخین اس طرح سے اس کے بارے میں خاموش نہ رہتے بلکہ اس کی تفصیلات ضرور لکھتے لیکن مؤرخین کے اس مکمل سکوت کے باوجود "بابری مسجد" کی تاریخ تاریکی میں نہیں ہے بلکہ اس میں نصب کتبوں کی بنا پر آئینہ کی طرح روشن ہے۔

آج کی دنیا میں کتبات کی جو اہمیت ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں، آج حکومتیں ان کی فراہمی اور حفاظت پر کروڑں روپئے خرچ کررہی ہیں، اوران سے صرف عمارتوں ہی کی تاریخ معلوم نہیں کی جاتی

بلکہ قوموں کی مذہبی، تمدنی اور سیاسی تاریخ کی تدوین میں انہیں مستند ترین مواد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے

بابری مسجد اجودھیا کے کتبے

اسے اتفاق ہی کہیئے کہ "بابری مسجد" میں ایک کے بجائے تین کتبے نصب کیے گئے تھے جن میں دو تاریخی حیثیت سے خاص اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان میں مسجد کی تعمیر کا سن اور بانی کے نام کی تصریح موجود ہے۔

(۱) یہ کتبہ پتھر کی دو میٹر لمبی اور ۵۵ سینٹی میٹر چوڑی تختی پر ہے جو مسجد کے مسقف حصہ کے درمیانی مرکزی در کے اوپر نصب ہے، جس پر بسم اللہ کے علاوہ تین سطروں میں آٹھ اشعار لکھے ہوئے ہیں، جن میں پانچویں شعر کے دوسرے مصرعہ میں بانی کا نام نسبت کی صراحت کے ساتھ نظم کیا گیا ہے اور آٹھویں شعر کا دوسرا مصرعہ تعمیر کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم		
بنام آنکہ او دانا ست اکبر	کہ خالق جملہ عالم لا مکانے	درود مصطفےٰ بعد از ستائش
کہ سرور انبیاء زبدہ جہانے	فسانہ در جہاں بابر قلندر	کہ شد در دور گیتی کامرانے
چناں کہ سطلع کشور گرفتہ	زمیں را چوں مبارز آسمانے	دراں حضرت یکے سید معظم
کہ نامش میر باقی اصفہانے	مشیر سلطنت تدبیر ملکش	کہ زیں مسجد حصار ہستانے
خدایا در جہاں تابندہ ماند	کہ خیر و بخت و تخت و زندہ گانے	دریں عہد و دریں تاریخ میموں
کہ نہ صد پنج وسی بودہ نشانے	(ان دو سطروں میں عربی میں	کچھ لکھا ہوا ہے جو پڑھا نہیں جاسکا) (حبیب الرحمن)

اس کتبے کے اشعار میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود ہے اور آپ کو تمام انبیاء کا سردار اور خلاصۂ کائنات کہا گیا ہے، پھر دو شعروں میں "بابر" کی تعریف اور اس کی فتح و کامرانی کو نہایت لطیف اور بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے، یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے، کہ اس موقعہ پر بابر کو بادشاہ کے بجائے قلندر کہا گیا ہے، یہ لفظ صوفیوں کی اصطلاح میں مرنجاں مرنج اور ہر قسم کے مذہبی تعصب سے بے نیاز شخصیتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

پھر بیان کیا گیا ہے کہ "بابر" کے درباریوں میں ایک صاحب عظمت سید ہیں جن کا اسم گرامی "میر باقی اصفہانی" ہے پھر "میر باقی" کے انتظام مملکی کی تعریف ہے اس کے بعد کے شعر میں بتایا گیا ہے کہ ان ہی "میر باقی" کی بدولت یہ مسجد روشن ضمیروں کے لئے حصار بنائی گئی ہے اس کے بعد کے چار شعروں میں ان کے لئے دعا ہے کہ خدایا دنیا میں ان کے اس خیر یعنی مسجد اور ان کے مقام و مرتبے اور زندگی کو تابندہ رکھ کر تاکہ ۹۳۵ ھ کی یہ یادگار باقی اور پائیدار رہے۔

"مسز بیورج" نے اپنے ترجمہ "دی بابر نامہ ان انگلش" کی دوسری جلد کے ضمیمہ میں "بابری مسجد اجودھیا" کے کتبات کے عنوان کے تحت منبر کے بائیں سمت والے کتبہ کے علاوہ، مندرجہ بالا کتبے کو بھی درج کیا ہے، لیکن انہوں نے اس کے آٹھ شعروں میں سے شروع کے صرف تین اشعار نقل کئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ اشعار کو وہ پڑھ نہ سکیں اس لئے انہیں چھوڑ دیا

۲ و ۳ یہ دونوں کتبے مسجد کے اندرونی حصہ میں "منبر" کے داہنی اور بائیں جانب تھے۔

(داہنی سمت کا کتبہ) (۲)

بمنشائے بابر خدیوِ جہاں	بنائیکہ با کاخ گردوں عناں
بناکرد ایں خانۂ پائیدار	امیر سعادت نشاں میر خان
بماند ہمیشہ چنیں بانیش	چناں شہریار زمین و زماں

(بائیں جانب کا کتبہ) (۳)

بفرمودۂ شاہ بابر کہ عدلش	بنائیست با کاخ گردوں ملاقی
بناکردہ ایں مہبط قدسیاں را	امیر سعادت نشاں میر باقی
بود خیر باقی و سال بنائش	عیاں شد چوں گفتم بود خیر باقی
	۹۳۵ ھ

معمولی سے فرق کے علاوہ ان دونوں کتبوں کے مضمون میں یکسانیت ہے البتہ دوسرے کتبہ

کا آخری شعر دعائیہ ہے اور تیسرے کے آخری جملہ سے تاریخ تعمیر نکلتی ہے اس آخری کتبہ کو مسز بیورج نے بھی نقل کیا ہے لیکن ان سے اس کے پڑھنے میں غلطی ہوئی ہے جس سے تعمیر کی معنویت متاثر ہوئی ہے وہ آخری شعر کو اس طرح لکھتی ہیں۔

بود خیر باقی چو سال بنائش عیاں شد کہ گفتم بود خیر باقی

جبکہ صحیح اس طرح ہے۔

بود خیر باقی وسال بنائش عیاں شد چوں گفتم بود خیر باقی

۲۷ مارچ ۱۹۳۴ء مطابق ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ کو اجودھیا میں ایک زبردست فرقہ وارانہ فساد ہوا تھا، اس موقع پر فسادیوں نے "بابری مسجد" میں گھس کر توڑ پھوڑ کیا تھا اسی وقت ان دونوں کتبوں کو بھی اکھاڑ لے گئے، لیکن بعد منبر کے بائیں جانب والے کتبے کی ایک نقل تیار کرا کے تہور خان ٹھیکیدار نے نصب کرا دیا البتہ دائیں جانب کی نقل وہ بھی نہ کرا سکے۔

سید بدرالحسن فیض آبادی کے پاس اس ضائع شدہ کتبے کی ایک نقل موجود تھی اسی نقل کے حوالہ سے یہ کتبہ یہاں درج کیا گیا ہے۔

ان تینوں کتبوں کی فلم اور اس کا فوٹو ضمیمہ فارسی وعربی ہندوستانی کتبات ۱۹۶۵ء ناگپور میں موجود ہے اسے حاصل کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔

مسجد کی مرکزی در والا اصلی کتبہ اور منبر کی بائیں جانب والا نقل شدہ کتبہ یہ دونوں کتبے ۱۹۴۹ء سے پہلے تک مسجد میں موجود تھے، اب موجود ہیں یا وہ بھی بیراگیوں کے دست کرم کے شکار ہو گئے خدا ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ تقریباً ۳۷ سال کی طویل مدت سے مسلمانوں کا اپنی اس قدیم عبادتگاہ کے پاس سے گذرنا بھی ممنوع ہے اس کے اندر جانا تو بہت دور کی بات ہے اس لئے اسی وقت ان کتبوں کے متعلق کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔

لیکن ان کتبوں کے اب مسجد میں ہونے یا نہ ہونے سے انکی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ انکی مستند نقلیں حکومت کے محکمہ آثار قدیمہ اور تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔

یہ کتبے آج بھی شہادت دے رہے ہیں کہ "بابری مسجد" اجودھیا کا بانی "شاہ بابر" نہیں بلکہ اسکا ایک "سید میر باقی اصفہانی" تھا جسے بابر نے ۹۳۵ھ مطابق ۱۵۲۸ء میں علاقہ اودھ کا حاکم مقرر کیا تھا "میر باقی" نے اسی تقرری کی یادگار کے طور پر اس مسجد کی تعمیر کرائی تھی، جیساکہ پہلے کتبہ کے آخری مصرع "کہ نہ صد پنج وسی ا نشانی" سے واضح ہے۔

اور تیسرے کتبہ کے دوسرے شعر "بناکرد این مہبط قدسیاں" سے اشارہ ملتا ہے کہ اس مسجد کی تعمیر عدل وانصاف کے مطابق ہوئی ہے کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے فرشتوں کی درودگاہ وہ مقام کبھی نہیں ہوسکتا جس کی بنیاد ظلم وجور پر رکھی گئی ہو، اور اسلامی قوانین کی رو سے کسی مذہب کی عبادتگاہ کو منہدم کرنا ظلم وزیادتی ہے، اور اس غیر منصفانہ حرکت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسز بیورج نے ان کے ترجمہ اور تشریح میں کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ "مسجد" جنم استھان کو توڑ کر بنائی گئی ہے، اسی طرح ولیم ارسکن، آزبروک ولیم جنہوں نے بابر کے عہد کی تاریخ لکھی ہے بابر کے کسی مندر توڑنے کا ذکر نہیں کرتے۔

ان مستند تاریخی شواہد کے علاوہ مسجد کا جائے وقوع بھی یہی کہتا ہے کہ یہاں مسجد سے پہلے مندر نہیں ہوسکتا، کیونکہ مسجد کے احاطے کی چہار دیواری سے متصل پورب اور دکھن سمت "گنج شہیداں" ہے یعنی ان شہیدوں کے مزارات ہیں جو سپہ سالار مسعود غازی کے رفقاء میں سے تھے اور دو قدم فاصلے پر "قاضی قدوہ" کی قبر ہے جو غالباً خاندان قدوائی کے مورث اعلیٰ تھے۔

مسعود غازی پانچویں صدی ہجری میں اس دیار میں آئے تھے .... اس لئے اس مقام پران کے رفقاء کے مزارات کا ہونا یہ بتاتا ہے کہ اس حصۂ زمین پر اس وقت کوئی مندر وغیرہ نہیں تھا کیونکہ کسی مندر کے متصل شہیدوں کے مزارات نہیں بنائے جاتے ان مزارات کے بعد محلہ قضیانہ اور ایک اور مسلم محلہ کی آبادی شروع ہو جاتی تھیں جس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا آبائی مکان تھا، اور مسجد کے پورب سمت ذرا سے فاصلے پر محلہ بیگم پورہ تھا، جو نوابان اودھ کے دور تک خالص مسلم آبادی پر مشتمل تھا، اور مسجد کے اتر جانب احاطہ مسجد سے بالکل متصل تقریباً پندرہ

میٹر چوڑی قدیم سڑک ہے اسی سڑک کے متصل اتر پورب سمت میں جنم استھان کا احاطہ ہے الحاصل اس قدیم سڑک سے دکھن جانب خالص مسلمانوں کی آبادی اور انکے قدیم مزارات ہیں اس جانب نوابان اودھ کے دور سے پہلے نہ ہندو آبادی تھی اور نہ کوئی مندر وغیرہ ان کے سارے مندر سڑک کے اتری سمت میں تھے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی جگہ پہلے ہی سے مسلمانوں کی ملکیت میں تھا اس لئے یہاں کسی مندر کے ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

چنانچہ آج سے تقریباً آٹھ، نو سال قبل حکومت نے محکمۂ آثار قدیمہ کے ذریعہ "بابری مسجد" کی مغربی دیوار سے بالکل متصل بڑے پیمانے پر کھدائی کرائی تھی اس کھدائی سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوا کہ یہاں مسجد سے پہلے کسی قسم کی کوئی عمارت نہیں تھی کیونکہ کھدائی کے بعد کسی عمارت کے کوئی آثار اس جگہ نہیں پائے گئے اس کھدائی کی رپورٹ حکومت کے پاس محفوظ ہے ان دلائل قرائن کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس سلسلے میں ایک ہندو محقق کی تحقیق بھی پیش کردیں تاکہ حقیقت حال اچھی طرح روشن ہو کر سامنے آجائے۔

جنم استھان کے بارے میں ایک ہندو محقق کی تحقیق

ڈاکٹر آر۔ ایل شکلا استاذ دہلی یونیورسٹی دہلی نے ۱۹۸۴ء میں ایک مقالہ بعنوان (राम की नगरी अयोध्या झूठ या सच) (رام کی نگری اجودھیا جھوٹ یا سچ) لکھا تھا، یہ اقتباس اسی مقالہ سے ماخوذ ہے یہ مقالہ اگرچہ اس قابل ہے کہ اسے پورا نقل کردیا جائے لیکن طوالت کے خوف سے اس کے ضروری اقتباسات اس موقع پر نقل کئے جارہے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ

"بعض مؤرخین" مہابھارت" میں بیان کئے گئے "رام" کو حقیقی کردار مانتے ہیں یہ مؤرخین رام کا زمانہ ڈھائی ہزار قبل مسیح مانتے ہیں، اور مہابھارت کا زمانہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک ہزار پہلے کا بتایا جاتا ہے، اگر ہم اس تحقیق کو صحیح مان لیں تو رامائن میں جن مقامات کا تعلق رام جی سے بیان کیا گیا ہے، ان جگہوں میں عیسیٰ (علیہ السلام) سے ڈھائی ہزار سال پہلے انسانی زندگی کے آثار ملنے چاہیئے اسی مقصد کے پیش نظر تین مقامات کی کھدائی ہوئی ہے (۱) فیض آباد ضلع میں" اجودھیا" (۲) الہ آباد سے ۲۵ کلو میٹر شمال کی سمت واقع موضع "شرنگویر پور" کی

(۳) اور الہ آباد میں واقع "بھار دواج" آشرم کی اجودھیا میں کھدائی آج سے تقریباً ۲۵ سال پہلے بھی ہوئی تھی اس وقت بھی وہاں آبادی کے نشان عیسی (علیہ السلام) سے ۷۰۰ سال پہلے کے نہیں ملے تھے اور اب سے تقریباً دس سال پہلے دوبارہ بڑے پیمانے پر وہاں (اجودھیا) کھدائی ہوئی، (اس کھدائی سے بھی آبادی کے متعلق وہی نتیجہ نکلا کہ عیسی (علیہ السلام) سے (زیادہ سے زیادہ) ۷۰۰ سال قبل کی آبادی کے نشان پائے گئے، اب اگر یہ مان لیا جائے کہ یہی (موجودہ) اجودھیا "رام جی" کی نگری تھی جو ان کی جنم بھومی مانی جاتی ہے تو (سوال پیدا ہوتا ہے) کہ رام جی کے زمانہ سے اجودھیا کے زمانے کا تعلق اور جوڑ کیوں نہیں قائم ہوتا، اجودھیا کی آبادی عیسی (علیہ السلام) کے زمانے سے ۶۰۰ یا ۷۰۰ سال پہلے کی ہے جبکہ رام جی کا زمانہ عیسیٰ سے ۲۵۰۰ سال قبل یا بعض مؤرخین کی تحقیق کے اعتبار سے اس سے بھی پہلے کا ہے تو پھر اجودھیا رام کی بھومی کیسے ہوسکتی ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے

سچ تو یہ ہے کہ مشرقی یوپی، شمالی بہار اور مگدھ کے علاقوں میں پہلے جنگل ہی جنگل تھے ان علاقوں میں تقریباً ۵۰ سے ۶۰ انچ تک بارش ہوتی ہے جس کی بنا پر میدانوں میں جنگل کا پیدا ہو جانا فطری امر ہے، جب تک ان جنگلوں کو کاٹ کر صاف نہیں کیا گیا وہاں بستیوں کا آباد ہونا ممکن نہ تھا ان جنگلوں کی صفائی کا کام انہیں جلا کر یا لوہے کے کلہاڑوں سے کاٹ کر کیا گیا ہے اور جدید تحقیقات سے یہ طے ہو چکا ہے کہ لوہے کا استعمال ان علاقوں میں ۷۰۰ سال قبل از مسیح نہیں تھا

قدیم پالی ادب میں بڑی بڑی حکومتوں کا ذکر ہے جنہیں "مہاجن پد" کہا جاتا تھا، تیز پالی ادب میں "اجودھیا" کا بھی ذکر ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ "بدھ" کے عہد میں اس علاقہ میں حکومت کا قیام ہو گیا تھا، لیکن اس سے پہلے کسی حکومت کے قیام کا ثبوت نہ تو قدیم ادب سے ملتا ہے اور نہ آثار قدیمہ ہی سے، اس لئے جو لوگ اجودھیا کو رام کی جنم بھومی کہتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔

بالمیکی رامائن (کے مطابق) "کوشل" کا پایۂ تخت "اجودھیا" سرجو ندی کے داہنی سمت سرجو سے ڈیڑھ یوجن (۱۳½ میل) کے فاصلے پر تھا اور سرجو اس تنے پچھم سمت تھی، اور آج کا اجودھیا سرجو کے بالکل کنارے پر ہے پھر آج سرجو اجودھیا سے پورب سمت ہے نہ کہ پچھم میں (بالمیکی کے اس بیان سے بھی موجودہ اجودھیا رام کی جنم بھومی نہیں ہوسکتا ہے)۔ (ایٹک سنواد، ماہ نومبر ۱۹۸۴ء ص ۱۲، ۱۳)

پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ہندو مذہب کی اہم ترین کتاب "اتھروید" سے پتہ چلتا ہے کہ لفظ اجودھیا "اسم علم (نام) کے طور پر نہیں بلکہ صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے" انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈی شملہ" کے فیلو پروفیسر "بی بی لال" جو آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے ڈائرکٹر جنرل بھی رہ چکے ہیں، انہوں نے انکشاف کیا ہے، کہ

"کسی ایک جگہ بھی لفظ اجودھیا اسم معرفہ (نام) کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے اس لئے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ یہ کسی شہر کا نام ہے" ہفت روزہ نئی دنیا دہلی شمارہ ۱۸ و ۲ مارچ ۱۹۸۶ء ص ۱۴، ۱۵

ان تحقیقات کے علاوہ بعض محققین کی رائے یہ بھی ہے کہ رام کرشن کا "جن کی راجدھانی اجودھیا بتائی جاتی ہے"، وہ کوسل کے بادشاہ تھے ہی نہیں بلکہ وہ بنارس کے حکمراں تھے۔

چنانچہ اے، اہل باشم لکھتے ہیں،

"یہ بات بھی یقینی نہیں ہے کہ "رام" کوسل کا بادشاہ تھا کیونکہ اس افسانے (رامائن) کا قدیم ترین نسخہ جو ہمارے پاس ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنارس کا بادشاہ تھا جو تھوڑے زمانے کے لئے ایک اہم حکومت تھی۔

(ہندوستان کا شاندار ماضی ص ۶۷، ۶۸ ناشر ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۸۲ء)

الحاصل قدیم ہندو ادب اور جدید تحقیقات دونوں کے اعتبار سے موجودہ "اجودھیا" کا تعلق رامائن کے کردار (ہیرو) "رام" سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اجودھیا کی آبادی رام کے اٹھارہ سو (۱۸۰۰) سال بعد وجود میں آئی ہے، اس لئے علم و تحقیق کی رو سے اجودھیا کو رام جنم بھومی کہنا انتہائی مضحکہ خیز ہے جس کی حیثیت دیومالائی افسانے سے زیادہ نہیں۔

غالبًا اسی بناء پر غیر ملکی سیاح جب ہندوستان کے قدیم آثار کی سیر کے لئے آتے ہیں تو انہیں بنارس، سارناتھ، مگدھ، نالندہ، کھجراہو اجنتا وغیرہ کی سرکاری و غیر سرکاری طور پر سیر کرائی جاتی ہے اور "اجودھیا" کو بالکل نظر انداز کردیا جاتا ہے،

اس لئے جب خود "اجودھیا" کا رام جنم بھومی ہونا تاریخی وتحقیقی شواہد سے غلط ہے تو اس میں واقع ایک مسجد کو تقریبًا ساڑھے چارسو سال کے بعد متعین کرکے یہ کہنا کہ اسی جگہ رام جی پیدا ہوئے تھے، ایک من گھڑت افسانہ نہیں تو پھر کیا ہے

اس افسانہ کی ابتدا اور اسکے مقاصد

رام جی کے زمانہ سے تقریبًا سوا چار ہزار سال کے بعد بابری مسجد اجودھیا کی تعمیر ہوئی اگر واقعتًا اس جگہ کوئی مندر ہوتا اور اس اہمیت کا جسے آج ظاہر کیا جارہا ہے کہ اس کے اوپر ملک کی سالمیت اور یگانگت کو قربان کرنے کا قصد کرلیا گیا ہے تو اس کا ذکر مذہبی اور تاریخی کتابوں میں ضرور ہوتا یا کم ازکم محکمہ آثار قدیمہ کی جانب سے کھدائی کے موقع پر اس کے کچھ آثار ونشانات ہی ملتے لیکن اوپر کی سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ "اجودھیا" کی آبادی کا وجود "رام جی" کے زمانے سے تقریبًا اٹھارہ سو سال بعد ہوا ہے تو پھر "رام جی" کی وہاں پیدائش کیسے ہوسکتی ہے کہ ان کی پیدائش کی یادگار میں اس جگہ مندر بنایا جاتا ۔

دراصل "رام جنم استھان" کا یہ قضیہ انگریزوں کی منحوس ڈپلومیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پیداوار ہے واجد علی شاہ کے ابتدائی دور میں انگریزوں نے اس افسانہ کے پلاٹ کو تیار کیا، وہ اسطرح کہ ایک بدھشٹ نجومی کو پہلے سے تیار کیا چنانچہ اس نے انگریزوں کی منشاء کے مطابق زائچہ کھینچ کر "جنم استھان" اور سیتا رسوئی گھر کو "بابری مسجد" کے احاطہ کے اندر ہونا متعین کیا، پھر ہندو طبقہ کے بعض مفاد پرست افراد کو آمادہ کیا گیا کہ وہ ان دونوں مقامات کے حاصل کرنے کی کوشش کریں چونکہ "نواب واجد علی شاہ کا وزیر" نقی علی خان رشوت خور ہونے کے ساتھ انگریزوں کا وفادار تھا اس لئے اس نے بھی اس افسانے کے خاکے میں رنگ بھرنے کی خدمت انجام دی

اور "واجد علی شاہ" کو اس پر راضی کرلیا کہ حدود مسجد سے باہر لیکن اسکے احاطہ کے اندر "رام استھان" اور سیتارسوئی گھر کے لئے جگہ دیدی جائے چنانچہ مسجد کے مسقف حصہ کے بالمقابل داہنی سمت احاطہ کی دیوار سے متصل سیتارسوئی کیلئے اور صحن مسجد سے باہر بائیں اور پورب کی طرف "جنم استھان" کے طور پر ۲۱ فٹ لبی اور ۱۷ فٹ چوڑی جگہ دیدی گئی جس پر ایک بالشت بلند چبوترہ بنانے کی اجازت تھی ۔ ۔ ۔ ۔

اسی موقع پر مسجد کے صحن کو لوہے کی سلاخوں سے گھیر دیا گیا ، جواب تک بالکل کھلا ہوا تھا ، یہ ہے سیتارسوئی اور جنم استھان کی اصل حقیقت صحیح کہا ہے حافظ شیرازی نے "چوں

چوں نہ یابند حقیقت درِ افسانہ زدند

جنم استھان کو جس دیو مالائی حیثیت سے ثابت کیا گیا تھا وہ عوام کو تو کسی حد تک متاثر کرسکتا تھا ، لیکن پڑھا لکھا طبقہ اس پر مطمئن نہیں ہوسکتا تھا اس لئے اس دیو مالائی کاروائی کے ایک عرصہ بعد جب فیض آباد کا نیا گزیٹیر مرتب کیا گیا تو پہلی بار اس میں یہ افسانہ بھی ایجاد کر کے لکھا گیا کہ ۱۵۲۸ء میں " بابر" اجودھیا آیا اور ایک ہفتہ یہاں قیام کیا اس قدیم مندر (رام جنم استھان) کو ڈھا دیا اور اسی مقام پر ایک مسجد تعمیر کرائی جواب تک "بابری مسجد" کے نام سے جانی جاتی ہے

حیرت ہے کہ حکومت اترپردیش نے ۱۹۶۰ء میں ضلع فیض آباد کا جو گزیٹیر شائع کیا اسی میں اسی انگریزی افسانہ کو بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے درج کردیا ، حکومت یوپی کا یہ رویہ بتا رہا ہے کہ ہماری حکومت ذہنی طور پر آج بھی انگریزوں کی غلام ہے جو آزاد قوم کے لئے انتہائی ننگ و عار کی بات ہے ۔

اختلاف کا آغاز

بہرحال انگریزوں کی یہ چال کامیاب ہوگئی اور اجودھیا میں آباد ہندو مسلم دونوں فرقوں میں اس مسئلہ کو لے کر کشیدگی شروع ہوگئی چنانچہ سب سے پہلے ۱۸۸۵ء میں رگھوبیر داس نامی مہنت نے سب جج کی عدالت میں ایک دعویٰ دائر کیا کہ " جنم بھومی استھان پر کوئی عمارت نہیں ہے اور پوجاریوں کو جاڑا گرمی اور برسات میں تکلیف ہوتی ہے لہٰذا اس پر عمارت بنانے کی اجازت دی جائے اس نے اپنے دعویٰ میں

یہ بھی ظاہر کیا کہ مسلمانوں کے اعتراض پر ڈسٹرکٹ جج نے رام جنم بھومی چبوترہ پر عمارت تعمیر کرنے سے روک دیا ہے
سب جج ہری کشن پنڈت نے اس دعویٰ کو مسترد کردیا وہ اپنے فیصلے میں تفصیل بیان کرتے ہوئے
لکھتا ہے، اس احاطہ میں جس پھاٹک سے داخلہ ہوتا ہے اس پر لفظ اللہ کندہ ہے اس کے
فوراً بعد بائیں جانب چبوترہ ہے جس پر ہندؤں کا قبضہ ہے اس چبوترہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ رام جنم
استھان ہے چبوترہ کے چاروں طرف مسجد کی دیوار ہے چبوترہ اور مسجد کے درمیان علیٰحدہ علیٰحدہ حدبندی
ہے، اگر اس چبوترہ پر مندر تعمیر ہوا اور اس میں گھنٹیاں اور سنکھ بجائے گئے اور مسلمانوں کا گذر ہوتا
رہا تو مستقبل میں بہت زیادہ خون خرابہ کا اندیشہ ہے اور ہزاروں جانیں تلف ہوسکتی ہیں اس لئے
مندر کی تعمیر کی اجازت دینے کا مطلب بلوا، قتل اور فساد کو دعوت دینا ہے اس لئے انصاف
کا تقاضا ہے کہ مندر تعمیر کرنے کی اجازت نہ دی جائے اس مقدمہ کے دعویٰ اور فیصلہ دونوں سے
واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جنم استھان کا چبوترہ مسجد سے باہر تھا۔

اس فیصلہ کے خلاف اپیل بھی ضلع مجسٹریٹ فیض آباد نے ۲۶ر مارچ ۱۸۸۵ء کو خارج کردی
دیکھئے سول اپیل ۲۷ سنہ ۱۸۸۶ء اگرچہ اس مقدمہ کے وقت سے دونوں فرقوں کے درمیان عملی طور پر
کشیدگی پیدا ہوگئی جو دن بدن بڑھتی رہی لیکن مسلمان معمول کے مطابق مسجد میں پنج وقتہ نماز پڑھتے
رہے چنانچہ تعمیر کے وقت یعنی ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء سے ۲۲ر دسمبر سنہ ۱۹۴۹ء تک بغیر کسی رکاوٹ کے پنج وقتہ
باجماعت نماز ہوتی رہی اور مستقل طور پر اس مسجد کے مؤذن اور امام مغلیہ عہد سے برابر متعین
ہوتے رہے مسجد کے مصارف کے لئے مغلیہ عہد میں ساٹھ روپے سالانہ سرکاری خزانہ سے مقرر تھا
نوابان اودھ کے دور میں یہ رقم بڑھا کر تین سو دو روپے تین آنہ ۶ پائی کردی گئی برٹش حکومت
نے بھی اس رقم کو جاری رکھا پھر بندوبست اول کے وقت رقم کی بجائے دو گاؤں "بھورن پور"
ورشولاپور، متصل اجودھیا بطور معافی............ دیئے گئے، جن کی آمدنی برابر
مسجد کے مصارف پر خرچ ہوتی رہی، چنانچہ رجسٹر زیر دفعہ ۳۰ میں اس وقت کے متولی،
جواد حسین ساکن موضع شہنواں ڈاکخانہ درشن نگر ضلع فیض آباد اور جائداد کی تفصیل،

عمارت مسجد بابری مع آراضی واقع موضع بھون پورا اور سولا پور تحصیل و ضلع فیض آباد درج ہے،
پھر سنی وقف ایکٹ ۱۳ ر ۱۹۲۰ء کے تحت چیف کمشنر وقف بورڈ نے معائنہ کرکے اس کا باقاعدہ
رجسٹریشن بابری مسجد کی حیثیت سے کیا۔

غرضیکہ ۱۹۴۹ء تک تاریخی اور قانونی ہر اعتبار سے "بابری مسجد" بغیر کسی اختلاف اور نزاع
کے مسجد کی حیثیت سے مسلمانوں کے قبضہ میں رہی اور مسلمان بغیر کسی مزاحمت اور روک ٹوک کے
اس میں پنج وقتہ با جماعت نماز ادا کرتے تھے۔

بابری مسجد میں مجرمانہ طور پر مورتی کی تنصیب

۱۹۴۸-۴۹ء میں ملک کے اندر بالخصوص یوپی، دہلی، میوات
ہریانہ، پنجاب وغیرہ صوبوں میں اس بڑے پیمانہ پر فرقہ وارانہ فسادات اور قتل و خون ریزی کے
حادثات ہوئے کہ اس نے ملک کے سارے نظام کو کچھ دنوں کے لئے معطل کرکے رکھ دیا، اسی اتھل
پتھل اور افراتفری کے زمانہ میں ۲۲ ر ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کی درمیانی رات میں ہنومان گڑھی کے
مہنت "ابھے رام داس" نے ضلع مجسٹریٹ "کے، کے، نائر کی سازش اور اپنے چیلوں کی مدد سے
مسجد کی دیوار پھاند کر مسجد میں گھس گئے اور مسجد کے درمیانی گنبد میں عین محراب کے اندر "رام کی
مورتی" رکھدی صبح کو جب مسلمان فجر کی نماز پڑھنے گئے تو مورتی کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے اور
اسی وقت مورتی کو نکالنے کا مطالبہ کیا، چنانچہ ۲۳ ر کی صبح کو ڈیوٹی پر متعین پولیس "ماتو پرشاد"
نے اس وقت کے تھانہ انچارج "شری رام دیو" کو جو تحریری رپورٹ درج کرائی اس میں لکھا
ہے کہ "ابھے رام داس، شکل داس، سدرشن داس، اور پچاس ساٹھ آدمی نامعلوم نے مسجد
میں مورتی استھاپت (نصب) کرکے مسجد کو ناپاک کر دیا ہے جس سے نقض امن کا خطرہ پیدا ہو گیا
ہے اسی رپورٹ کی بنیاد پر سٹی مجسٹریٹ ضلع فیض آباد نے دفعہ ۱۴۵ کے تحت مسجد اور اس سے ملحق
گنج شہیداں کو قرق کر لیا اور پریہ دت رام چیرمین میونسپل بورڈ فیض آباد کو ریسیور مقرر کرکے مسجد
پر تالا ڈال دیا اور فریقین کے نام نوٹس جاری کر دی کہ وہ اپنے اپنے دعویٰ کے سلسلے میں ثبوت
پیش کریں۔

اس انتہائی مجرمانہ اور غیر مذہبی حرکت پر پورے ملک کے مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پھیل گئی چنانچہ جمعیۃ علماء کے اکابر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی وغیرہ نے صورت حال کی نزاکت سے اس وقت کے وزیر اعظم آنجہانی جواہر لال نہرو" کو مطلع کیا پنڈت جواہر لال جی نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ اترپردیش شری پنتھ کو لکھا کہ وہ ضلع مجسٹریٹ کو حکم دیں کہ مسجد سے مورتی فوراً نکال دی جائے چنانچہ پنتھ نے وزیر اعظم کے حکم کے مطابق ضلع مجسٹریٹ کو یہ آرڈر بھیج دیا چونکہ ضلع مجسٹریٹ اس سازش میں خود ملوث تھا اس لئے اس آرڈر پر عمل کرنے کے بجائے اس نے ابھے رام داس وغیرہ کو نئی صورت حال کی اطلاع دیدی اور ان سے کہا کہ میں اس آرڈر کے نفاذ میں کچھ.... تاخیر کر دونگا تم لوگ اس درمیان میں عدالت سے اسٹے حاصل کر لو انلوگوں نے اسکے کہنے مطابق اس حکم کے خلاف عدالت سے اسٹے حاصل کر لیا اس طرح مورتی مسجد سے ہٹائی نہ جا سکی، چنانچہ ضلع مجسٹریٹ،کے،کے نائرسے پنتھ جی نے اسی بنیاد پر استعفالے لیا، لیکن اس کے بعد پنتھ جی نے اس معاملہ میں دلچسپی نہیں لی اور مورتی اسی جگہ باقی رہی۔

مقدمات کا سلسلہ مسجد میں مورتی کو غیر قانونی طور پر رکھنے کے تقریباً ۲۳ - ۲۴ دن بعد ۱۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کو ہندو فرقہ کے ایک شخص گوپال سنگھ نامی کی طرف سے ظہور احمد، حاجی محمد فائق، حاجی پھیکو، احمد حسین عرف اچھن، محمد سمیع، ڈی ایم، سٹی مجسٹریٹ، اور سرکار اترپردیش کو پارٹی بناکر یہ دعوی دائر کیا گیا کہ رجنم بھومی ہے ہم یہاں پوجا پاٹ کرتے ہیں مسلمانوں اور ضلع انتظامیہ نے اس میں رکاوٹ ڈالدی ہے لہذا اس رکاوٹ کو ختم کر کے ہمیں پوجا پارٹ کی اجازت دی جائے یاد رہے کہ ۱۸۸۵ء کے دعوی میں جو رگھوناتھ داس کی طرف سے دائر کیا گیا تھا، اس میں مسجد کے باہر چبوترہ کو جنم استھان بتایا گیا تھا اور اسی پر عمارت بنانے کی اجازت چاہی گئی تھی اور اس دعوی میں جو نظری نقشہ پیش کیا گیا تھا اس میں مسجد کو "بابری مسجد" ہی کی حیثیت سے دکھایا گیا تھا۔

یکم جولائی ۱۹۵۰ء کو ڈپٹی کمشنر فیض آباد نے عدالت میں جواب دعویٰ داخل کرتے ہوئے اپنے بیان کے پیرا گراف میں ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، اور ۱۸ میں لکھا ہے،

یہ جائداد نزاعی "بابری مسجد" کے نام سے مشہور ہے اور لمبے عرصے سے مسجد کے طور پر مسلمانوں کے ذریعہ عبادت کیلئے استعمال ہوتی چلی آرہی ہے اسکا استعمال رام چندر جی کے مندر کے طور پر کبھی نہیں ہوا ۲۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کی رات میں رام چندر جی کی مورتی کو چوری اور غلط ڈھنگ سے مسجد کے اندر رکھ دیا گیا، اس غلط اور غیر قانونی واقعہ سے مسلمانوں میں کافی بےچینی پیدا ہوگئی اور علاقے میں نقض امن کا خطرہ پیدا ہوگیا اس لئے سٹی مجسٹریٹ گرو دت سنگھ نے ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی اور اسی تاریخ کو ایڈیشنل مجسٹریٹ "شری مارکنڈے سنگھ نے دفعہ ۱۴۵ کے تحت اس مسجد کو قرق کرکے ریسیور مقرر کردیا۔

ڈپٹی کمشنر کے جواب دعویٰ سے ایک ماہ پہلے یعنی یکم جون ۱۹۵۰ء کو ایس، پی ضلع فیض آباد کرپال سنگھ نے بھی جواب دعویٰ داخل کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ۔

"یہ زمانۂ قدیم سے "بابری مسجد" ہے اور اس میں ہمیشہ سے مسلمان نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں ہندوؤں کا اس سے کوئی واسطہ اور سروکار نہیں ہے"۔

اس مقدمہ کے بعد ہندوؤں کی جانب سے مقدمات اور دائر کئے گئے ایک پرم ہنس رام چندر داس کی جانب سے اور دوسرا نرموہی اکھاڑا کی طرف سے، اس کے بعد ۱۹۶۱ء میں یوپی سنٹرل وقف بورڈ اور مسلمانوں کی جانب سے ایک مقدمہ دائر ہوا جس میں جمعیۃ علماء کی طرف سے مولانا نصیر احمد صاحب فیض آبادی بھی مدعی تھے، اس دعویٰ میں کہا گیا تھا کہ یہ "بابری مسجد" مسلمانوں کی مسجد ہے جس میں وہ ۱۵۲۹ء سے برابر عبادت کرتے چلے آرہے ہیں یہ مسجد انکو واپس دیجائے اور نماز میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔

اب تک ان تمام مقدمات کی فائل الگ الگ تھیں بغرض سہولت عدالت کے حکم سے انہیں یکجا کردیا گیا اور سنٹرل وقف بورڈ کے مقدمہ ۱۲/۶۱ کو بنیادی کیس قرار دیدیا گیا۔

اسی اثناء میں ریسیور پریہ دت کا انتقال ہوگیا، تو عدالت نے انکی جگہ شری کے کے رام ورما "

آنریری مجسٹریٹ کو ریسیور مقرر کیا اسی درمیان مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ مسجد میں تبدیلی کی جارہی ہے اسلئے انہوں نے رام ورما کو ریسیور کے عہدہ سے الگ کرنے کی درخواست دی مسلمانوں کی شکایت کو صحیح مانتے ہوئے سول جج نے رام ورما کو ریسیور کے عہدہ سے ہٹانے کا حکم دیدیا اس حکم کے خلاف ہندوؤں نے ہائی کورٹ لکھنؤ بینچ میں "رویژن" دائر کر کے اسٹے لے لیا اس موقع پر ہنما کیس مع جملہ مقدمات کی فائل ہائی کورٹ میں طلب کرلی گئی اور فیض آباد میں تمام مقدمات رک گئے اور تقریباً پندرہ سال کی طویل مدت گذر گئی مگر فیض آباد کی عدالت میں اس مقدمہ کے سلسلے میں کوئی کاروائی عمل میں نہیں آئی حالانکہ اس مدت میں مسلمانوں کی جانب سے بار بار درخواست پیش کی گئی کہ اس کا فیصلہ جلد کر دیا جائے اور ہائی کورٹ کی طرف سے بھی عدالت فیض آباد کو ہدایت دی گئی کہ اس مقدمہ کا جلد فیصلہ کردیا جائے مگر اسکا کوئی اثر نہیں لیا گیا۔

دوران مقدمہ خلاف قانون مسجد میں تبدیلیاں

گذشتہ سطور میں معلوم ہو چکا ہے کہ "بابری مسجد" کے چاروں سمت چہار دیواری ہے، مسجد کا صدر دروازہ اتری سمت ہے اس دروازے پر موٹے خط میں لفظ اللہ کندہ تھا مگر ریسیور اور پولیس کی نگرانی کے ہوتے ہوئے اسے کھرچ کر مٹا دیا گیا! اور دروازے پر "جنم استھان مندر" کا ایک بورڈ لگا دیا گیا، احاطہ کی اتری چہار دیواری اور صحن مسجد کے درمیانی خالی جگہ پر سفید وسیاہ سنگ مرمر کا فرش بنالیا گیا ہے جسے "پیری کرما" (مطاف) کا نام دیا گیا ہے، صحن مسجد میں اتری جانب ہینڈ پائپ گاڑ لیا گیا ہے، صحن مسجد سے باہر پوربی سمت ایک سفالہ پوس مندر تعمیر کرلیا گیا ہے، اسی کے متصل مہنتوں کی قیام گاہ بھی بنالی گئی ہے، دکھن سمت اس چبوترہ پر جسے شروع میں رام جنم استھان کا نام دیا گیا ہے، مندر تعمیر کرلیا گیا ہے اور اسی کے متصل دو مندر اور بھی بنالئے گئے ہیں، مسجد کے درمیانی گنبد پر ایک جھنڈا لگا دیا گیا ہے، یہ ساری تبدیلیاں ۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۶ء کی درمیانی مدت میں کی گئی ہیں جبکہ ریسیور کا تقرر قانونی طور پر اسلئے ہوتا ہے کہ متنازع عمارت میں فریقین کی جانب سے کوئی ترمیم واضافہ نہ کیا جاسکے لیکن یہ تمام تبدیلیاں ہوتی رہیں، نہ مقرر ریسیور رام ورما نے اس کا کوئی نوٹس لیا اور نہ وہاں متعین نگراں پولیس نے اسلئے کہ جذباتی طور پر یہ سب لوگ ان غیر قانونی تبدیلیوں میں باہم شریک کار تھے۔

مسجد مندر بنا دی گئی ہائی کورٹ بنچ لکھنؤ میں ریسیور رماکے سلسلہ میں داخل رٹ زیر سماعت ہے اور قانونی طور پر ابھی اسکے خلاف اپیل نہیں کی جاسکتی لیکن ۲۵ جنوری ۱۹۸۶ ارمیش چندر پانڈے نامی ایک غیر متعلق شخص نے جو ابتک کسی مقدمہ میں فریق نہیں ہے منصف صدر فیض آباد کی عدالت میں مقدمہ ۲ سنہ ۱۹۵۰ء میں ایک نئی درخواست دی کہ جنم استھان میں پوجا پاٹ کرنیکی چھوٹ ہونی چاہئے لہذا عدالت ضلع انتظامیہ کو حکم دے کہ جنم بھومی یا بابری مسجد کا تالا کھول دے تاکہ ہم اور ہندو لوگ بغیر کسی روک ٹوک کے پوجا کرسکیں اسپر منصف صدر نے ...... یہ کہتے ہوئے درخواست خارج کردی کہ اس مقدمہ کی رسمافائل ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے اسلئے اس درخواست پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اس فیصلہ کے خلاف ڈسٹرکٹ جج مسٹر کے ، ایم پانڈے کی عدالت میں سول اپیل نمبر ۶ سنہ ۱۹۸۲ء ۳۰ جنوری کو داخل کی گئی اور ۳۱ جنوری کو دیوانی کے سرکاری وکیل نرائن دت تکراری پیش ہوگئے ضلع مجسٹریٹ نے ڈی ، ایم اور ایس ، پی کا بیان لینا چاہا چنانچہ یکم فروری ۸۶ء کو یہ دونوں حکام بھی حاضر ہوگئے جن سے ضلع مجسٹریٹ نے سوال کیا کہ اگر مسجد یا جنم بھومی کا تالا کھول دیا جائے تو کیا آپ لاء اینڈ آرڈر بحال کرسکیں گے جس پر انہوں نے کہا کہ یہ ہماری ڈیوٹی ہے اور ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کرینگے چنانچہ اس فرضی کاروائی کے بعد اسی دن یعنی سنیچر کو پونے پانچ بجے جج نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ ضلع انتظامیہ اس جگہ کا تالا کھول دے اور رمیش چندر پانڈے اور دیگر ہندوؤں کو پوجا پاٹ کرنے کی کھلی چھوٹ دی جائے اسمیں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے نیز ضلع انتظامیہ لاء اینڈ آرڈر بحال رکھنے کیلئے مناسب کاروائی عمل میں لائے ۔

مسلمانوں کی طرف سے اس مقدمہ کے سلسلے میں تین درخواستیں دی گئیں لیکن جج نے یہ کہتے ہوئے کہ معاملہ ضلع انتظامیہ سے متعلق ہے اسمیں مسلمانوں کو فریق بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ، تینوں درخواستیں رد کردیں۔ اور فیصلہ کے فوراً بعد ۵ بجکر ۱۹ منٹ پر بابری مسجد کا دروازہ کھول دیا گیا اور ہزاروں ہندو پوجا پاٹ کیلئے اسی وقت مسجد میں پہنچ گئے اس طرح سے ۴۵۸ سال کی قدیم مسجد بیک جنبش قلم مندر میں تبدیل کردی گئی

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ؕ

اس مقدمہ کا یہ پہلو کس قدر ڈرامائی ہے کہ اس میں مدعی رمیش پانڈے ، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اندر کمار

پانڈے، ڈسٹرکٹ جج کے. ایم پانڈے اور وکیل ویرشیور دودیدی سب کے سب پنڈت برادری سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے اسمیں جو فیصلہ ہونا تھا وہ پہلے ہی سے ظاہر تھا۔

اسی کا شہر وہی مدعی، وہی منصف ہمیں یقین تھا ہمارا قصور نکلے گا

فیصلہ پر ایک نظر

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مقدمہ کا فیصلہ پونے پانچ بجے ہوتا ہے لیکن اجودھیا اور فیض آباد میں پی، اے، سی اضافی طور پر دن کے دو بجے ہی لگادی گئی اور مسلمانوں کے محلوں میں انکا زبردست گشت شروع ہوگیا اور فیصلے سے پہلے ہی عدالت کو پولیس اور پی، اے سی نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

فیصلہ سے قبل یہ تیاریاں صاف بتلا رہی ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ پہلے سے طے شدہ اسکیم کے تحت ہوا ہے، یہ بات بھی کم حیرت کی نہیں ہے کہ صرف پانچ دن کے اندر منصف عدالت سے لیکر ضلع جج کی عدالت تک مقدمہ کی ساری کارروائی عمل میں آگئی اور فیصلہ بھی کردیا گیا ہندوستان کی عدالتوں میں کیا مقدمات اتنی ہی سرعت کے ساتھ نمٹائے جاتے ہیں، کیا ہندوستانی عدلیہ اس کی کوئی مثال پیش کرسکتی ہے؟

پھر جو مقدمہ ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہو اس کی اپیل اور وہ بھی ماتحت عدالت میں کس قانونی دفعہ کے تحت کی گئی ہے۔؟

کیا کسی مقدمہ میں فریق ثانی کو نوٹس دیئے بغیر فیصلہ کردینا قانونی رو سے درست کیا جاسکتا ہے؟

آخری بات

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر اس طرح کے بلکہ اس سے بھی سنگین تر حالات پیش آئے ہیں لیکن مسلمانوں نے اپنے استقلال واستقامت، صبر وتحمل اور حکمت وجرأت سے ہر موقع پر حالات کے رخ کو موڑ دیا ہے اس لئے آج بھی ہمیں تاریخ سے سبق لینا چاہیئے غم وغصہ، مایوسی ونامرادی، جھنجھلاہٹ اور چیخ وپکار کے بجائے صبر واستقامت اور جرأت سے خدا کے سہارے آگے بڑھنا چاہیئے ظلم وجبر کی کشتی زیادہ دنوں تک نہیں چلتی، کامیابی وکامرانی ہمیشہ حق وانصاف کے قدم چومتی ہے۔

:- وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین :-

مولانا مفتی نظام الدین
مفتی۔ دارالعلوم دیوبند

مسلم پرسنل لاء تاریخ کے مختلف مرحلوں میں

الحمد لله رب العالمین والصلوۃ والسلام علی من انزل الیه تکریماً له ولامته الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا وعلی اله وصحبه واتباعه الصادقین اجمعین :-

وبعد ـــ عنوان بالا کا مفہوم اور اس کی لفظی تشریح پہلے سمجھ لینا چاہئے لا کے معنی ہیں مطلق قانون جس کی اتباع اور پابندی سے زندگی اچھی گذرے ۔ یعنی پاکیزہ حیات حاصل ہو ۔ اور پرسنل کے معنی نجی اور شخصی کے ہیں ۔ پس پرسنل لا کے معنی ہوا ایسے نجی اور شخصی قوانین جس کی اتباع اور پابندی سے اچھی زندگی حاصل ہو ۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے ‘‘شخصی و نجی قانون حیات’’ اور مسلم پرسنل لا کے معنی ہوئے مسلمانوں کے شخصی و نجی قوانین حیات ـــ یعنی مسلمانوں کے ایسے شخصی و نجی

قوانین کا مجموعہ جس پر عمل کرنے سے مسلمان بحیثیت مسلمان زندہ رہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے ایسے قوانین ہیں جن کے مجموعے پر عمل کرنے سے مسلمان زندہ رہے، سو گذارش ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین کا لقب دے کر اور۔۔۔۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين . (پ ۱۷ س انبیاء ع ۷)

ترجمہ:۔ اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لئے ۔ ۱۲

کے خطاب سے نواز کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایسا کامل ومکمل ضابطہ حیات نازل فرمادیا کہ اس پر عمل کرنے سے سارا عالم نہایت روشن خوش وخرم ومطمئن زندگی گذار سکتا ہے، اس کی شہادت یہ آیت بھی دیتی ہے فرمایا گیا:۔

من عمل صالحا من ذکر او انثی وهو مومن فلنحيينه حيوة طيبة ولنجزينهم اجرهم باحسن ماكانوا يعلمون . (پ ۱۴ س النحل ع ۱۳)

ترجمہ:۔ جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے ۔ ۱۲

اور اس ضابطہ حیات پر عمل کرنا واجب اور ضروری قرار دیا گیا اور اس کے خلاف کرنے سے ممانعت فرما دی گئی چنانچہ فرمایا گیا۔

① اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتی و رضيت لكم الاسلام دينا :۔ (پ ۶ س مائدہ ع ۱)

ترجمہ:۔ آج کے دن تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لئے پسند کر لیا ۔ ۱۲

① لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا
(پ ۶، س مائدۃ، ع ۷)

ترجمہ:۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی

③ شرع لکم من الدین ما وصّٰی به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراھیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین و لا تتفرقوا فیه (پ، ۲۵، س شوریٰ
(پ ۲۵، س شوریٰ، ع ۱)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا، اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جسکا ہم نے ابراہیم اور موسیٰؑ اور عیسٰیؑ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا ــــ ۱۲

⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘

④ ثم جعلناك على شريعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون.
(پ ۲۵، س جاثیه ع ۲)

ترجمہ: پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جائیے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلیے ــــ ۱۲

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے خود ایسا کامل ومکمل قانون و ضابطہ حیات نازل فرمایا ہے کہ جس پر عمل کر لینے سے سارا عالم نہایت خوش گوارا ور خوش آمیز زندگی گذار سکتا ہے، اور کسی کو کسی سے ایذاء وتکلیف نہ پہونچے گی، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کامل ومکمل ضابطہ حیات پر عمل کا طریقہ کار اور منہاج عمل بھی نازل فرمایا گیا کما فی قوله تعالیٰ۔

ولکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا (پ ۶، س مائدۃ، ع ۷)ــ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کامل ومکمل نصاب حیات کی مخالفت کرنا اور اس پر عمل کو ترک کرنا بھی درست نہیں، نیز اشارۃً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ کامل ومکمل ضابطہ حیات

انسانی آفرینش کی ابتداء ہی سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہی طریقہ کار رہا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیات اس مضمون پر مشتمل ہیں، مثلاً فرمایا گیا۔

قلنا اهبطوا منها جميعاً فاما ياتينكم منى هدىً فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون۔ (ب ۱، س بقرة، ع ۴)

ترجمہ: ہم نے حکم فرمایا نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب، پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت، سو جو شخص پیروی کریگا میری اس ہدایت کی تو نہ تو کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہونگے۔

⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘

اس آیت کریمہ کا صریح مفہوم یہ ہے کہ عالم ازل ہی میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مع ان کی تمام اولاد کے دنیا میں رہنے کا حکم دیا تو ان تمام کی ہدایت و رہبری کے لئے اپنی طرف سے ہدایات بھی نازل فرمائیں، اور پھر فرمادیا کہ تمہارے پاس میری ہدایات و طریقہ عمل (بذریعہ انبیاء) پہونچے گی، پس جو لوگ میری ہدایت کے مطابق عمل کریں گے کوئی خوف و ہراس ان کے پاس نہ پہونچے گا اور نہ وہ لوگ غمگین ہی ہوں گے۔

غرض مذکورہ بالا آیت کا واضح اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ ہر زمانہ میں اسکے حالات کے مطابق اس زمانہ کے نبی کے ذریعہ ایک ضابطۂ عمل ایک شریعت نازل ہوتی رہے گی جیساکہ شرع لکم من الدین الخ کے اشارہ سے بھی معلوم ہوتا ہے اور پھر اس ضابطۂ حیات کو اللہ تعالیٰ نے خود قیامت تک کے واسطے مکمل کرکے اس پر مہر ثبت کردی اور اس کو نبی آخرالزماں خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر یہ فرمادیا کہ اب قیامت تک کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ محض اسی دین (اور اسی ضابطۂ حیات) پر عمل سے راضی رہیں گے اور

اب کسی دین کے اتباع کی اجازت نہیں، چنانچہ فرما دیا گیا۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔ (پ ۳، س آل عمران، ع ۹)

ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے مقبول نہ ہوگا ۔۔۔ ۱۲

ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ تمام انسانوں کے تمام ہی حالات (پیدائش سے لیکر موت تک بلکہ پیدائش و موت کے درمیانی وقفہ کے حالات اور پیدائش سے قبل اور موت کے بعد کے حالات بلکہ تمام جزئیات مخفیہ وظاہریہ کے حالات) کے احکام اس مکمل ضابطہ حیات (شریعت مطہرہ) میں منضبط و محفوظ ہیں، اور ان تمام احکامات پر عمل کا مطالبہ ہے۔

کوتاہئ عمل پر مؤاخذہ وسزا کا اور درستگئ عمل پر اجر و ثواب کا مرتب ہونا بھی سب منضبط و محفوظ ہے، کسی حال میں انسان بیکار نہیں چھوڑا گیا کما قال تعالیٰ۔

ایحسب الانسان ان یترک سدی۔ (پ ۲۹، س القیامۃ ع ۲)

ترجمہ: کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا ۔۔۔ ۱۲

صدہا آیات ونصوص اس پر صراحۃً دال ہیں، یہاں محض چند ہی نقل کی جاتی ہیں۔ مثلاً

(۱) للہ ما فی السمٰوات وما فی الارض وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ (پ ۳ س بقرۃ ع ۴۰)

ترجمہ: اللہ ہی کے لئے وہ تمام چیزیں ہیں، جو آسمان وزمین میں ہیں، اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کروگے یا کہ پوشیدہ رکھوگے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے ۔۔۔ ۱۲

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

(۲) فمن یعمل مثقال ذرۃ

ترجمہ: جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا

خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ (پ ۳۰، س زلزال، ع ۲)

وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ ۱۲

(۳) کل نفس بما کسبت رھینۃ۔ (پ ۲۹، س المدثر ع ۲)

ترجمہ: ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں محبوس ہوگا — ۱۲

(۴) خلق الموت و الحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ (پ ۲۹، س ملک، ع ۱)

ترجمہ: جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے

(۵) اسروا قولکم او اجھروا بہ انہ علیم بذات الصدور الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر۔ پ ۲۹، س ملک، ع ۱)

ترجمہ: اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے، کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، اور وہ باریک بیں اور بڑا باخبر ہے — ۱۲

(۶) فانہ یعلم السر و اخفٰی۔ (پ ۱۶، س طٰہٰ، ع ۱)

ترجمہ: تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے زیادہ خفی بات کو جانتا ہے — ۱۲

خلاصہ کلام یہ کہ مسلمانوں کو پوری شریعت پر عمل کرنا لازم ہے، مسلمان اسی شریعت پر عمل کرنے سے بحیثیت مسلمان زندہ رہیں گے، اور شریعت مطہرہ اللہ تعالٰی کے نازل کردہ احکام کا مجموعہ ہے اور اس میں کسی انسان کو کسی تغییر و تبدیل کی و بیشی کرنے کا حق نہیں ہے، قرآن پاک میں منصوص ہے۔
قال تعالٰی . . .

وماکان لمومن ولا مومنۃ

ترجمہ: اور کسی ایماندار مرد اور کسی

اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم ط و من یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالا مبیناہ (پ۲۲، س احزاب ع ۵)

ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ ان کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا -۱۲

اور حدیث پاک میں بھی یہ حکم موجود ہے مثلاً . .

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما اوکما قال علیہ السلام۔

ترجمہ: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ دی ہیں جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فہو رد (رواہ الشیخان فی صحیحہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی چیز پیدا کریگا وہ مردود اور غیر مقبول ہوگی ۔

و فی روایۃ فہو مردود ۔

ان آیات واحادیث سے واضح ہوگیا کہ مسلمان بحیثیت مسلمان زندہ رہیگا پوری شریعت مطہرہ پر عمل کرنے سے لہذا مسلمان کا پرسنل لاء (مسلم پرسنل لاء) یہی پوری شریعت ہے بغیر کسی کمی بیشی کے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل یا کوئی کمی یا بیشی سب گمراہی و ضلالت ہے ۔

رہا یہ سوال کہ پھر صرف چند معاملات واحکام کو ہی مسلم پرسنل لاء کیوں

اور کس طرح شمار کیا جانے لگا تو جواب یہ ہے کہ یہ سب ہندوستان میں برطانیہ کی لائی ہوئی حرکتوں کا اور ان کی سیاسی سازشوں کا کرشمہ اور نتیجہ ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب انگریز کامیاب ہوگئے تو پھر جنگ آزادی لڑنے والے تمام لوگوں پر بلا امتیاز مسلم وغیر مسلم بڑے سخت مظالم ڈھائے، ہزاروں مسلم وغیر مسلم کا قتل عام ہوا، خاص کر مسلمانوں پر اس لئے کہ یہ حکومت مغلوں سے لیا تھا، جو مسلم حکومت کہی جاتی تھی اس لئے مسلمانوں کو بہت زیادہ ذبح کیا اور ہراساں و سراسیمہ کیا چنانچہ سیکڑوں چوٹی کے علماء و مشائخ کو تختہ دار پر علی الاعلان لٹکایا اور سیکڑوں کو حبس دوام کی نذر کردیا اور سیکڑوں کو جزیرہ انڈمان ہمیشہ کے لئے بھیج دیا ان تمام قتل عام و مظالم کے باوجود انگریز مطمئن نہیں تھے، ہر وقت ان کو یہ خطرہ لاحق رہا کہ ہمارے ان مظالم کا پھوڑہ کہیں پھوٹ نہ پڑے۔

اس خطرہ کی کئی وجوہ تھیں، ایک وجہ تو یہی تھی کہ پورے ہندوستان میں مسلم وغیر مسلم اور سب میں پورا اتفاق اور کامل یگانگت تھی اور سب بے انتہا ستائے جاچکے تھے،

دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح کوئی قوم اپنی زبان و قانون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح بغیر زبان و قانون کے کوئی حکومت مستحکم نہیں ہو سکتی، اپنی زبان لانے کا معاملہ تو دیر طلب تھا، ہی اپنا قانون بھی فوری لانا دشوار تھا، اس لئے کہ یہ حکومت انگریزوں نے مغلوں سے لی تھی، اور اس وقت اسلامی قانون پوری مملکت میں نافذ تھا اور مسلم و غیر مسلم سب پورے اتفاق و یگانگت کے ساتھ سکھ اور چین کی زندگی بسر کر رہے تھے، انگریز اس کو خوب سمجھ رہے تھے اور خطرہ محسوس کر رہے تھے، کہ اگر ابھی اسلامی قانون میں

کوئی دراڑ ڈالی جائے گی تو وہ پھوڑہ پھر پھوٹ پڑے گا جس کی سدھار دشوار ہو جائے گی، اور اس کا مشاہدہ ہم کر چکے ہیں۔

اور تیسری وجہ یہ تھی کہ مسلمان گرچہ بے حد سراسیمہ و ہراساں ہو چکا ہے لیکن اسلامی قانون (شریعت مقدسہ) ان کا دین وایمان ہے، یہی ان کا ضابطۂ حیات ہے، مسلمان اسی شریعت (اسلامی قانون) کو اپنا عام مذہبی و ملکی قانون بھی سمجھتے ہیں اپنا نجی و شخصی قانون (پرسنل لار) بھی سمجھتے ہیں اگر اس کو فوری طور پر تبدیل یا نسخ کر دیا گیا تو مسلمان اس کو برداشت نہ کر سکے گا، اور اپنی اسی مسلم و غیر مسلم یگانگت و اتفاق کی قوت سے آمادۂ پیکار ہو جائے گا، انگریز اس چیز کو خوب سمجھتا تھا، اس لئے فوری طور پر اسلامی قانون کو ختم تو نہیں کیا لیکن اسکی تخریب کی فکر میں لگ گئے، اور اپنے قدیم اصول و فارمولا (لڑاؤ اور حکومت کرو) کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا، کہ پہلے مسلم و غیر مسلم کے درمیان تفریق و اختلاف کا بیج بو یا، اور آہستہ آہستہ تفریق و اختلاف کا پودا اگا لیا اور اس کو تنا ور درخت بنانے لگے،

اور بظاہر اسلامی قانون نافذ رہا مگر آہستہ آہستہ اس کی روح حدود و قصاص اور بہت سی اسلامی سزائیں موقوف کر دیں، اور یہ چیز اسلامی قانون میں جو مسلم لا بھی ہے اور مسلم پرسنل لا بھی ہے، پہلا دور و مرحلہ تغیر و تبدل کا ہے اور پھر ہندو مسلم اختلاف کو طرح طرح سے ہوا دے کر درمیان میں وسیع خلیج پیدا کی جانے لگی اور سات ہی آٹھ سال میں ۱۸۶۷ء کے لگ بھگ اس اختلافی خلیج کو وسیع کر کے ملک میں دو عدالتیں (مسلم عدالتیں اور غیر مسلم عدالتیں) قائم کر دی گئیں اور نہایت مرصع سبز باغ دکھایا گیا، کہ مسلمان اپنے معاملات مسلم عدالتوں میں لے جائیں اور غیر مسلم اپنے معاملات غیر مسلم عدالتوں میں لے جائیں، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوب اختلاف پیدا ہو جائے، چنانچہ اختلاف پیدا ہو بھی گیا، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ بہت سے معاملات

جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان میں واقع ہونگے اور ان کے بارے میں قدرۃً مسلمان چاہے گا کہ مسلم عدالت میں جائیں اور غیر مسلم چاہے گا کہ غیر مسلم عدالت میں جائیں، چنانچہ ایسے واقعات ہوئے اور دونوں میں شدید اختلاف پیدا ہونے لگے اور انگریز اس ترکیب میں کامیاب ہوگیا، اور اختلاف کی وجہ سے ہندو اور مسلمان دونوں میں ضعف آگیا اور یہ دوسرا تغیر مسلم لا اور مسلم پرسنل لار میں ہوا، اس کو مسلم پرسنل لا کے دور کا دوسرا مرحلہ بھی کہہ سکتے ہیں، اور پھر مسلم عدالتوں میں جو قانون نافذ کیا گیا اس کو اسلامی، قانون کہتے ہوئے اس کا نام محمڈن لار رکھا گیا حالانکہ اسلامی قانون کو محمڈن لار کہنا ہی غلط ہے کیونکہ محمڈن لا کے معنیٰ ہیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بنائے ہوئے قوانین، اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے، اس لئے کہ اسلامی قوانین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اور آسمانی قوانین ہیں، اس لئے اسلامی قوانین کو محمڈن لار کہنا کھلی تحریف اور غیر صحیح ہے اور عیسائیوں کی ایک چال ہے، اور یہ مسلم پرسنل لار کا تیسرا مرحلہ ہے۔

ایک تحریف تو یہ کی دوسری تحریف یہ کی کہ اسلامی قانون کو محمڈن لار میں بعینہٖ نہیں رکھا بلکہ اس میں بہت کچھ تغیر و تبدل کر کے رکھا، اور مسلمانوں نے اس میں شور بھی مچایا مگر ان کی آواز صدا بصحرا رہ گئی، اور اسی ضعف اختلاف کی وجہ سے مسلمان کچھ نہ کر سکے یہ چوتھا تغیر مسلم لار اور مسلم پرسنل لار میں ہوا، جو چوتھا مرحلہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف اور ضعف پیدا کر لینے کے بعد کچھ افراد مسلمانوں میں سے اور کچھ افراد غیر مسلموں میں سے اپنا ہمنوا بنا لینے کے بعد ۱۸۶۷ء میں اپنا قانون بنانے کی اسکیم پاس کر لی، اور تقریباً ۱۸۷۷ء میں نیا قانون (تعزیرات ہند) کے نام سے مرتب ہوگیا، اور مسلمانوں کو بہلانے اور پھسلانے کے لئے نام نہاد اسلامی قانون (محمڈن لار) میں سے بھی تغیر و تبدل کر کے اور بہت سے معاملات حذف کر کے

صرف چند معاملات جیسے نکاح طلاق فسخ نکاح و خلع وغیرہ تقریباً دس بارہ معاملات کو مسلم پرسنل لار کے نام پر کر کے تعزیرات ہند میں شامل کیا گیا۔

یہ مسلم لار و مسلم پرسنل لار میں پانچواں تغیر تھا، اور اس مرحلہ میں مسلم پرسنل لار کا یعنی مسلمانوں کا نجی اور شخصی قانون کا عنوان کھل کر سامنے آگیا، اس پر مسلمانوں نے نوٹس لیا، مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ اثر یہ ہوا کہ ۱۸۶۰ء میں الگ الگ عدالتیں ختم کر کے مسلم و غیر مسلم سب کے لئے ایک ہی مشترکہ عدالتیں قائم کر دی گئیں اور حاکموں کے انتخاب و تقرر میں اپنے بنائے ہوئے قانون (تعزیرات ہند) کے مطابق مسلم و غیر مسلم حکام مشترکہ طور پر مقرر کئے جانے لگے، یہ اسلامی قانون (مسلم لار) میں چھٹا تغیر ہوا اور کھل کر ہوا، اس کو چھٹا مرحلہ کہہ سکتے ہیں۔

چونکہ مسلمانوں کے بہت سے مسائل میں مسلم حاکم کا فیصلہ کرنا ضروری تھا اس لئے مسلمانوں نے اس پر زوردار مخالفت کی اور شریعت ایکٹ کا مطالبہ کیا، تو مسلمانوں کا منہ بند کرنے کے لئے شریعت ایکٹ کے بجائے قاضی ایکٹ بنا اور جابجا شرعی قاضی مقرر کر دیئے گئے، پھر چند ہی سال بعد تقریباً ۱۸۸۷ء میں قاضی ایکٹ منسوخ کر کے مسلم پرسنل لار ایکٹ قائم کر دیا گیا اور صرف نکاح وطلاق وغیرہ کے اندراج کے لئے چند جگہ رسمی قاضی مقرر کر دیئے گئے اور مسلمانوں کی مخالفت اور ان کی آواز پر کان نہ دھرا گیا۔

یہ مسلم لار میں بلکہ خود مسلم پرسنل لا میں مسلم لار کا نام دیتے ہوئے ساتواں تغیر اور اس پر کھلا حملہ تھا ۱۸۸۷ء سے تقریباً ۱۹۳۶ء تک مسلم پرسنل لا ایکٹ کا نفاذ رہا بالآخر جمعیۃ العلمار کے جاں باز علمار جیسے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب وغیرہ رحمہم اللہ کی مجاہدانہ سعی پیہم سے ۱۹۳۷ء میں شریعت ایکٹ بشکل مسلم پرسنل لار تسلیم کر لیا اور یہ موڑ مسلم پرسنل لار کا انگریزی حکومت میں آخری تھا، لیکن جمعیۃ العلمار کا مطالبہ مکمل شریعت ایکٹ کا چلتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہو گیا اور

جمہوری اصول کی حکومت قائم ہوگئی، جمہوری حکومت میں تمام اہل مذاہب کو پورے مذہبی حقوق حاصل رہتے ہیں، نیز اس نئی حکومت کے بنیادی اصولوں میں دستوری وضاحت کے ساتھ تمام مذہبی حقوق کے تحفظ کی ضمانت مصرح تھی، اس لئے علماء کرام اس جانب سے مطمئن ہوگئے چنانچہ آزادی کے بعد ابتداء میں عدالتیں اس کا لحاظ بھی رکھتی تھیں، جیسا کہ ۱۹۵۵ء، ۱۹۵۶ء میں جموں کشمیر کے ایک چیف جسٹس کے سخت اظہار ناراضگی سے معلوم ہوتا ہے جبکہ ماتحت عدالت نے نان نفقہ کے ایک مقدمہ میں شرعی قانون کے خلاف فیصلہ کردیا تھا۔

چند پنجسالہ منصوبوں تک حکومت کا یہ نظریۂ انصاف برابر چلتا رہا اور عدالتیں بھی مسلمانوں کے مذہبی حقوق کا برابر لحاظ کرتی رہیں، ــــ اور مسلمان بھی ایک گونہ مطمئن رہے، مگر شومیٔ اعمال سے اس حکومت پر بھی چند ہی دہائیاں گذرنے پائی تھیں کہ حکومت کے ارباب حل وعقد کے مزاج بدلنے لگے اور ان جمہوری بنیادی اصولوں کی تبویب وتشریح کبھی رہنما اصولوں کے روپ میں کبھی ضمنی واقعات کے اضافہ کے انداز میں کبھی سول کوڈ کی اہمیت وضرورت کے اظہار کے انداز میں کی جانے لگی جس سے پھر شریعت ایکٹ یا مذہبی حقوق کا تحفظ مشتبہ یا مشکوک نظر آنے لگا، اور مسلم قوم کو بحیثیت مسلم شکایات کا موقع آتا رہا، اور حکومت کو اس طرف متوجہ بھی کیا جاتا رہا، مگر حکومت کے ارباب حل وعقد پر اس کا کوئی اثر نمایاں نہیں ہوا، بلکہ عدالتوں نے کھل کر مسلم پرسنل لا، جو تسلیم شدہ تھا، اس کی مخالفت اپنے فیصلوں میں شروع کردی اور مسلمانوں کے دین ومذہب میں کھلی مداخلت تک نوبت پہونچا دی، جس پر مسلمانوں میں بے حد تشویش پیدا ہوگئی، جس کے نتیجہ میں یہ مضمون بھی سامنے آیا، اب اس اپیل کے ساتھ اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ حکومت کے ارباب حل وعقد جو قدرت انصاف و سلامتی طبع خود رکھتے ہیں اس طرف جلد متوجہ ہوں۔ فقط واللہ الموفق والمعین۔

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

مولانا اسیر ادروی

مسلم پرسنل لا، اسلام کے ان چند قوانین اور اصولوں کو کہا جاتا ہے جن کو انگریزی حکومت نے اپنے مراحم خسروانہ سے اپنے حدود حکومت میں مجبوراً نافذ العمل تسلیم کرلیا تھا اور عدلیہ مسلم لا، کے مطابق ان کے فیصلے کرتی تھی، ورنہ ان کا مقصد تو ہندوستان میں عیسائیت کا مکمل فروغ تھا، لیکن مسلمانوں کی شدید مزاحمت کی وجہ سے ہندوستان کو اندلس بنانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور مذہب کی مخالفت کرکے ہندوستان پر قبضہ و تسلط ممکن نہ تھا اس لئے انہوں نے مذہبی مراسم کی ادائیگی اور مذہب کو قبول کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی آزادی کا اعلان کیا اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کے وہ عائلی قوانین جو اسلام کے بنیادی قوانین ہونے کی وجہ سے مسلم معاشرہ کے جزء ہیں ان کے بقاء و تحفظ کی ضمانت دی اور عدلیہ کو پابند کیا کہ نکاح، طلاق، خلع، وراثت، وصیت، ہبہ، حضانت، نفقہ، شفعہ، وقف، ولایت، ایلا، ظہار، فسخ نکاح، مبارات اور حضانت کے مقدمات کا مسلمانوں کے مذہبی قوانین کے مطابق فیصلہ کیا جائے، اسی کو قانون کی کتابوں میں مسلمانوں کے خصوصی قوانین کا نام دیا گیا اور قانون داں طبقہ میں مسلم پرسنل لا کے نام سے مشہور ہوگیا، تعزیراتی قوانین، محکمہ قضا کا خاتمہ، بعض امور میں نفاذ حکم کے لئے

حاکم کے مسلمان ہونے کی جو شرط تھی اس کی نفی کر دی اور ان کو ماننے سے انکار کر دیا اس لئے بعض امور مسلم پرسنل لار کے دائرے میں رہتے ہوئے عدالت کے فیصلہ کو مسلمانوں نے نافذ العمل تسلیم نہیں کیا، مسلم پرسنل لار کا دائرہ جن امور تک محدود تھا ان میں دار الافتار کے فتوی کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تھا، اور انگریزوں کے پورے دور حکومت میں کبھی یہ مسئلہ نہیں اٹھا کہ عدلیہ نے مسلمانوں کے عائلی قوانین کے خلاف فیصلہ کیا ہے

جنگ آزادی میں شریک مسلمانوں کو یقین تھا، کہ ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد مذہبی امور کو انگریزوں کی دی ہوئی محدود آزادی سے زیادہ وسیع معنی میں آزادی حاصل ہوگی، وہ رعایت تھی اور آزادی کے بعد جو کچھ ملے گا وہ بطور حق کے ہم کو ملے گا، لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا جارہا ہے ہم یہ یقین پر مجبور ہوتے جارہے ہیں۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا، ہم خوش فہمی میں مبتلا رہے اور صرف ہوائی قلعے بناتے رہے۔

ادھر چند برسوں میں مسلم پرسنل لار کا لفظ کچھ اس انداز میں استعمال کیا جانے لگا ہے جیسے مسلمانوں کے مذہبی قوانین کچھ اور ہیں اور مسلم پرسنل لار کچھ اور، یہ صرف مسلم معاشرہ کے رسم ورواج کا نام ہے، پچھلے دس بارہ برسوں میں خود ہمارے طرز عمل سے یہ غلط فہمی اور عام ہوگئی ہے کیونکہ ہر بحث، مباحثہ، ہر تجویز اور یزولیشن اور ہر میمورنڈم میں صرف مسلم پرسنل لار کے بارے میں خطرہ کا اظہار کیا جارہا ہے اور صرف اس کے تحفظ کا مطالبہ کیا گیا، مطالبہ کے الفاظ، انداز بیان اور لب ولہجہ سے یہ تاثر دیا گیا کہ ہندوستان میں ہمارا مذہب تو محفوظ ہے، البتہ ہمارا پرسنل لار خطرہ میں ہے، جس کی وجہ سے غیر مسلم لیڈروں اور ارباب حکومت نے یہی محسوس کیا کہ مسلم پرسنل لار مسلمانوں کے مذہب سے علیحدہ کوئی چیز ہے، جو رسم ورواج اور سماجی طور طریقوں سے تعلق رکھتا ہے، جب کہ حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ

جتنے قوانین مسلم پرسنل لا کے دائرے میں آتے ہیں وہ رواجی نہیں بلکہ ہمارے مذہب کی بنیادی تعلیمات و روایات کا ایک حصہ ہیں اور قرآن و سنت سے ثابت شدہ واجب العمل حقائق ہیں، اس لئے مسلم پرسنل لا کے خطرے میں ہونے کے اظہار کے بجائے غیر مبہم اور واضح الفاظ میں مذہب کے خطرے کا اظہار زیادہ موثر تھا،

سپریم کورٹ کے موجودہ فیصلہ نے دائرۂ بحث کو محدود سے محدود تر بنا دیا ہے علماء کرام اور مفتیان عظام نے فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ تاتارخانیہ اور شامی کی ورق گردانی شروع کر دی اور دلائل فراہم کرنے لگے، متاع کی تحقیق و تفسیر، نفقہ کے مسائل کی تشریحات اور حوالہ جات کا انبار لگانے لگے۔ عدلیہ اور ارباب حکومت مسلمانوں کے اس انہماک اور سرگرمیوں کو دیکھ کر صرف مسکراتے رہے کیونکہ وہ اپنی توانائیاں غیر ضروری مصروفیتوں میں ضائع کر رہے تھے، یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ دلائل کی کمی کی وجہ سے سپریم کورٹ نے غلط فیصلہ کر دیا اور اس کو محققانہ اور عالمانہ دلائل سے فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیا جائے گا، سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ سوچا سمجھا ہوا فیصلہ تھا، ایک لاکھ دلائل بھی اس ذہن کو نہیں بدل سکتے جن سے کام لے کر یہ فیصلہ کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ اس فیصلہ کے بعد فرقہ پرست اخبارات اور لیڈروں نے مسلمان عورت کی مظلومیت پر مگرمچھ کے آنسو بہائے، بیانات دیئے، ایڈیٹوریل نوٹ لکھے اور دورِ جدید کے میر صادق محمد عارف خان کو پارلیمنٹ میں مسلم دشمن تقریر کرنے پر مبارکباد دی گئی اور اس کو مسلم عورتوں کا مسیحا کہا گیا[1] مسلمانوں میں طلاق کی اجازت پر غم و غصہ اور نفرت کا اظہار کیا گیا، اس کے جواب میں مسلم پریس نے طلاق کی ضرورت و اہمیت اور حکمت و فلسفہ پر دلائل و براہین تجربات و مشاہدات کا قطب مینار کھڑا کرنا شروع

---

[1] ہند سماچار جالندھر ۲۵ ستمبر ۱۹۸۵ء، آزاد ہند کلکتہ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۵ء

کیا اور ایسا محسوس کیا جانے لگا کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو اگر شکایت ہے تو صرف اس بات کی شکایت ہے کہ ان سے طلاق کا حق چھینا جارہا ہے، اس حق کی راہ میں سنگ گراں حائل کیا جارہا ہے، حتیٰ کہ وزیراعظم سے بھی ایک موقر وفد نے یہی بات کہی کہ اگر طلاق کے بعد تازندگی خرچ دینا ضروری قرار دیا جائے گا، تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ناپسند بیوی سے نجات حاصل کرنے کے لئے قتل، زہر خورانی اور دوسرے بھیانک جرائم کا آغاز ہوجائے گا جیسا کہ ان طبقوں میں مسلسل ہورہا ہے جن کے یہاں طلاق کی اجازت نہیں ہے۔

غرضیکہ بحث کا دائرہ سمٹ سمٹا کر طلاق کی اجازت بعد عدت نفقہ پر آکر ختم ہوگیا اور اس تحریک کی روح قبل از وقت مرگئی، حالانکہ بات بہت مختصر تھی، سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کے بعد مسلمانوں کے دانشور طبقہ کو صاف طور پر غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان کردینا کافی تھا کہ مذہب کی آزادی کی دستور میں دی ہوئی ضمانت عدلیہ کے اس فیصلہ نے رد کردی اور آزاد ہندوستان میں جو جمہوری اور سیکولر اسٹیٹ ہے مسلمانوں کا مذہب محفوظ نہیں رہا دلیل میں بطور مثال اس فیصلہ کو پیش کیا جاتا اور خود فیصلہ کو موضوع بحث نہ بنایا جاتا تو مسلمانوں کا کیس اتنا کمزور نہ ہوتا جتنا آج ہے بار بار کا تجربہ ہے کہ جلسہ و جلوس، کانفرنسوں و مظاہروں میں مسلمانوں کی بہت سی توانائیاں ضائع ہوجاتی ہیں تو وزیراعظم کی طرف سے ایک فرسودہ اور پامال بات دہرادی جاتی ہے کہ حکومت سردست مسلم پرسنل لاء میں کوئی تبدیلی کرنا نہیں چاہتی جب تک کہ خود مسلمانوں کی طرف سے اس کا مطالبہ نہیں ہوگا، بار بار کے اس اعلان سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ حکومت مسلم پرسنل لاء کو مسلمانوں کے مذہب سے علیٰحدہ کوئی چیز سمجھتی ہے، اگر اسکو یقین دلایا گیا ہوتا کہ مسلم پرسنل لاء مذہبی احکام و قوانین کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو شاید اس مہمل اور بے معنی اعلان کی غلطی بار بار نہیں دہرائی

کیونکہ ہر شخص جانتا ہے، کہ کوئی بھی فرقہ اپنے مذہبی احکام میں ترمیم و تبدیلی کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے، اگر حکومت جانتی کہ مسلم پرسنل لا رنماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی طرح ان کے مذہب کا ضروری حصہ ہے اور مسلمان مسلمان رہتے ہوئے اس کی خلاف ورزی اور اس سے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا ہے، تو خود مسلمان یہ کیوں مطالبہ کرے گا کہ ہمارے مذہب کے فلاں فلاں قوانین میں ترمیم کردی جائے یا اس کو کالعدم قرار دے دیا جائے، خود مسلمان اپنی زبان سے اپنے مذہب کی نفی کرکے وہ مسلمان ہی کب رہ جاتا ہے، لیکن حکومت جانتی ہے اور تمام غیر مسلم لیڈروں کو یہی غلط فہمی ہے کہ مسلم پرسنل لار کی حیثیت صرف رسم ورواج کی ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں اور رسم ورواج میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے مسلمان بھی کبھی اپنے فرسودہ رسم ورواج سے اکتا کر ان مراسم کو ترک کرسکتا ہے، اسی لئے وہ اپنے رٹے ہوئے جملے دہراتی رہتی ہے

حکومت کی بدنیتی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ ہر بار وہ اپنے اعلان میں اس بات کا اظہار ضروری سمجھتی ہے کہ اگر مسلمانوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کیا گیا تو یقینی طور پر اس میں تبدیلی کردی جائے گی اور سب سے سچی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اس تبدیلی کے لئے خود بےچین ہے، لیکن حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے اس نے کوئی بڑی تبدیلی نہیں کی متبنّیٰ بل پارلیمنٹ میں پیش ہوکر بھی واپس لے لیا گیا کیوں کہ اس نے سمجھ لیا کہ یہ اقدام ابھی قبل از وقت ہے۔

حکومت کی منشا اور انداز فکر کو سمجھ کر مسلمانوں ہی کے کچھ ضمیر فروش افراد حکومت کے سُر میں سُر ملاکر تبدیلی کا راگ الاپنے لگے ہیں لیکن ابھی ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حکومت کو چند ضمیر فروشوں کا بھی سہارا مل گیا تو یکساں سول کوڈ کی جانب ایک لانبی جست لگائے گی اور اپنی متعینہ منزل کے لئے راہ ہموار کرنے کی غرض سے پہلی فرصت میں مسلم پرسنل لار کی ساری عمارت کو

ڈھاگر زمین بوس کر دے گی، کیونکہ ہندو پرسنل لا جو یہاں کے ۸۵ فیصدی لوگوں کے خصوص قوانین کا نام تھا اس نے یک لخت اس کا خاتمہ کر دیا، مخالفت میں ایک آواز بھی فضار میں نہیں سنائی دی اب ارباب حکومت کے ساتھ ساتھ پچاسی فیصدی کی یہ تعداد بھی چاہتی ہے کہ مسلمانوں کا بھی یہ امتیاز کالعدم ہو جائے۔

اگر حکومت مسلمانوں کے جذبات کا اتنا پاس اور لحاظ رکھتی ہے کہ اگر قابل ذکر تعداد بھی پرسنل لا میں تبدیلی کا مطالبہ کرائے تو حکومت اس مطالبہ کو پورا کرنے میں قطعی کوئی تاخیر نہیں کرے گی تو آج ۳۸ سال سے فسادات کے نام پر مسلمانوں کی نسل کشی ہو رہی ہے اور درندگی و بہیمیت کا ایک تانتا لگا ہوا ہے اور ہندوستان کے سارے مسلمان سوائے چھاگلہ دلوائی اور عارف خان کے یہ متفقہ مطالبہ کرتے آئے ہیں کہ فسادات کے اس لامتناہی سلسلہ کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ جس ضلع میں فساد کے نام پر مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے وہاں کی انتظامیہ کو اس کا ذمہ دار گردانا جائے اور مجرم مان کر ان کو سزائیں دی جائیں تاکہ قتل و غارت گری کا یہ سلسلہ بند ہو لیکن ان ۳۸ سالوں میں کروروں کی جائدادیں تباہ کی گئیں، ہزارہا ہزار افراد انتہائی بربریت اور سفاکی کے ساتھ ذبح کئے گئے، پھونکے گئے، جلائے گئے، دہکتی ہوئی آگ میں زندہ بچے پھینک دیئے گئے، لیکن حکومت کے کان پر جوں تک نہیں رینگی اور مسلمانوں کے اس متفقہ مطالبہ کو ایک دن بھی سنجیدگی سے نہ سنا گیا ور مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کے لئے بار بار کہتی ہے اور مسز اندرا گاندھی سے لے کر آج تک ان گنت بار اس کا اظہار و اعلان کیا گیا کہ اگر مسلمانوں کا قابل ذکر حصہ بھی مطالبہ کر دے تو ضرور تبدیلی کر دیں گے، آخر کیا بات ہے؟ مسلمان جس کا متفقہ مطالبہ کرتا ہے اور جائز مطالبہ کرتا ہے اور بار بار کرتا ہے اس کو سننے کی بھی زحمت نہیں کی جاتی اور جو کام مسلمانوں کو کسی قیمت پر منظور نہیں اس کو بروئے کار لانے کے لئے بےچین نظر آتی ہے؟

بات صرف اتنی ہے کہ فرقہ پرست جو باتیں بر ملا اور علی الاعلان کہتے ہیں، تلخ اور دل آزار لب ولہجہ میں کہتے ہیں ارباب حکومت اس کو شیریں لب ولہجہ میں کہتے ہیں اور خوبصورت الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں، مقصد اور نقطہ نگاہ دونوں کا ایک ہے حکومت کے پیش نظر "یکساں سول کوڈ" کی منزل ہے، وہاں تک پہونچنے کیلئے وہ کئی قدم آگے جاچکی ہے، اس لئے سب سے پہلے ہندو پرسنل لار کو جدید شکل میں ۲۵ راگست ۱۹۵۵ء کو ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے اس وقت کے وزیر قانون مسٹر پاٹسکر نے کہا کہ

"آئین کے نفاذ ۲۶ رجنوری ۱۹۵۰ء کے بعد اسپیشل میریج ایکٹ ہندو میریج ایکٹ پاس کئے گئے ہیں، اب ہندو قانون وراثت کا مسودہ پارلیمنٹ میں زیر غور ہے یہ سب ضابطہ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات ہیں۔"

اس تقریر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت یکساں سول کوڈ کو اپنی آخری منزل سمجھتی ہے، دستور میں بھی یکساں سول کوڈ بنانے کی گنجائش رکھی گئی ہے دستور کے باب "مملکت کی حکمت عملی کے ہدایتی اصول" کی دفعہ ۴۴ میں ہے۔

"مملکت یہ کوشش کرے گی کہ بھارت کے پورے علاقہ میں شہریوں کے لئے یکساں مجموعہ قانون دیوانی کی ضمانت ہو۔[۱]"

مارچ ۱۹۷۳ء میں بنگلور میں یکساں سول کوڈ کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے لاء کمیشن کے چیرمین مسٹر گجندر گڈکر نے فرمایا۔

"مسلمانوں کو یکساں سول کوڈ کو قبول کرنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرلینا

---

[۱] بھارت کا آئین یکم جولائی ۱۹۸۲ء تک ترمیم شدہ شائع کردہ ترقی اردو بیورو ص ۵۸

چاہیئے اگر انہوں نے خوش دلی کے ساتھ نہیں قبول کیا تو قوت کے ذریعہ یہ قانون نافذ کیا جائے گا "

ان تفصیلات سے ہوا کے رخ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا معنی ہوا کہ مسلمانوں کے مذہب کے ایک بڑے حصہ کو کاٹ کر پھینک دیا جائے گا، کیوں کہ ہمارا پرسنل لا رسم اور رواج کا نام نہیں ہمارے مذہب کا حصہ ہے، ان قوانین کی نفی ہمارے مذہب کی نفی ہے، یکساں سول کوڈ کی براہ راست زد ہمارے مذہب پر پڑتی ہے، ہندوستان کے دستور میں دیئے گئے بنیادی حقوق، مذہب اور ضمیر کی آزادی مہمل اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، خطرے کی یہ تلوار ہمارے سروں پر مسلسل لٹک رہی ہے مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو مذہبی پابندیوں سے گھبراتا ہے مغربی تہذیب کی چکاچوند نے اس کی آنکھیں بند کر رکھی ہیں ان کے دلوں کا چور بھی یہی ہے کہ وہ ان مذہبی پابندیوں سے آزاد ہو جائے، وہ مسلمان خاندانوں میں پیدا ہو جانے کی وجہ سے مسلمان ضرور کہے جاتے ہیں لیکن دل و دماغ افکار و خیالات، انداز فکر اور جذبات کے اعتبار سے اسلام سے بہت دور ہیں، جیساکہ چھاگلہ کا رویہ اور حمید دلوائی کا وصیت نامہ جس میں مسلمانوں کی طرح دفن کئے جانے کے بجائے شمشان گھاٹ میں جلائے جانے کی وصیت کی تھی، اس سے ان کی ذہنی ساخت کا پتہ چلتا ہے، ابھی ابھی پانڈیچری کے وزیر اعلیٰ محمد فاروق کا بیان آیا ہے، کہ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں اسلامی احکام کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی ہے اور اس بیان کے بعد وہ مندر میں گئے اور شراب کی بوتل بھینٹ چڑھائی [1]۔

یہ طبقہ مسلسل جد و جہد کر رہا ہے، کہ وہ ان پابندیوں سے خود کو آزاد کرلے اور

---

[1] قومی آواز دہلی ایڈیشن ۱۱ر دسمبر ۱۹۸۵ء۔

حکومت اپنی اندرونی خواہش اور جذبے کی وجہ سے ان کی طرف بڑی پرامید نگاہوں سے دیکھتی ہے اگر اس کو ذرا بھی بہانہ مل گیا تو وہ سب کچھ کر گذرے گی، جس کے لیے وہ برسوں سے پر تول رہی ہے۔

اگر آپ اخبار پڑھتے ہیں تو آپ نے مزدریہ اندازہ لگایا ہوگا کہ مسلمانوں میں جو شخص اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور نقطۂ نگاہ اور زاویہ فکر کے خلاف کوئی بات کہتا ہے کوئی تقریر کرتا ہے، بیان دیتا ہے، یا اجلاس منعقد کرتا ہے، چاہے وہ اجلاس انگلیوں پر گنے جانے والے افراد ہی پر کیوں نہ مشتمل ہو مگر ہندوستان کا قومی پریس اس کی خوب پبلسٹی کرتا ہے، تمام خبررساں ایجنسیاں اس کی خبر کو لیتی ہیں اور ٹیلی کاسٹ کرتی ہیں، فرقہ پرست اخبارات میں جلسہ کی خبر شاہ سرخیوں سے شائع کی جاتی ہے، ارباب حکومت کی نگاہ بھی ان کی طرف محبت آمیز اٹھتی ہے، اس کے بیانات کا حوالہ دیا جاتا ہے اور اس کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔

غرض کہ مسلمان خاندان میں دور جدید کا کوئی میر جعفر اور میر صادق پیدا ہوتا ہے تو مسموم ذہنیت رکھنے والوں کے یہاں گھی کے چراغ جلتے ہیں حمید دلوائی، چھاگلہ، اے، اے، فیض، اصغر علی انجینئر کی شہرت کا راز یہی ہے، اب اس فہرست میں ایک نام کا اور اضافہ کر لیجئے، اور وہ نام ہے عارف محمد خان کا ابھی ان کا اسلام دشمن پہلا بیان آیا ہے ؎ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

ماضی قریب میں یورپ کی فیکٹریوں سے درآمد کئے ہوئے افراد نے ہندوستان کی تقسیم کا نعرہ لگا کر ستر فی صدی مسلمانوں کو اس راہ پر لگا دیا جو ان کو مکمل تباہی کی طرف لے جا رہی تھی اور اسباب و علل کی اس دنیا میں بظاہر یہ نا ممکن معلوم ہو رہا تھا کہ تقسیم ملک کے بعد آگ اور خون کی ہونے والی بارش سے ہندوستان میں ایک توحید پرست زندہ و سلامت رہ سکے گا، اور یہاں کی فضاؤں میں نعرۂ توحید سنائی دیگا

لیکن قدرت کو ابھی اس سرزمین کو توحید پرستوں سے محروم کرنا نہیں منظور تھا، اس لئے قیامت لئے قدم آگے بڑھ کر پھر پیچھے لوٹ گئی، کل مسلمانوں کا مادی وجود خطرہ میں تھا، آج اسی طبقہ نے مسلمانوں کے وجود کو خطرہ میں ڈالدیا ہے، وہ قیامت صغریٰ تھی اور یہ قیامت کبریٰ ہوگی، اس لئے وقت کا اہم ترین اور پہلا فریضہ یہ ہے کہ اس عزم ویقین کے ساتھ جدوجہد کے میدان میں قدم رکھا جائے کہ ؎ یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید۔

اندر اور باہر کی دونوں طاقتیں نبرد آزما ہوچکی ہیں، مسلم پرسنل لا ان کا ہدف بن چکا ہے اس طرح وہ مذہب کے ایک حصہ کو کالعدم قرار دینے کے لئے ہر امکانی جد و جہد کر رہے ہیں ان دونوں طاقتوں کا اتحاد ایک بڑے خطرے کی نشاندہی کرتا ہے اس لئے مسلم قیادت کی حالات کی نبض پر انگلیاں رہنی چاہیئے، اور ہر طرح کی جدوجہد کیلئے بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے، یہ جدوجہد عام سیاسی ہنگامہ آرائیوں کی طرح نہیں ہونی چاہیئے اس جدوجہد کی ناکامی کا معنی مسلمانوں کے روحانی وجود کا مکمل فنا ہونا ہے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اسلامی زندگی کے حدود مقرر ہیں، ان حدود سے سرمو تجاوز بھی انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اسلام کے عقائد و عبادات جس طرح قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں اسی طرح اس کے اقتصادی اور سماجی، معاشرتی اور عائلی قوانین کا بھی سرچشمہ قرآن واحادیث ہی ہیں اور یہ قوانین بھی اس کے مذہب کے اسی طرح جزء ہیں جس طرح عقائد وعبادات، ان قوانین کا مسلمانوں کے رسم ورواج سے قطعی کوئی تعلق نہیں بلکہ جو اعمال و افعال رسم ورواج اور گرد وپیش اور ماحول کے اثرات سے مسلم معاشرہ میں رائج ہوگئے ہیں اسلام اس سے انکار ہی نہیں کرتا ہے بلکہ اس کی بھرپور مذمت کرتا ہے۔

مسلمان اگر زندہ رہے گا تو اپنے اسلامی اصولوں کے ساتھ زندہ رہے گا اور ان

اصولوں کو ترک کرکے زندگی گذارنے پر مجبور ہوگیا تو اس کی زندگی سے اس کی موت بہتر ہے خدا کی سرزمین کو اس کے وجود سے پاک ہوجانا ہی اچھا ہے ۔

مسلمان اس ملک میں ہزاروں قیامتیں گذر جانے کے بعد جو صرف اس لئے مطمئن تھا کہ ہندوستان کا دستور سیکولر اسٹیٹ کے اصولوں پر ہے، ملک کے باشندوں کو اپنے مذہب طور طریقوں اپنے مذہبی اصول و ضوابط پر زندگی بسر کرنے کی پوری آزادی دی گئی ہے، دستور اس کی ضمانت دیتا ہے، اور یہ گارنٹی دی گئی ہے کہ حکومت کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کے نجی قوانین میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی، دستور ہند کے بنیادی حقوق کے باب میں مذہب کی آزادی کا حق" کی دفعہ ۲۵ میں ہے ۔

" تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے اور اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کا مساوی حق ہے " [۱]

ثقافتی و تعلیمی حقوق کی دفعہ ۲۹ میں ہے ۔

" بھارت کے علاقہ میں یا اس کے کسی حصہ میں رہنے والے شہریوں کے کسی طبقہ کو جس کی اپنی الگ جداگانہ زبان، رسم الخط یا ثقافت ہو اس کو محفوظ کرنے کا حق ہوگا " [۲]

بنیادی حقوق کی یہ دفعات ضمانت دیتی ہیں کہ حکومت ان تمام امور میں قطعی مداخلت نہیں کرے گی جن کا تعلق کسی بھی طبقہ کے مذہبی قوانین سے ہوگا، اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج کی اصطلاح میں جن کو مسلم پرسنل لا، کہا جاتا ہے ان سب کا براہ راست تعلق مسلمانوں کے مذہب سے ہے، مسلمانوں کے ان خصوصی قوانین کی نفی درحقیقت مسلمانوں کے مذہب کی نفی ہے اور دستور کی صریح خلاف ورزی ہے ۔

---

[۱] بھارت کا آئین ریکم جولائی ۱۹۸۲ء تک ترمیم شدہ ص ۴۶ [۲] بھارت کا آئین ص ۴۷

موجودہ مسلم پرسنل لا جن قوانین تک محدود ہے ان کی شرعی حیثیت اور جزو دین ہونے کی طرف مختصر اشارے کافی ہوں گے۔

نکاح ۔ نکاح کے سلسلہ میں بہت سی تفصیلی آیتیں آئی ہیں، محرمات ابدیہ کی فہرست درج ذیل آیتوں میں ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ واخواتكم و عمّٰتكم و خٰلٰتكم و بنٰت الاخ وبنت الاخت الخ بیوی اور شوہر کے حقوق و فرائض کی تشریح بھی قرآن ہی میں موجود ہے، کوئی فریق ایک دوسرے کی حق تلفی کرے تو فریق ثانی کو اس کے مطالبہ کا حق قانون شرعی کے مطابق حاصل ہے، غیر مسلم مرد کا مسلمان عورت سے اور غیر مسلمان عورت کا مسلمان مرد سے نکاح نہیں ہو سکتا، ایک سے زائد بیویوں کی بھی اسلام میں اجازت ہے، فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی و ثلٰث و رُبٰع ، نکاح کے بنیادی قانون کے علاوہ اس کے ذیلی قوانین بھی قرآن و حدیث ہی سے ثابت ہیں، اس میں کہیں بھی رسم و رواج کو دخل نہیں ہے

طلاق زوجین میں نباہ دشوار ہو جائے تو قانون شرعی کے مطابق دونوں کو علیحدہ ہونے کا حق بھی قرآن ہی نے ان کو دیا ہے، الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان، شوہر کو ناپسندیدہ بیوی سے علیحدگی کا اگر قانونی حق دیا گیا ہے تو عورت کو بھی بہت سی صورتوں میں علیحدہ ہو جانے کا حق بھی قرآن نے دیا ہے اس کو زہر کھانے، تالاب اور کنویں میں چھلانگ لگانے اور مٹی کا تیل چھڑک کر مرنے پر ہمارے مذہب نے مجبور نہیں کیا ہے، جیسا کہ ان طبقوں میں عام ہے جن کے یہاں زواجین میں علیحدگی کا حق تسلیم نہیں کیا گیا ہے، مہر اور نفقہ کی ادائگی کے واضح احکام شریعت نے ان کو دیئے ہیں، طلاق مغلظہ کے بعد پھر اسی عورت سے رشتہ مناکحت قائم کرنے پر پابندی بھی قرآن ہی نے لگائی ہے، فان طلقها فلا تحل له

حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ ، خود عورت عدت کے اندر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی یہ تصریح بھی قرآن میں موجود ہے المطلقٰت یتربصن بانفسہن ثلثة قروء ، غرض کہ نکاح وطلاق کے تمام بنیادی اصول قرآن نے واضح طور پر خود بتائے ہیں انہیں اصولوں کی روشنی میں ذیلی قوانین پر مشتمل مستقل اور ضخیم ترین کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ہر امکانی صورت کے لئے شرعی ضابطہ موجود ہے ، نکاح وطلاق اور اس سے متعلق جتنے احکامات ہیں ان میں سے کسی کا ادنیٰ تعلق بھی رسم ورواج سے نہیں بلا استثنار تمام احکام مذہبی قوانین کے زمرے میں آجاتے ہیں ۔

خلع اسلام نے بیوی کو ناپسندیدہ شوہر سے علیحدگی کا بھی موقعہ دیا ہے قرآن کے الفاظ ہیں فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ ، اس طرح عورت شوہر سے علیحدگی میں مذہب کی اجازت سے فائدہ اٹھا سکتی ہے ، اس کے تفصیلی احکام کتابوں میں مفصل موجود ہیں ، اسلامی قانون کی کتابوں کا یہ ایک مستقل باب ہے ، یہ اجازت سماجی ضوابط اور سوسائٹی کے طور طریقوں کا ثمرہ نہیں بلکہ مذہبی قوانین کا ایک حصہ ہے ۔

ایلار جنسی تقاضے فطرت کے تخلیق کردہ ہیں ، زن وشوئی کے تعلقات میں اس کی بنیادی حیثیت ہے اس لئے اسلام نے اس فطری تقاضے کو ازدواجی زندگی میں اہمیت دی ہے ، اگر شوہر بیوی سے قربت نہ کرنے کی قسم کھالے جو در حقیقت بیوی کی حق تلفی ہے ، تو اس کے لئے قرآن کا واضح قانون موجود ہے ۔

للذین یولون من نسائہم تربص اربعة اشہر فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم ، اگر بیوی سے مفارقت کی قسم کی مدت چار مہینوں سے متجاوز ہو جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے ، بیوی اس کے دائرۂ اختیار سے از خود باہر ہو گئی ، اب شوہر کو اس پر اختیار

نہیں رہا، اب بیوی کی اجازت ہی سے دوبارہ اپنی زوجیت میں لے سکتا ہے اور اگر بیوی انکار کردے تو شوہر کو اس پر جبر کرنے کا اختیار نہیں اگر چار مہینے کے اندر قسم توڑدی تو اس کا اختیار علیٰ حالہ باقی رہتا ہے لیکن کفارہ کی ادائگی ضروری ہے، فطرت انسانی کی رعایت کرتے ہوئے خود قرآن نے اس کے ضوابط مقرر کئے ہیں، سماج یا سوسائٹی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔

فسخ نکاح

فسخ نکاح کا مسئلہ بھی مسلم پرسنل لا میں شامل ہے، اس کا بھی کوئی تعلق رسم ورواج سے نہیں یہ بھی ہمارے مذہبی قوانین کا ایک حصہ ہے، اس قانون سے استفادہ کے بہت سے مواقع ہیں اور ہر ایک کے لئے واضح شرعی ضابطہ موجود ہے، شلاً باپ داداکے علاوہ کسی نے نابالغ لڑکی کی شادی کردی لیکن سن شعور اور بلوغ کو پہونچتے ہی لڑکی نے اس رشتہ کو ناپسند کیا تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کردے، نکاح فسخ ہو جائے گا، اور اسلامی عدالت اس کو تسلیم کرے گی، اسی طرح شوہر میں بہت سے فطری وغیر فطری عیوب ہوسکتے ہیں جن کی بنا پر وہ حقوق زوجیت کی ادائگی سے قاصر ہے ان عیوب کی بنا پر عورت کو قانون شرعی کے مطابق حق حاصل ہے کہ قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرکے نکاح کو فسخ کرائے اور آزاد ہو جائے ہمارے مذہب نے اس فسخ نکاح کو قانونی حیثیت دی ہے اور نافذ العمل ہے، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی روایت مصنف عبدالرزاق میں اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایتیں مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہیں ۔

عورت کو فسخ نکاح کرانے کا حق کئی صورتوں میں حاصل ہے شلاً عنین ہونا، مجبوب ہونا اور اسی طرح مفقود الخبر ہونا وغیرہ وغیرہ ان تمام صورتوں میں بیوی کو عدالت سے فسخ نکاح کرانے کا قانونی حق ازروئے شریعت حاصل ہے لیکن اس کا انفاذ قاضی شرعی

یا قائم مقام قاضی ہی کرسکتا ہے، جس کا مسلم ہونا ضروری ہے نہ غیر مسلم حاکم کا فسخ نکاح ہمارے مذہبی قوانین کے مطابق معتبر اور نافذ العمل نہیں ہے چونکہ اس کی حیثیت مذہبی قانون کی ہے اس لئے ان شرائط کی پابندی ضروری ہے، جو فسخ نکاح کے لئے شریعت نے عائد کی ہیں۔

وراثت وراثت بھی مسلم پرسنل لا کی فہرست میں شامل ہے، وراثت کا قانون بلکہ مکمل ضابطہ قرآن میں موجود ہے بلکہ قرآن نے جن چند آیتوں میں وراثت کے مسائل کو بیان کیا ہے ان کی تفصیلات پر مشتمل مستقل ایک فن علم الفرائض ایجاد ہوگیا ہے، قرآن میں ہر ایک کا حق، اور حصہ متعین کر دیا گیا ہے، کسی کو یہ حق نہیں کہ اس میں کمی بیشی کرے یا مستحق کو غیر مستحق اور غیر مستحق کو مستحق بنا دے اس کا ہر ہر جزئیہ نص قرآنی سے ثابت ہے، قرآن کے الفاظ ہیں، یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترك وان كانت واحدة فلها النصف ولابويه لكل واحد منهما السدس مما ترك ان كان له ولد فان لم يكن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان كان له اخوة فلامه السدس من بعد وصية يوصى بها او دين (الاية) وله عذاب مهين تک، قرآن کی ان آیتوں میں تقسیم وراثت کی تمام صورتوں کو سمیٹ لیا گیا ہے سوا ایک یا دو کے اس طرح پورا قانون وراثت قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے اس لئے کسی جزء سے انحراف قرآن سے انحراف ہے۔

ظہار ظہار بھی مسلم پرسنل لا کا ایک جزء ہے، یہ فقہ کا ایک مستقل عنوان ہے، اس کے مسائل کتابوں میں مشرح ہیں اس کا مفہوم ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے ان میں سے کسی سے تشبیہہ دیدے

اس کو ہمارے مذہب میں لفظ ظہار سے تعبیر کیا جاتا ہے اور بیوی سے مقاربت حرام ہو جاتی ہے اس کے لئے بھی نص قرآنی موجود ہے، والذین یظٰہرون من نسائہم ثم یعیدون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذٰلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً، ظہار کی صورت میں بیوی کو حق حاصل ہے کہ شوہر سے علیحدگی اختیار کرے، اور اپنے اوپر قابو دینے سے انکار کر دے اور چاہے تو قاضی سے مرافعہ کر کے اپنی حفاظت کا بندوبست کر سکتی ہے، قاضی کو اختیار حاصل ہے، کہ شوہر کو قید کر دے یا جسمانی سزا دے اور بیوی سے تعلق کو روک دے اور اسکو مجبور کر دے کہ وہ کفارۂ ظہار ادا کرے اگر وہ بیوی سے زن شوئی کے تعلقات کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

مبارات مبارات میاں بیوی کی علحدگی کی باہمی سمجھوتہ سے ایک شکل ہے، اس میں زوجین آپس میں ہر ایک کے دوسرے پر نکاح کی وجہ سے جو حقوق ہیں ان سے از خود دست بردار ہو جاتے ہیں جو دونوں فریق کو ایک دوسرے سے حاصل ہیں، اس سے بھی زوجین میں علحدگی اسی طرح ہو جائے گی جیسے خلع میں ہو جاتی ہے، یہ مسئلہ بھی مسلم پرسنل لار کے دائرہ اختیار میں ہے، اس کی تفصیلات فقہ کی مطولات کی کتاب الطلاق میں موجود ہیں۔

وصیت وصیت کا نفاذ بھی مسلم پرسنل لار کے حدود اختیار میں ہے، اور اس کے قوانین کا ایک حصہ ہے ہمارے مذہبی قوانین کی رو سے موصیٰ لہٗ کو اپنے حق میں وصیت کے نفاذ کے لئے عدالت میں دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہے کیونکہ وصیت سے وہ اس چیز کا شرعی طور پر مالک ہو جاتا ہے جس کی اس

کے حق میں وصیت کی گئی ہے ایتِ میراث میں تین مقامات پر، من بعد وصیة یوصیٰ بہا، کا لفظ موجود ہے جس سے قطعی طور پر قرآن کی منشار کا پتہ چلتا ہے کہ وصیت کے نفاذ کو اولیت حاصل ہوگی، اور اس کا نفاذ ضروری بھی ہے۔

وصیت کے نفاذ کے لئے جو شرائط ہیں ان کا مفصل ذکر فقہ کی کتابوں میں موجود ہے مثلاً جس کے لئے وصیت کی گئی ہے، وہ وصیت کرنے والے کا وارث نہ ہو، مال مشترک کی وصیت نہ کی گئی ہو، اور اگر مرض وفات میں وصیت کی ہے تو ثلث مال سے زائد نہ ہو، تجہیز و تکفین اور ادائے قرض کے بعد وصیت کا نفاذ ہوگا اس کا بنیادی حکم قرآن میں ہے اور جزئی احکام فقہ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں۔

ہبہ ہبہ کے مقدمات کی سماعت بھی مسلم پرسنل لار کے دائرہ اختیار میں آتی ہے ہماری کتابوں میں اس کے واضح احکام موجود ہیں، ہمارا مذہبی قانون کہتا ہے کہ اگر ہبہ کرنے والے نے کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دی اور اس کو قبضہ و دخل دے دیا تو وہ اس کا مالک ہوگیا، چاہے تحریری ہو یا زبانی اس کی کوئی قید نہیں، اب ہبہ کرنے والے کے ورثہ کا حق بھی اس سے ساقط ہوگیا، حتیٰ کہ ہبہ کرنے والے کو بھی اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں بخاری، ترمذی اور ابو داؤد کی روایت ہے العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ، فقہ کی کتابوں میں مفصل احکام ہیں، جو مستند روایتوں سے ماخوذ ہیں۔

حضانت بچے کا حق پرورش کس کو حاصل ہے، یہ مسئلہ بھی مسلم پرسنل لار میں شامل ہے، اس کا بھی شمار ہمارے مذہبی قوانین میں ہے مثلاً زوجین میں افتراق ہوگیا، بچہ گود میں ہے، بچہ باپ کی پرورش میں رہے گا یا ماں کی؟ ابو داؤد میں عبداللہ بن عمرو کی روایت مسئلہ کی نوعیت کو واضح کرتی ہے روایت کے الفاظ ہیں۔ ان امرأة قالت یارسول اللہ ان ابنی

هل اكان بطني له وعاء وحجري له حوى وثدي له سقاء وذعم ابوه انه ينزعه مني فقال عليه السلام انت احق به ما لم تتزوجي، بچہ ماں کے پاس رہے گا باپ کو اس سے چھیننے کا اختیار نہیں، اگر زبردستی کرتا ہے تو عورت عدالت میں دعویٰ کرکے بچہ کو حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے، اور اخراجات کو پورا کرنا باپ کی ذمہ داری ہوگی اگر باپ اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو عدالت اس کو اخراجات دینے پر مجبور کر سکتی ہے،

نفقہ نفقہ کا عنوان بھی مسلم پرسنل لا کی فہرست میں ہے، نفقات کی بہت سی شکلیں ہیں ان تمام کے احکام ہماری مذہبی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں مثلاً شوہر پر بیوی کا نفقہ ضروری ہے، اس کے نفقہ میں خوراک پوشاک اور رہنے کا مکان شامل ہے، بیوی کو شرعی قانون کے مطابق یہ حق حاصل ہے اس کے لئے وہ عدالت سے رجوع بھی کر سکتی ہے یہ قانون بھی نص قرآنی سے ماخوذ ہے آیت ہے، لينفق ذوسعة من سعته، دوسری جگہ ہے على المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف مسلم شریف حجۃ الوداع کے باب میں ہے لهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف، اسی طرح بیوی کو اپنے مفقود الخبر شوہر کے مال سے نفقہ لینے کا حق حاصل ہے، اسی طرح ماں باپ دادا دادی اگر محتاج ہیں تو ان کو بیٹوں اور پوتوں سے خرچ لینے کا قانونی حق حاصل ہے، اسی طرح بچہ کم عمر اور محتاج ہے یا عورت بالغ ہے مگر محتاج وغریب ہے، یا بالغ مرد محتاج ہے اور اس کے ساتھ اپاہج ہے یا نابینا ہے تو ان کا نفقہ اس کے مستطیع رشتہ داروں پر ضروری ہے، بالغ لڑکی یا اپاہج لڑکے کا نفقہ والدین پر واجب ہے اور ان تمام مستحقین نفقہ کو یہ حق حاصل ہے، کہ جن لوگوں کے ذمہ نفقہ کی ادائگی از روئے شرع لازم ہے ان پر قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرکے وصول کر سکتے ہیں قانون شرعی کے مطابق یہ حکم نافذ العمل ہوگا۔

شفعہ جائداد کی خریداری کا حق جو مشتری کی جائداد سے ملی ہوئی ہو یا وہ خود اس میں حصہ دار ہو یہ مسئلہ بھی مسلم پرسنل لار کے حدود اختیار میں ہے، ایسی جائداد اگر مالک کسی دوسرے شخص کو فروخت کر دے تو عدالت میں دعویٰ کرکے اسی لاگت پر پڑوسی یا حصہ دار کو اس کے پانے کا حق شریعت نے تسلیم کیا ہے، اسی کو حق شفعہ کہا جاتا ہے، یہ بھی ہمارے مذہبی قوانین کا ایک حصہ ہے، مسلم شریف کی روایت ہے،
قضیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالشفعۃ فی کل شرکۃ لم تقسم ربعۃ او حائط لایحل لہ ان یبیع حتی یوذن شریکہ فان شاء اخذ وان شاء ترک فاذا باع ولم یوذنہ فھو احق بہ،
اسی طرح بخاری شریف کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، الجار احق بسقبہ (ای بقربہ) حق شفعہ ہمارے مذہبی قوانین کا ہی ایک حصہ ہے، اور ہم اس کو نافذ العمل مانتے ہیں۔

وقف وقف کا مسئلہ بھی مسلم پرسنل لار میں شامل ہے اور اس کے دائرہ کار میں آتا ہے اسلامی اصولوں کے مطابق خدا کی راہ میں وقف کر دینے کے بعد اس جائیداد کی حیثیت تمام جائیدادوں سے الگ نوعیت کی ہو جاتی ہے، جو اختیارات کسی شخص کو اپنی جائیداد میں حاصل رہتے ہیں ان میں سے کوئی اختیار باقی نہیں رہتا ہے، کیونکہ اب وہ جائداد کسی کی بھی ملکیت میں نہیں رہ گئی اس لئے اس جائداد کو نہ خریدا جاسکتا ہے، اور نہ بیچا جاسکتا ہے اور نہ واقف کے ورثار کو اس میں حق وراثت حاصل ہے، صحاح ستہ میں اس سلسلہ کی بہت سی روایتوں میں سے صرف مسلم شریف کی ایک روایت پیش ہے، عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں، اصاب عمرؓ ارضا بخیبر فاتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یستامرہ فیھا فقال یا رسول اللّٰہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا اقط ھو

انفس عندی منه فما تامرنی به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها قال فتصدق بها عمر انه لایباع اصلها ولا تباع ولا تورث ولا توهب، قال، فتصدق عمر فی الفقراء وفی القربٰی وفی الرقاب وفی سبیل اللّٰه وابن السبیل والضیف ولا جناح علی من ولیها ان یاکل منها بالمعروف او یطعم صدیقا غیر متمول فیه، روایت سے درجنوں وقف کے مسائل مستنبط ہیں۔

ولایت ولایت کا شمار بھی مسلمانوں کے خصوصی قوانین میں کیا گیا ہے اور مسلم پرسنل لا کے تحت آتا ہے، بہت سے امور میں حق ولایت شریعت نے تسلیم کیا ہے، اور ہر جگہ اولیاء کے حقوق و فرائض کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے، نکاح کا ولی، جنازہ کا ولی، یتیموں کے مال کا ولی۔ نابالغ اولاد کا ولی، ہر ایک کے الگ الگ ضابطے ہیں، قرآن میں تیموں کے اولیاء سے کہا گیا، اٰتو الیتٰمٰی اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب، نابالغ اولاد کے مال میں بربنائے ولایت تصرف کا اختیار اور کچھ شرائط کے ساتھ بیع وشرا کا اختیار اولیاء کو حاصل ہے یہ مسائل کتاب وسنت سے مستنبط ہیں۔

مسلم پرسنل لا جن قوانین کے مجموعہ کو کہتے ہیں ان کی طرف میرے مختصر اشاروں سے سمجھ لیا گیا ہوگا کہ یہ تمام مسائل قرآن وسنت سے براہ راست اخذ کئے گئے ہیں اور ہمارے مذہب کا حصہ ہیں، ان میں سے کسی جزء کی نفی ہمارے مذہب کی نفی ہے، حکومت جب مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتنسیخ کے ارادہ کا اظہار کرتی ہے تو اس کا دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی احکام میں بھی ہم دخل اندازی کرنے کے لئے تیار ہیں۔

مسلم پرسنل لا کے جملہ مسائل کا ہمارے مذہب سے براہ راست تعلق کوئی ڈھکی چھپی

بات نہیں، مسلم عوام سے لیکر اس کے دانشور طبقہ تک ہر شخص کو ان کے مذہبی قوانین ہونے کا یقین کامل ہے، لیکن اس کا علم رہتے ہوئے بھی میں نے ان امور کے مذہبی حصہ ہونے پر خامہ فرسائی کی غلطی کیوں کی؟ صرف اس لیے کہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ صرف اندھوں ہی کا ہاتھ پکڑ کر راستہ پر نہیں لگایا جاتا، کبھی کبھی کھلی آنکھیں رکھنے والوں کو بھی ہاتھ پکڑ کر راستہ پر لگانا ضروری ہوتا ہے، کیوں کہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر صحیح راہ ہوتے ہوئے بھی اس راہ پر چلنے سے کتراتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ حکومت کے سامنے غیر مبہم اور واضح لفظوں میں یہ بات رکھدی جائے کہ یہ رسم ورواج میں تبدیلی کا مسئلہ نہیں، مسلمانوں کے مذہب کے نفاذ وبقاء کا مسئلہ ہے مسلم پرسنل لاء کے کسی جزء کی نفی درحقیقت مسلمانوں کے مذہب کی نفی ہے جو مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے، مسلم پرسنل لاء میں ترمیم، تنسیخ، یا تبدیلی درحقیقت مسلمانوں کے مذہبی احکام پر خط تنسیخ کھینچ دینا ہے جس کا حق ارباب حکومت کو حاصل نہیں، اور نہ خود مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے۔

اس لئے اگر ہندوستان کا کوئی دستور ہے تو اس کا احترام ضروری ہے، یہ ملک سیکولر اسٹیٹ اور جمہوری ہونے کا دعویدار ہے تو دستور میں دیئے گئے بنیادی حقوق کو سلب کرنے کا کسی کو اختیار حاصل نہیں ہے، اس کے باوجود حکومت کسی فرقہ کے بنیادی حقوق کو سلب کرتی ہے، تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے، کہ اس کے اس ظلم وجبر کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرے گی اور کاغذ کی ناؤ زیادہ دیر نہیں چلے گی۔

محمد افضال الحق قاسمی
اعظمی ۔ جونپور

مسلم پرسنل لا کیا ہے

ہندوستان جب کابل سے برما تک پھیلا ہوا تھا اس وقت مسلمانوں کی حکومت شخصی تھی، لیکن حکمرانی کا طریقہ اصولی اور قانونی تھا، کیونکہ اسلام نے خلیفہ اور قاضی کے دو الگ الگ عہدے قائم کر رکھے تھے، عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ کر دیا تھا، اس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، انصاف کے ذمہ داروں کے عہدے تھے، منصف، قاضی اور قاضی القضات اور انتظامی ذمہ داروں کے نام تھے، امیر، خلیفہ، وزیر نواب، بادشاہ، شہنشاہ۔

ہندوستان میں انصاف کے لئے اسلامی قانون بھی رائج تھے اور رسم ورواج سے بھی فیصلے ہوتے تھے، لیکن انتظام کے لئے کوئی بندھا ٹکا نظام نہیں تھا بلکہ ہر علاقے اور حکومت اور ریاست کا راجہ، نواب، اور بادشاہ مطلق العنان تھا، پھر بھی قاضی اور قاضی القضات کے فیصلے مانا کرتے تھے، جیسا کہ جہاں گیر کا واقعہ مشہور ہے اس لئے اکبر نے اس پابندی کو اپنی آزادی کے لئے رکاوٹ سمجھ کر اسے ہٹانا چاہا تو مختلف مذاہب کو یکجا کرنے کے نام پر ایک دین الٰہی مرتب کیا یا موجودہ اصطلاح میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی طرح ڈالدی اور فیضی اور ابوالفضل کی ذہانت نے

چندر چوڑ کا کارنامہ انجام دیا ۔ ایسے میں اگر مجدد الف ثانی احمد سرہندیؒ سر ہتھیلی پر رکھکر میدان میں نہ آگئے ہوتے ، تو ہندوستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا ، مگر انہوں نے سیلاب کا رخ بدل دیا ، اور بدلا بھی تو صرف اپنی جرأت ، ہوش مندی اور تقریر سے نہیں بلکہ اس میں تصوف ، اتباع سنت اور روشن ضمیری کا بھی دخل تھا ، ان کی یہ جنگ خالص اخلاقی اور عدم تشدد کی جنگ تھی ، صبر آزما اور جرأت آزما جنگ تھی ، اس جنگ کے بعد جب گرد بیٹھ گئی تو اسیں سے عالمگیر پیدا ہوا جس نے حکمرانی کے لئے ایک عام قانون وضع کر دیا اس قانون کی بنیاد قرآن و حدیث اور اکابرین اسلام کے فتاویٰ پر تھی اس لئے اس کا نام فتاویٰ ہندیہ ۔ اور فتاویٰ عالم گیری پڑگیا ان فتاویٰ کو حکومت کی آئینی حیثیت اس وقت تک حاصل رہی جب تک انگریزوں نے آکر اسے منسوخ نہیں کر دیا اس کے بعد وہ آئین نہیں رہا بلکہ آئین کا مجموعہ اک تاریخی دستاویز بن کر آج تک موجود ہے ۔

۲

برطانوی سامراج ایسا غیر ملکی اقتدار تھا ، جس نے عیسائی مذہب اور اس کے قانون سے گلو خلاصی کر کے دنیاوی اصولوں اور عقلی طریقہ کار کو مذہبی اصولوں پر ترجیح دی تھی ، اور یورپ کی عام زندگی کو قیصر اور کلیسا میں تقسیم کر کے پرسنل زندگی اور سول زندگی بنا رکھا تھا ، اس لئے جب وہ ہندوستان میں آیا تو انہوں نے اسلامی قانون مسخ کر کے ایک نیا اصول وضع کیا اور اس کے لئے بہت سے نئے انتظامات کیے ، مثلاً حکمرانی کے اصول و آئین منضبط کر کے چپراسی سے لے کر وائسرائے تک کو اس کا پابند کر دیا اور اس طرح پابند کیا کہ ۳۷ برس کی آزادی کے بعد بھی مرکزی حکومت ان اصولوں سے انحراف نہ کر سکی ۔

دوسرا انتظام یہ کیا کہ فوجداری اور دیوانی کی الگ الگ عدالتیں قائم کر دیں ، پھر

فوجداری عدالت کی نمائندگی کے لئے ستقاضے قائم کر دیئے اور محکمۂ مال کی نمائندگی کے لئے تحصیل بنادی اوران سب کو مربوط کرنے کے لئے دو قسم کے آئین مرتب کر دیئے ، فوجداروں کے لئے تعزیرات ہند مرتب کر دی جس میں چوری ، ڈکیتی ، دھوکہ فریب کا قانون پورے ملک کے لئے یکساں بنا دیا ، چنانچہ چور چاہے مسلمان ہو یا ہندو ، عیسائی ہو یا پارسی سب کو ایک قسم کی سزائیں ملنے لگیں اسی طرح دیوانی کے مالیات کا قانون یکساں نافذ کر دیا مگر عائلی مسائل کے لئے ہر فرقے کو اپنے مذہب کے قانون پر عمل کرنے کی آزادی دے دی۔

اس لئے مسلمانوں کی وراثت ، نکاح طلاق وغیرہ کے مسائل ان کے مذہبی قانون کے مطابق ، اور ہندؤں عیسائیوں کے مسائل ان کے مذاہب کے مطابق طے ہونے لگے ورنہ رسم و رواج کے مطابق فیصل ہونے لگے اس کے لئے انہوں نے شروع میں قاضی مقرر کئے جو اسلامی قانون نافذ کرتے تھے ، اس کے بعد اسے بھی منسوخ کر کے عام عدالتوں کو پابند کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے صرف عائلی مسائل ان کی مذہبی کتابوں کے مطابق طے کریں اس لئے ہدایہ اور شامی کے حوالے سے عدالتیں فیصلے کرنے لگیں اور جب ان حوالوں میں دشواری پیش آئی تو مختلف اہل علم نے عائلی مسائل کے لئے کتابیں مدون کر دیں ان میں سب سے مشہور و معتبر ملا کی کتاب ہے جو ہے تو ایک پارسی کی کتاب مگر اس نے نہایت امانت داری سے مسلمانوں کے مسائل ان کے حوالے اوران کی تشریحات کر کے عدالتوں کا کام آسان کر دیا ، ان ہی محدود و مختصر عائلی مسائل کا نام مسلم پرسنل لا ر پڑ گیا ـــــ جو آج کل زیر بحث چل رہا ہے ۔

۳

۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہو جانے کے بعد نئے ہندوستان کا دستور بنا تو اسے مجاہدین آزادی نے مرتب کیا تھا اس لئے انہوں نے ہر ہندوستانی باشندوں کو مذہب کی آزادی ،

عمل کی آزادی، زبان کی آزادی بیان کی آزادی عطا کی۔

پھر لسانی اور مذہبی اقلیتوں کا وجود تسلیم کیا اور انہیں زندگی کے تمام بنیادی حقوق عطا کر دیئے حتیٰ کہ اسے دستور ہند کا بنیادی حق بنا کر طے کر دیا کہ حکومت کسی مذہب کی نہیں ہوگی قانون تمام مذاہب کا احترام کرے گا اور انہیں نافذ کرے گا اس لئے دستور نے نہ صرف مذہبی فرقوں کو بلکہ قبائل کے رسم ورواج کو بھی آئینی حیثیت دے کر عہدیدار اور انتظامیہ کو پابند کر دیا کہ وہ اس کی مخالفت کریں

دستور ہند کی اس معقولیت اور دور اندیشی کا نام سیکولرزم پڑگیا، اس لئے جہاں مذہبی طور پر اکثریت خود مختار تھی، وہیں پر ہر اقلیت بھی اپنے مذہبی وعائلی مسائل میں آزاد خود مختار اور خود کفیل بنادی گئی، اور اس آزادی کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت پر ڈال دی گئی یہ تھی ڈھائی سوسال کی آئینی تبدیلیوں کی مختصر کہانی جو ۱۹۷۳ء تک ختم ہوگئی۔

۱۹۷۳ء میں حکومت ہند نے اپنے قانون فوجداری میں ترمیم کرکے دفعہ ۱۲۵ کی تشریح فرمائی، اور اس طرح قانون بنادیا کہ نکاح طلاق، عدت اور نفقہ کا وہ سارا اسلامی قانون منسوخ ہوگیا، جو اب تک مسلم پرسنل لار کے نام سے عدالتوں میں چل رہا تھا، اس میں صرف نفقہ کے مسئلہ پر مسلم ممبران نے احتجاج کیا تو حکومت نے ۱۲۷ کا اضافہ کرکے انکی اشک شوئی فرمادی مگر آہستہ آہستہ ۸۵ تک جب اس قانون نے مختلف عدالتوں کو الجھن میں ڈال دیا تو سپریم کورٹ نے ایسا فیصلہ سنایا جس سے معلوم ہوا کہ حکومت ہند نے ضابطہ فوجداری میں انقلابی تبدیلی کرکے دفعہ ۱۲۵ مرتب کیا تھا اور ۱۲۷ دفعہ کا اضافہ کرکے مسلمانوں کی اشک شوئی کی خوامخواہ کوشش کی تھی، ورنہ اس کی کوئی قانونی بنیاد نہیں ہے، اس طرح دفعہ ۱۲۵ اصل ٹھہری اور ۱۲۷ مہمل ہوگئی اور ویسے بھی یہ طفل تسلی تھی، ورنہ ۱۲۵ کی اصل تشریح جس نے مسلم پرسنل لا کے تمام عائلی مسائل کو تباہ کردیا تھا، اسے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا ورنہ کسی کو محسوس ہوا تھا کہ حکومت نے کیا

کردیا ہے اور اس کی مار کہاں تک پہنچی ہے۔ افسوس کہ قبیلہ مجنون کسے نماند، حکومت نے دراصل بیوی اور بیٹے کی نئی تعریف کرکے جو اقدام کیا تھا اس میں اس عورت کو بھی بیوی تسلیم کیا تھا جس کو طلاق دیدی گئی ہو یا جس نے خود طلاق لے لی ہو اور اب تک نکاح نہ کیا ہو، اس طرح بیٹا وہ نہیں ہے جو صلبی اولاد ہو بلکہ وہ بھی ہے جو لے پالک ہو وغیرہ۔

ان دونوں تبدیلیوں نے قدرتاً نفقہ کا مسئلہ پیدا کردیا ہے کیونکہ جب مطلقہ عورت طلاق کے بعد بھی قانونی بیوی ہے تو اسے عمر بھر نفقہ دینا اس کا قانونی حق ہے۔ اسی طرح لے پالک ہو یا کوئی لڑکا ہو وہ لڑکا ہے اور وارث ہے تو اس قانون نے اسلام کے قانون وراثت، قانون نکاح، طلاق، عدت نفقہ اور اسلامی خاندان اور معاشرت کو تہس نہس کردیا تھا اور آج تک وہ اسی طرح قانون ہے اور عدالتوں میں اسی پر فیصلے ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے سپریم کورٹ نے صرف اس کی تشریح کی ہے اور بنانے والے کو داد دی ہے اور صرف یہ ظاہر کردیا ہے کہ اس کا دائرۂ کار مسلم پرسنل لاء سے بالاتر ہے اور قانون اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا کیونکہ ضابطہ فوجداری عام ہے اور اصلاحی قانون ہے اس لئے جب تک دفعہ ۱۲۵ ضابطہ فوجداری سے مسلمانوں کو مستثنیٰ نہیں کیا جاتا مسلم پرسنل لاء کا جنازہ پارلیمنٹ کے سامنے رکھا رہے گا اور مسلم جماعتیں فاتحہ پڑھتی رہیں گی۔　　وائے گردش امروز بود فردائے

۳

کانگریس سرکار نے ایسے کتنی قانون وضع کئے ہیں جن سے مسلم پرسنل لاء مجروح ہوا ہے اس لئے اگر ان ضابطوں سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کردیا جاتا ہے تو مسلمانوں کو اپنا تشخص قائم کرنے کی آزادی حاصل ہو سکتی ہے ورنہ اس "اکال لا لام" ہندوستان میں اس کا وجود خطرے میں ہے، لیکن اگر مسلمان اس سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں تو ضرورت ہوگی کہ کم از کم عائلی مسائل

کے لئے اک ایسا مجموعہ مرتب کردیا جائے جس میں ہر بابت کے تمام اصولی مسائل بھی ہوں دلائل بھی حوالہ جات بھی اور اس کے لئے فتاویٰ عزیزیہ، فتاوی رشیدیہ، فتاویٰ مولانا عبد الحی، کفایت المفتی، فتاوی امدادیہ، فتاوی دارالعلوم، اور فتاوی رحیمیہ، نیز فتاوی محمودیہ سے اتنا مواد اکٹھا ہوسکتا ہے کہ وہ دوسری فتاوی عالمگیری مرتب ہوجائے، جو معتبر بھی ہو مفصل بھی، مدلل بھی، اور یہ کام دارالعلوم دیوبند بھی کرسکتا ہے اس کے وہ فضلاء بھی جو فتاوی کا کام کرتے ہیں، پھر عدالتوں کو کسی غیر مسلم کی کتاب کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اسلام کی ایسی دستاویز تیار ہوجاوے گی جو ان مسائل پر دوسروں کے شبہات کا ازالہ کرسکے دیکھنا ہے اس کی ترتیب کی توفیق کس کو ہوتی ہے پرسنل لاء بورڈ اور مجلس شرعیہ بھی کاش یہ درد بھری صدا سن سکے۔

کس بمیداں درنمی آید سواراں را چہ شد

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

مولانا عزیز اللہ اعظمی
فاضل دیوبند

مسلم پرسنل لاء ماضی وحال کے آئینہ میں

ہندوستان ایک سیکولر کنٹری اور جمہوری ملک ہے، یہاں ہر فرقہ کے لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے، اور ایک ترقی پسند ملک کے لئے ضروری ہے کہ اس ملک میں بسنے والے لوگوں کو مذہب کی لائن سے ہر قسم کی آزادی ہو، مذہب اور دھرم کی باتوں پر آزادی سے عمل کر سکتا ہو، حکومت کی جانب سے روک ٹوک نہ ہو، پابندی نہ ہو، سیکولر اور جمہوریت کا یہی مطلب ہے، جس ملک میں مذہبی آزادی نہیں، مذہب کی باتوں پر عمل کرنے کی اجازت نہیں وہ ملک قطعاً سیکولر نہیں ہو سکتا، اور نہ وہ ملک سائنس اور ٹکنالوجی، معاشی واقتصادی اور تعلیمی واخلاقی میدان میں ترقی کر سکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر وقت.... RELIGION (مذہب) کا کوئی نہ کوئی مسئلہ حکومت کے سامنے کھڑا رہے گا، جس کا حل کرنا بھی ناگزیر ہوگا، اس طرح حکومت کی ساری طاقت اس سے نمٹنے میں صرف ہو کر رہ جائے گی دوسرے امور اور علم وفنون کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جس ملک میں Religion (مذہب) اور مذہبی امور کی چھوٹ ہوتی ہے

اس ملک کو عوام کی ذہنی، فکری، اور تعلیمی و اخلاقی طاقت حاصل ہوتی ہے، اور وہ ملک بہت تیزی سے ترقی کرتا ہے۔

انگریز جب ہندوستان میں آیا اور حکومت پر قابض ہوگیا تو ساتھ ہی عدل و انصاف کی عدالت بھی اس کے ہاتھ میں چلی گئی، اور ہندوستانیوں کے مقدمات برطانوی جج کے ذریعہ طے کئے جانے لگے، انگریزی عدالت کی جانب سے جو فیصلے کئے جاتے وہ سب یکساں ہوتے، اس میں فرقے کی تقسیم نہیں ہوتی عدالت کا یہ رویہ تھوڑے ہی دنوں چلنے پایا تھا، کہ انگریزی ججوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ یہ طریقۂ عدل و انصاف غلط ہے، اس ملک میں مختلف نظریے کے لوگ ہیں ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا سراسر غلط اور ملکی مصلحت کے خلاف ہے، چنانچہ وارن ہسٹینگز وہ پہلا گورنر جنرل ہے جسے سب سے پہلے احساس ہوا، اور اس نے اپنے ۱۷۷۲ء کے انتظامی منصوبے میں ضلع کے کلکٹر کو ہدایت دی کہ۔

"وراثت، ازدواج، ذات پات اور دیگر مذہبی رواجوں اور طریقوں سے متعلق امور میں مسلمانوں کے معاملات میں قرآن کے اصولوں اور ہندؤں کے معاملات میں شاشتروں کے اصولوں کے مطابق فیصلہ کریں"

"آؤٹ لائنس آف انڈین لیگل ہسٹری کا مصنف اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندؤں کے معاملات میں ہندو قانون اور مسلمانوں کے معاملات میں اسلامی قانون کا اطلاق کیا جائے" ص ۱۴۴ ج ۱

اسی کتاب کا مصنف "ہندؤں اور مسلمانوں کے ذاتی قوانین" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے

"ان تمام دفعات میں جو اپنے زمانہ میں وارن ہیسٹنگز نے بنگال کے انتظام عدل

کے لئے وضع کی گئیں سب سے زیادہ پر معنی اور دیرپا وہ دفعہ تھی جس نے بعض معاملات میں ہندو قانون کے ہندؤں پر اور اسلامی قانون کے مسلمانوں پر ہدایت کی تھی تقریباً دوسو سال گذرنے کے بعد آج بھی بہت بڑی حد تک اس اسکیم پر عمل ہو رہا ہے، آج بھی ہندؤں کے ذاتی قوانین کے ذریعہ ان کے معاملات کا تصفیہ ہوتا ہے، جیسے تبنیت، مشترکہ خاندان، ما قرض داری، بٹوارہ، وراثت، جانشینی، استری دھن عورتوں کی جائداد نان نفقہ اور مذہبی اوقاف وغیرہ، اسی طرح مسلمانوں پر ازدواج، طلاق مہر، وراثت اور اوقاف وغیرہ معاملات میں اسلامی قانون کا اطلاق ہوتا ہے "۔

وارن ہسٹنگز کی اس پالیسی کو بعد میں آنے والے ہر برطانوی گورنر جنرل اور سپریم کورٹ کے ججوں نے سراہا اور اس پر برابر عمل کرتے رہے اور وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کا کھل کر اعتراف کرتے رہے، چنانچہ ایکٹ آف سٹیلمنٹ ۱۷۸۱ء کی اہم دفعات میں ایک اہم دفعہ یہ بھی تھی، کہ۔

" وراثت، معاہدہ اور جانشینی کے معاملات میں کسی بھی شخص پر محض اس لئے سپریم کورٹ کے اختیار سماعت کا اطلاق نہیں ہوگا کہ وہ کمپنی گورنر جنرل اور کونسل یا کسی برطانوی رعیت کی ملازمت میں تھا "

اس کی وضاحت کرتے ہوئے کتاب مذکور کا مصنف لکھتا ہے۔

" اب ایکٹ آف سٹیلمنٹ کے ذریعہ اس بات کی صراحت کردی گئی تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ان سبھی تنازعات کا تصفیہ جو زمین، یا جائیداد کی وراثت یا جانشینی کے بارے میں ہوں یا فریقین کے درمیان معاہدات یا دیگر معاملات کے بارے میں ہوں مسلمانوں اور ہندوؤں

کے اپنے اپنے قوانین اور مروجہ طریقوں کے مطابق ہوگا۔"

وارن ہیسٹنگز وہ پہلا شخص ہے جس نے انگریزی دورِ حکومت میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ذریعہ شخصی قوانین کی داغ بیل ڈالی اور آخر تک اس پالیسی پر عمل کرتا رہا۔ لیکن شروع شروع میں اس پالیسی پر عمل کرنے میں برطانوی ججوں کو تھوڑی بہت پریشانی ہوئی وجہ اس کی یہ تھی کہ انگریزی زبان میں دونوں طبقوں کے شخصی قوانین کا کوئی مستقل مجموعہ نہیں تھا اور جو تھا تو سنسکرت اور عربی زبان میں تھا اور انگریز جج اس سے ناواقف تھے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ انگریزی زبان میں دونوں طبقوں کے شخصی قوانین کے مستند اور معتبر مجموعے تیار کرائے جائیں جن کی روشنی میں برطانوی جج فیصلہ کرسکیں۔ اس کام کے لئے ۔۔۔ وارن ہیسٹنگز نے بنگال کے قابل ترین دس پنڈت بلائے، ہندو قانون کی مستند ترین قدیم و جدید کتابیں جمع کی گئیں اور سنسکرت زبان میں ہندو کوڈ کے نام سے ایک مجموعہ تیار کرایا گیا پھر اسے فارسی میں منتقل کرایا گیا اس کے بعد نتھنیل براسی ہیلہیڈ نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور ہیلہیڈ کا مجموعہ قانون ہندو سے مشہور ہوا۔

ہندو قانون کے بالمقابل اسلامی قانون کے ایک مجموعہ کی ضرورت تھی اس کے لئے یہ تجویز پاس ہوئی کہ ہدایہ کا جو بہت جامع اور احکام شرعیہ کو حاوی ہے ترجمہ کیا جائے لہذا چار عالموں نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور پھر ہیملٹن نے فارسی ترجمہ کو انگریزی میں منتقل کیا اس طرح اس وقت ہندو اور اسلامی قانون کے دو مجموعے مرتب ہوگئے تھے۔

تاہم وارن ہیسٹنگز کے زمانہ میں شخصی قوانین کے سلسلہ میں جو پیش رفت ہوئی اسے عدالت کی لائن سے تو عملی جامہ پہنا دیا گیا لیکن دونوں طبقوں کے ذاتی قوانین کی تدوین و تحقیق کا جو نیا سلسلہ شروع ہوا تھا اس میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی البتہ بعد کے زمانے میں اس پر بہت کام ہوا اور ہندو اور اسلامی قانون کے بارے میں

کئی ایک کتابیں لکھی گئیں۔

کلکتہ سپریم کورٹ کے جج جونس جسکا قیام ہندوستان میں پانچ سال تک رہا ہے ایک زبردست ماہر لسانیات تھا اس نے اپنے قیام کے دوران ہندوستانی طور طریقوں اور قوانین کا مطالعہ کیا اور ہندو مسلم شخصی قوانین کی حفاظت کی ان الفاظ میں پرزور تائید کی:۔

" اس سے زیادہ اور کوئی معقول بات نہیں ہوسکتی کہ آپسی تنازعات کا تصفیہ ان قوانین کے مطابق کیا جائے جنہیں ہمیشہ متعلقہ فریقین نے زندگی کے طور طریقہ اور روزمرہ کے معاملات میں قابل اطلاق اصولوں کی حیثیت دی ہو، اور نہ ہی اس سے زیادہ کوئی ہوش مندی کی بات ہوگی کہ ہندؤں اور مسلمانوں کو بذریعہ قانون اس بات کی ضمانت دی جائے کہ ان کے شخصی قوانین کی جن کا وہ احترام کرتے ہیں اور جن کے خلاف کسی قسم کی دست درازی کو وہ انتہائی تکلیف دہ زیادتی سمجھیں گے، حفاظت کی جائے، اور اس کی جگہ کسی ایسے نئے نظام وطن کو ان پر مسلط نہ کیا جائے جس سے وہ کوئی واقفیت نہ رکھتے ہوں، اور جس کے بارے میں وہ یہ سمجھیں کہ اسے ان پر سختی اور عدم رواداری کے جذبہ سے مسلط کر دیا گیا تھا "۔

جونس نے جہاں ہندو مسلم شخصی قوانین کی پرزور تائید کی وہیں پر قوانین کی تحقیق و تدوین کے کام کو بھی آگے بڑھایا، اس کی تجویز تھی کہ۔

"جسٹینین کے بیش قیمت مجموعات یعنی پینڈ کٹس کے نمونہ پر ہندو اور اسلامی قانون کے ایسے مجموعے تیار کرائے جائیں جو اپنی جگہ مکمل ہوں ان کی تیاری نہایت لائق ترین ہندوستانی ماہرین کریں، اور ان کا صحت

کے ساتھ انگریزی زبان میں لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا جائے اگر ان مجموعات کی
نقلیں صدر دیوانی اور سپریم کورٹ کے دفتر میں رکھ دی جائیں اور انہیں میاً
انصاف مان کر بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کیا جائے تو ہمیں اپنے
سامنے آئے ہوئے مقدمات کے لئے شاید ہی کبھی قانون کے قابل اطلاق
اصولوں کی کم مائگی کا احساس ہو، کیونکہ مجموعات کی موجودگی میں یہ پتہ لگانا
کہ قانون کے کون سے اصول نفاذ میں ہیں، بہت آسان ہے"۔

جونس کے بعد اس میدان میں بہت ترقی ہوئی اور ہندو مسلم شخصی قوانین پر اعلیٰ
معیار کی متعدد کتابیں لکھی گئیں، جن میں چند یہ ہیں۔

۱ کنسڈریسنس اپان ہندو لار (ہندو قانون پر ایک نظر) ۱۸۲۴ء
مصنفہ، سر فرانسس (جج سپریم کورٹ)

۲ پرنسپلس اینڈ پریسیڈنٹس آف ہندولا، (ہندو قانون کے اصول ونظائر) ۱۸۲۹ء
مصنفہ. سر ولیم ہے میکنائل

۳ پرنسپلس اینڈ پریسیڈنٹس آف محمڈن لار (اسلامی قانون کے اصول ونظائر) ۱۸۲۵ء
مصنفہ: سر ولیم ہے میکنائن

۴ ہندو قانون ورواج ـــــــ مصنفہ ـ مین

۵ لاآف انہریٹنس ـــــ مصنفہ ـ نیل بیلی
(قانون وراثت)

غرض کہ برطانوی دور اقتدار میں مسلمانوں کے معاملات ان کے اپنے قانون
کے مطابق تو طے کئے جاتے ہی تھے آزادی کے بعد بھی اسی پالیسی پر عمل ہوتا رہا ہے
اور ان کے فیملی مسائل پر . . .
Muslim Family LAW کا اطلاق اب بھی کیا جاتا ہے۔

دستور ہند اور مسلم پرسنل لاء

دستور ہند کی رو سے ہندوستان ایک سیکولر اور جمہوری ملک ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کا کوئی خاص سرکاری مذہب نہیں وہ تمام مذاہب کی عزت کرتا ہے، ان کے پیروؤں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنے یقین و اعتماد کے مطابق عبادت کرنے کی مکمل آزادی ہے۔

ہندوستانی دستور کی دفعہ ۲۵ (۱) :-

" تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اسکی پیروی اور تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیحات متاثر نہ ہوں "۔

(بھارت کا آئین مذہب کی آزادی کا حق ص۴۶)

کے مطابق عوام کو آزادی سے مذہب اختیار کرنے، اس کی تبلیغ و اشاعت اور اس پر عمل کرنے کا مساوی حق حاصل ہے، شرط یہ ہے کہ امن عامہ وغیرہ کو کوئی خطرہ نہ ہو، اسی طرح دستور ہند کی دفعہ ۱۳ (۲) :-

" مملکت کوئی ایسا قانون نہیں بنائے گی جو اس حصہ سے عطا کئے ہوئے حقوق کو چھین لے یا اس میں کمی کرے۔ اور کوئی قانون جو اس فقرہ کی خلاف ورزی میں بنایا جائے۔ خلاف ورزی کی حد تک باطل ہوگا "

ایضاً (بنیادی حقوق ص۳۸)

کے مطابق حکومت کوئی ایسا قانون نہیں بنائے گی، جو عطا کئے ہوئے حقوق (مثلاً مذہبی امور کی آزادی وغیرہ) کو چھین لے یا اس میں کمی کرے۔ اگر کوئی قانون کسی بنیادی حق کو متاثر کرتا ہے، تو وہ غیر آئینی قرار پائے گا، چنانچہ ہمارے سامنے اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔

(۱) سپریم کورٹ نے صغیر احمد بنام اترپردیش سرکار۔ A, I, R, 1954, C, 728

اور دیپ چند بنام اتر پردیش سرکار — 668 , C , 1950 S , R , وا ز A
میں اسی فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے ان قوانین کے غیر آئینی ہونے کا اعلان کیا تھا جو بنیادی حقوق کو متاثر کرتے تھے .....

۲ اور آخر میں سپریم کورٹ نے کیشو رچند بھارتی بنام کیرل سرکار 1973 S , R , وا ز A 1491 , C . کے فیصلہ میں ایک اصول مرتب کیا جس نے پارلیمنٹ کے ذریعہ بنیادی حقوق کو متاثر کرنے والی کسی بھی تبدیلی کا دروازہ بند کر دیا اس فیصلہ میں سپریم کورٹ نے

DOCTRINE , OF , BASIC STRUCTURE ,

مرتب کیا جس کے مطابق پارلیمنٹ ، دستور کی ان پانچ بنیادی باتوں کو کسی بھی تبدیلی کے ذریعہ ختم نہیں کر سکتی جن پر دستور کے بنیادی ڈھانچہ کا انحصار ہے ، ان پانچ باتوں میں ایک دستور کی سیکولر شکل بھی ہے ، اس طرح دفعہ ۴۴ کو بنیاد بنا کر جو بھی قانون بنے گا وہ غیر آئینی ہوگا اس لئے کہ وہ مذہبی آزادی کے بنیادی حقوق کو متاثر کرتا ہے ۔

۳ اسی طرح سپریم کورٹ نے ۱۹۸۰ء میں کرشنا سنگھ بنام متھرا ہیرے کے مقدمہ میں الٰہ آباد ہائی کورٹ کے جسٹس کیری کو یہ کہتے ہوئے متنبہ کیا گیا کہ ہماری رائے میں ہائی کورٹ کے جسٹس نے یہ بات سامنے نہیں رکھی کہ دستور ہند کی ، ....

فریقین کے پرسنل لا کو بحث کا موضوع نہیں بنائے گا ، فریقین کے پرسنل لا کا نفاذ کرتے ہوئے وہ (جج) اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے ، بلکہ انہیں ہندو پرسنل لا کے مستند اور مسلم قوانین کا ہی نفاذ کرنا چاہیئے ، دیکھئے S , C , 1980 , R , I , ا ز A ۔

دستور ہند کی واضح دفعات اور مسلم پرسنل لا کے بارے میں سپریم کورٹ کی سابقہ پالیسی کا پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں تمام مذاہب کے لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی ہے اپنے اپنے مذہب اور دھرم پر پوری آزادی سے عمل کر سکتے ہیں ، سرکار اس میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی اور نہ کوئی ایسا قانون ہی بنائے گی جس سے عطا کردہ حقوق متاثر

ہوتے ہیں ۔

عدالت اور مسلم پرسنل لاء آزادی کے پہلے اور آزادی کے بعد ہندوستان کی عدلیہ اس بات کی مکلف تھی کہ وہ مسلمانوں کے فیملی مسائل میں خود ان کے مذہب کے قانون کے مطابق فیصلہ کرے، مذہب سے ہٹ کر قطعا کوئی فیصلہ نہ کرے، چنانچہ انگریزی دور حکومت میں پریوی کونسل نے اپنے زیر یہ عدالتوں کو ایک حکم نامہ کے تحت بتایا کہ۔

وہ فقہاء اور علماء کی توضیحات وتشریحات کے مطابق ہی فیصلہ کریں خود قرآن و حدیث کی تشریح نہ کریں دیکھئے ۔ A, I, R, 1898

آزادی کے بعد بھی عدلیہ اسی اصول پر کاربند رہی جیسا کہ کرشنا سنگھ بنام متھرا ہیرے کے مقدمہ سے پتہ چلتا ہے ۔

موجودہ سپریم کورٹ اور مسلم پرسنل لاء ان واضح دفعات اور نظائر کے پیش نظر سپریم کورٹ نے مطلقہ عورت کے نان نفقہ کے بارے میں جو فیصلہ دیا ہے وہ غیر آئینی ہے اور اس سلسلہ میں قرآن کریم کے جس انگریزی ترجمہ کا سہارا لیا گیا ہے، وہ بالکل غیر معتبر ہے، اور خود دوسرے انگریزی ترجمے کے مخالف ہے، جج محترم کو چاہیئے تھا کہ قرآن کے کسی مستند اور معتبر ترجمہ کو سامنے رکھتے، یا کم از کم مسئلہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ہندوستان کے مستند علماء کی رائے معلوم کر لی جاتی اس کے بعد فیصلہ دیا جاتا کہ، مگر افسوس کہ کسی پر عمل نہ کیا گیا، بلکہ شاید کسی سمجھے بوجھے منصوبے کے تحت ایسا فیصلہ دیا گیا، جو ہر پہلو سے غیر آئینی قرار پایا۔

حاصل یہ کہ سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ اسلامی قانون کے خلاف تو ہے ہی ساتھ ہی ساتھ سپریم کورٹ کے سابقہ فیصلوں اور دستور ہند کے بھی خلاف ہے، پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر حکومت کیوں خاموش ہے، اور سپریم کورٹ کے اس غیر آئینی فیصلہ پر خاموش

کی شکل میں رضامندی کا اظہار، اور دستور ہند کی دفعہ ۲۵ (۱) کو پامال کرکے عوام کے اعتماد کو ختم کررہی ہے، بفرض محال اگر حکومت اس فیصلہ کو واپس نہیں لیتی یا مسلمانوں کو مستثنیٰ نہیں کرتی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ عملاً دفعہ ۱۳ (۲) اور دفعہ ۲۵ (۱) کو باطل اور کالعدم قرار دیتی ہے، اور عوام کو عطا کردہ حقوق سے محروم کرکے ایک غیر جمہوری حکومت کا اعلان کرتی ہے جو دستور ہند کی رو سے سراسر غلط ہے

مسلم پرسنل لا اور باطل طاقتیں

مخالفین کی یہ دلیل کہ مسلم پرسنل لا اگرچہ شریعت سے متعلق ہے لیکن جس طرح اس سے قبل CRIMINAL LAW (قانون فوجداری) ختم کیا جاچکا ہے، اسی طرح مسلم پرسنل لا کو بھی ختم کیا جاسکتا ہے، بالکل بے جوڑ اور بے وزن ہے، اس کے چند وجوہ ہیں (۱) پہلی بات یہ کہ CRIMINAL LAW اور MUSLIM FAMILY LAW میں بڑا فرق ہے، ایک کا تعلق حکومت سے ہے اور ایک کا تعلق انسان سے ...... FAMILY LAW کے خاتمے سے انسان کی معاشرتی اور اخلاقی حالت متاثر ہوتی ہے جبکہ CRIMINAL LAW مجرموں اور غیر سماجی عناصر کو متاثر کرتا ہے اس لئے اس کے خاتمہ کو FAMILY LAW کے خاتمے کی بنیاد بنانا کسی طرح ٹھیک نہیں ہے۔

۲ دوسری بات یہ ہے کہ ۱۸۶۲ء میں اسلام کے CRIMINAL LAW کو ختم کرکے جو INDIAN PENAL LAW بنا اس میں مسلمانوں کے نکاح، مہر، طلاق ہبہ اور وراثت جیسے عائلی مسائل کا فیصلہ MUSLIM FAMILY LAW کے مطابق ہی کیا گیا، اور آزادی کے بعد بھی اسی پر عمل ہوتا رہا ہے۔

۳ تیسری بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا میں جب کبھی تبدیلی کا مسئلہ سامنے آیا تو سب سے پہلے مسلم عوام کی رائے عامہ معلوم کی گئی اگر رائے عامہ، تبدیلی کے حق میں ہے، تب تبدیلی کی گئی ورنہ نہیں، اور نیز اس وقت حکومت کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے، کہ وہ تبدیلی اور

عدم تبدیلی کے بارے میں مسلم عوام کی رائے عامہ کا پتہ لگائے۔

آوٹ لائنس آف لیگل ہسٹری کا مصنف لکھتا ہے۔

"اسلامی قانون میں تبدیلی کے لئے حکومت ہند اپنی طرف سے کوئی پیش قدمی اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک کہ ایسی تبدیلی کی حمایت میں خود مسلمانوں کی طرف سے ایک مضبوط رائے عامہ تیار نہ ہو۔ (ص ۱۰۵۸/۲)

چنانچہ ۱۹۳۹ء میں مسلم عوام کی مانگ پر حکومت نے

DISSOLUTION, OF, MUSLIM, MARRIAGES, ACT

بنایا جس میں وہ G. AROUNDS بنائے گئے جن کی وجہ سے عورت عدالت کے ذریعہ فسخ نکاح کرا سکتی ہے، اس قانون کے ماخذ قرآن، حدیث اور اجماع و قیاس تھے۔

پھر یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر سپریم کورٹ نے مطلقہ عورت کے نان نفقہ کے بارے میں ایسا فیصلہ کیوں دیا جس سے دستور ہند کی دفعات ٹوٹیں، کسی کے مذہب پر براہ راست ضرب پڑے، حکومت سے عوام کا اعتماد اٹھے، اور خود سپریم کورٹ کی عظمت اور اہمیت لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ حکومت اس فیصلہ پر جب کہ ہر طرح سے واضح ہو چکا ہے کہ غیر آئینی اور غیر اخلاقی ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش بیٹھی ہے اور سکوت کی شکل میں رضامندی کا ثبوت دے رہی ہے۔

ایسی صورت میں حکومت کے بارے میں ہندوستانی مذاہب کے لوگ عموماً اور مسلمان خصوصاً کیا رائے رکھ سکتے ہیں، ظاہر ہے، حکومت سے ہم پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ دفعہ ۱۲۵ میں ترمیم کرے یا مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر کے مسلم پرسنل لا کو بحال رکھے ورنہ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہونگے کہ حکومت کا ذہن مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہے لیکن اسے بھی یاد رکھا جائے کہ مذہب اور دھرم بلا تفریق ہر ایک کو جان سے زیادہ پیارا ہوتا ہے، آدمی مذہب پر جان قربان کر سکتا ہے۔ مگر مذہب قربان نہیں کر سکتا، مسلمان

مذہب پر کسی قسم کی آنچ آنے نہیں دے گا، جان کی بازی آئے گی، جان دے دیگا، تن من دھن سب کچھ قربان کردے گا۔

انتباہ و اختتام شاید یہ فلسفہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے کہ جب کسی قوم کی صورت مسخ کرنی ہوتی ہے یا اس کا وجود ختم کرنا ہوتا ہے۔۔

۱ تو سب سے پہلے اس کے نظریات و عقائد پر چور دروازہ سے حملہ کیا جاتا ہے، اور اس کے جزوی، کلی بنیادی و غیر بنیادی مسائل و عقائد پر مخفی کاری ضربیں لگائی جاتی ہیں، اس کے لئے کبھی زبان و قلم کا سہارا لیا جاتا ہے، کبھی حکومت کی خاص مشینری کو آلہ کار بنایا جاتا ہے، اور کبھی عدل وانصاف کے ایوان کی راہ سے۔

۲ کبھی تعلیم کی راہ سے کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، تعلیم کا خاص انتظام نہیں کیا جاتا اعلیٰ تعلیم کے مواقع بہت کم فراہم کئے جاتے ہیں پھر حصول تعلیم کے بعد جگہ نہیں دی جاتی حکومت کی اس سرد مہری سے قوم مایوس ہوکر تعلیم کی طرف خاص توجہ نہیں دیتی، نتیجتہً قوم کے نونہال بچے تعلیم سے کورے ہوتے ہیں، جب کہ ایک ترقی پسند قوم کے لئے اعلیٰ تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ تعلیمی و ثقافتی میدان میں نمایاں خدمات انجام دے سکے۔

۳ قوم کی ترقی میں معاش اور اقتصاد کو کافی دخل ہے، اچھی اقتصادی پوزیشن ایک ترقی یافتہ قوم کی علامت ہے۔ اقتصادی پوزیشن اچھی ہے تو زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھ سکتی ہے، کمزور کرنے کے لئے اس حربہ کو بھی استعمال کیا جاتا ہے بڑھتی ہوئی قوم کو اقتصادی مسائل میں الجھا کر ترقی روک دی جاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے، اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کی تمام تر صلاحیت معاشی مسائل کے حل میں فنا ہوکر ختم ہو جاتی ہے۔

۴ اور جب ان باتوں کا ردعمل خاطر خواہ ظاہر نہیں ہوتا اور مقصد میں کامیابی نہیں

ہوتی ہے، تو براہ راست مذہب پر حملہ کیا جاتا ہے اور پیہم ضرب لگائی جاتی ہے تاکہ قوم اکتا کر تبدیلی، مذہب یا اپنا دھرم بچانے کے لئے ملک بدر ہونے پر مجبور ہو جائے۔

آج جو کچھ ہندوستان میں ہو رہا ہے وہ ایک منظم سازش اور منصوبہ بند اسکیم کے تحت ہو رہا ہے، مسلم رہنماؤں لیڈروں اور عوام کا ان سے واقف ہونا اور ان سے حفاظت کی تدبیر کرنا وقت کا سب سے اہم فریضہ ہے۔

ڈاکٹر ماجد علی خان
جَامِعَہ مِلِّیَہ اِسلَامِیَہ
نئی دہلی

شریعت ایکٹ یا مسلم پرسنل لا اور اسمیں تبدیلی کے مطالبہ کے پس پشت اسباب و محرکات

مسلمان کی زندگی میں شریعت کی اہمیت اسلام ایک مکمل مذہب، اللہ کا آخری پیغام اور تا قیامت نا قابل ترمیم ضابطۂ حیات ہے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط
(المائدۃ ـ آیۃ ۳)

آج کے دن تمہارے دین کو میں نے تمہارے لئے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام مکمل کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کرلیا۔"

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ
(آل عمران آیۃ ۱۹)

بلاشبہ دین حق اور مقبول اللہ تعالےٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے ..

اسلام چند مخصوص مذہبی عبادات کے ادا کر لینے اور چند رسومات کے بجا لانے

کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ضابطے اور قوانین پیش کرتا ہے۔ ان تمام ضوابط و قوانین کو جو اس دین خداوندی نے انسان کو اس کی عبادات، مناکحات، معاملات عقوبات، معاشرت، معاشیات، سیاسیات اور وراثت وغیرہ کے سلسلہ میں عطا کئے ہیں شریعت کہتے ہیں جس کی بنیاد قرآن وسنت ہے اور جس کے ماخذ قرآن وسنت اجماع و قیاس یا استحسان واستصلاح یا استدلال وتعامل وغیرہ ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالٰی کو ہی فرماں روائے حقیقی تسلیم کیا گیا ہے، اور اسی کو حلال وحرام کا اختیار کلی حاصل ہونے کا عقیدہ بنیادی عقیدہ مانا گیا ہے، غیر اللہ کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے، کہ وہ کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام قرار دے سکے:۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ :۔

(النحل - آیت ۱۱٦)

اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی حرام، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادوگے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ،،۔

(الروم آیت ۳۰)

پس تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو، (اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو) جس پر اللہ تعالٰی نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالٰی کی اس پیدا کی ہوئی فطرت میں جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے، کوئی تبدیلی نہیں، یہی سیدھا دین ہے ،،۔

اللہ تعالیٰ صاف صاف ارشاد فرماتا ہے کہ صرف اسی چیز کی اتباع کرنی چاہیے جسکو اس نے بذریعہ وحی انسانوں کی طرف اتارا ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ (الاعراف۔آیت: ۳)

"تم سب لوگ (صرف) اس (شریعت) کا (ہی) اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے نازل کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں (اور دنیاوی دوستوں) کا اتباع مت کرو"۔

شریعت خداوندی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو صاف صاف یہ حکم دیتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اس کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ (المائدۃ۔آیت: ۴۹)

"(اے رسول!) (ہم آپؐ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس (قانون) کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان کی اس بات سے ہوشیار رہیئے کہ وہ آپ کو اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بچلا دیں"۔

نہ صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بلکہ کسی مسلمان کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام و قوانین کی موجودگی میں اپنی پسند سے دوسرا قانون بنائے یا کوئی دوسرا راستہ اپنی خواہش سے اختیار کرے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اور کسی مومن مرد یا عورت کو گنجائش نہیں

اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (الاعراف آیت ۳۶)	ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ؐ کسی کام کا حکم دیدیں، تو اپنے اس معاملہ میں (پھر) کوئی اختیار باقی رکھیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ؐ کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہوجائیگا

غرض قرآن مجید کی متعدد آیات اس امر کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ اور اس کے احکامات کے مقابلے میں کسی کو اپنی رائے دینے کا اختیار نہیں ہے اور یہ کہ احکامات خداوندی کی خلاف ورزی صریح گمراہی ہے اور ناقابل معافی جرم ہے، اطاعت کے معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکامات یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء۔ آیت ۸۰)	جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالےٰ کی (ہی) اطاعت کی..

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (النساء، آیت: ۶۴)	ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ خدا کے حکم کے ماتحت اس کی اطاعت و فرماں برداری کی جائے"

ایک جگہ ارشادات نبوی کو صرف تسلیم کرلینے اور مان لینے کو ناکافی قرار دے کر خدائے تعالےٰ مسلمانوں سے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کو کوئی چھوٹا موٹا حکم قرار نہیں دیتا بلکہ مدار ایمان قرار دیتا ہے۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ	آپ کے رب کی قسم وہ لوگ ہرگز اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک

ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۔ (النساء ۔آیت :۔ ۶۵)	کہ تجھ کو منصف نہ مانیں ان جھگڑوں میں جو ان کے درمیان پیدا ہوتے ہیں، پھر نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں تنگی آپ کے فیصلہ کی وجہ سے اور بسروچشم تسلیم کریں "۔

قرآن کریم میں اس مضمون کی متعدد آیات وارد ہوئی ہیں جن میں یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم دراصل اللہ کے حکم کے تحت ہی ہے اور آپ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے، سنت دراصل قرآن ہی کی شرح و تفسیر ہے، علامہ شاطبی لکھتے ہیں ۔

فَكَانَ السُّنَّة بمنزلة التفسير و الشرح لمعانى احكام الكتاب (الموافقات ص۱/۴)	پس گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر اور شرح کے ہے ۔

حافظ ابن کثیر نے فضائل القرآن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو نقل کیا ہے

انما ترك ما بين الدفتين يعنى القرآن و السنة مفسرة و مبينة و موضحة اى تابعة والمقصود الاعظم كتاب الله تعالىٰ .(فضائل القرآن لابن كثير ص۲۱)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف وہی کتاب (قرآن مجید) ہمارے لئے چھوڑی ہے جو (جلد کے) دو گتوں کے درمیان موجود ہے اور سنت اس کے بیان و توضیح و تفسیر کے لئے ہے اصل مقصود قرآن مجید ہی ہے"

ملّا علی قاری لکھتے ہیں ۔

سعادة الدارين منوطة بمتابعة كتاب الله و متابعته موصوفة على معرفة سنة رسوله عليه الصلوٰة	دنیا و عقبیٰ کی کامیابی کا راز کتاب اللہ کی تابعداری میں مضمر ہے اور کتاب اللہ کی تابعداری موقوف ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور آپ کی طرز زندگی کو

والسلام و متابعته فهما متلازمان شرعا لا ينفك احدهما عن الاخر۔
(مرقاة ۔شرح مشکوٰۃ ص ۲۱۲)

پہچاننے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر پس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ از روئے شریعت آپس میں لازم و ملزوم ہیں، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔

غرض شریعت اسلامیہ کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے، اور اس شریعت کی اتباع اور اس کے مطابق اپنے تمام کام انجام دینا اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس پر عمل پیرا ہونا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب اور ضروری ہے، احکام شرعیہ کے خلاف یا اس کے مقابلے میں دوسرے احکامات کو تسلیم کرنا کفر کی علامت ہے جس سے بچنا ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ضروری ہے، اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے بھیجے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے انہیں کافر، ظالم اور فاسق کہا گیا ہے اور جو لوگ دین کے ایک جز یا حصے کو اختیار کرتے ہیں، اور دوسرے جز یا حصے کو ناقابل عمل سمجھتے ہیں، یا چھوڑ دیتے ہیں ان کے بارے میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○
(البقرۃ آیت: ۸۵)

کیا تم (اللہ کی) کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو، اور دوسرے حصے سے انکار کرتے ہو اور تم میں سے ایسے شخص کی سزا دنیاوی زندگی میں رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں اور (ایسے لوگ) قیامت کے دن سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے کچھ بے خبر نہیں ہے۔

اس طرح تمام احکامات شرعیہ پر عمل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب اور

ضروری ہے۔

شریعت ایکٹ یا مسلم پرسنل لاء: جب مسلمان اس ملک میں فاتح قوم کی حیثیت سے داخل ہوئے تو انہوں نے شرعی احکامات کا نفاذ کیا، مغلیہ دور حکومت میں بھی اس ملک کا قانون شرعی قانون یا اسلامی قانون ہی تھا، نہ صرف دیوانی (سول / سول ایکٹ) قوانین بلکہ فوجداری قوانین (CRIMINAL LAW) بھی شرعی قوانین ہی تھے، اور ان ہی کے مطابق ملک کی عدالتوں میں فیصلے دیئے جاتے تھے، اس ملک میں بسنے والی غیر مسلم اقوام کے پاس اس وقت کوئی باضابطہ و مدون قانون نہیں تھا بلکہ چند رسومات و رواج تھے جو ان میں رائج تھے، اور ان کو شادی، وراثت اور جائداد وغیرہ میں ان رسومات و رواج کو اختیار کرنے اور اپنے مذہب کے مطابق چلنے کی اجازت تھی، ان غیر مسلم (یعنی ہندو) اقوام کے اندر عورت کو سماج میں گراہوا درجہ حاصل تھا، یہاں تک کہ بیوہ عورت کو اکثر اس دنیا میں اپنے حق سے محروم کر دیا جاتا تھا، اور اکثر اس کے اپنے پتی (شوہر) کی چتا میں جل کر مرجانے یعنی ستی ہونے پر مجبور کیا جاتا تھا، برہمنی زمانہ و تہذیب میں عورت کا وہ درجہ نہیں رہا تھا جو ویدی زمانہ میں تھا، منو کے قانون میں (بقول ڈاکٹر لی بان) عورت ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھی گئی ہے (اور اس کا ذکر ہمیشہ حقارت کے ساتھ آیا ہے، ؎ "شوہر مرجاتا تو عورت گویا جیتے جی مرجاتی اور زندہ درگور ہو جاتی، وہ کبھی دوسری شادی نہیں کر سکتی، اس کی قسمت میں طعن و تشنیع اور ذلت و تحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے بعد گھر کی لونڈی اور دیوروں کی خادمہ

؎ تمدن ہند، ص ۲۳۶ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر) از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۶۶)۔

Hamdard Library

... کر رہنا پڑتا، اکثر بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ ستی ہو جاتیں، ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے، بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منوشاستر میں نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہو چلی تھی، کیونکہ یونانی مورخوں نے اس کا ذکر کیا ہے "۵۲ غرض غیر مسلم ہندو اقوام کے پاس کوئی باضابطہ قانون نہیں تھا بلکہ چند رسم ورواج تھے، جن کی مسلمان بادشاہوں نے ان کے شادی بیاہ وجائداد وغیرہ یعنی ذاتی زندگی یا پرسنل لائف (PEARSONAL LIFE) میں عمل کرنے کی اجازت دے دی تھی اور گویا یہی ان کا پرسنل لاء (PARSONAL LAW) تھا جب کہ شریعت اسلامیہ کے قوانین ملکی قوانین کی حیثیت رکھتے تھے۔

انگریزی اقتدار کے شروع میں انگریز جج مقامی قانون دانوں کی مدد سے اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے کرتے رہے لیکن بعد میں انہوں نے آہستہ آہستہ اپنا قانون نافذ کرنا شروع کیا اور اسلامی قوانین رفتہ رفتہ نظر انداز کرنے شروع کر دیئے ان کی یہ پالیسی ۱۸۶۲ء میں کھل کر سامنے آگئی جب کہ انہوں نے اسلامی فوجداری قوانین (CRIMNAL LAW) کا پوری طرح خاتمہ کر دیا اور اس کی جگہ اپنے قوانین نافذ کر دیئے ان قوانین کا نام انہوں نے انڈین پینل کوڈ (INDIAN PENAL CODE) رکھا، انگریزوں کا رکھا ہوا یہ نام آج بھی اسی طرح موجود ہے اور ہندوستان کے فوجداری قوانین کو انڈین پینل کوڈ (INDIAN PENAL CODE) کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے، یہ تھی انگریز کی اسلامی قوانین پر کاری ضرب، اس طرح انگریز اس ملک میں اسلامی شریعت کو منقسم کرنے میں کامیاب ہو گئے، اور اسلام کا تعلق صرف نکاح، طلاق، وراثت اور ہبہ وغیرہ ذاتی، شخصی اور عائلی امور تک ہی محدود رکھا گیا اس وقت مسلمان انگریز کی اس

---

۵۲ تمدن ہند ص ۲۳۸ (حوالہ مذکورہ ص ۶۷)

چال کو نہیں سمجھ سکا کہ وہ اسلام جیسے کامل اور جامع مذہب کو دو حصوں میں منقسم کر چکا ہے اور اس کا دائرہ محدود کرکے صرف گھر اور خاندان تک لے آیا ہے گویا کہ اسلام کی تعلیمات صرف نکاح، طلاق، وراثت اور ہبہ وغیرہ تک ہی محدود ہیں اور اس کو دیگر معاشرتی، معاشی اور تجارتی امور وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں، اسلام کے متعلق یہ محدود تصور آج بھی ذہنوں میں موجود ہے، ایک صدی تک اس ملک میں اس محدود تصور کے قائم رہنے کے بعد اب جب یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ اسلام ایک جامع نظام حیات پیش کرتا ہے، اور اسلامی قوانین کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں اور امور سے ہے تو غیر مسلم تو غیر مسلم خود مسلمان اس آواز کو اجنبی محسوس کرتے ہیں اور یہ یقین نہیں کر پاتے کہ واقعتاً اسلام ایک مکمل ترین مذہب اور جامع ترین نظام حیات ہے اس بات کو سن کر ان کے چہرے پر ایک سوالیہ نشان بن جاتا ہے: اچھا تو کیا اسلام مسجد اور عائلی زندگی کے باہر بھی کارفرما ہو سکتا ہے؟ کیا چودہ سو سال پرانا یہ دین جدید سائنسی اور سٹیلائٹی دور میں بھی انسان کی رہنمائی کر سکتا ہے؟" جی ہاں آج بھی یہ دین اسی طرح تروتازہ ہے جس طرح چودہ سو سال قبل تھا جبکہ غار حرا میں قرآن کی ان آیات کی آواز پہلی بار سنائی دی تھی: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ الخ وہ رب جس نے یہ قرآن اتارا اور اپنے آخری نبی و رسول کو مبعوث کیا چودہ سو سال پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے اور آئندہ بھی ابدالآباد تک رہے گا وہ حیّ قیوم ہے اسلئے اس کا دین ۔ یہ آخری دین ۔ جس کا نام اسلام ہے تاقیامت تروتازہ رہے گا اور اس کے قوانین ہمیشہ اسی طرح مؤثر رہینگے جس طرح چودہ سو سال قبل تھے ۔

بہرحال مسلمانوں نے اس محدود رعایت پر ہی قناعت کرلی اور صبر و شکر کے ساتھ روٹی کے چند سوکھے ٹکڑوں کو بغیر سالن کے چبانے کے لئے تیار ہو کر انگریزوں کے سامنے

بھیک کا پیالہ لے کر کھڑے ہو گئے: خدارا! اسلام کو صرف مساجد و گھروں میں باقی رکھنے کی اجازت دے دیجئے کیونکہ بظاہر ہم نے اسلام کی کاملیت اور عمومیت سے توبہ کر لی ہے ہماری اس توبہ کو قبول فرمائیے، ہم ملا کی دوڑ مسجد تک ہی محدود رکھیں گے، تجارت سے ہمارے اسلام کو خارج کر دیجئے، معاشرت سے اس کو نکال پھینکئے، معاشیات سے اس کا تعلق منقطع کر دیجئے، لیکن لارڈ صاحب اس کو ہماری مسجد اور ہمارے گھر سے فی الحال نہیں نکالئے، ہاں ہو سکتا ہے کہ آئندہ ہم اس کو گھر سے خود ہی نکال دیں اور پھر مساجد کا نمبر بھی آجائے گا۔ انگریز نے اس بیکس ولاچار قوم کے حال پر رحم کھایا اور ان کے وعدوں پر یقین کر کے اطمینان کا سانس لیا اور ان کو اسلام کے چند قوانین مسلم پرسنل لار ...... (MUSLIM PERSONAL LAW) کی شکل میں دے دئے اس طرح ۱۹۳۷ء میں شریعت ایکٹ یا مسلم پرسنل لار (مسلمانوں کا عائلی قانون) بنام MUSLIM PERSONAL LA

MUSLIM PERSONAL (SHARIAT) APPLICATIAN ACT 1937

کا نفاذ ہوا، اور عوام وخواص سب کے سامنے گویا یہ واضح کر دیا گیا کہ "فی الحال آپ کی شریعت صرف اسی حد تک محدود کر دی گئی ہے، آئندہ کے بارے میں زمانہ بتائے گا" جی ہاں! زمانہ نے یہ بھی بتا دیا، اب ان سوکھے ٹکڑوں کو بھی منہ سے نکالا جا رہا ہے۔

الحاد ولادینیت کا سیلاب

انگریز تو چلا گیا لیکن ملت اسلامیہ الحاد و لادینیت کے اس سیلاب میں گھر گئی جس کی لپیٹ میں پوری انسانیت ہے، انگریز نے تو سیاسی طور پر شریعت کی عمومیت پر کامیاب ضرب لگائی کیونکہ اس کو اس ملک پر "راج" کرنا تھا لیکن الحاد ولادینیت کے اس عالمی طوفان کے تھپیڑوں نے شریعت کو پوری طرح ہی اکھاڑ پھینکنے کی ٹھان لی مغرب تو اس سیلاب کے اندر بہہ چکا ہے، اس کا صرف ایک ہی مذہب ہے جس کا نام ہے "مادیت اور جنسیت" مغرب کا عام اور متوسط آدمی "وہ جمہوری ہو یا

فاشستی، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، ہاتھ سے کام کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا، وہ ایک ہی مذہب جانتا ہے" اور اس مذہب کا نام ہے" مادی ترقی کی پرستش اور ہوائے نفس و جنس خواہش (SEX) کی تسکین" کچھ مغربی ممالک جن کو اشتراکی ممالک کہا جاتا ہے کے بسنے والوں نے تو صاف طور پر خدا کے وجود کا انکار کر دیا ہے اور وہ کسی مذہب کے قائل نہیں لیکن باقی مغربی ممالک کے رہنے والوں کے ذہنوں میں بھی خدا کیلئے کوئی جگہ باقی نہیں رہ گئی ہے وہ اسکو ماننے میں نہ کوئی فائدہ محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، راقم السطور نصف درجن سے زیادہ مغربی ممالک میں جا چکا ہے اور یہ مشاہدہ کر چکا ہے کہ ذہنی طور پر وہ مذہب سے بیزار ہیں اور عملی طور پر مذہبی پابندیوں سے آزاد و بالاتر ہو چکے ہیں، ان کی عبادت گاہیں اب گرجے اور کلیسے نہیں رہے ہیں، بلکہ کارخانے فیکٹریاں، تھیٹرز، تفریح گاہیں، ناچ گھر، بھاری انڈسٹریاں اور بجلی کے مراکز اور ان کے اس مذہب کے رہنما پادری یا پریسٹ (PRIEST) نہیں ہیں بلکہ بنکوں کے افسران، سرمایہ دار، بین الاقوامی شہرت کے کھلاڑی، اداکار عورتیں (ACTRESSES) فلم اسٹار، خلائی سائنس داں، ایٹمیات کے ماہرین اور صنعت و تجارت کی بڑی بڑی شخصیتیں اور سیاسی لیڈران ہیں، وہ مذہبی علوم کو بھی عقائد سے الگ کر کے پڑھنے اور پڑھانے اور ان پر عقاید سے آزاد ہو کر تحقیق کرنے میں مشغول ہیں [۱]

مادیت، الحاد اور لادینیت کے اس طوفان کا اثر اس ملک میں بھی پڑا اس ملک میں مذہب کی بنیادیں ـ چاہے وہ مذہب اسلام ہو یا کوئی غیر اسلامی مذہب ـ بہت گہری ہیں، لیکن یہ طوفان اتنا شدید اور سیلاب اتنا عظیم ہے کہ مذہبی لوگ اس سے

---

[۱] ملاحظہ ہو میرا مضمون: "علوم اسلامیہ اور عقائد کا باہمی ربط"، مطبوعہ نوائے اسلام" دہلی (اگست، ستمبر اور اکتوبر ۸۵ء) ندائے ملت لکھنؤ ۸ر نومبر ۸۱ء اور ۱۵ر نومبر ۸۱ء، الجمعیۃ دہلی ۱۱ر دسمبر ۸۱ء،

مقابلہ کرنے میں سخت دقت کا سامنا کر رہے ہیں۔

الحاد و مادیت اور لادینیت کے اس طوفان کا ایک جھونکا عورتوں و مردوں کی مساوات کی شکل میں آیا جس نے بے حیائی اور عورت و مرد کے اختلاط کا دروازہ کھول دیا، عورتوں کے حقوق کے نام نہاد داعی گلے پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے، دوسرے اہل مذاہب نے تو ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے کیونکہ ان کے مذاہب نے اس سلسلہ میں واضح احکامات نہیں دیئے ہیں، لیکن اسلام کے پیروکاروں نے اس کا نوٹس لیا کیونکہ اسلام نے ایک ایسا نظام پیش کیا ہے جو ہر اعتبار سے متوازن ہے اس نے عورتوں اور مردوں دونوں کے الگ الگ حقوق و فرائض کو بالتفصیل بیان کیا ہے اس مذہب کے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے صاف صاف فرمایا ہے۔

استوصوا بالنساء خیرا فإن المرأۃ خلقت من ضلع و ان اعوج شئ فی الضلع اعلاہ فإن ذھبت تقیمہ کسرتہ و ان ترکتہ لم یزل أعوج فاستوصوا بالنساء خیرا:۔

(صحیح البخاری)

عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے (کے سلسلے میں میری) نصیحت مانو! عورت چونکہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے (اس لئے خلقی طور پر کچھ کجی رہ گئی جس کی وجہ سے کچھ کوتاہیاں ہونگی) اور سب سے ٹیڑھی پسلی سب سے اوپر کی ہوتی ہے، تو اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اسے توڑ ڈالوگے اور اگر یونہی رہنے دوگے تو (اگرچہ کچھ کجی باقی رہے گی مگر نباہ ہوتا رہے گا) پس (میں مکرر کہتا ہوں) کہ عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ (کے سلسلہ میں) میری نصیحت مانو"۔

آج لوگ اس حدیث کے آخری حصے کو لے کر، استوصوا بالنساء خیرا (یعنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے سلسلے میں میری نصیحت مانو) کو تو حذف کر دیتے ہیں اور دوسرا حصہ لے کر پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے عورتوں کے ذہنوں میں اسلام کے خلاف غلط خیالات کر پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

قرآن کا حکم بالکل واضح ہے " وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء) یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر طریقہ پر زندگی بسر کرو" یہ مضمون عورتوں اور مردوں کے حقوق کے فرائض کے موضوع پر نہیں ہے اس کے لئے ایک مستقل مضمون نہیں بلکہ کتاب درکار ہے اور علماء نے ہر زمانے میں اور تقریباً ہر معروف و مشہور زبان میں اس پر کافی لکھا ہے اس جگہ یہ بتانا مقصود ہے کہ لادینیت، الحاد اور مادیت کے اس سیلاب کی کئی شکلیں ہیں ان میں سے ایک کا نام ہے آزادیٔ نسواں، اس عنوان سے عورت کی عصمت کو داغدار بنایا جاتا ہے، اس کو گھر بلو اور عائلی زندگی کی ذمہ داریوں سے آزاد کیا جاتا ہے اور نائٹ کلبوں ناچ گھروں، فلم ساز کمپنیوں، ٹیلی ویژن کے ڈراموں اور پروگراموں، اور عریاں و نیم عریاں اشتہارات کی زینت بنایا جاتا ہے، عورت اپنا اصل مقام اور آب و تاب کھو بیٹھی ہے اور پھر گھریلو زندگی اور بیوی و شوہر کے تعلقات بری طرح متاثر ہوتے ہیں، اس تحریک میں بنیادی طور پر اللہ کا خوف، اور آخرت کا ڈر دین کی عظمت قلوب سے نکال دی جاتی ہے، جس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں بالخصوص گھریلو زندگی پر پڑتا ہے۔

مستشرقین کا فساد

اسلام کے عائلی قوانین (مسلم پرسنل لا) میں تبدیلی چاہنے والوں کے پس پشت ایک اور قوی محرک و سبب وہ فساد ہے جو مستشرقین نے برپا کیا ہے، اس سلسلہ میں اپنے ایک مضمون میں[1] راقم السطور نے تحریر کیا ہے کہ موجودہ دور میں جو لوگ یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہے

[1] "ہندوستان میں مستشرقین کا علوم اسلامیہ و علماء کو نیا چیلنج"، مطبوعہ الفرقان لکھنؤ جون ۱۹۸۱ء۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جون ۱۹۸۱ء، القاسم دیوبند جون ۱۹۸۱ء جمعیۃ العلماء ہند نے اسکو ایک کتابچہ کی شکل میں بھی طبع کرایا۔

ہیں اور دے رہے ہیں ان کے دماغوں میں اسلام کے ماضی کی طرف سے بدگمانی اور علوم اسلامیہ کے بنیادی ماخذ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور "اصلاح مذہب" "اسلام کی تشکیل جدید"، "اصلاح فقہ و قانون اسلامی" اور اس سے بھی آگے "اصلاح دین اسلام" جیسے عنوانات سے اسلامی عقائد وحقائق (بہ تعلیمات) کو مسخ کرنے کی تحریکوں کی پشت پر ان مغربی اسکالرز کا ہاتھ ہے جنہوں نے علوم اسلامیہ کو مسخ کرنے کی غرض سے اسلامیات اور تاریخ اسلام کے مطالعہ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں، انلوگوں کو عام طور پر مستشرقین (ORIENTALISTS) کہا جاتا ہے موجودہ دور میں ان میں یہود ونصاریٰ دونوں شامل ہیں، یہ مستشرقین قرآن وحدیث، سیرت نبوی، فقہ اسلامی اور اخلاق وتصوف کا گہرا مطالعہ اس مقصد سے کرتے ہیں کہ ان علوم میں خامیاں نکالی جائیں اور ان کو اپنے مذہبی وسیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے، اپنے اس دجالی مقصد کی وجہ سے ان کو علوم اسلامیہ میں صرف غیر صحت مند چیزیں نظر آتی ہیں، جس طرح رنگین چشمہ لگانے والے کو ہر چیز اسی رنگ میں نظر آتی ہے جس چیز کا وہ چشمہ استعمال کر رہا ہوتا ہے۔

اس صدی کے شروع تک مستشرقین نے قرآن، حدیث، سیرت، فقہ اسلامی، تاریخ اسلامی وغیرہ پر براہ راست حملے کئے اور ان علوم پر بے لاگ تنقید کی، ان میں تحریف کی اور اسلام وپیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو مسخ کرکے پیش کیا، ان کی تحریرات یورپی زبانوں میں ہوتی تھیں، اور مغربی ممالک جن جن ممالک پر قابض تھے اور ان کا وہاں پر اقتدار تھا، وہاں شائع ہوتی تھیں، ہندوستان کے بعض علماء نے ان کے مدلل جوابات دیئے اور ان کی فاحش غلطیوں سے عامۃ المسلمین کو روشناس کرایا، لیکن جلد ہی مستشرقین نے محسوس کیا کہ ان کے طریق کار میں بنیادی غلطی ہے جس کی وجہ سے ان کی جدوجہد کا پورا نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا ہے اور بعض اوقات اس کی وجہ سے اسلامی حلقوں اور اداروں میں

شدید ردعمل اور اشتعال پیدا ہو جاتا تھا، جوان کے مفسدانہ مقاصد پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا تھا، چنانچہ انہوں نے بڑے بڑے وظائف دیکر یورپ، امریکہ، اور کناڈا میں قائم شدہ نام نہاد اسلام کی تحقیق کے اداروں کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے اور مسلمانوں کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور نام نہاد سائنٹیفک وسسٹیمیٹک تحقیق کے عنوان سے ان کا ذہن مسموم کرکے ان کو اپنے سانچے میں ڈھال لیا، ایسے لوگ جب اپنے وطنوں کو واپس آئے تو انہیں مستشرقین کا آلہ کار بنے، اس ملک میں بھی ایسے مسموم شدہ ذہن کے لوگ موجود ہیں، جو اپنی باطل اور مسخ شدہ تحقیقات کے عنوان سے مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، ان کی یہ تحقیقات دراصل ان کے جہل مرکب کا بین ثبوت ہیں، مستشرقین کے ان چیلوں نے کئی یونیورسٹیوں اور اداروں میں بڑے بڑے عہدوں پر قبضہ جما لیا ہے اور اسلام کے عنوان سے قرآن وسنت اور سلف صالحین کے خیالات وعقائد کے خلاف اپنے زہریلے قلم اور زبان سے اپنے استادوں کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

ان ہی میں سے چند نے ابھی حال میں شاہ بانو کیس کو لے کر مسلم پرسنل لار میں رخنہ اندازی کی کوشش کی ہے اور قیاس باطل کے ذریعہ نئے نئے شگوفے چھوڑے ہیں، کچھ سیاسی لوگ بھی ایسے لوگوں کی پشت پر ہیں تاکہ ان کو اپنے سیاسی مقاصد میں کامیابی حاصل ہو، یہود ونصاریٰ مستشرقین کے ان شاگردوں کی زبان پر "اجتہاد" اور "قیاس" جیسے الفاظ بھی آنا شروع ہو گئے ہیں حالانکہ اجتہاد وقیاس کی صلاحیت تو درکنار یہ لوگ ان الفاظ کی صحیح تشریح بھی نہیں کر سکتے، ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء میدان میں آئیں اور ان نام نہاد اسکالرز کی جو جہل مرکب میں مبتلا ہیں پول کھولیں، میں نے اپنے مذکورہ بالا مضمون میں علماء کو آج سے کئی سال پہلے ہی متوجہ کر دیا تھا لیکن اس پر پوری طرح دھیان نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے مستشرقین کے ان چیلوں کی ہمتیں بلند ہو تی گئیں اور

اب یہ لوگ براہ راست مسلم پرسنل لا پر حملہ آور ہو چکے ہیں، مستشرقین اپنی اس کامیابی پر یقیناً خوش ہوں گے، دیکھئے آئندہ یہ لوگ کیا کیا فساد برپا کرتے ہیں۔

فرقہ پرست غیر مسلم جماعتیں

مسلم پرسنل لا میں رخنہ اندازی کے سلسلہ میں ان چند فرقہ پرست غیر مسلم جماعتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو آزادی کے بعد سے اب تک مستقل "رام راج" قائم کرنے کا نعرہ بلند کرتی چلی آئی ہیں، حالانکہ "رام راج" کیا ہے، اس کے اصول کیا ہیں اور وہ کن کتابوں میں تحریر ہے اور کس نے اس کو مدون کیا ہے خود ان کو بھی اس کا علم نہیں، ان کے پاس تو انگریزوں کا مرتب کردہ وہ قانون ہے جو غلامی کے انعام کے طور پر دیا گیا ہے اور جن میں وہ من مانی ترمیمات کرنے کے درپے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیشہ عورتوں کی تحقیر کی، اس کو انسانی سطح سے گری ہوئی ایک مخلوق سمجھا جن کے یہاں طلاق کا تصور تک نہ تھا اور جو عائلی قانون کے نام سے بھی واقف نہیں تھے، آج غیروں سے چرایا ہوا مال دوسروں کے سر منڈھنے چلے ہیں، اور عورتوں کے سب سے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ بننے لگے ہیں، اس سلسلے میں آر، ایس، ایس کے سربراہ بالا صاحب دیورس کا مندرجہ ذیل بیان قابل توجہ ہے جو انہوں نے شاہ بانو کیس کے بعد دیا ہے:۔

> "بھوپال۔ ۱۶ اکتوبر، آر، ایس، ایس کے سربراہ مسٹر بالا صاحب دیورس نے ہندوؤں پر زور دیا ہے کہ وہ چھوت چھات اور ذات برادری کی تفریق کو ختم کر کے ایک قوم کی طرح متحد ہوں۔
>
> . . . .
>
> . . . .
>
> نان نفقہ سے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلے کے بارے میں مسٹر دیورس نے کہا کہ مسلمان عورتوں کی اکثریت نے اس کا خیر مقدم کیا ہے اس لئے ہندوؤں

کو چاہیئے کہ وہ ان کی جد وجہد میں ان کا ساتھ دیں۔

....

(قومی آواز، روزنامہ، نئی دہلی، ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۵ء)

دیورس صاحب نے ایک فرضی اور من گھڑت بنیاد بناکر ہندوؤں کو مسلمانوں کے جائز مطالبہ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ آج بھی مسلمان مرد وعورت کے دل میں شرعی احکامات کی ویسی ہی عظمت ہے جیسی کہ پہلے تھی، یہ صرف ایک مثال ہے جس کو یہاں نقل کیا گیا ہے ورنہ اس جیسی سینکڑوں مثالیں تلاش کرنے پر مل سکتی ہیں، انگریزی اخبارات غیر مسلموں کے اسلامی شریعت پر حملوں سے بھرے پڑے ہیں، ان میں سے چند ایک کا جواب راقم السطور نے بھی انگریزی میں دیا ہے جو ہندوستان کے مختلف اخبارات میں چھپا ہے، دراصل فرقہ پرست عناصر کی اسلامی شریعت کے خلاف ایک زبردست تحریک ہے، ۱۹۴۷ء سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں دل ہلا دینے والے فسادات ہوتے رہے ہیں جن میں یک طرفہ مسلمانوں کی املاک لوٹی گئی، جلائی گئی، ان کو قتل کیا گیا، اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی رہی، فسادات کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے، اب اس کے ساتھ ساتھ اس ملت بیضا کی شریعت، اس کے دین، ثقافت، تہذیب وتمدن اور فکر وخیالات کو مسخ کرنے کی کوشش کا آغاز ہوگیا یہاں تک کہ اس کی مقدس کتاب قرآن کریم کے خلاف عدالتوں میں رٹ دائر کی جانے لگی، کاش مسلمان قوم کو اس سازش کا احساس ہو جائے اور وہ شریعت کی حفاظت میں ایک جان وقالب بن کر اس شیطانی مکر وفریب کا پردہ چاک کریں، وہ قوم جس میں آج بھی آئے دن معصوم ومجبور عورتیں جہیز کے نام پر جل جل کر مر رہی ہیں اور جس نے ہزاروں سال تک بیکس بیواؤں کو جل کر ستی ہونے کو "پن" (نیک کام) سمجھا آج اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت پر اعتراضات کر رہی ہے، اور مسلمان دم بخود ہے؟

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کا خوف

ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے یہاں پر اکثریت اور اقلیت کی بنیاد پر حکومتیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں، مسلم پرسنل لاء پر ایک زبردست اعتراض اکثریت کے فرقہ پرستوں کا یہ ہے کہ اس میں تعدد ازواج کی اجازت ہے اس لئے مسلمان ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ بیوی کو رکھ کر اپنی تعداد بڑھا سکتے ہیں جبکہ غیر مسلم اس طرح تعداد بڑھانے سے قاصر ہیں، یہ اعتراض کتنا رکیک اور بے بنیاد ہے ہر سمجھ دار آدمی اسکو سمجھ سکتا ہے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تعداد میں جو فرق ہے وہ اس طرح صدیوں کیا ہزاروں سال میں بھی پورا نہیں ہو سکتا، دوسرے یہ کہ بمشکل ایک ہزار مسلمانوں میں ایک دو مسلمان شاید ایسے مل جائیں جو ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں، اس ملک کے مسلمانوں میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا عام رواج ہی نہیں، پھر مہنگائی اور مسلمانوں کی معاشی حالت بھی اس کی اجازت نہیں دیتی، بہرحال اس ملک کی اکثریت اسی غم میں گھل رہی ہے اور اس کو بہانہ بنا کر مسلم پرسنل لاء پر حملے کر رہی ہے، اور اس میں تبدیلی کا مطالبہ کر کے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا منصوبہ و پلان تیار کر رہی ہے۔

یہ ہیں وہ چند اہم اسباب و محرکات جو راقم السطور کے نزدیک مسلم پرسنل لا میں تبدیلی لانے کے پس پشت کام کر رہے ہیں، ان کے علاوہ بھی چند اور عوامل واسباب ہو سکتے ہیں، لیکن وہ اتنے بنیادی اور اہم نہیں ہیں، مجھے امید ہے کہ اہل علم وفکر حضرات ان کی طرف توجہ دیں گے اور ان کے تدارک کی تدابیر اختیار کریں گے نیز ملت کے رہنما و لیڈر کسی ایسے مثبت راستے کو اختیار کریں گے جس کے ذریعہ اس قسم کے مطالبات کا ہمیشہ کے لئے سدباب ہو سکے۔ گو ہم کافی وقت گنوا چکے ہیں، لیکن اب بھی کچھ وقت باقی ہے اگر اس موقع کو بھی ہاتھ سے نکال دیا تو پھر آنسو بہانے کے علاوہ کچھ نہیں رہ جائے گا، اور ان آنسوؤں کو پوچھنے والا بھی کوئی نہیں ہو گا۔

مشترکہ سول کوڈ کا مطالبہ کیوں؟

ڈاکٹر رشید الوحیدی فاضلِ دیوبند
ریڈر جامعہ ملیہ اسلامیہ : ___

یکساں سول کوڈ کا مطالبہ دراصل ہندوستان میں بسنے والی بہت سی اکائیوں کے مذہبی، شخصی اور عائلی قوانین کو سبوتاژ کرنے اور ختم کرنے کی ایک چال ہے، اور اس کے نتیجے میں ہر وہ شخصی قوانین جو قوموں کے اپنے اپنے مذاہب پر مبنی ہیں، منسوخ ہو جائیں گے اور ان کی جگہ طلاق، نکاح، نفقہ، وراثت، وصیت، ہبہ اور شفعہ وغیرہ امور میں تمام شہریوں کو ایک مشترکہ وضعی قانون کی پابندی کرنی پڑے گی، یہ ایک خطرناک صورتِ حال ہوگی، اور کوئی قوم، کوئی گروہ اس خطرناک صورتِ حال کی اہمیت محسوس کرے یا نہ کرے، مسلمان بہر حال اس تجویز کو خاموشی سے برداشت نہیں کرسکے گا کیونکہ اس طرح مشترکہ سول کوڈ کے اسلوب سے اس کے جس قانون پر زد پڑتی ہے وہ کوئی رواجی یا وضعی قانون نہیں ہے، وہ مسلمان کا دین ایمان اور دھرم ہے، اس لئے مسلمان اس اعلان اور ملک میں اٹھنے والی اس آواز کو وقتی اور سطحی طور پر نہیں دیکھتا بلکہ اس کے نزدیک دستور کے باب چہارم کی دفعہ ۴۴ (جس کی تفصیل ہم آگے دیں گے) اس کو وہ اپنے لئے اور اپنے پرسنل لا کے لئے ہر وقت خطرے کا الارم اور ایک لٹکتی ہوئی تلوار سمجھتا ہے، جس کی موجودگی میں ہندوستان کی ایک بڑی، بلکہ سب سے بڑی اقلیت ہر وقت بے یقینی

اور شبہے کی حالت میں رہے گی ۔

یہ ملک روحانیت ، محبت ، اتحاد ، ویکجہتی کا ملک رہا ہے ، کانگریس اور حکمراں جماعت کی پالیسی بھی انہیں اصولوں کو فروغ دینا ہے ، ملک کے دستور کی روح اور پالیسی بھی یہی ہے ، جب حکومت اور حکمراں پارٹی اس پالیسی کو پسند کرتی ہے ، اور حکومت کا یہی اصول ہے تو جو لوگ حکومت کی پالیسی کے خلاف ہوں گے یا جو کانگریس کے اصولوں کو پسند نہ کرتے ہوں گے ، وہی اس قسم کا مطالبہ کرینگے ، لیکن اگر خود حکومت کے ذمہ دار اگر ایسی بات کریں یا ملک کی عدالت اس قسم کے فیصلے کرے جس سے یہ روح مجروح ہوتی ہو تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ۔

شروع شروع میں یکساں سول کوڈ کی تائید میں جو بیانات دیئے گئے ان میں سے بعض بیانات نہایت سخت اور جذباتی تھے ، ملک میں مسلمانوں کے بعض عائلی اور شخصی معاملے کو سماجی اور تمدنی مسئلے کی سطح پر لاکر اس کے متعلق مسلمانوں کے نقطۂ نظر کے خلاف ایکٹ بنائے گئے (اگرچہ جمعیۃ العلماء نے اور بعض مسلمانوں نے اس کے خلاف سخت نوٹس لیا اور اس میں سے بعض ایکٹ کو میسرچ بھی کرایا) پھر ابھی حال ہی میں مسلمانوں کے ایک اہم مسئلے پر عدالت عالیہ کے جج صاحب نے ، اسلامی اصولوں کے خلاف ایک فیصلہ دیا اور اس کے بعد حکومت کو مشورہ بھی دیا کہ ملک میں مشترکہ سول کوڈ کا نفاذ کیا جائے ، ان باتوں سے اقلیت میں جو انتشار و بے چینی ہے ، اس کو سامنے رکھیے ، دوسری طرف حکومت کا یہ پلان دیکھئے کہ ملک کے تمام باشندوں کے درمیان اتحاد و محبت ، ملک میں یک جہتی و سالمیت کو فروغ ہو ، ان دونوں باتوں میں جو تضاد ہے ، وہ سمجھ میں نہیں آتا ۔ محمد احمد شاہ بانو کیس میں مسلمانوں کا جو ردعمل رہا وہ حکومت اور ملک کے سامنے ہے اس کے باوجود بعد میں پھر اس قسم کے فیصلے کئے گئے ، چنانچہ بیاورہ ، رائے گڑھ (مدھیہ پردیش) ولی محمد ،

باسوانی بائی، اور قصبہ دھارا (مدھیہ پردیش) میں مطلقہ کے نفقے کے سلسلے میں صاف مسلمانوں کے عائلی اور شخصی دینی قانون کے خلاف فیصلہ دیا گیا، آخر اس سے کیا نتیجہ نکالا جائے، کیا اس طرح وقتاً فوقتاً مسلم پرسنل لار کے خلاف فیصلے کرکے "بنیادی حقوق" پر دست درازی نہیں ہے؟ اور کیا یہ بنیادی حقوق کی اہمیت و فوقیت کے علی الرغم "رہنما اصول" کے دفعہ ۴۴ میں مذکور ایک قانون (مشترکہ سول کوڈ) کو اونچا اٹھانے اور لاگو کرنے کی صورت نہیں ہے؟ یہاں ہم دستور کے رہنما اصول کے بارے میں مختصر سا تاریخی جائزہ لیتے چلیں، مختصر جائزے کی بات ہم تھوڑا آگے چل کر کریں گے، سردست وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کے "مشترکہ سول کوڈ" کے سلسلے میں تازہ بیان "قومی آواز ۴ جنوری ۸۶ء بروز سنیچر" پر اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں، وزیر اعظم کا یہ بیان ان کی طرف سے کسی قسم کا فیصلہ نہیں ہے، اس بیان سے اتنی بات تو واضح ہوگئی ہے کہ سول کوڈ نافذ کرنے کا حکومت کا ارادہ ہے اور اس کے لئے موجودہ قانون تبدیل کیا جائے گا، مگر اس میں گنجائش کا یہ پہلو بھی موجود ہے کہ وزیر اعظم مختلف مذاہب کے ترتیب شدہ ضوابط اور ان کے نظام کو ایک قلم نظر انداز نہیں کر رہے ہیں بلکہ موجودہ نظام اور مذاہب کے ترتیب شدہ ضوابط کے حسن و قبح کا جائزہ لینے کے بعد یہ حکمت عملی اپنائی جائے گی، اب اس موقع پر ہماری ذمہ داری، ہمارے مسلم لیڈران ممبران پارلیمنٹ، علماء اور اسلام کے مقتدر ذمہ داروں کا فرض ہے کہ وہ وزیر اعظم کو اسلامی نظام، عائلی و شخصی، قانون کے بارے میں یہ باور کرادیں کہ یہ نظام نہ صرف مسلمانوں کے لئے، بلکہ سارے عالم کے لئے، پوری انسانیت کے لئے اپنے دامن میں ایسا جامع پاکیزہ اور روشن اصول رکھتا ہے کہ اس کے بعد کسی دوسرے وضعی اور رواجی قانون کی ضرورت نہیں رہ جاتی، اگر ذمہ داروں نے یہ کام کرلیا اور وزیر اعظم نے اسی جذبہ ہمدردی سے مسئلے کو سامنے رکھا، تو ہمیں امید ہے مسلمانوں کو کم از کم ضرور "سول کوڈ" سے مستثنیٰ کر دیا جائیگا،

مشترکہ سول کوڈ کی دستوری تاریخ

آٹھویں صدی میں ہندوستان میں جب سلاطین دہلی کی حکومت قائم ہوئی تو ملک کے تمام ہی باشندوں کے لئے ایک عام قانون نافذ ہوا جس کا اطلاق سب پر یکساں طور پر ہوتا تھا، مگر اس کے ساتھ ہی کچھ شخصی اور عائلی قانون بھی لاگو کیا گیا، مثلاً شادی، طلاق وراثت، وصیت، شفعہ اور ہبہ وغیرہ، یہ قوانین صرف مسلمانوں پر نافذالعمل تھے باقی دوسری قوموں کے عائلی مسائل میں ان کے اپنے مذہبی قوانین کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تھا، بلاشبہ یہ دوسری قوموں کے ساتھ انصاف اور ان کے جذبات کی پاسداری کی ایک اعلیٰ مثال تھی، جب ملک میں انگریزی حکومت کا رواج ہوا تو انہوں نے بھی مغلیہ سلطنت کے اس اصول کو باقی رکھا، پھر جب آزادی کے بعد آئین ساز اسمبلی میں ملک کا نیا دستور تیار ہو رہا تھا، ملک کے مجوزہ آئین کے دفعات زیر بحث تھے، اس وقت بنیادی حقوق سے متعلق کسی ذیلی کمیٹی میں "یکساں سول کوڈ" کی ایک شق شامل کرنے کی بات سامنے آئی، ۱۹۴۷ء میں یہ پہلا موقع ہے کہ یہ آواز آئین ساز اسمبلی میں پہلی بار سنائی دی، بحث یہ تھی کہ ملک کے مجوزہ دستور کے باب چہارم "ریاست کی پالیسی کے لئے رہنما اصول" میں "یکساں سول کوڈ" کی ایک دفعہ شامل کی جائے جس کا اطلاق بلا امتیاز مذہب و ملت، تمام باشندوں پر ہوگا، چنانچہ یہ تجویز جس کو "بنیادی حقوق" کی ذیلی کمیٹی نے ایک بار ۲۸ر مارچ ۱۹۴۷ء کی میٹنگ میں مسترد کر دیا تھا دوسری بار ۳۰ مارچ ۱۹۴۷ء میں نہایت معمولی اکثریت سے پاس ہوگئی اور دستور کے باب چہارم "سرکاری پالیسی کے لئے رہنما اصول" میں یہ دفعہ ۴۴ بھی شامل ہے اس کا متن یہ ہے، "حکومت شہریوں کے لئے ایک ایسا سول کوڈ رائج کرنے کے لئے کوشش کرے گی جس کا نفاذ ہندوستان کے طول و عرض میں ہو"

اس وقت اسمبلی کے بعض ممبران نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی، ایک

فاضل ممبر نے یہ بھی کوشش کی اور اس کوشش کے سلسلے میں تین تجویزیں رکھیں جس کی بنیاد پر مذہبی آزادی کے بنیادی حق والی دفعہ میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہو جائے، مگر تجویز کی یہ مخالفت اور تحفظ کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی اس کے مقابلے میں ڈاکٹر امبیدکر نے دستور ساز اسمبلی میں مخالفت کرنے والوں کو کچھ تسلی دیکر سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا، جب ہم ڈاکٹر امبیدکر کا اس وقت کا وہ بیان، جو انہوں نے مسلم ممبران کو مطمئن کرنے کے لئے دیا تھا، پڑھتے ہیں، تو سوچنے لگتے ہیں کہ اگر وہ آج زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ان کے دیئے گئے تحفظات اور یقین دہانیوں کی کیا حیثیت رہ گئی ہے۔

یہ طے ہے کہ یکساں سول کوڈ کی براہ راست زد مسلم پرسنل لا پر پڑتی ہے، ہم مسلم پرسنل لا کی وکالت کر کے، اس کی افادیت اور برتری، مجموعی طور پر، نیز نکاح، طلاق وراثت، وصیت، وقف، ہبہ، شفعہ وغیرہ الگ الگ موضوعات میں، ثابت کر سکتے ہیں، اور اسلام کے اس روشن و مستحکم اصول کو برابر مستقل تصانیف... مضامین، تقریروں و تحریروں کے ذریعہ بتایا بھی جا رہا ہے، ہم بجا طور پر یہ بھی ثابت کر سکتے ہیں، کہ ملکی اتحاد، سیکولرازم، بھائی چارہ، مساوات، چھوت چھات کی لعنت کو ختم کرنا، ملک اور دستور سے وفاداری، امن و شانتی، پڑوسی ملکوں سے دوستانہ تعلقات انسانیت کا احترام، غیر قوموں سے تعلق و محبت، ہر شعبۂ زندگی میں ترقی، اقتصادی تعلیمی اور اخلاقی فلاح و نشو و نما، غرض ان تمام امور میں جو ایک مثالی ریاست کے لئے ضروری ہوا کرتے ہیں، اور جو حکومت ملک کے لئے چاہتی بھی ہے، اور جو ہر ہندوستانی کی خواہش ہے، اور جس سے سارے عالم میں ہمارے ملک کا نام روشن ہو سکتا ہے، یہ سب اسلامی نظام اور اس کے اصولوں پر چل کر، عمل کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے، ہم یہ بھی بتا سکتے ہیں، اور بتاتے رہیں گے کہ بھائی! ہمارے پرسنل لا کو اپنی قانون سازی کے

تحت لاکر تختۂ مشق نہ بناؤ، یہ ملک کے دستور کے بنیادی حق کا ایک مسئلہ بھی ہے اور یہ مسلمان کے دین وشریعت، ایمان وعقیدے کا بھی مسئلہ ہے۔ ان کی دنیا ہی نہیں آخرت میں ان کی کامیابی وناکامی کا انحصار بھی اسی پر ہے جو مسلمان کو بہرحال عزیز ہے، یہ کوئی رواجی ویا وضعی قانون نہیں ہے یہ قانون الہٰی اور وحئ خداوندی کی دین ہے، جسے چھوڑنا مسلمانوں کے لئے ممکن نہیں ہے، ہم سب کچھ کرسکتے ہیں اور عقلی ونقلی طور پر ایسے مضبوط دلائل سے کرسکتے ہیں کہ ماننے والا اور قبول کرنے والا ذہن ہو تو اس سے انکار نہیں کرسکتا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پھر ہم کیا کریں گے، اگر اس کے بعد بھی مرغے کی وہی ایک ٹانگ یعنی ملک میں مشترکہ سول کوڈ قائم کرنے کا اعلان، بتلائیے اب اس ضد اور ہٹ دھرمی کا آخر کیا علاج کیا جائے، معاملہ یہ ہے کہ اگر یہ آواز، مسلم پرسنل لا کی خوبیوں سے عدم واقفیت کی بنیاد پر ہوتی تو ہماری اس کوشش، یعنی پرسنل لا کی اچھائیوں اور خوبیوں کو ثابت کرنے اور واقف کرانے کے بعد، یقیناً یہ آواز دب جاتی، ختم ہو جاتی پھر کبھی نہ ابھرتی، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، تمام تر کوششوں کے باوجود اور جانتے بوجھتے جب برابر یہ مطالبہ دہرایا جارہا ہے، تو اس صورت میں تو دل طرح طرح کے شکوک وشبہات میں ڈوب جاتا ہے، ہم سوچنے لگتے ہیں کہ اب اس مطالبے کو روکنے کا اور کیا جتن کریں مسلم پرسنل لا کی خوبیوں کو دوسری قومیں، نہ صرف یہ کہ جانتی ہیں، بلکہ اس کی برکتوں اور اچھائیوں کا عملاً اعتراف کرچکی ہیں، اس سے مستفیض ہورہی ہیں، آخر نکاح بیوگان، لڑکیوں میں وراثت کی تقسیم، نکاح ثانی کے اصول، اگر غیروں نے اس پرسنل لا سے اپنایا ہے تو کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کی خوبیاں انہیں اپیل کرتی ہیں، لہذا یہ تو طے ہے کہ یہ مطالبہ کسی لاعلمی کی بنا پر تو ہے نہیں، اب سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ یہ ذہن کی مسمومیت اور دلوں کی کھٹک ہے جو وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہے، اور اس وقت تو بلی تھیلے سے باہر آگئی جب شیوسینا کے قائد، بالا صاحب ٹھاکرے، نے مراٹھی روزنامہ

"لوک ستیہ" کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

"یکساں سول کوڈ کا تحفظ ہندوستان کی خود مختاری کے برابر چیلنج ہے ہر سچے ہندوستانی کو ہمت وجرأت سے اسے قبول کرکے میدان میں آنا چاہئے"

پھر آگے فرمایا

"ہندؤں کو چاہئے کہ وہ مسلم پرسنل لا کے خلاف جدوجہد میں ساتھ دیں" (ملی ترجمان ۱۹ر دسمبر ۱۹۸۵ء دہلی)

مسلمان تو ان ہفوات کو کب خاطر میں لاتے ہیں، کوئی انصاف پسند ہندو بھی اسے پسند نہیں کرے گا، اگر چہ وقتی طور پر اس قسم کے بیانات سے ہم ایک ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں، مگر ہمیں اپنے دستور میں دیئے گئے "بنیادی حقوق کے تحفظ وضمانت" پر اعتماد کرکے تسکین بھی ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد مشترکہ سول کوڈ کے ان اعلانات میں کوئی خاص جان نہیں ہے، اس موقع پر ہم "بنیادی حقوق" اور رہنما اصولوں" کے فرق پر، اوران دونوں کی دستوری حیثیت پر نظر ڈالتے چلیں، جس سے بنیادی حقوق کی بالادستی ثابت ہوتی ہے۔

۱۔ دستور کے باب سوم میں ہندوستانی باشندوں کے لئے کچھ بنیادی حقوق تسلیم کئے گئے ہیں اورانکے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے، پھر اسی باب کی دفعہ ۲۹ کے ذریعے شہریوں کے ہر طبقہ کو اپنے مخصوص کلچر کو محفوظ رکھنے کی بھی ضمانت دی گئی ہے اب اس کے بالمقابل باب چہارم کو دیکھا جائے جو بہرحال ایک "رہنما اصول" ہے تو بنیادی حق کو بہرحال بالادستی حاصل ہو جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ بنیادی حقوق سے اگر رہنما اصول کسی وقت متصادم ہوں گے تو باب چہارم کے رہنما اصول کو ترک کرنا پڑے گا۔ اور ظاہر ہے مسلم پرسنل لا، بنیادی حقوق میں شامل ہے، اسکو ختم کرکے مشترکہ سول کوڈ کیسے نافذ کیا جاسکتا ہے۔

اس سے یکساں سلوک ہو یا اس جیسا اور کوئی دوسرا قانون، اگر پارلیمنٹ یا کوئی ریاستی مجلسِ قانون ساز اپنے اختیار سے وضع کرے اور وہ بنیادی حقوق سے ٹکراتا ہو تو اسے غیر آئینی قرار دیا جائے گا پھر بنیادی حقوق کی تعبیر و تشریح میں ترمیم کرکے بھی تبدیلی یا منسوخی کے لئے وجہ جواز تلاش نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ بنیادی حقوق اقوام متحدہ کے "منشور برائے بنیادی حقوق" میں شامل ہیں، جن کو آج ہر متمدن ریاست تسلیم کرتی ہے، پھر جب اس منشور پر حکومت ہند نے بھی دستخط کر دیئے ہیں تو گویا اس چارٹر کو تسلیم کرکے خود کو اس کا پابند بنا لیا ہے۔

۲- دستور کی دفعہ ۳۲ میں صراحت ہے کہ ہر بنیادی حق کو سپریم کورٹ کے ذریعے نافذ کرایا جا سکے گا جس کے تحت ہر ہائی کورٹ میں کسی بھی حق کے نفاذ کے لئے رٹ داخل کی جا سکتی ہے، لیکن رہنما اصولوں کے تعلق سے ایسی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، یعنی اگر ریاست کسی رہنما اصول کو اختیار کرنے میں کوتاہی کرے تو ملک کی کوئی عدالت حکومت کو ان پر فوری عمل کے لئے مجبور نہیں کر سکتی اور اگر حکومت اس پر عمل نہ کرے تو اس سے باز پرس بھی نہیں کر سکتی گویا "بنیادی حقوق" کے برخلاف رہنما اصول عدالت کے اختیار سے باہر ہے۔

۳- دفعہ ۱۳ ضمن ۲ کے ذریعہ ریاست پر لازم ہے کہ وہ ایسا کوئی قانون نہیں بنا سکتی جس سے باب سوم میں مندرجہ بنیادی حقوق میں سے کسی حق پر ضرب پڑتی ہے، رہنما اصول کے باب میں اس قسم کا کوئی لزوم نہیں ہے،

بہرحال دستوری حق کی رو سے "رہنما اصول" بنیادی حقوق کے مقابلے میں کمزور ہیں اس لئے بنیادی حقوق کے مقابلے میں ان کو تھوپا بھی نہیں جا سکتا، اصولاً ہونا تو یہی چاہیئے، انصاف کی رو سے سمجھ میں بھی یہی آتا ہے گو عملاً اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ قانون کے ایک عالم کی رائے ہے۔

"مگر اب کچھ عرصے سے اس نظریئے میں تبدیلی آتی جارہی ہے اور یہ خیال زور پکڑ رہا ہے کہ رہنما اصول برائے پالیسی کو بنیادی حقوق سے زیادہ نہیں تو کم از کم برابر اہمیت دینی چاہیئے۔
اس کے بعد کیا ردعمل ہوگا یہ تو وقت ہی بتائے گا۔

ہم تو اس بات کو بھولے نہیں ہیں کہ آئین مرتب کرتے وقت بنیادی حقوق کو مجالس قانون ساز اور عدلیہ تک کے اختیار سے بلند درجہ دیا گیا، پنڈت نہرو نے بنیادی حقوق کو آئین ہند میں ایک مستقل مقام اور دوسرے امور کو خواہ وہ کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں، عارضی مقام عطا کیا تھا، خود سپریم کورٹ نے اپنے ایک مقدمے میں بنیادی حقوق کو ایک مستقل حق مانا ہے، جو قانون ساز اداروں، عدالتوں وغیرہ کی دست برد سے محفوظ ہے (دیکھئے سپریم کورٹ مقدمہ گوپالن بنام اسٹیٹ آف مدراس) یہ درجہ اور یہ مقام رہنما اصول کو کہیں بھی حاصل نہیں ہے۔

ان تمام باتوں کی روشنی میں غور کیا جانا چاہیئے کہ رہنما اصول کے لئے بنیادی حقوق کو کس طرح پامال کیا جاسکتا ہے، پھر بنیادی حق بھی کیسا، جسے مسلمان جی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔

پرسنل لا اور مسلمان

اصل یہ ہے کہ ایک مسلمان مسلمان رہتے ہوئے اپنی زندگی کے اجتماعی، انفرادی، شخصی، عائلی معاملات کو مذہبی اصولوں اور تشریعی قوانین سے الگ رکھ ہی نہیں سکتا، جب کہ مشترکہ سول کوڈ کی وکالت کرنے والے اس رمز، اس جذبے اور اس روح کو سمجھنے سے قاصر ہیں، یہ قاصر رہنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے نہ اس کے کہنے میں کوئی تنقیص کا پہلو پیش کرنا ہے، یوں سمجھئے، کسی کے نزدیک اگر عائلی، شخصی، خاندانی قوانین یا ان کا پرسنل لا کسی قسم کے رواج، رسم، جغرافیائی حد بندیوں، اتفاقی اجتماع یا کسی اور دوسرے

عوامل سے تشکیل و ترتیب پاسکتا ہو تو ایسا شخص یہ کیا سمجھے گا کہ یہ کوئی ایسی قیمتی دولت یا مقدس اثاثہ ہے کہ زندگی اور اس کی ساری توانائیاں اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں، یا اس میں ادنیٰ سے تغیر، تبدیلی، ترمیم سے کوئی قیامت آجائے گی، مگر مسلمان جس کا پرسنل لا قطعی اور قطعی خدا اور رسول کا فرمودہ ہو وہ اس کو چھوڑنا کیا معنی، ادنیٰ سی ترمیم بھی گوارا نہیں کرسکتا، بہر حال! پرسنل لا کو وضعی یا رواجی بنیادوں پر قبول کرنے والے تو یہی سوچیں گے کہ ہر فرقے کے شخصی اور معاشرتی مسائل صرف اور صرف اسٹیٹ کے وضع کردہ قانون کے تحت حل ہونے چاہئیں، کیونکہ اسٹیٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ سماجی مصلحتوں، تمدنی ضرورتوں اور ملکی تقاضوں کو سامنے رکھ کر ایک ہی نظام اجتماعی ملک بھر میں لاگو کرے، الگ الگ فرقوں کے الگ الگ قانین کو ختم کرکے، سب کو ایک ہی مشترکہ قانون کے ماتحت کردے۔

گویا سول کوڈ کے وکلا ایک خاص نقطۂ نظر کے حامل ہیں، جو ان کے نزدیک نہایت معقول و منطقی ہے مگر ایک ایسی قوم جو نہ صرف عقیدے وعبادت کی حد تک بلکہ معاملات و معاشرت کے معمولی سے معمولی، چھوٹے سے چھوٹے امور میں احکام دین و مذہب اور اللہ اور رسول کے فرمان سے سرِ مو ہٹنے کو ایمان سے خارج ہونا تصور کرتی ہو جو مسلم پرسنل لا کی بنیاد قانونِ اسلامی کے سرچشمہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی تصریحات یا ائمہ اسلام کے ان اجتہادات کو مانتی ہو، جو قرآن و حدیث کی روشنی میں کئے گئے ہیں اور جو اس کو آخرت میں نجات کے لئے شرط قرار دیتی ہو، اللہ کی رضا و ناراضگی کو اس بات پر منحصر جانتی ہو کہ اس کے بتلائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنا ہے، اور اس کے فرمائے ہوئے ممنوعات سے باز رہنا ہے، وہ بھلا یکساں سول کوڈ کے اس فلسفے کو کس طرح قبول کرسکتی ہے کہ کوئی وضعی قانون ان سے یہ روحانی دولت سلب کرلے اور سب کو ایک فرمانِ انسانی تھمادے جبکہ مسلمان کے سامنے حکم یہ ہے کہ تم انسانوں

کے بنائے قوانین (اورخصوصاً ان قوانین کے پابند نہیں ہو جو خدا کے قوانین سے متصادم ہوں) بلکہ یہ حکم سنو لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا ۔ اور ہم نے تم میں سے ہر امت کے لئے ایک شریعت اور آئین زندگی مقرر کردیا ہے ۔ (مائدہ - ۷) فرمائیے جعلنا کا لفظ "نا" تو بتارہا ہے کہ حاکموں کا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ کائنات کا خالق "اللہ تعالیٰ" جو شریعت اور آئین زندگی دے رہا ہے اس پر چلو ، اور کوئی کہہ رہا ہے کہ اپنے ان قوانین کو الگ رکھو، ایک ایسے قانون کو اپنا لو جو معاشرت ، سماج ، تمدن کی بنیاد پرست کے لئے یکساں ہوں ، مذہبی اور شرعی روح بلا سے مجروح ہوتی ہو۔

اللہ تو اپنے احکام کے لئے ، اس پر عمل کے لئے اپنے معصوم نبی برحق کو سامنے رکھ کر فرمارہا ہے ، ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا ۔ اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم تم کو جو حکم دیں اسے قبول کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے رک جاؤ (حشر ۱۱)

اب بطور احکام ایک مسلمان نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت ہی کا پابند ہے یعنی جو آپ فرمائیں وہ وہی کرنے پر ، اور جس چیز کو آپ منع فرمائیں ، اس سے باز رہنے پر مامور ہے ، اس طرح دینی امور میں قرآن ہی کے حکم کے مطابق ، "حدیث" اس کے لئے احکام کا سرچشمہ قرار پایا ، اس میں اس حیثیت سے " اور کسی قانون کی کہاں گنجائش ہے ۔

انہیں دونوں سرچشموں کی طرف امت کی توجہ پھیرنے کے لئے نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً آخری حج کے موقع پر یوں فرمایا " تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ يَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا ، کتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ " میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے ، اللہ کی کتاب (قرآن) اور اللہ کے رسول کی سنت (حدیث) (موطا امام مالک)

یہاں ایک بار پھر ہم اپنے قاری کو دستور کی طرف زحمتِ توجہ دینگے، آئین کی دفعہ ۲۵ نمبرا میں وضاحت ہے کہ (باب ۳ " بنیادی حقوق " کی دیگر دفعات کے تابع ہر شہری کو مذہبی عقائد رکھنے، اس پر آزادانہ عمل کرنے اور مذہبی تبلیغ کی آزادی ہے) ایک مسلمان کے لئے فرمانِ رسول کے مطابق " قرآن وحدیث کو مضبوطی سے پکڑنا " اس کے مطابق اپنی زندگی پر چلنا، یہی تو " آزادانہ عمل ہے "اب اگر کوئی قانون اسے روکتا ہے، یا محدود و مسدود کرتا ہے تو کیا یہ ۲۵ و ۲۶ میں دی گئی ضمانت سے تصادم نہیں ہے؟

مسلمان کو تو حکم یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن، عقیدہ و عمل میں صرف احکام اسلام کی اتباع کرو، اپنی عقل یا دوسرے کے کہنے سے ہرگز کوئی حکم تسلیم نہ کرو، حتیٰ کہ کسی اچھے عمل کو بھی اگر اپنی طرف سے دین میں داخل کرلوگے تو وہ بھی قابل قبول نہ ہوگا، جب تک شریعت اس کا حکم نہ دے تو بھلا شریعت کے کسی حکم کو چھوڑنے کا تو سوال ہی کہاں ہوتا ہے، اسلامی احکام کے ساتھ کسی دوسری قسم کے احکام کا جوڑ لگ ہی نہیں سکتا، چنانچہ چند یہودی جب سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر مشرف با اسلام ہوئے اور انہوں نے احکام اسلام کے ساتھ ساتھ تورات کے بعض احکام پر عمل کرنا چاہا تو فوراً ممانعت کردی گئی، اس تمام بحث کے لئے قرآن پاک نے ایک جامع انداز اپنا کر تنبیہ فرمادی، یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ " اے ایمان والو! داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے "(البقرہ رکوع ۸)

اب رہا ہے پرسنل لا سے متعلق موضوعات (خواہ وہ مدون پرسنل لا کے موضوعات ہوں یا غیر مدون سر دست یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہم نے شروع ہی میں عرض کردیا ہے کہ یہ چیز روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، اپنے تو اپنے، غیر بھی اسے تسلیم کرتے ہیں، مانتے ہیں، ظاہر میں کسی مصلحت سے نہ سہی، دل سے اس کی خوبیوں کو مانتے ہیں اور عملاً بھی اعتراف کرتے ہیں، اب اس کا کیا کیا جائے کہ اس کے باوجود بھی بعض گروہ اور

جماعتیں برابر مشترکہ سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں، پرسنل لا کی ترمیم اور اصلاح کا یہ مطالبہ، جو آجکل پیش کیا جارہا ہے، دراصل اسی مقصد کو حاصل کرنے کی طرف ایک قدم ہے۔

پرسنل لا اور اصلاح پسند مسلم دانشور

افسوس تو یہ ہے کہ ترمیم واصلاح کی یہ تجویز بعض مسلمانوں کی طرف سے بھی سنائی دیتی رہتی ہے، ایسے لوگوں نے اپنے دماغ میں یہ بات بٹھالی ہے کہ پرسنل لا کا دین وشریعت سے کوئی لازمی تعلق نہیں ہے، پرسنل لا شریعت کا کوئی ایسا ناقابل تنسیخ جزو اور حصہ نہیں ہے کہ اس میں ذراسی ترمیم واصلاح سے کوئی قیامت آجائے گی، گویا انہوں نے پرسنل لا اور اسلامی نظام کو عبادات، روزہ، نماز وغیرہ میں محدود کر دیا ہے، باقی رہے اجتماعی انفرادی سماجی مسائل ان کو اس سے الگ کر لیا ہے۔

دوسرے یہ مسلم دانشور، بنام ترمیم واصلاح جو فہرست پیش کرتے ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ اس میں بعض واضح، غیر مبہم منصوص احکام تک ترمیم واصلاح کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ مسلمان جواب بھی ان احکامات کو چپٹے ہوئے ہیں، ان کی ترقی اور اعلیٰ دماغی کی راہ میں یہ بہت بڑا مانع ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اسلام نے ہنگامی ضرورت اور وقتی حالات کا کس درجہ امتیاز قائم رکھا ہے فقہ کی اس ایک مستقل اصل سے یہ بات ظاہر ہے، الضرورات تبیح المحظورات "یعنی ضرورتیں منہیات وممنوعات کو بھی مباح کر دیتی ہیں"

یا فقہ کی مشہور کتاب "الدر المختار" میں خلیفہ ہارون رشید کے چیف جسٹس مشہور امام ابو یوسف کا یہ قول منقول ہے، مَنْ لَمْ يَكُنْ عَالِمًا

باحوال زمانہ لم یجز لہ الفتوی (جو شخص اپنے زمانے کے حالات سے واقف نہیں اس کے لئے فتوی دینا جائز نہیں۔

کیا اب بھی کہا جاسکتا ہے، یہ مسائل جن کو آج ترمیم و تبدیلی کا موضوع بنایا جارہا ہے، اگر نصوص الحکم نہ ہوتے اور محتاج غور و فکر ہوتے تو یہ اساطین امت اسے تشنہ چھوڑ جاتے، اور کیا اسلام حالات و ضرورت کا بالکل لحاظ نہیں رکھتا اور متقدر علماء قاضی اور مفتی زمانے کے حالات سے بالکل کورے تھے، بے شک آج کے دور کے تقاضے کچھ اور ہیں تو کیا ہر کس و ناکس ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے دین و شریعت کو تختہ مشق بنائے گا، یہاں کسی امام، عالم کی بات نہیں (کہ ان کی بات درخود اعتنار نہیں سمجھی جاتی) ایک مشہور اسلامی فلاسفر اور مفکر کا قول قابل غور ہے، علامہ اقبال اجتہاد کے بارے میں فرماتے ہیں "یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، اسے وہی کر سکتے ہیں جو فقہ کے تمام ماخذ سے براہ راست نہ صرف یہ کہ واقف ہوں بلکہ دقت و وسعت نظر بھی رکھتے ہوں اور ساتھ ہی وہ صاحب ورع و تقویٰ بھی ہوں۔

(خطبات اقبال) آخری شرط خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

ہمیں اپنے مسلم مفکرین سے یہ دوستانہ شکوہ ہے کہ جب آپ ہی کے نزدیک اصول شریعت نامعتبر اور محتاج اصلاح ٹھہرا، تو غیروں کو اس کی جگہ "مشترک قانون" یا دوسرا قانون وضع کرنے میں کیا باک ہوگا۔

آخری گذارش، ایک درد ایک کراہ

آخراس ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی اور پنجۂ استبداد سے آزاد کرانے میں مسلم مجاہدین کسی سے پیچھے تو نہیں رہے، جیل کی دیواریں، قید خانے کی کوٹھریاں پھانسی کے پھندے اور ان کے تختے، گولیاں، توپ، جلتے ہوئے تیل میں پکتے کھولتے جسم، جزیرہ انڈمان مالٹا، کراچی، الہ آباد، لکھنؤ، مرادآباد، احمدآباد،

فیض آباد کی جیلیں، درختوں پر لٹکتی ہوئی جھولتی ہوئی لاشیں، یہ تمام دردناک مظالم اور ان کی داستانیں مسلمان شہداء اور مجاہدین کے کارناموں سے بھی تو رنگین ہیں، کیا اُن قربانیوں کا یہی بدلہ ملنا چاہیئے، کہ ان کی اقتصادیات، جائداد مکان، تعلیم، جان وجسم تو تباہ تھی ہی، اور اب بات ان کے ایمان اعتقاد، تشخص، ملی شناخت اور پرسنل لا کی بربادی تک آپہنچی ہے، بے ایمان، بے انصاف لوگوں کی سمجھ میں تو نہیں آسکتا، مگر کیا حکومت بھی ہماری ان قربانیوں کو فراموش کردے گی جس کی ہمیں امید تو نہیں ہے ۔

ہم تو یہ توقع رکھتے تھے کہ حکومت، خصوصاً ہمارے وزیراعظم، جس بیدار مغز، وسیع النظر خاندان (نہرو خاندان) کے چشم وچراغ ہیں اسی ماحول میں تربیت پائے ہوئے ہیں، اور سیاست کی نوک وپلک وہیں سیکھی ہے، جہاں وہ ملک کے تمام بہادر شہیدوں کی یادگار قائم کررہے ہیں، نہایت فراخ دلی محبت واحترام کے ساتھ ٹیپو، احمد اللہ، عنایت علی، فضل حق، امداد اللہ، محمد قاسم، محمود حسن پیر ضامن، حسین احمد، عزیر گل، احمد سعید، کفایت اللہ وغیرہم (رحمہم اللہ) ایسے جیالوں اور وطن پر مٹنے والوں کو بھی یاد رکھیں گے، ہم ان بزرگوں کا اسٹیچو، ان کی تصویروں کی نقاب کشائی نہیں چاہتے، اور بھی تو بہت سی صورتیں قدردانی اور عزت افزائی کی ہیں، اور کچھ نہ سہی! کیا ان کے وطن میں، جس کا چپہ چپہ انکی قربانیوں کے خون سے رنگین ہے، ان کا اسلام، ان کا مذہبی قانون، ان کا پرسنل لا بھی محفوظ نہیں رہ سکتا ؟

تو اب ہم یہی کہیں گے، بہادر مجاہدو! مقدس روحو! تمہاری روح کو ہم بدنصیبوں کا سلام پہنچے، افسوس! ہم تمہاری قدر نہ کرسکے، تم نے تو عظیم مقصد کے لئے جان دیدی مگر ہم تمہاری کوششوں سے آزاد کردہ ملک میں شرافت وآدمیت

سے جینا بھی نہ سیکھ سکے، تم نے ہمارے جسموں کو انگریزوں سے آزاد کرایا، ہم اپنے ذہن و دماغ کو ان کی غلامی سے آج تک آزاد نہ کرسکے، تم نے نام آوری نہ چاہی، شہرت نہ چاہی اپنی قربانیوں کا دنیا میں بدلہ نہ چاہا بلکہ اپنے کراہتے، سسکتے غلامی کے شکنجوں میں کسے ہوئے ملک کو ظالموں سے چھڑایا تو یہ سب محض اللہ کے لئے اللہ کے بندوں کے لئے کیا۔
بے شک تم نے انسانوں سے، کسی حکومت سے، دنیا کی کسی طاقت سے اس کا بدلہ نہیں چاہا، تو پھر خوش رہو! مجاہدین کی ارواح! تمہارا بدلہ، تمہارا انعام احکم الحاکمین کے پاس ہے۔
تم بھی اس دربار میں حاضر ہو، اور جو تمہاری قربانیوں کو نظر انداز کرکے تمہارے حقوق کو پامال کرکے تمہارے دین، عقیدے، اصول و احکام کو میٹ دے گا اسے بھی اسی دربار میں حاضر ہونا ہے۔
یہ تو تھی عاجز مضمون نگار کی کوشش، جس میں واقعات، دلائل، تاریخ اور بحث و مباحثے کی روشنی میں باتیں کی گئیں، عمل کیا ہے، صورتحال کیا ہے اصلیت اور واقعہ کیا ہے، معاف فرمائیں زحمت دے رہا ہوں " قومی آواز مورخہ ۶ رجنوری ۱۹۸۶ء روز دوشنبہ" کے دو خبروں کا محض عنوان " بلا تبصرہ " ملاحظہ فرمائیں " شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کا فیصلہ رد نہیں کیا جائے گا، حکومت مطلقہ عورت کا نفقہ یقینی بنائے گی، مشترکہ سول کوڈ کا مطالبہ نیک فال ۔ مرکزی وزیر قانون بھاردواج کا بیان"
دوسری خبر ۔ شرعی قاضی کا عہدہ بحال کیا جائے، جمیۃ العلماء ہند کا مطالبہ۔
تبصرہ تو نہیں، مگر ایک درد بھرے تاثر کا اظہار ضرور کرنا ہے، جمیۃ اپنے روایتی وجہد کی بناء پر، شرعی قاضی کے مطالبے میں لگی ہوئی ہے جبکہ پہلی خبر کے مطابق، یہاں شریعت ہی کے لالے پڑ رہے ہیں ۔ خدا خیر کرے ۔

غیروں کے ساتھ ہم رنگی مسلمانوں کے لئے عظیم فتنہ

از:- مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی : مفتی دارالعلوم دیوبند :

آج کل یکساں سول کوڈ کے نام پر ہندوستان میں ایک قوم ایک زبان، ایک کلچر کا نعرہ لگایا جارہا ہے، اور قومی یکجہتی، قوم پرستی اور حب الوطنی کا لبادہ اوڑھ کر لسانی، مذہبی اور تہذیبی انفرادیت کی سعی کی جارہی ہے، اور اکثریت کے ایک طبقہ کے ذریعہ مسلم اقلیت سے یکساں سول کوڈ قبول کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے اور مسلمانوں کے انکار پر دھمکی آمیز لہجہ میں انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ ملک میں مسلمانوں کے الگ اور ہندوؤں کے الگ دو طرح کے قوانین نہیں چل سکتے کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ تمام ہندوستان کے لئے بلا تفریق مذہب یکساں پرسنل لا ہونا چاہئے اور محض دستور کا حوالہ دے کر لوگوں کا اعتماد حاصل کیا جارہا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اکثریت کا عمل ان تحفظات سے ہم آہنگ نہیں ہے جو دستور نے اقلیتوں کو دیئے ہیں ۔

اکثریتی طبقہ کی طرف سے یہ اصرار کہ مسلمان ان کے ساتھ ہم رنگی کا تعلق رکھیں، ان

کے اپنے خیال میں ممکن ہے کسی خلوص اور بے غرضی پر مبنی ہو، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ اصرار دوسروں کے لئے قابل قبول ہو اگر یہ لوگ اپنے ماضی کو نہیں بھول سکتے تو مسلمانوں سے بھی ماضی فراموش کرنے کی توقع نہ کرنی چاہئے۔

جمہوریت صرف ایک طرز حکومت ہی نہیں طرز فکر اور طریقۂ زندگی بھی ہے اگر ذہن ومزاج جمہوریت کے سانچے میں نہ ڈھلا ہو تو پھر جمہوریت اکثریت کی آمریت میں بدل جاتی ہے، ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں سردست کسی مطلق العنان آمر کے غلبہ حاصل کرنے کا امکان نہیں ہے لیکن اکثریت کی آمریت کا غلبہ ہونے کا خطرہ ضرور ہے، ہندوستان کے جمہوری آئین میں لسانی، مذہبی اور تہذیبی اقلیتوں کو پورا تحفظ فراہم کیا گیا ہے، لیکن اکثریت میں ان کی انفرادیت اور تشخص کو ختم کرنے کا رجحان پایا جارہا ہے، یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام مذاہب کی آزادی سلب کرکے اپنا بنایا ہوا قانون نافذ کیا جائے، ایک ہی لکڑی سے سب کو ہانکنے کا نام جمہوریت نہیں ہے، نہ ہی مسلمان اس کو برداشت کرسکیں گے۔

بات دراصل یہ ہے کہ غیروں کے معاشرہ کی بساط تمام تر نفسانی خواہشوں اور لذتوں، نام ونمود، اور فخر ومباہات پر بچھی ہوئی ہے، اور قوت وشوکت کے سایہ میں یہ معاشرہ پرورش پارہا ہے، جو طبعی طور پر نفس کو انتہائی محبوب دکھائی دیتا ہے اس کے برخلاف اسلامی معاشرہ کی بساط سادگی اور تواضع اور زہد وقناعت خدا ترسی، خدا پرستی اور نفس کشی پر بچھی ہوئی ہے، جس کو طبعی طور پر نفس پسند نہیں کرتا افسوس کہ مسلمان بھی اب اس زومیں میں بہے جارہے ہیں، جو قومیں ان کے اسلاف کی، ماتحت اور باجگذار تھیں انکے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں، اور کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے افکار وخیالات اور ان کی مماثلت اور مشابہت وہم رنگی بھی اختیار کرتے جارہے ہیں اور اپنے اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلاف کے فضائل

عادات اور طور طریقے کو ترک کرتے جارہے ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ جن متمدن قوموں نے انبیاء کرام کے مقابلے میں اپنی قوت کا نعرہ لگایا اور تمدن و معاشرہ میں دنیا سے آگے نکل گئیں، انبیاء کرام کی گدڑی، کمبل، عمامہ، دستار، تہبند اور ازار کا مزاق اڑایا اور ان کے مقدس طور طریقوں کا تمسخر کیا، توانجام کار یہ ہوا کہ وہ سب کے سب تباہ اور برباد ہوگئے، کسی کا نام و نشان نہ رہا کسی کو اللہ تعالیٰ نے غرق کردیا، کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی کو چیخ سے ہلاک کردیا، فَہَلْ تَرٰی لَہُمْ مِنْ بَاقِیَۃٍ۔

یکساں سول کوڈ یا بالفاظ دیگر غیروں کے ساتھ ہم رنگی ان اہم ترین مسائل میں سے ہے جن پر اسلام کے بہت سے احکام قابل تسلیم نہ رہیں گے، جو لوگ یکساں سول کوڈ کے دلدادہ اور شیدائی ہیں، ان کا سب سے زبردست حملہ اسلام کے تشخصات پر ہے، وہ لوگ اپنی تمامتر کوششیں اسلامی تشخصات کے مٹانے میں صرف کررہے ہیں، تاکہ آئندہ کے لئے راستہ صاف ہوجائے اور مسلمان صرف زبان کے اعتبار سے مسلمان کہلائیں اور معاشرہ اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے اغیار میں گھل مل جائیں۔

حالانکہ کتاب و سنت کے نصوص سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ دینی و دنیوی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں شریعت غرا نے کفر اور شرک کی نجاست اور ظلمت کی مشابہت سے حفاظت کا حکم نہ دیا ہو اور پوری قوت کے ساتھ یہ ثابت کردیا ہے، کہ صراط مستقیم کا اقتضاء یہی ہے کہ اغیار کی مشابہت اور ہم رنگی سے احتراز کیا جائے۔

تفسیر و حدیث، فقہ اور علم عقائد کی کوئی کتاب مسئلہ تشبہ سے خالی نہیں، فقہاء اور متکلمین نے تو اس مسئلہ کو باب الارتداد میں ذکر کیا ہے، کہ کن چیزوں کا ارتکاب کرنے

سے مسلمان مرتد ہوجاتا ہے، اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے آٹھویں صدی کے مشہور ومعروف عالم شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے "اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم" کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے غیروں کی مشابہت اور ان کے تہذیب وتمدن اختیار کرنے پر مختلف پہلوؤں سے کتاب وسنت اور عقل ونقل کی روشنی میں کلام فرمایا ہے، کچھ اس میں سے ہم بھی خوشہ چینی کرتے ہوئے یہ چند سطریں ہدیۂ ناظرین کررہے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے زمین سے لیکر آسمان تک تمام چیزوں کو خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات وجمادات ہوں ایک ہی مادہ سے پیدا فرمایا، مگر اس کے باوجود ہر چیز کی صورت وشکل علیحدہ بنائی تاکہ ان میں باہم امتیاز قائم رہے اور ایک دوسرے سے پہچانا جائے کیونکہ امتیاز کا ذریعہ صرف یہی ظاہری شکل وصورت اور ظاہری رنگ وروپ ہے، انسان اور حیوان میں، شیر اور گدھے میں، گھاس اور زعفران میں باورچی خانہ اور پاخانہ میں، جیل خانہ اور شفا خانہ میں جو امتیاز ہے وہ اسی ظاہری شکل اور ہیئت کی بنا پر ہے، اگر اس مادی عالم میں ان امتیازات وخصوصیات کی حفاظت نہ کی جائے اور التباس واختلاط کا دروازہ کھول دیا جائے، تو پھر مختلف چیزوں کی نوعیت کا وجود باقی نہ رہے گا۔

اسی طرح دنیا کی قومیں ایک باپ ہونے کے باوجود اپنے معنوی خصائص اور باطنی امتیازات کے ذریعہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں مذہب وملت کے اختلاف کے علاوہ ہر قوم کا تمدن اس کی تہذیب، اس کا معاشرہ، اس کا طرز لباس خورد ونوش کا طریقہ دوسری قوم سے جدا ہے اور ایک خدا کے ماننے کے باوجود ہر ایک کی عبادت کی صورت وشکل علیحدہ ہے، ایک مسلم اور موحد مشرک اور بت پرست سے علیحدہ ہے ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے۔

غرض یہی قوموں کے وہ خصوصیات وامتیازات ہیں اور یہی مخصوص شکلیں اور ہیئتیں ہیں جن سے ان کی مذہبی اور معاشرتی خصوصیات باقی ہیں، جب تک کسی قوم کے اندر اس کے تشخصات وامتیازات اور مذہبی و معاشرتی خصوصیات کی حفاظت باقی رہے گی وہ قوم بھی مستقل اور زندہ باقی رہیگی اور جب کسی قوم نے اپنی خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر دوسری قوم کے خصوصیات کو اختیار کیا، صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

تشبیہ بالاغیار کا مفہوم

تشبیہ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی حقیقت یا اپنی صورت وسیرت اپنی ہیئت و وضع، مذہبی اور قومی امتیازات اور اپنی ہستی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت اس کی صورت وسیرت اس کی ہیئت و وضع اور اس کی مذہبی و تعلیمی امتیازات کو اختیار کرے اور دوسری قوم کے وجود میں ضم ہو جائے اور اپنے آپ کو اس میں فنا کر دے۔

اسلام نے مسلمانوں کو دوسری قوموں کے تشخصات اور امتیازات کو اختیار کرنے سے منع کیا ہے، یہ ممانعت معاذاللہ کسی تعصب اور تنگ نظری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ غیرت وحمیت کی بنار پر ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ کو غیروں کے ساتھ التباس واشتباہ کی تباہی سے محفوظ رکھا جائے کیونکہ جو قوم اپنی خصوصیات اور امتیازات کی حفاظت نہ کرے وہ زندہ، آزاد اور مستقل قوم کہلانے کی مستحق نہیں اس لئے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلم قوم دوسری قوموں سے ظاہری طور پر ممتاز اور جدا ہو کر رہے لباس میں بھی وضع قطع میں بھی ایک تو جسم میں ختنہ اور ڈاڑھی کو مسلمان کی علامت ضروری قرار دی گئی ہے دوسرے لباس کی علامت یعنی مسلمان اپنے اسلامی لباس کے ذریعہ دوسری قوموں سے شناخت کئے جا سکیں۔

یاد رکھئے غیروں کی مشابہت مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک ہے بعض مشابہت ایسی ہیں جن کی وجہ سے آدمی اسلام سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور کفر کا اندیشہ ہو جاتا ہے

ہے اور کبھی حرام کے اندر موقوف ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے اعتقادات اور عبادات میں اغیار کی مشابہت کفر ہے اور مذہبی رسومات میں مشابہت اختیار کرنا مثلاً زنار باندھنا یا پیشانی پر قشقہ لگانا یا سینہ پر صلیب لٹکانا اور کھلم کھلا کفر کے شعائر کو اختیار کرنا دلی طور پر اس سے راضی ہونے کی علامت ہے ، اس لئے یہ بلاشبہ حرام ہے اور اس میں کفر کا اندیشہ ہے ۔ معاشرہ اور عادات اور قومی شعائر میں مشابہت اختیار کرنا مثلاً کسی قوم کا مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص ان ہی کی طرف منسوب ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا فرد سمجھا جانے لگے جیسے سر پر عیسائی ٹوپی (ہیٹ) رکھنا ، ہندوانہ دھوتی ، جوگیانہ جوتی یہ سب مکروہ تحریمی اور ناجائز و ممنوع ہیں اور اگر فخر کی نیت سے استعمال کی جائیں تو اور بھی زیادہ گناہ ہے ۔

اسی طرح غیر کی زبان ، ان کے لب و لہجہ اور طرز کلام کو اس لئے اختیار کیا جائے کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہہ بن جائیں اور ان کے زمرہ میں داخل ہو جائیں یا سنسکرت اس لئے سیکھی جائے کہ پنڈتوں کی مشابہت ہو اور وہ بھی ہمیں اپنے زمرہ میں شمار کریں تو یہ مشابہت بھی ممنوع ہے ، البتہ اگر ان لوگوں کی مشابہت مقصود نہ ہو محض ضرورت کی بنا پر ان کی زبانیں سیکھی جائیں تاکہ ان کے اغراض سے واقفیت اور آگاہی حاصل ہو اور ان کے خطوط پڑھ سکیں اور ان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط و کتابت کر سکیں تو اس صورت میں غیروں کی زبان سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

غرض کسی بھی چیز کا استعمال غیروں کی مشابہت کی نیت سے اور دشمنان دین کی مشابہت کے ارادے سے کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں ان کی طرف رغبت اور میلان ہے ، خداوند قدوس کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے دوست اور نام لیوا (یعنی مسلمان) اس کے دشمنوں (یعنی کافروں) کی مشابہت اختیار کریں یا ان کی . . مشابہت اختیار کرنے کی نیت و ارادہ سے کوئی کام کریں ۔

غیروں کی مشابہت کے نقصانات

غیروں کی مشابہت اختیار کرنے میں بہت سے نقصانات ہیں، ہم نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) کفر اور اسلام میں ظاہری طور پر کوئی امتیاز باقی نہ رہے گا اور حق مذہب یعنی اسلام دیگر مذاہب باطلہ کے ساتھ ملتبس ہو جائیگا۔

(۲) غیروں کا معاشرہ اور تمدن اور لباس اختیار کرنا درحقیقت ان کی سیادت اور برتری تسلیم کرنے کے مرادف ہے نیز اپنی کمتری اور کہتری اور تابع ہونے کا اقرار و اعلان کا اظہار ہے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام پر برتری عطا فرمائی ہے اور پوری دنیا کا حکمراں اور معلم بنایا ہے حاکم اپنے محکوم کی تقلید نہیں کیا کرتا، پھر دین اسلام نہایت کامل اور مستقل دین ہے، یہ اوروں کی تقلید کا حکم کیونکر دے سکتا ہے۔

(۳) غیروں سے مشابہت اختیار کرنے سے ان کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے، جبکہ اسلام میں غیروں سے دلی محبت صراحتاً ممنوع قرار دی گئی ہے۔

(۴) آہستہ آہستہ ایسا شخص اسلامی تمدن کا استہزا اور تمسخر کرنے لگتا ہے، ظاہر ہے کہ اسلامی تمدن کو اگر اہمیت دیتا اور اسے حقیر نہ سمجھتا تو غیروں کے تمدن کو اختیار ہی نہ کرتا۔

(۵) جب اسلامی وضع کو چھوڑ کر اغیار کی وضع اختیار کرے گا تو قوم میں اس کی عزت باقی نہ رہے گی، ویسے بھی نقل اتارنے والا خوشامدی کہلاتا ہے۔

(۶) دعوی اسلام کا مگر لباس، کھانا پینا، معاشرہ، تمدن، زبان اور طرز زندگی یہ سب کام اسلام کے دشمنوں جیسا اختیار کرنے کا معاذ اللہ یہ مطلب نکلتا ہے کہ لاؤ ہم بھی غیر مسلم بنیں گرچہ صورت ہی میں سہی۔

(۷) دوسری قوموں کا طرز زندگی اختیار کرنا اسلام سے اور اپنی مسلم قوم سے بے تعلقی کی دلیل ہے۔

(۸) غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت اور حمیت کے خلاف ہے۔

(۹) غیروں کی مشابہت اختیار کرنے والوں کے لئے اسلامی احکام جاری کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں، مسلمان اس کی شکل وصورت دیکھکر گمان کرتے ہیں کہ یہ کوئی یہودی یا عیسائی یا ہندو ہے، اسلام جیسی پیاری دعا سے محروم رہتا ہے، دیانات میں اس کی گواہی بھی تسلیم نہیں کی جاتی اگر کوئی لاش کا فرنما انسان کی مل جاتی ہے تو تردد ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے اور اس کو کس قبرستان میں دفن کیا جائے۔

(۱۰) جو لوگ غیروں کے معاشرے کو اپنا محبوب معاشرہ بناتے ہیں وہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہتے ہیں کیونکہ عشق ومحبت کی بنیاد تذلیل پر ہے یعنی عاشق کو ہمیشہ اپنے معشوق کے سامنے ذلیل وخوار بن کر رہنا پڑتا ہے۔

اس قدر مفاسد کے ہوتے ہوئے اپنے دشمنوں کے معاشرے کو پسند کرنا اور انہیں عزت وشوکت کی چیز سمجھنا، انبیاء کرام اور صلحاء کی مشابہت سے انحراف کرکے اغیار کی مشابہت اختیار کرنا اور ان کے معاشرے میں رنگ جانا یقیناً ہماری ذلت ورسوائی، بے عزتی اور انحطاط اور تنزل کا سبب ہے، اس میں عزت ووقعت ہرگز نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے دشمنان اسلام مسلمانوں سے خوش ہوں گے، تاوقتیکہ مسلمان ان ہی کے مذہب کے پیروکار نہ بن جائیں قرآن نے صاف کہہ دیا ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ۔ (بقرۃ، آیت ۱۲۰)	اور یہود ونصاریٰ تم سے کبھی خوش نہ ہونگے جب تک تم ان کے مذہب کا اتباع نہ کرنے لگو۔

غیروں کی مشابہت کیوں ممنوع ہے

اسلام ایک نور اور کامل ومکمل اور حق مذہب ہے اور تمام مذاہب کا ناسخ

بن کر آیا ہے وہ اپنے ماننے والوں کو کفر و شرک کی ظلمت اور تاریکی سے نکال کر نور کیطرف اور باطل سے ہٹا کر حق کی طرف اور ذلت سے ہٹا کر عزت کی دعوت دیتا ہے وہ اس بات کی ہرگزا جازت نہیں دیتا ہے کہ ایسے مذاہب جو ناقص اور منسوخ ہو چکے ہیں ان کے پیرؤوں کی مشابہت اختیار کی جائے، غیروں کی مشابہت اختیار کرنا اسلامی غیرت وحمیت کے خلاف ہے۔

اسلام جس طرح اپنے اعتقادات و عبادات میں مستقل ہے کسی کا تابع اور مقلد نہیں اسی طرح وہ اپنے معاشرے اور عادات میں بھی مستقل ہے کسی دوسرے کا تابع و مقلد نہیں، اسلام کے نام لیوا حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہیں ان کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اغیار کی ہیئت اختیار کریں، جس سے دوسرے دیکھنے والوں کو اشتباہ پیدا ہو غالباً کسی حکومت میں ایسا نہیں ہے کہ اس سلطنت کی فوج دشمنوں کی فوج کی وردی استعمال کرے، جو سپاہی ایسا کرے گا وہ گردن زدنی کے قابل سمجھا جائے گا اسی طرح اگر کوئی جماعت حکومت سے بغاوت کرے اور وہ جماعت اپنا کوئی امتیازی لباس یا نشان اختیار کرے تو حکومت اپنے وفاداروں کو ہرگز ہرگز اس باغی جماعت کا نشان اختیار کرنے کی اجازت نہ دیگی، کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک حکومت کی فوج کے جرنیل کو تو یہ حق حاصل ہو کہ وہ دوسری حکومت کی فوج کی وردی اور شناخت اختیار کرنے کو جرم قرار دے کیونکہ وہ اس حکومت کی دشمن ہے، مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل نہ ہو کہ وہ دشمنانِ خدا کی وضع قطع کو جرم قرار دیں، کیوں نہیں مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ، جو خدا کے دشمنوں کی مشابہت اختیار کرے گا، اور ان کی ہی وردی اور ان ہی کا طور طریقہ اور معاشرت اختیار کرے گا تو وہ بلا شبہ دشمنان خدا کی فوج میں سمجھا جائے گا۔

لہذا جس طرح اسلام کی حقیقت کفر کی حقیقت سے جدا ہے اسی طرح اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس کے پیروؤں کی شکل و صورت لباس، طور طریقہ بھی اس کے دشمنوں

سے جدا اور علیحدہ ہو، دنیا میں ظاہری صورت اور شکل ہی امتیاز کا ذریعہ ہے، خدا نخواستہ شریعت میں اغیار کی مشابہت کی ممانعت کسی تعصب کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی عزیمت وحمیت اور خود اختیاری کے تحفظ پر مبنی ہے کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہلا سکتی جب تک اس کی خصوصیات اور امتیازات پائدار اور مستقل نہ ہوں، مذہب اسلام اور مسلمانوں کو کفر والحاد اور زندقہ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلامی خصوصیات اور امتیازات کو محفوظ رکھا جائے اور اغیار کے تشبہ سے انہیں بچایا جائے کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مشابہت کا مفہوم اپنی ہستی کو دوسرے میں فنا کر دینے کے ہیں، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ — اے ایمان والو کفر اختیار کرنے والوں کے مانند اور مشابہ نہ بنو۔

(آل عمران آیت ۱۵۶)

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی۔ — اے ایمان والو ان لوگوں کے مانند نہ بنو جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہونچائی۔

(احزاب آیت ٦٩)

ایک مقام پر ہے۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ — کیا مسلمانوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کردہ حق کے سامنے ان کے دل جھک جائیں اور ان لوگوں کے مشابہ نہ بنیں جن کو پہلے کتاب دی گئی (یعنی یہود ونصاریٰ) جن پر زمانہ

قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ (حدید آیت ۱۶) — دراز گزرا پس ان کے دل سخت ہوگئے اور بہت سے ان میں سے بدکار ہیں۔

اس آیت میں یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے اگر یہود و نصاریٰ کی مشابہت اور مماثلت اختیار کی گئی تو قلب بھی ان ہی کی طرح سخت ہو جائیں گے، اور قبولِ حق کی صلاحیت بھی جاتی رہے گی۔

ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ (ھود آیت ۱۱۳) — اور ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جو ظالم ہیں مبادا تمہیں جہنم کی آگ پکڑلے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے

عیزوں کا لباس اور ان کا شعار اختیار کرنا ان سے دلی محبت کی علامت ہے شرعاً یہ ممنوع ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ (مائدۃ، آیت ۵۱) — اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں (وہ تمہارے دوست نہیں) اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے ہو جائے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

قرآنی آیات کے علاوہ احادیث بھی بکثرت ایسی ملتی ہیں جن میں عیزوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔

نا لفوا المشرکین ۔ مشرکوں کی مخالفت اختیار کرو

ایک دوسری حدیث میں ہے

متوا هنق احدا من کفار۔ کفار میں سے کسی سے موافقت اختیار نہ کرو ۔

ایک اور حدیث میں ہے ۔

۔ تتشبهوا بالأعاجم عجمیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو

يس منا من تشبه بقوم جو ہمارے اغیار سے مشابہت کرے

نیرنا ۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فارس میں رہنے والے مسلمانوں کے نام ایک ط لکھا تھا جس میں ایک جملہ یہ تھا ۔

یاکم وزی اهل الشرك. اے مسلمانو اہل شرک اور اہل کفر کے

(بخاری شریف) لباس اور ہیئت سے اپنے کو دور رکھنا ۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں ایک فرمان حضرت عمرؓ کا س طرح نقل کیا ہے ۔

اما بعد : اے مسلمانو ازار اور چادر کا استعمال رکھو اور جوتے پہنو اور اپنے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لباس (یعنی لنگی اور چادر) کو لازم پکڑو اور اپنے آپ کو عیش پرستی اور عجمیوں کے لباس اور ان کی وضع قطع اور ہیئت سے دور رکھو مبادا تم وضع قطع میں عجمیوں کے مشابہ بن جاؤ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نبیرہ معد بن عدنان کی وضع قطع اختیار کرو، اور موٹے اور کھردرے اور پرانے کپڑے پہنو جو اہل تواضع کا لباس ہے ، (فتح الباری ص ۲۴۴/۱۰)

کتاب الزواجر میں علامہ ابن حجر مکی ہیثمی نے مالک بن دینار سے ایک نبی کی وحی نقل فرمائی ہے۔

قال مالک بن دینار اوحی اللّٰہ إلی النبی من الانبیاء آن قل لقومك لایدخلوا مداخل اعدائی ولا یلبسوا ملابس أعدائی ولا یرکبوا مراکب اعدائی ولا یطعموا مطاعم أعدائی فیکونوا أعدائی کما هم أعدائی۔

(کتاب الزواجر ص ۱۱/۱۲)

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی کی طرف اللہ کی جانب سے یہ وحی آئی کہ آپ اپنی قوم سے کہہ دیں کہ میرے دشمنوں کے گھسنے کی جگہ میں نہ گھسیں اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس نہ پہنیں اور میرے دشمنوں جیسی سواریوں پر سوار ہوں اور میرے دشمنوں جیسے کھانے نہ کھائیں ورنہ میرے دشمنوں کی طرح یہ بھی میرے دشمن ہو جائیں گے۔

اسی مفہوم کے مثل قرآن کریم میں مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ زیادہ خلط ملط رکھنے کی ممانعت کے بعد یہ فرمایا، انکم اذاً مثلهم، یعنی ایسا کروگے تو تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤگے نیز ارشاد فرمایا۔ من یتولهم منکم فانه منهم، جو غیر مسلموں سے دلی دوستی کرے گا وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا۔

خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہوا اور قیصر وکسریٰ کی حکومت کا تختہ الٹ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ عجمیوں کے اختلاط سے اسلامی امتیازات اور خصوصیات میں کوئی فرق نہ آجائے۔ اس لئے ایک طرف تو مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ غیر مسلموں کے تشبہ سے اجتناب کریں، اوران جیسی ہیئت، لباس، وضع قطع اختیار نہ کریں، اور دوسری طرف غیر مسلموں کے لئے بھی ایک فرمان جاری فرمایا کہ کفار اپنی خصوصیات اور امتیازات

میں نمایاں رہیں، اور مسلمانوں کی وضع قطع اختیار نہ کریں تاکہ اپنے اور پرائے میں التباس نہ ہو سکے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص۵۸)

بیان ملکیت متعلقہ ماہنامہ دارالعلوم بابت رجسٹریشن ایکٹ فارم ۴ رول ۸

نام	رسالہ دارالعلوم
وقفہ اشاعت	ماہانہ
پرنٹر پبلشر	مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
قومیت	ہندوستانی
پتہ	دارالعلوم دیوبند
ایڈیٹر	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	دارالعلوم دیوبند
مالک	دارالعلوم دیوبند

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا تفصیلات میرے علم و اطلاع کے مطابق درست ہیں۔

(مولانا) مرغوب الرحمٰن (صاحب)

۲۰/۳/۸۶ء

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین
مفتی دارالعلوم دیوبند

مسلم پرسنل لا اور اس کے چند گوشے

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات عطا کرتا ہے، جس میں انسانی زندگی کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں ہے، اور کہنا چاہئے اس طرح وہ باہمی اختلاف اور انتشار سے بچالیتا ہے، امیرالمومنین کا فریضہ اس نظام حیات کا جاری کرنا اور اس کی نشاندہی کرنا ہے، تاکہ امت گمراہی کے دلدل سے محفوظ رہ سکے، اور اس کی زندگی کے دن رات سکون واطمینان کے ساتھ بسر ہوں،

عائلی زندگی اس نظام حیات کا ایک باب عائلی زندگی سے متعلق ہے کیونکہ اس دنیا میں انسانوں کی دو صنفیں مرد وعورت کی شکل میں موجود ہیں اور ان کے ہی باہمی ملاپ سے نسل انسانی پھیلتی اور زمین آباد رہتی ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ دو صنفوں میں یہ بٹے ہوئے ہیں اور دونوں کی ساخت میں نمایاں فرق ہے، اور پھر اسی اعتبار سے دونوں کے مزاج بھی الگ الگ ہوا کرتے ہیں، لیکن بہر حال دونوں کو ساتھ رہنا ہے، گھر آباد رکھنا ہے، بچوں کی پرورش ہونی ہے، اور اسی کے ساتھ دو خاندانوں میں محبت ویگانگت کا باقی رکھنا بھی ازبس ضروری ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ایسا قانون زندگی سامنے ہو جس پر عمل پیرا ہو کر اس مقصد کو پالیا جائے، جس

کے لئے ان دونوں صنفوں کو یکجا ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

کتاب وسنت میں یہ پورا نظام حیات موجود ہے، مسلمان اسی نظام حیات پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، اس قانون خداوندی سے وہ سر مو تجاوز نہیں کرسکتے ہیں، اور سچ پوچھئے تو اسی سے اس کا تشخص، اسکی انفرادیت اور امتیاز باقی ہے، کیونکہ جو قانون زندگی رب العالمین کی طرف سے دیا گیا ہے اس میں کسی ردوبدل کا اسکو اختیار نہیں دیا گیا ہے، خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں رہتا ہو

دراصل یہ قانون زندگی تمام کائنات انسانی کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ کے جتنے بندے ہیں، سب کو اس کا مکلف قرار دیا گیا ہے، اس پر عمل کرنے میں نہ شودر و برہمن کی تفریق ہے نہ اونچ نیچ کا سوال ہے اور نہ کالے گورے کی کوئی تمیز ہے، ایشیا کے لئے بھی ہے اور یورپ کے لئے بھی، افریقہ کے لئے بھی ہے اور امریکہ کے لئے بھی۔

یہ الگ بات ہے کہ اس نظام حیات کو کچھ لوگوں نے تسلیم کیا، اور کچھ لوگوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، قبول کرنے والے طبقہ کو مسلمان و مومن کہا جاتا ہے اور جنہوں نے قبول سے گریز اختیار کیا، وہ غیر مسلم کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

سیکولر اسٹیٹ کی ذمہ داری

اس آزاد ہندوستان میں جہاں ہم بستے ہیں، مسلم وغیر مسلم دونوں طبقے رہتے ہیں، اور آج سے نہیں بہت پہلے سے رہتے آئے ہیں، دونوں طبقے اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہیں اور ملک ترقی پذیر ہے، اس ملک کی آزادی کے بعد ملک کے رہنماؤں نے جو دستور تیار کیا، اس میں دونوں طبقوں کی آزادی کی رعایت کو ضروری طور پر تسلیم کیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے اس کو سیکولر اسٹیٹ کہا گیا ہے، حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہے، مگر اہل ملک سب کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق زندگی گذارنے کا پورا حق دیا گیا ہے، کوئی کسی کے مذہب میں رکاوٹ اور خلل ڈالنے کا حق نہیں رکھتا ہے، اور نہ خود حکومت کسی کے مذہب

یں مداخلت کرسکتی ہے، بلکہ حکومت کا فرض یہ قرار دیا گیا ہے، وہ دونوں طبقوں کو اپنے اپنے دائرہ میں رکھے، اور دونوں کی حتی الوسع مدد کرے تاکہ ملک میں امن وامان اور سکون واطمئنان قائم رہے، اور فتنہ وفساد کو کوئی راستہ نہ مل سکے،

مسلم پرسنل لا کی حقیقت واہمیت

مسلمانوں کی اسی عائلی قانون زندگی کا نام انگریزی دور حکومت میں "مسلم پرسنل لا" تجویز کیا گیا، یعنی مسلمانوں کے مسائل جن کا تعلق شادی بیاہ، نکاح طلاق، وراثت ووصیت اور فسخ وتفریق وغیرہ سے ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں رکھی جائے کہ یہ قانون صرف مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے غیر مسلموں اور ملک کے دوسرے باشندوں سے قطعاً کسی قسم کا تعلق نہیں، ان مسائل سے حکومت کو بھی کسی نفع ونقصان کا واسطہ نہیں ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ انگریزی دور اقتدار میں بھی جو مسلمانوں کی دشمن حکومت تھی، اس مسئلہ کو چھیڑا نہیں گیا، بلکہ محمڈن لا کے نام سے جوں کا توں جاری رکھا، اور کسی منصف جج کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ وہ براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے استدلال کرے کیونکہ جج صاحبان لاکھ قابل سہی، مگر اسلامی قانون سے ان کو کوئی لگاؤ نہیں، وہ نہیں جانتے کہ اسلامی عائلی قانون کیا ہے، انہوں نے وہ زبان اور اس زبان کے قواعد قطعاً نہیں پڑھے، جس زبان میں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن پاک اور حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے، کیونکہ یہ دونوں ذخیرہ عربی زبان میں ہیں، جب کوئی کسی زبان کے قواعد نہ جانتا ہو، تو اس میں اسکو دخل انداز ہونے کا حق کیسے مل سکتا ہے، جیسے علاج کا حق اسی کو ہوگا جس کے پاس میڈیکل کی ڈگری ہے، بیرسٹر اور وکیل نہیں کرسکتا ہے۔

نہ معلوم کس مصلحت سے سپریم کورٹ کے جج صاحبان نے اسلامی قانون میں دخل

اندازی کرنا ضروری سمجھا جسکا ان کو اختیار نہیں تھا ، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ملک میں بسنے والے مسلمانوں میں قدرتی طور پر غم وغصہ اور اشتعال پیدا ہوگیا ، اور وہ احتجاج پر مجبور ہوئے ۔

نکاح بھی قانون اسلامی کا جزء ہے

یہ سمجھنا کہ عائلی قانون کا اسلام سے تعلق نہیں قطعاً غلط اور نادانی ہے ، یہ سارے قوانین قرآن پاک اور حدیث نبوی سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں ، شادی کے سلسلہ ارشاد ربانی ہے

و انکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنیهم اللہ من فضلہ و اللہ واسع علیم ۔ (نور)

اپنے بے بیاہوں کا اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو لائق ہوں ان سب کا نکاح کردو ، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل وکرم سے ان کو غنی کردے گا اور اللہ کشائش والا ہے ، سب کچھ جانتا ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ شادی کے باب میں بھی انسان خود مختار نہیں ہے کہ چاہے توکرے نہ چاہے تونہ کرے بلکہ ایک مسلمان کا دینی فریضہ ہے کہ اس سنت کو ادا کرے اگر کوئی عذر شرعی نہیں ہے ، فقر و فاقہ کے اندیشہ کی وجہ سے گریز کی راہ اختیار نہ کرے ، اس لئے کہ رب العزت کا وعدہ ہے کہ وہ انتظام کرے گا ، اور فقر و فاقہ سے تباہ و برباد نہ ہونے دے گا ،

البتہ جن میں نکاح کی سرے سے صلاحیت نہیں ہے ، اور وہ قطعاً مجبور ہیں ، ان کی بات الگ ہے مگر ان کو بھی حکم دیا گیا ہے ۔

و لیستعفف الذین لایجدون نکاحاً حتی یغنیهم

ایسے لوگ جن کو نکاح کی استعداد نہیں ہے ، ضبط کریں ، تا آنکہ اللہ ان کو اپنے

اللہُ مِنْ فَضْلِہٖ (نور) — فضل سے غنی کردے گا۔

اسلام کی نظر میں نکاح ایک عبادت ہے

اس لئے نکاح کو بھی عبادت کہا گیا ہے، اور اس کا بھی وہی ثواب ہے جو دوسری عبادتوں کا ہے، فقہاء لکھتے ہیں۔

لیس لنا عبادۃ شرعت من عہد آدم علیہ السلام إلی الآن ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان۔ (درمختار)

کوئی ایسی عبادت از آدم تا ایں دم نہیں ہے جو برابر قائم رہتی ہو حتیٰ کہ جنت میں بھی اس کو دوام حاصل رہے سوائے نکاح اور ایمان کے، کہ یہ شروع سے اب تک ہیں اور جنت تک میں رہیں گے

اس کے علاوہ شادی سکون قلب اور محبت و مودت کا خزینہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک عظیم نعمت ہے، جس کے ذریعہ انسان پاک دامنی کی دولت پاتا ہے اور پاکیزہ اخلاق کا مالک بنتا ہے۔

ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودّۃ ورحمۃ ، (روم)

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری جانوں سے تمہارا جوڑا پیدا کیا، تاکہ تم اس سے سکینت حاصل کرو اور اس کو اس نے تمہاری محبت و مودت کا ذریعہ بنایا ہے۔

عفت و عصمت اخلاق جوہر ہے، اس کی حفاظت انسان کا فریضہ ہے، جو لوگ اس جوہر کو داغدار کرتے ہیں، وہ عنداللہ سزا کے مستحق ہیں، اور اس کی حفاظت کا طریقہ صرف جائز نکاح ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں کہا گیا ہے۔

والذین ہم لفروجہم حافظون الّا علیٰ ازواجہم اوما ملکت

اور جو اپنی شہوت کی جگہ کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے لطف اندوز

ایمانہم فانہم غیر ملومین	ہوتے ہیں ، ان پر کوئی الزام نہیں ہے ،
ومن ابتغی وراء ذالک	اور جو کوئی اس کے سوا کی جستجو کرے ، وہ حد
فأولٰئک ہم العادون (مومنون)	سے بڑھنے والے ہیں ۔

اس پاکدامنی کی اسلام میں اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے ، کہ اگر کوئی کسی کو غلط طور پر تہمت لگاتا ہے اور ثابت نہیں کرسکتا ہے ، تو شریعت کا حکم ہے کہ اس پر حد قذف جاری کی جائے اور اس کو اسی ۸۰ کوڑے مارے جائیں ۔

والذین یرمون المحصنٰت	جو پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں اور پھر
ثم لم یاتوا باربعة شہداء	چار گواہ نہ لاسکیں تو انہیں اسی درے لگاؤ ،
فاجلدوہم ثمانین جلدة	اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو یہی لوگ تو
ولا تقبلوا لھم شہادة ابدا واولٰئک	فاسق ہیں ۔
ہم الفاسقون ۔ (نور)	

حد قذف یہ ہے کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں اور اسی کے ساتھ اس کی دوسری سزا یہ ہے کہ اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے مردود الشہادۃ قرار دیا جائے ، کبھی اس کی گواہی قبول نہ کی جائے اور اس کو فاسقوں میں شمار کیا جائے ۔

خدانخواستہ اگر وہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے ، خواہ زنا بالجبر ہو ، خواہ زنا بالرضا ہو ، پھر اس کی سزا حد قذف سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے ، اگر زانی شادی شدہ نہیں ہے تو اس کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے ، اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو سنگسار کیا جائے یعنی سر عام اسکو پتھر مارتے مارتے ہلاک کر دیا جائے گا ، اور اس باب میں اس پر قطعاً رحم نہیں کیا جائے گا ۔ قرآن پاک میں ہے ۔

الزانیة والزانی فاجلدوا کل	زنا کار عورت اور زنا کار مرد ، سو دونوں کا
واحد منہما مائة جلدة ولا	حکم یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے سو ، سو

تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ و الیوم الآخر و لیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین۔ (نور)

دے مارو، اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا بھی رحم نہ آنے پائے، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور چاہیئے کہ دونوں کی سزا کے وقت ایک جماعت حاضر رہے۔

سنگسار کرنے کی تفصیل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے، کہ عہد نبوی میں ایسا ہوا ہے،

نکاح جس طرح جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ اور وسیلہ ہے ایسا ہی یہ اسلام میں عبادت بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ رشتہ نکاح کے قائم ہوجانے کے بعد اس کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے، جو لوگ میاں بیوی کے درمیان پڑکر اس رشتہ کو پامال کرنا چاہتے ہیں، انکے متعلق پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

لیس منا من خبب المرأۃ علی زوجھا۔

وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکائے۔

اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، کہ کوئی عورت رشک و حسد کی وجہ سے اپنی دوسری بہن کے نکاح کو توڑنے کی سعی نہ کرے۔

لا تسئل المرأۃ طلاق اختھا۔

عورت اپنی دوسری بہن کے طلاق کا سوال نہ کرے۔

اسی طرح خود بیوی کے متعلق ارشاد فرمایا۔

ایما امرأۃ سألت زوجھا طلاقا فی غیر باس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ (مشکوٰۃ شریف)

جو بھی عورت اپنے شوہر سے طلاق بلا وجہ طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

. . . .

طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے اسلام نہیں چاہتا ہے کہ نکاح کا جو رشتہ قائم ہو چکا ہے، وہ کسی منزل پر ٹوٹ جائے۔ بلکہ اس کی خواہش ہے کہ وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ طلاق کی باگ ڈور عورتوں کے ہاتھوں میں دینے کے بجائے مردوں کے سپرد کی، کہ جو صبر و ضبط اور تحمل مردوں میں پایا جاتا ہے عورتوں میں نہیں پایا جاتا، عورتیں بہت جلد بھڑک جاتی ہیں، اور صبر کا رشتہ ان کے ہاتھوں سے جاتا رہتا ہے، چنانچہ امریکہ نے اور یورپ نے ثابت کر دیا ہے کہ عورتوں کے ہاتھوں میں طلاق دیدینا عذاب جان سے کم نہیں۔

اسی طرح عقل اور دور بینی جو مردوں میں پائی جاتی ہے، عام طور سے عورتیں اس سے خالی ہوتی ہیں، پھر مردوں پر گھر کے انتظام و انصرام میں جو بوجھ ہوتا ہے وہ عورتوں پر نہیں ہوتا، اس لئے مرد کو طلاق کا مالک بنانا قدرت کو منظور ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن۔ — اے مومنو! تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر تم ان کو طلاق دو۔

دوسرے موقع سے فرمایا گیا

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف۔ (البقرۃ) — اور جب تم مرد عورتوں کو طلاق دے چکو پھر وہ اپنی عدت گذرنے کے قریب پہونچ جائیں تو دیا تو تم انکو قاعدے کے موافق رجعت کرکے نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق انکو رہائی دو۔

ان دونوں آیتوں سے واضح طور پر معلوم ہوا، طلاق مردوں کے ہاتھ میں ہے، عورتوں کے ہاتھ میں نہیں ہے، حدیث نبوی ہے۔

انما الطلاق لمن اخذ الساق۔ (ابن ماجہ) — طلاق اس شخص کے قبضہ میں ہے جس نے عورت کی ذمہ داری سنبھالی ہے۔

ایک حدیث میں عورتوں کو طلاق طلب کرنے سے روکا گیا ہے، اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ طلاق مردوں کا کام ہے، عورتوں کا نہیں۔

ایما امرأة سألت زوجها طلاقا من غیر باس۔ (مشکوٰۃ) جو عورت بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق چاہے۔

ان نصوص کی وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ طلاق عورتوں کے ہاتھوں میں دینا درست نہیں ہے اور جو لوگ طلاق کا حق عورتوں کو سپرد کرنا چاہتے ہیں، وہ دین میں مداخلت کے مرتکب ہیں، اسی طرح وہ بھی مجرم ہیں، جو کہتے ہیں کہ طلاق کا معاملہ کسی بورڈ کے سپرد ہو، یا کسی جج کی صوابدید پر ہو۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ رشتہ نکاح ٹوٹنے کے لئے جوڑا نہیں جاتا ہے، خود اسلام طلاق دینے کو پسند نہیں کرتا ہے۔ جب تک نکاح نہ ہو، خوب اچھی طرح دیکھ بھال لیا جائے، کہ فلاں سے رشتہ قائم کرنا بہتر رہے گا یا نہیں، نباہ ہوسکے گا یا نہیں، بلکہ اسی رشتہ کو مضبوط بنانے کے لئے کفائت کا مسئلہ ہے، کہ اپنے ہم کفو میں شادی کی جائے خواہ نسب میں برابری کی بات ہو، یا مالداری میں، دینداری میں ہو، یا پیشہ اور رہن سہن میں، اس کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ مرد اس عورت کو دیکھ سکتا ہے، جس سے اس کی شادی ہورہی ہے، حدیث کی کتابوں میں ایک مستقل باب ہے "باب النظر الی المخطوبہ" یعنی جس سے نکاح کا رشتہ طے ہو چکا ہے اس کے دیکھنے کا بیان۔

ایک شخص نے خدمت نبوی میں آکر عرض کیا کہ میں انصار کی ایک عورت سے شادی کا ارادہ کررہا ہوں، یہ سن کر سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فانظر الیہا فان فی اعین الانصار شیئاً۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ) تم اس کو ایک نظر دیکھ لو اس لئے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔

يجوز النظر الى المرأة الذى يريد ان يتزوجها عندنا و عند الشافعى و احمد و اكثر العلماء وجوز مالک باذنها۔
(لمعات)

جو شخص شادی کرنے کا کسی عورت سے ارادہ کرتا ہے، اس کے لئے اس عورت کو دیکھنا جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی اور امام شافعی کے نزدیک بھی اور امام احمد اور اکثر علماء بھی یہی کہتے ہیں اور امام مالک نے اجازت کے بعد دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے

ایک دوسری حدیث ہے :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خطب احدكم المرأة فان استطاع ان ينظر الى مايدعوه الى نكاحها فليفعل رواه ابوداؤد۔ (مشکوة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت کو پیغام نکاح دے تو اگر وہ ان چیزوں کو دیکھ سکتا ہے جو اس کے لئے باعث کشش ہو تو اس کو ایسا کر لینا چاہئے ۔

اس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے وہ ساری چیزیں دیکھ لینا بہتر ہے، جس کے متعلق بعد میں شکوہ و شکایت کی نوبت آ سکتی ہے، لڑکی کا حسب نسب ہو یا اس کے اخلاق و اعمال ہوں، عقاید و معاملات ہوں، حتیٰ کہ حسن و جمال ہو دولت و ثروت ہو، اور یا دینداری اور تقویٰ و طہارت ہو، اور خود جس سے شادی ہونے والی ہے، اس کو بھی دیکھ لے، تاکہ دل میں دغدغہ نہ رہ جائے اور بعد میں جدائی کی نوبت نہ آئے ۔

بلکہ بعض حدیث میں تاکید ہے کہ جس عورت سے تمہارا رشتہ ہو رہا ہے تو ضرور دیکھ لیا کرو، حضرت مغیرہ بن شعبہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم

ہوئی تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھ لیا یا نہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے اب تک دیکھا نہیں ہے، یہ سن کر فرمایا۔

فانظر الیہا فانہ احری ان یؤدم بینکما، رواہ احمد والترمذی (مشکوٰۃ)

تم اس کو دیکھ لو اس لئے کہ تم دونوں میں یہ دیکھنا مضبوطی اور دوام کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

منشا یہ تھا کہ بعد میں ایسا نہ ہو کہ ندامت سے دوچار ہونا پڑے، پہلے دیکھ لینے سے اطمئنان قلب ہو جائے گا، اور موافقت دوامی کا ذریعہ بن جائے گا، اور جب شادی شوق سے کروگے تو باہم الفت و محبت زیادہ ہوگی کسی کو کسی سے شکایت باقی نہیں رہے گی اور یہ طے ہے کہ جب مرد عورت کو دیکھے گا تو عورت بھی اسوقت اپنے ہونے والے شوہر کو دیکھے گی، جس طرح مرد کی پسند ضروری ہے، اسی طرح عورت کی بھی پسند ضروری ہے

نکاح میں عورت کی رضا

بالغہ لڑکی کی اجازت نکاح کے وقت ضروری اسی وجہ سے قرار دی گئی ہے، کہ وہ اپنی پسند کے مطابق شوہر کا انتخاب کر سکے، عورت کوئی بے جان چیز نہیں ہے کہ جہاں کوئی چاہئے، اسے ڈالدے، اور جس شخص سے چاہے باندھ دے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن ۔ ۔ ۔ ۔ (مشکوٰۃ شریف)

غیر شادہ شدہ عورت کی اس وقت تک شادی نہ کی جائے جب تک اس سے حکم حاصل نہ کر لیا جائے اور باکرہ کی اس وقت تک شادی نہ کی جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے

دوسرے موقع سے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الایم احق بنفسہا من ولیہا

غیر شادی شدہ بالغہ اپنے نفس کی اپنے ولی سے

والبکر تستاذن فی نفسہا (ایضاً)

زیادہ مستحق ہے اور باکرہ کی شادی میں اس سے اجازت حاصل کی جائے گی۔

یہ درست ہے کہ لڑکی کا باپ یا اس کے دوسرے ہونے والے ولی ان کے مشیر اور سرپرست ہوتے ہیں اور اپنی بیٹی اور بہن کے حق میں شفیق اور مہربان بھی ہوتے ہیں، لیکن ان تمام شفقتوں کے باوجود بالغہ لڑکی کی پسند براہ راست اس سے معلوم کرلینا ضروری قرار دیا گیا ہے

عہد نبوی میں ایک باپ نے اپنی لڑکی کی شادی اس کی پسند کے خلاف ایک شخص سے کردی، وہ لڑکی خدمت نبوی میں حاضر ہوئی اور صورت حال بیان کی، یہ سن کر آپ نے اس نکاح کو رد فرما دیا۔

فرد نکاحہا وفی روایۃ فرد نکاح ابیہا۔ (مشکوٰۃ)

آپ نے اس کے نکاح کو رد فرمادیا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو رد فرما دیا۔

ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

قال ان جاریۃ بکرا اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان ابا زوجہا وہی کارھۃ فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ رواہ ابوداؤد۔ (ایضاً)

ایک باکرہ لڑکی پیدسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ اس کے باپ نے اس کی شادی کردی ہے مگر وہ اسکو ناپسند کرتی ہے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے اسکو رد کرنے کا اختیار دیدیا۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عورت کو اسلام نے ہر شعبۂ زندگی میں خود مختار بنایا ہے کہ قوانین کے دائرہ میں رہ کر وہ اپنا حق استعمال کرسکتی ہے، مردوں کی دست نگر ہرگز نہیں ہے۔

عورتوں کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے بوقت نکاح عورتوں کے لئے مہر کا قاعدہ مقرر

کیا گیا ہے، کہ مرد جب کسی عورت سے شادی کرے، تو مہر کے نام پر اسے ایک معقول رقم اپنی حیثیت کے مطابق دے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بیویوں کو مہر کی رقم ادا کی، ام حبیبہ بیوہ ہوگئیں تو اس سے نجاشی شاہ حبش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نکاح کرادیا اور نجاشی نے اپنی طرف سے آپ کا مہر چار ہزار ادا کیا۔

عن ام حبیبة انها کانت تحت عبد اللّٰه بن جحش فمات بارض الحبشة فزوجها النجاشی النبی صلی اللّٰه علیه و سلم و امهرها عنه اربعة آلاف (ایضاً)

حضرت ام حبیبہؓ کا بیان ہے کہ وہ عبداللہ بن جحش کے تحت تھیں، ان کا حبشہ میں انتقال ہوگیا، تو نجاشی نے ان کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کردی اور اس نے آپ کی طرف سے انکو چار ہزار درہم مہر میں دیا۔

دوسری بیوی کا مہر عام طور پر پانچ سو درہم تھا، اور آپ کی صاجزادیوں کا مہر بھی یہی تھا، اسی طرح اسلام نے اس کا بھی خیال رکھا ہے کہ عورت کی شادی اس کے ہم عمر لڑکے سے ہو، فقہاء نے ہدایت جاری کی ہے، کہ والد کو رشتہ کرتے وقت اس کا دھیان رکھنا چاہیئے،

و لا یزوج ابنته الشابة شیخا کبیرا ولا رجلا دمیماً

باپ اپنی نوجوان لڑکی کی شادی بہت بوڑھے سے نہ کرے اور نہ کسی بدصورت مرد سے کرے

حاصل یہ ہے کہ لڑکی کو کسی منزل میں شریعت نے بے سہارا نہیں چھوڑا ہے، اور نہ کہیں اس کی حق تلفی برداشت کی گئی ...، بلکہ ہر منزل پر اس کا پورا لحاظ و پاس رہا ہے کہ وہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہے، قرآن پاک میں بتایا گیا ہے کہ عورتوں کا حق مردوں پر ایسا ہی ہے جیسا کہ مردوں کا عورتوں پر، ارشاد ربانی ہے۔

لهن مثل الذی علیهن بالمعروف۔

عورتوں کا حق مردوں پر ایسا ہی ہے، جیسا کہ مردوں کا عورتوں پر،

طلاق میں جلد بازی اسلام میں پسندیدہ نہیں

یہ درست ہے کہ طلاق کا حق مردوں کو دیا گیا ہے مگر اسی کے ساتھ ان پر اس سلسلہ میں بڑی پابندی بھی عاید کی گئی ہے، پہلے تو طلاق کی عام اجازت نہیں ہے، انتہائی مجبوری میں اجازت دی گئی ہے، پھر اس کو جائز امور میں سب سے زیادہ مبغوض قرار دیا ہے، ارشاد نبوی ہے۔

ابغض الحلال عند الله الطلاق. (مشکوٰۃ) حلال میں سب سے زیادہ مبغوض عند اللہ طلاق ہے۔

طلاق سے پہلے کے مراحل

پھر یہ کہ پہلے مرحلے میں اس کی اجازت قطعاً نہیں ہے، گو یہ معلوم ہے کہ کبھی مزاجوں کی ناموافقت کی وجہ سے، عالات تکلیف دہ صورت اختیار کر لیتے ہیں، مگر اسلام حتی الوسع اس رشتہ ازدواج کو شکست و ریخت سے بچانے کی سعی کرتا ہے، کیونکہ بسا اوقات غلط فہمیوں کا بھی اس میں بڑا دخل ہوتا ہے، قرآن پاک میں شوہر کو خطاب کر کے کہا گیا ہے۔

و اللّٰتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا. (النساء - ٦)

جن عورتوں سے تم کو نافرمانی کا اندیشہ ہو، تو پہلے ان کو سمجھاؤ اور ان کو خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور انہیں مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں، تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو۔

رفیقہ حیات سے اگر نافرمانی کا خطرہ ہو، تو دفعتاً اقدام نہ کیا جائے، بلکہ تدریجی طریقہ کار پر عمل کیا جائے، اسے راہ راست پر لانے کے لئے پر خلوص جد وجہد کی جائے، اور عورت کے نازک جذبات و احساسات کی اس میں پوری رعایت رکھی جائے، کہ کہیں سے اسکو ٹھیس نہ پہونچنے پائے، یعنی محبت و پیار سے اسے زندگی کے نشیب و فراز اور اسکی ذمہ داریاں

کا احساس بیدار کیا جائے، اس سلسلہ میں اگر بیوی کوئی بات قابل غور کہے تو مرد کو بھی بار بار غور کرنا چاہیئے، اور کوئی واقعی شکایت ہو تو اس کو دور کرنا چاہیئے۔

اس پہلے مرحلے میں کامیابی نہ ہو تو نفسیاتی اثر ڈالنے کے لئے: رد اپنا بستر بیوی سے علیحدہ کرلے، مگر کمرہ وہی ہو، تاکہ بیوی محسوس کرے کہ میاں دلگیر ہے۔ اور میری ضد سے انہیں دلی اذیت پہونچی ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی سمجھ ہوگی تو وہ لازماً متاثر ہوگی، اور سوچنے پر مجبور ہوگی، میاں کو منائے گی، اور معلوم کرے گی آپ کو کیا تکلیف پہونچی ہے۔ لیکن اگر کوئی بیوی بدعقل، مزاج کی سخت اور بہٹ دھرم ہوگی اور اس نے اس کا بھی اثر نہیں لیا تو حکم دیا گیا کہ شوہر تھوڑی تنبیہہ کرے، ایسی تنبیہہ جس سے نہ اس کے بدن پر نشان پڑے اور نہ اس کی جلد کھلے، بلکہ ہلکی تو بیخ، جس سے یہ محسوس کرے کہ میاں بھی اپنی جگہ سخت ہے۔

عام طور پر انسان بھی تین درجے کے ہوتے ہیں، کسی کے لئے بات کافی ہو جاتی، کوئی عملی خفگی سے اپنی غلطی محسوس کرتا ہے، اور کبھی اخیر درجہ پر انسان کو دیکھ کر چوکنا ہوتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ ان تین درجوں میں سے جس درجہ پر بات بن جائے، بس وہیں معاملہ ختم کرو، زیادتی کا ہر گز ارادہ نہ کرو، اور نہ دل میں کینہ کپٹ رکھو،

شوہر خدانخواستہ اگر اپنی ان تدبیروں میں ناکام ہو جائے، دونوں میں غلط فہمیاں بہت بڑھ چکی ہوں، تو ان دونوں میاں بیوی کے مخلصوں اور بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ درمیان میں آئیں اور ثالثی کے ذریعہ اس کو ختم کریں۔

چنانچہ آگے ارشاد ربانی ہے۔

وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله

اور اگر تم کو دونوں کے درمیان کشمکش کا خوف ہو، تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک

و حکماً من اھلھا ، ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیماً خبیراً۔ (النساء)

حکم عورت کے خاندان سے مقرر کرو، اگر ان دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی، تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا بیشک اللہ بڑا علم رکھنے والا ہے، ہرطرح باخبر ہے۔

دونوں کے ہمدردوں کا فریضہ ہے دونوں طرف سے ایک ایک مخلص آدمی منتخب کرکے معاملہ ان کے سپرد کر دے کہ یہ دونوں مل کر میاں بیوی کی کشمکش کو ختم کر دینے کی جدوجہد کریں اور کہا گیا ہے کہ اگر یہ دونوں دل سے چاہیں گے تو معاملہ حل ہو جائے گا، اور ان شاء اللہ دونوں میں موافقت ہو جائے گی،

لیکن ان مراحل کے بعد بھی اگر کبھی معاملہ سدھر نہ سکے اور دونوں جدائی پر مصر ہوں تو اس مجبوری میں بذریعہ طلاق یا خلع تفریق کرائی جائے۔

یک لخت تین طلاق مناسب نہیں

مگر اب بھی معاملہ تدریجی ہو، ایسا نہ ہو کہ جاہلوں، نادانوں اور گنواروں کی طرح ایک ساتھ بیوی کو تین طلاق دیدے، نہیں، ایسا ہرگز نہیں پسندیدہ ہے، بلکہ جب علحدگی ناگزیر ہو جائے، تو شوہر کو چاہیئے کہ اس زمانہ میں جب بیوی پاکی کی حالت میں ہو، بس ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، عدت گذرنے کے بعد وہ بائنہ ہو جائے گی اور اس کو مکمل آزادی مل جائے گی، اور اس کو دوسرے مرد سے شادی کرنے کا حق مل جائے گا۔

فالاحسن ان یطلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ واحدۃ فی طھر لم یجامعھا ویترکھا حتی تنقضی عدتھا ، لان

سب سے عمدہ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو فقط ایک طلاق دیدے اور چھوڑ دے اور طلاق اس طہر میں دے جس میں اس نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے، یہاں تک کہ اس

الصحابة كانوا يستحبون ان لا يزيدوا فى الطلاق على واحدة حتى تنقضى المدة (هدايه)

کی عدت گذر جائے، اس لئے کہ صحابہ کرامؓ ایک طلاق سے زیادہ کو پسند نہیں کرتے تھے، تا آنکہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔

عورت کو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ عدت کے دن کم ہوں گے اور مرد کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو ایام عدت میں رجعت کا حق ہوگا، خواہ عورت چاہے یا نہ چاہے مرد بلا نکاح جدید عورت کو بذریعہ رجوع رکھ سکتا ہے، تین حیض کے مکمل ہونے میں کم از کم ساٹھ دن لگتے ہیں، ان دو مہینوں میں مرد سوچ سمجھ کر اپنی غلطی محسوس کر سکتا ہے، اور اگر زمانہ عدت میں رجعت کسی وجہ سے نہ کر سکا، تو بھی ابھی راہ کھلی ہوگی کہ اگر اس کی مطلقہ بیوی راضی ہو جائے تو بلا حلالہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، اور دونوں خوش گوار زندگی کے مالک بن سکتے ہیں۔

شریعت نے یہی وجہ ہے تین طلاق بیک وقت دینے کو سخت معیوب سمجھا ہے اور ناپسند کیا ہے کہ اس سے ملنے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات زندگی بھر افسوس کرنا پڑتا ہے۔

قرآن پاک میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ تین طلاق نہیں دینا چاہئے، ارشاد ہے۔

الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان.

طلاق دو مرتبہ ہے پھر دستور کے مطابق رکھ لینا ہے، یا خوبی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے

لیکن دو طلاق کے بعد اگر کسی بیوقوف شوہر نے تیسری طلاق بھی دیدی، تو بیوی حرام ہو جائے گی اور جب تک حلالہ کی صورت پیدا نہ ہو جائے اس بیوی سے ملنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جائے گی۔ ارشاد ہے۔

فان طلقها فلا تحل له

پھر اگر اس نے اس کو دو کے بعد تیسری طلاق

من بعد حتیٰ تنکح زوجا غیرہ (البقرۃ)　　دیدی تو وہ شوہر کیلئے اسوقت تک حلال نہ ہوگی جب تک اس کے غیر سے وہ نکاح نہ کرلے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی وجہ سے تین طلاق دینے والے سے سخت اذیت ہوا کرتی تھی، اور ایسی طلاق سے منع فرماتے تھے، تین طلاق کی بات سن کر آپنے فرمایا۔

ایلعب کتاب اللہ وانا بین اظہرکم.　　کیا تم کتاب اللہ سے کھیل کرتے ہو حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔

حلالہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب پہلا شوہر تین طلاق دے چکے، تو عورت تین حیض عدت کے گذارے، پھر جاکر وہ عورت　　مرد سے شادی کرسکتی ہے، اگر دوسرے شوہر نے بھی بعد وطی اس کو طلاق دے دی یا وہ مرگیا، تو یہ عورت پھر عدت گذارے گی، اب اس کے بعد اگر پہلا شوہر چاہے تو شادی کرسکے گا، یعنی تین طلاق کے بعد دوسرے مرد سے شادی، اور اس کے ساتھ مقاربت دونوں ضروری ہے۔ حدیث ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت طلق رجل امرأتہ ثلثاً فتزوجہا رجل ثم طلقہا قبل ان یدخل بہا فاراد زوجہا الاول ان یتزوجہا فسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لا حتی یذوق الآخر من عسیلتہا ما ذاق الاول (مسلم ص ۴۶۳ ج ۱)　　حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، چنانچہ اس سے ایک دوسرے شخص نے شادی کی اور دخول نہیں کیا، یعنی وطی نہیں کی، اس کے بعد شوہر اول نے اس سے شادی کرنا چاہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ شادی کرسکتا ہے، آپ نے فرمایا نہیں، یہاں تک کہ دوسرا شوہر اس کا مزہ نہ چکھ لے، جیسا کہ پہلا چکھ چکا ہے۔

دار قطنی میں ہے۔

عن عائشة قالت قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم اذا طلق الرجل امرأتہ ثلثا لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ و یذوق کل واحد منہما عسیلۃ صاحبہ (دارقطنی ص ۴۲۸)	کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوتی ہے جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے، اور دونوں ایک دوسرے کا مزہ نہ چکھ لیں ۔

صحیح طریقہ طلاق کا وہی ہے، جو اوپر ہدایہ کے حوالے سے نقل کیا گیا، تین طلاق دے کر میں ملاپ کے راستہ پر آہنی دیوار کھینچ کو اسلام پسند نہیں کرتا ہے، بلکہ اولاً طلاق دے ہی نہیں اور اگر دینا ناگزیر ہو جائے تو صرف ایک دے، تاکہ ملنے کا راستہ کھلا رہے، اور دونوں مل سکیں، اور دوسرے مرد یا عورت سے شادی کرنا چاہیں تو یہ آزادی بھی اسکو حاصل رہے ۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے گو کم ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کے لئے عذاب بن جاتا ہے، اور بیوی شوہر کو قطعاً پسند نہیں کرتی، وہ چاہتی ہے کہ کسی طرح بھی اس سے نجات مل جائے تو یہ درست ہے کہ خود عورت کو طلاق دینے کا حق حاصل نہیں ہے، لیکن عورت بذریعہ قاضی تفریق حاصل کر سکتی ہے، اور یہ بڑی آسانی سے اس کو حاصل ہو سکتی ہے ۔

جن لوگوں کی تاریخ پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ گذشتہ دور میں ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب عورت پر مرد کے مظالم بڑھ گئے، تو اس نے قاضی کا دروازہ کھٹکھٹایا اور قاضی نے شرعی کارروائی کر کے اس کو واجب حق دلایا، اسلام سے پہلے البتہ عورتوں کی سماج میں کوئی عزت نہیں تھی، وہ سراپا مظلوم تھی، اسلام نے آکر اسکو بیخ و بن سے ختم کیا ۔

عورت کو بھی فسخ نکاح کا حق ہے

اسلام نے اگر مرد کے ہاتھ میں طلاق کی نکیل دی ہے، تو عورتوں کو بھی بعض اس

Dr. Zakir Husain ... Jamia Nag...

کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا ہے، بلکہ قاضی اسلام کو اس کا وکیل اور ذمہ دار قرار دیا ہے جب شوہر کی طرف سے اس کی حق تلفی ہو، عورت کو اس کے پنجہ سے آزاد کرائے، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ نے کتاب الفسخ والتفریق از حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی شائع کی ہے اس میں تفصیل دی ہے کہ چودہ صورتیں ہیں، جن میں سے کسی ایک صورت پیش آنے پر بیوی اپنے شوہر سے جدا ہونے کی درخواست دیکر جدائی حاصل کر سکتی ہے۔

(۱) شوہر مفقود الخبر ہو جائے (۲) شوہر مفقود الخبر تو نہ ہو مگر مسلسل غائب ہو (۳) شوہر اپنی بیوی کو نفقہ نہ دیتا ہو (۴) یا شوہر اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز و مجبور ہو (۵) شوہر بیوی کا حق زوجیت نہ ادا کرتا ہو (۶) شوہر مجبوب (مقطوع الذکر) ہو (۷) شوہر عنین (نامرد) ہو، بیوی کے ساتھ وطی کرنے پر قادر نہ ہو (۸) شوہر پاگل اور دیوانہ ہو (۹) شوہر جذام کی بیماری میں مبتلا ہو یا برص یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ بغیر ضرر عورت کا ساتھ رہنا ناممکن ہو (۱۰) عورت کا نکاح غیر کفو میں ہو گیا ہو (۱۱) باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی نے نابالغی میں نکاح کر دیا ہو اور بالغ ہونے کے بعد عورت اس کو رد کر دے (۱۲) عورت حرمت مصاہرت میں مبتلا ہو جائے، (۱۳) شوہر تکلیف دہ، بیوی کو مارپیٹ کرتا ہو (۱۴) میاں بیوی میں میل ملاپ کی کوئی صورت نہ بنتی ہو۔

یعنی ان شکایتوں میں سے جب کوئی شکایت بیوی کو پیش آئے گی، قاضی کے ذریعہ شوہر سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے، چنانچہ امارت شرعیہ کا ریکارڈ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہزاروں عورتوں نے قاضی شریعت کے ذریعہ ایسے شوہروں سے نجات حاصل کی ہے۔

مگر یہ یہاں ذہن نشین رہے کہ فسخ و تفریق جو قاضی کرے گا، اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور مسائل دینیہ سے پورے طور پر واقف ہو، عادل اور بالغ ہو، رشوت قبول نہ کرتا ہو، پاک دامن اور پارسا ہو۔

اسی کے ساتھ اسلام نے کچھ صورتیں ایسی بھی رکھی ہیں کہ بوقت شادی عورت نکاح کے ساتھ طلاق کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے مثلاً عورت اس شرط کے ساتھ نکاح کرے کہ بعد نکاح جب وہ چاہے گی، اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے، اور شوہر، بیوی کی اس شرط کو قبول کرلے، فقہا لکھتے ہیں۔

نکحها علی ان امرها بیدها صح (درمختار) مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید الخ فقال الزوج قبلت (رد المحتار)

مرد نے عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ عورت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا تو یہ صحیح ہے، یہ مقید ہے کہ عورت ابتدا کرے اور کہے کہ میں نے اپنی شادی آپ کے ساتھ اس شرط پر کی کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب میں چاہونگی اپنے کو طلاق دے دونگی، اس کے جواب میں شوہر کہے کہ میں نے اس شرط کو قبول کیا۔

ان مسائل کی تفصیل وتشریح الحیلۃ الناجزۃ اور کتاب الفسخ والتفریق میں دیکھی جاسکتی ہے

اسلام نے وراثت میں عورت کو شریک بنایا ہے

اسلام نے عورتوں کو وراثت میں بھی وارث قرار دیا ہے

جس طرح لڑکے وارث شرعی ہوتے ہیں لڑکیاں بھی شرعی وارث ہوتی ہیں، بلکہ لڑکے اور لڑکیوں کی وراثت میں قرآن پاک نے لڑکیوں کو بنیاد ٹھہرایا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق ثنتین فلهن ثلثا ما ترک وان

حکم کرتا ہے اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکوں کا حصہ لڑکیوں سے دوگنا ہے اور اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو سب کے لئے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر ایک

کانت واحدۃ فلہا النصف (النساء ۴)　　لڑکی ہے تو اس کے لئے نصف ہے ۔

ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے ، لڑکی کا حصہ کم اس لئے متعین کیا گیا ہے خود اس کا نفقہ کبھی باپ پر ہوتا ہے ، کبھی شوہر پر ہوتا ہے ، اور کبھی بھائیوں پر ہوتا ہے اور اسی طرح اس کی اولاد کا نفقہ اولاد کے باپ پر ہوتا ہے ، ماں پر نہیں ہوتا ... گویا عام طور پر عورت اس بوجھ سے محفوظ ہوتی ہے ۔

اس کے خلاف لڑکا بہت سارے نفقہ کا مکلف ہوتا ہے ، بیوی کا نفقہ اس پر واجب ہے بچوں کا نفقہ اس پر لازم ہے ، والدین کا نفقہ اس پر عاید ہوتا ہے اس لئے اس کو دو لڑکی کے برابر یعنی زیادہ حصہ دیا گیا ہے ۔

لڑکی جس طرح باپ اور ماں سے میراث پاتی ہے اسی طرح وہ شوہر سے بھی میراث کی مستحق قرار دی گئی ہے ۔

ولہن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلہن الثمن مما ترکتم (النساء)	بیوی کو تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی ہے اگر تم صاحب اولاد نہ ہو اور اگر تمہیں اولاد ہے تو بیویوں کا آٹھواں حصہ ہے ۔

اسی طرح بہن ہونے کی حیثیت سے بھی عورت بھائی کی وارث قرار دی گئی ہے ، ارشاد ربانی ہے ۔

ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلہا نصف ما ترک (النساء)	اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو تو اسے اس ترکہ کا نصف ملے گا ۔
و ان کانتا اثنتین فلہما الثلثان مما ترک (النساء)	اور اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو دو تہائی ملے گا ۔

اسی طرح عورت کو ماں ہونے کی حیثیت سے بیٹا بیٹی سے ترکہ ملتا ہے ، اور وہ ان کی

شرعی وارث ہوتی ہے۔

ولابویه لکل واحد منهما السدس مما ترك ان كان له ولد فان لم يكن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان كان له اخوة فلامه السدس۔ (النساء)

اور والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے، لڑکے کے ترکہ میں سے، بشرطیکہ لڑکا صاحب اولاد ہے اور اگر صاحب اولاد نہیں اور صرف والدین ہوں تو ماں کے لئے ایک ثلث ہے اور اگر کئی بھائی ہیں تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔

دیکھ رہے ہیں کہ عورتوں کو کہیں بھی شریعت میں نظر انداز نہیں کیا گیا ہے عورت اپنے باپ ماں سے بھی حصہ پاتی ہے، بھائی سے بھی پاتی ہے اور شوہر سے بھی۔

عورتوں کے یہ حقوق اس دور میں اسلام نے آپ کو عطا کئے، جب کوئی سمجھ بھی نہیں پاتا تھا کہ عورتوں کے بھی حقوق ہو سکتے ہیں پھر یہ سارے حقوق ان کے بحیثیت ذوالفروض ہونے کے بیان کئے گئے ہیں، اس کے بعد عصبات کا درجہ آتا ہے، ان میں بھی لڑکی بہت سے مواقع میں عصبہ بنتی ہے اور حصہ پاتی ہے۔

عرب میں یتیم بچوں اور عورتوں کو میت کے ترکہ میں سے حصہ نہیں ملتا تھا، اور نہ یہ حصہ کے مستحق سمجھے جاتے تھے، اسلام نے ان کے حقوق کی نشاندہی کی، اور انکو بھی ہر جگہ وارث قرار دیا

وصیت شریعت اسلامی میں

مسلم پرسنل لا کا ایک مسئلہ وصیت بھی ہے، یعنی مرنے والا اپنے تہائی مال میں غیر وارث کے لئے وصیت کرنے کا حق رکھتا ہے، اسی طرح رفاہِ عام کے کاموں کے لئے بھی وصیت کر سکتا ہے، اس مسئلہ کا تعلق بھی شریعت سے ایسا ہی ہے جیسا کہ نکاح وطلاق اور دوسرے مسائل کا، اس کے متعلق بھی کتاب وسنت میں واضح قانون ہیں، بلکہ مرنے والے کے ترکہ

کی تقسیم سے پہلے وصیت کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے ۔

قرآن نے جہاں میراث کا تفصیل تذکرہ کیا ہے، وہاں کہا ہے کہ پہلے وصیت اور دین ادا کر دیا جائے پھر آگے تقسیم ہو ۔

من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین ۔ (النساء۲) — وصیت نکال لینے کے بعد جو میت وصیت کر جائے اور دین کے بعد (ترکہ تقسیم ہو) ۔

وصیت کا بیان مردوں کے ترکہ کے بعد بھی آیا ہے، اور عورتوں کے ترکہ کے بیان میں بھی، البتہ وارثین میں سے کسی کے لئے وصیت جائز نہیں ہے کہ وہ تو میراث پائیں گے ہی حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ نے فرمایا ۔

ان اللّٰہ اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لالوارث ۔ رواہ ابوداؤد ۔ (مشکوۃ) — اللہ نے ہر حق والے کو اس کا حق دیا ہے، لہذا وارث کے لئے وصیت نہیں ہے ۔

البتہ وارثین چاہیں تو کسی ایک وارث کے لئے وصیت جائز ہے، حدیث نبوی ہے ۔

لا وصیۃ إلی الوارث الا ان یشاء الورثۃ (ایضاً) — وصیت وارث کے لئے نہیں ہے مگر یہ کہ دوسرے ورثا اس کو چاہیں ۔

اس صورت میں دوسرے ورثار کو شکایت کا موقع باقی نہیں رہتا ہے، اور نہ اس کو اذیت ہوگی، حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حتی الوسع ورثہ کو تکلیف نہ پہونچائی جائے اور ایسی بات نہ ہونے پائے جس سے وہ رنجیدہ خاطر ہوں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

من قطع میراث وارثہ قطع اللّٰہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ رواہ ابن ماجہ (مشکوۃ) — جو شخص اپنے وارث کی میراث منقطع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی میراث جنت سے قیامت کے دن قطع فرمائے گا ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی کا بیان ہے کہ وہ فتح مکہ کے سال بیمار ہو گئے، بظاہر زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لے آئے، میں نے عرض کیا، میری صرف ایک بچی ہے اور دولت کافی ہے، لہذا اپنے کل مال کو بذریعہ وصیت اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ نے سن کر فرمایا نہیں ایسا نہ کرو، میں نے عرض کیا کل کی نہ سہی دو ثلث کی کر دوں، فرمایا یہ بھی نہیں میں نے درخواست کی کہ آدھا مال کی وصیت کر جاؤں، فرمایا یہ بھی نہیں، میں نے اخیر میں کہا کہ تہائی مال کے متعلق کیا ارشاد ہے، فرمایا اچھا تہائی کی وصیت کر سکتے ہو، گو یہ بھی بہت ہے اس کے بعد فرمایا کہ اپنے ورثا کو دولت مند چھوڑنا اچھا ہے کہ ان کو افلاس کی حالت میں چھوڑو۔

والثلث کثیر انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس۔ (مشکوۃ)

تہائی بھی زیادہ ہے تم اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑو یہ ان کو غریب بنا کر چھوڑنے سے بہتر ہے۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے حتی الوسع وصیت اپنے قرابت داروں کے لئے ہونی چاہئے، ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا ہے، قرابت داروں کو چھوڑ کر غیروں کے لئے وصیت کرتا ہے تو یہ فعل اس کا شرعاً پسندیدہ نہیں کہا جائے گا۔

من اوصی بغیر قرابۃ و ترک قرابۃ محتاجین فبئسما صنع وفعلہ مع ذلک جائز ماض لکل من اوصی من غنی وفقیر وقریب وبعید ومسلم وکافر۔ (احکام القرآن)

جس نے غیر قرابت دار کے لئے وصیت کی اور اپنے قرابت داروں کو محتاج چھوڑ دیا تو اس نے برا کیا لیکن اس کے باوجود اس کا یہ فعل جائز ہے، جس کے لئے بھی وصیت نافذ ہوگی مالدار ہو، محتاج ہو، قرابت دار ہو، دور کا ہو اور پھر مسلمان ہو یا کافر ہو۔

پوتا کی میراث کا مسئلہ اس مسئلہ وصیت سے حل ہو جاتا ہے، یعنی دادا جب جانتا ہے کہ دوسرے بیٹے کی موجودگی میں پوتا محجوب ہوگا، تو اس کا اخلاقی فرض ہے کہ اپنی زندگی میں پوتے کے نام جو دینا ہے کر جائے، ہبہ کر کے دخیل و قابض بنا دے، قانونی ملکی رجسٹری کا سہارا لے اور آخری صورت یہ ہے کہ تہائی مال و جائیداد بذریعہ وصیت کر دے اور یہ بہت آسان ہے، بیٹوں کو بھی اس پر اعتراض نہ ہوگا۔

نفقہ مطلقہ نفقہ مطلقہ کے سلسلہ میں بہت لکھا جا چکا ہے کہ تا عدت اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، عدت ختم ہو جانے کے بعد چونکہ وہ بیوی قطعاً باقی نہیں رہتی ہے، بلکہ اجنبی عورت کے مثل ہو جاتی ہے، اور مثل کیا قطعاً اجنبیہ بن جاتی ہے، اسلئے سابق شوہر سے رشتہ بالکل منقطع ہو جاتا ہے، جس طرح ایک غیر عورت کا نفقہ غیر مرد پر واجب نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اسی طرح اس عورت کا نفقہ بھی سابق شوہر پر واجب قرار دینا قطعاً ناجائز و ناانصافی ہے اور یہ عقل و خرد کے بھی خلاف ہے اور کتاب وسنت کے بھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صراحت موجود ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول للمطلقۃ الثلث النفقۃ والسکنی مادامت فی العدۃ ۔ (ھدایہ)	میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ طلقہ ثلثہ کے لئے نفقہ اور سکنی اس وقت تک ہے جب تک وہ عدت میں ہے۔

قرآن پاک میں جہاں عدت کا بیان ہے، وہاں حاملہ کی عدت بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے اور بسا اوقات یہ عدت لانبی بھی ہوتی ہے، قرآن نے اس سلسلہ میں صراحت کی ہے کہ تا عدت ہی نفقہ ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

وان کن اولات حمل فانفقوا علیہن حتی یضعن حملہن (الطلاق۔۱)	اور اگر وہ حمل والیاں ہوں، تو انہیں خرچ دیتے رہو ان کے حمل کے پیدا ہونے تک۔

فقال اصحابنا والثوري والحسن بن صالح لكل مطلقة السكنٰى والنفقة مادامت فى العدة ۔ (احكام القرآن)	ہمارے اصحاب حنفیہ امام ثوری، حسن بن صالح سب کہتے ہیں کہ ہر مطلقہ کے لئے مکان اور نفقہ اس وقت تک ہے جب تک وہ عدت میں ہوتی ہے۔
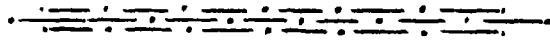
ممتاز عالم دین۔ اور جمعیت اشاعت التوحید و السنة ملتان ڈویژن (پاکستان)

کے امیر مولانا الحاج حافظ عبد المجید شاکر چغتائی (ر) کی معرکة الآراء کتب

توحید الٰہ العالمین	توحید باری تعالیٰ کے موضوع پر شاندار تصنیف	ہدیہ ۱۰ / روپے
سیرة سید المرسلین	صدارتی ایوارڈ یافتہ بلند پایہ کتاب	〃 ۳۰ / 〃
اعجاز قرآنی	تمام عوارضات جسمانی کا آیات قرآنی سے علاج	〃 ۷½ 〃
دُرِّ یزدانی	اسمائے ربانی کی شرح بسیط	〃 ۱۰ 〃
اورادِ سبحانی	المعروف صراط مستقیم سہ حصص	〃 ۷½ 〃
اخیارِ امت	سیرة اصحاب سید المرسلین	〃 ۲۰ 〃
اسرارِ قرآنی	قرآن مجید کی سورتوں کے خواص و اعمال	〃 ۷½ 〃

اس کے علاوہ حقوق والدین بمعہ مقام استاد، اضائة الملت فی رد البدعت ادلة المرفوعہ فی رد البدعت المردودہ، اور دیگر رسالہ جات بابت عدم ثبوت دعا بعد نماز جنازہ وغیرہ ۔

<u>ملنے کے پتے</u>: صابر میڈیکل سٹور، کہروڑپکا (ملتان)
چغتائی جنرل سٹور اینڈ بکڈپو 〃 〃 (〃 〃)
مدرسہ ضیاء العلوم بلاک ۱۸ سرگودھا۔ (پاکستان)

مولانا جمیل الرحمٰن پرتابگڈھی
دارالعلوم دیوبند

دفعہ ۱۲۵ (سی، آر، پی، سی)
اور
اسلام کا قانونِ نفقہ

حجۃ الوداع کے موقع پر ہبطِ وحی صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی اس آخری آیت کا نزول ہوا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا. (المائدۃ)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور دین کی حیثیت سے اسلام کو تمہارے لئے میں نے پسند کر لیا۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد آپ کو یہ بشارت سنائی گئی۔

انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تأخر ویتم نعمتہ علیک و یہدیک صراطاً مستقیما. (الفتح)

بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے، اور آپ پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کر دے، اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے

اتمام نعمت سے مراد در حقیقت علومِ نبوت کا اتمام ہے، چاہے یہ وحی متلو یعنی قرآن سے تعلق رکھتے ہوں یا وحی غیر متلو سے۔ کیونکہ یہی علوم تمام احکام شرعیہ کا سرچشمہ اور اصل الاصول ہیں، اسی علم پر نعمتوں کا اختتام ہے، جب آپ پر علم کا اتمام ہوگیا تو آپ خاتم النبیین بھی ہوگئے اور اب آپ کے بعد مزید کسی نبی اور شریعت کے نازل ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی، دین کامل و مکمل طور پر دنیا کے سامنے آچکا، اس میں قیامت تک کے پیش آنے والے مسائل کا حل کلیات و جزئیات کی شکل میں بیان کردیا گیا ہے۔

فالقرآن على اختصاره جامع ولا يكون جامعا الا والمجموع فيه امور كليات؛ لان الشريعة بتمام نزوله، لقوله تعالى، اكملت لكم دينكم" (الموافقات ج ۴/۳۶۷)

قرآن اپنے اختصار کے باوجود جامع ہے، اور جامع اسی صورت میں ہے کہ اس میں امور کلیہ کا بیان ہے، کیونکہ شریعت قرآن کے نزول کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الیوم اکملت لکم دینکم"۔

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آیات قرآنی کی ایسی تشریح فرمائی ہے جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا بآسانی مقابلہ کرسکتی ہے اور اس کی بقا اور تحفظ کے لئے ایک طرف قرآن نے یہ اعلان کیا۔

وانّا له لحافظون۔

اور بیشک ہم ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں۔

اور دوسری طرف لسان نبوت نے فرمایا۔

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل

(ہر سلف کے بعد) خلف میں ایسے عادل لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو اس دین علم کا بار اٹھائیں گے، جس کے ذریعہ وہ غلو پسندوں کی تحریفات کو نیست و نابود کرتے رہیں گے باطل پسندوں کی دروغ بافیوں کو کھولتے رہیں

الجاھلین۔ گئے اور جاہلوں کی رکیک تاویلوں کے پردے
(مشکوٰۃ شریف) چاک کرتے رہیں گے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ مبارک کلمات ہر اس شخص کے لئے مایوسی کا پیغام ہے جو اسلام کو مشکوک، ناقابل اعتماد اور اس کے اندر حقیقی معنی میں تغیر و تبدیلی کی ناکام تو چاہتے ہیں، ہیں، دنیا کی تاریخ میں یہ امت اتنی مردم خیز واقع ہوئی ہے کہ اس کی نظیر دوسری قوموں میں نہیں ملتی، جب بھی اسلام کے قلب وجگر پر تحریفات، تاویلات، بدعات، مادیت، نفس پروری، تعیشات، الحاد ولادینیت، مغربیت اور عقلیت پرستی کا حملہ ہوا تو اس کے مقابلے کے لئے ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے ان حملوں کو شکست دی اور حقیقت اسلام کو اجاگر کیا، اس کی تصدیق دعوت وعزیمت کی اس مسلسل تاریخ سے ملے گی جسے مورخین نے کتابوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اسلام کا قانون یہ خدا کا نازل کردہ قانون فطرت ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو حاوی ہے، یہ دوسرے مذاہب کے قوانین کی طرح اتنا نازک نہیں ہے کہ جب جی چاہے اور جیسے جی چاہے......... اس کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھال لیا جائے، اور اس میں قطع وبرید کر دی جائے، ان اللّٰہ قد شرع لکم الدین۔

ہندوستان کی دوسری قومیں جس طرح اپنے مذاہب کا تصور رکھتی ہیں کہ جب چاہا اور جیسے چاہا اسے اپنے موافق ڈھالا، اور بدلتے ہوئے حالات میں اسے اپنی خواہشات کے تدوقات پر فٹ کر لیا، بالکل یہی تصور مذہب اسلام کے بارےمیں بھی رکھتے ہیں کہ اس میں بھی جب چاہے ترمیم وتنسیخ کر دی جائے، ہندوستان کی عدالت عالیہ نے شاہ بانو کیس میں یہی معاملہ کیا ہے، جو شریعت اسلامی میں مداخلت کرکے جبراً نفقہ دلانا چاہتی ہے ذیل کی سطور میں ہم اس جبریہ نفقہ کی وجہ اور حکومت کی دفعہ ۱۲۵ اور قانون شریعت میں نفقہ کے منصفانہ نظام سے بحث کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اسلامی شریعت کے

قانون نفقہ کے مقابلے میں حکومت کا یہ ناقص قانونِ نفقہ ایک قدم بھی ساتھ نہیں دے سکتا،

ہندوازم میں عورت کی سماجی حیثیت

آج جو یہ سوال حکومت کے ایوانوں سے لیکر عوامی زندگی کے ہر موڑ پر دہرایا جارہا ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، اور بد قسمتی سے عورت مفلوک الحال ہے تو پھر اس کی خبرگیری کرنے والا کون ہوگا؟ درحقیقت یہ سوال ہندوازم میں عورت کی حیثیت کی بنیاد پر ہے، ہندو سماج میں جب ایک لڑکی کی شادی ہوگئی تو اب اس کا تعلق اس کے میکے سے برائے نام باقی رہ جاتا ہے، اس کا پورا دارومدار اس کے شوہر پر ہو جاتا ہے۔ وہ بیچاری اپنے شوہر ہی کے رحم و کرم پر زندگی گذارنی شروع کر دیتی ہے، اگر اس کے والدین ذی ثروت اور مالدار ہوئے تب بھی اس کا حصہ ان کی جائداد سے نہیں لگتا، اسی نظریہ کے پیش نظر اس سماج نے زرعی زمینوں سے لڑکی کو قانوناً بھی محروم کر دیا ہے، اور غالباً یہی وجہ ہوگی کہ جب شوہر کے انتقال کے بعد اس کا پرسانِ حال کوئی نہ ہوگا تو اس کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ وہ در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے بجائے شوہر کی جلتی ہوئی چِتا میں خود کو ستی کر دے، اور زندگی کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جائے (گو کہ اب اس قسم کی رسم کو ممنوع قرار دے دیا گیا)

ہندوازم کے اس سماجی بندھن کے پیش نظر یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہونا ہی چاہئے تھا کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اب یہ عورت کہاں جائے، خصوصاً جب کہ وہ مفلوک الحال اور تنگ دست ہو، اس ذہنیت نے اس کا یہ حل نکالا کہ کیوں نہ اس مطلقہ کو قانونِ نفقہ دفعہ ۱۲۵ سی آر پی سی میں داخل کر کے تا موت یا تا نکاح ثانی اسے اس کے سابق شوہر کی بیوی قرار دے کر اس پر نفقہ لازم قرار دے دیا جائے، چنانچہ دفعہ ۱۲۵ میں بیوی کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی کہ بیوی میں وہ عورت بھی شامل ہے جس کے مرد نے اس کو طلاق دیدی ہو یا خود اس نے اپنی مرضی سے طلاق لے

لی ہو اور طلاق کے بعد اس کا نکاح نہ ہوا ہو۔ گویا کہ یہ مطلقہ عورت طلاق کے بعد بھی تا نکاح ثانی اپنے شوہر سابق سے نفقہ وصول کرکے سماج میں زندگی گذار سکتی ہے۔

اس کے برخلاف اسلام نے عورت کو جو مقام دیا ہے اس کی نظیر دنیا کے دیگر مذاہب بھی مل کر نہیں پیش کر سکتے، اس کے نزدیک عورت سماج کا ایک معزز فرد ہے، جس طرح وہ نکاح سے پہلے خاندان کی پاکیزہ بیٹی تھی اسی طرح نکاح کے بعد بھی وہ خاندان کی معزز رکن شمار ہوتی ہے اس کے حقوق و فرائض کا تعلق میکہ سے اسی طرح وابستہ رہتا ہے، جس طرح پہلے تھا، خاندانی اعزہ کی وفات کے بعد خاندان کے دیگر نرینہ اولاد کی طرح اس کو بھی میراث سے حصہ ملے گا، فرق صرف اتنا ہے کہ بھائیوں کو دو حصہ ملے .... اور اس کو ایک حصہ ملے گا، اسلام نے میراث کے جو قوانین ہمیں دیئے ہیں، اگر ہم ان کی پوری رعایت کریں تو شاید ایسی عورتیں بہت کم مل سکیں جو اپنی زندگی میں پریشان اور بے یار و مددگار ہوں۔

کیا مسلم مطلقہ عورت اسلام میں بے سہارا ہے؟

اسلامی تعلیمات کا اصل منشار تو یہ ہے کہ نکاح کا معاہدہ عمر بھر کے لئے ہو، ٹوٹنے کی نوبت ہی نہ آئے، کیونکہ اس معاملے کے انقطاع کا اثر صرف فریقین ہی تک محدود نہیں رہتا، نسل اولاد کی تباہی اور بسا اوقات خاندانوں اور قبیلوں میں فساد تک کی نوبت پہونچ جاتی ہے، قرآنی تعلیمات نے ان تمام اسباب کو راستے سے ہٹانے کا پورا انتظام کیا جو اس میں حائل ہوتی ہیں، ناموافقت کی صورت میں اول افہام وتفہیم کی، پھر زجر و تنبیہ کی ہدایات دیں، اور اس سے بھی آگے اگر معاملہ پہونچ چکا ہے تو خاندان ہی کے چند افراد کو حکم اور ثالث بنا کر معاملے کرنے کی تعلیم دی، بعض اوقات طرفین میں ایسی ناچاقی بڑھ جاتی ہے کہ اصلاح حال کی تمام تدبیریں بے سود نظر آتی ہیں، تعلقِ نکاح کا مطلوبہ ثمرہ حاصل ہونے کے بجائے طرفین کا آپس میں مل

رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اس ازدواجی زندگی کا ختم کردینا ہی طرفین کے لئے راحت اور سلامتی کی راہ ہو جاتی ہے، اس لئے شریعت اسلامی نے بعض دوسرے مذاہب کی طرح یہ بھی نہیں کہا کہ رشتہ ازدواج ہر حال میں ناقابلِ فسخ ہی رہے بلکہ طلاق اور فسخِ نکاح کا قانون بنایا۔

جب شریعت نے اصلاحِ حال کی ان تمام کوششوں کی ناکامی کے بعد قانونِ طلاق کو طرفین کی بھلائی اور ان کی سلامتی کے لئے نافذ قرار دیا تو کیا باری تعالےٰ کی ذات عالی سے اس کی امید کی جاسکتی تھی کہ وہ اس مطلقہ عورت کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔ خصوصاً جبکہ ان کے یہاں عام انسانوں سے لے کر جانوروں تک کی خبرگیری پر تنبیہات بے شمار موجود ہوں

قرآن عام رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور محتاجوں کی خبرگیری پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے۔

ليس البر أن تولوا وجوهكم قبل المشرق و المغرب و لكن البر من آمن بالله و اليوم الآخر و الملائكة و الكتاب و النبين و آتى المال على حبه ذوى القربى و اليتامى و المساكين و ابن السبيل و السائلين و فى الرقاب و اقام الصلوٰة

سارا کمال اسی میں نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی، لیکن اصل کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں پر اور سب پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں مال دیتا ہو اپنے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو، اور غریبوں کو اور مسافروں کو، اور لاچاری میں سوال کرنے والوں کو، اور قیدیوں اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں خرچ کرتا ہو، اور نماز کو قائم رکھتا ہو، اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہو کہ

واٰتی الزکوٰۃ ، (البقرۃ) اصل کمالات یہ چیزیں ہیں ۔

نادار و بے شوہر عورت کی مدد کرنے والوں کو یہ خوشخبری دی گئی ۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الساعی علی الارملۃ والمسکین کالساعی فی سبیل اللّٰہ و احسبہ کالقائم لا یفتر وکالصائم لا یفطر ، (متفق علیہ مشکوٰۃ)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے خاوند والی عورت اور مسکین کی ضرورت میں کوشش کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا اور غالباً یہ بھی فرمایا کہ ایسا ہے جیسا رات بھر نماز پڑھنے والا کہ ذرا بھی سستی نہ کرے ، اور دن بھر روزہ رکھنے والا کہ ہمیشہ روزہ دار رہے ۔

بیوہ یا مطلقہ عورت کی خبرگیری اور اس کی اعانت کو بہترین صدقہ قرار دیا گیا ۔

عن سراقۃ بن مالک ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الا ادلکم علی افضل الصدقۃ ابنتک مردودۃ الیک لیس بھا کاسب غیرک (رواہ ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ) ۔

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں بہترین صدقہ بتاتا ہوں ، تیری وہ لڑکی (اس کا محل) ہے جو لوٹ کر تیرے ہی پاس آگئی ہو ، اور اسکے لئے تیرے سوا کوئی کمانے والا نہ ہو (کہ ایسی لڑکی پر جو بھی خرچ کیا جائے گا وہ بہترین صدقہ ہے) ۔

لوٹ کر آنے سے مراد یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح ہو چکا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ، یا شوہر نے طلاق دے دی یا کوئی اور عارضہ پیش آگیا ، جس کی وجہ سے وہ لڑکی پھر باپ کے ذمہ ہو گئی تو ایسی حالت میں اس کی خبرگیری اور کفالت میں روپیہ خرچ کرنا افضل ترین صدقہ ہے ۔

ماں اگر کافرہ ہے تب بھی آپ نے اس کی اعانت کا حکم دیا۔

عن اسماء بنت ابی بکر قالت قدمت علیّ امّی وهی مشرکة فی عهد قریش فقلت یا رسول الله ان امی قدمت علی وهی راغبة افا صلها قال نعم، صلیها۔
(متفق علیه کذا فی المشکوٰة)

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جس زمانے میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا اس وقت میری والدہ (مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ) آئیں، میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میری والدہ (میری اعانت کی) طالب بن کر آئی ہیں، ان کی اعانت کردوں؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں ان کی اعانت کرو۔

آپ نے جانوروں تک کی خبرگیری کرنے پر اجر و ثواب کی بشارت سنائی۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم غفر لامرأة مومنة مرت بکلب علی راس رکی یلهث کاد یقتله العطش فنزعت خفها فاوثقته بخمارها فنزعت له من الماء فغفر لها بذالك، قیل ان لنا فی البهائم اجراً قال فی کل ذات کبد رطبة اجر
(متفق علیه کذا فی المشکوٰة)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک فاحشہ عورت کی اتنی بات پر بخشش کردی گئی کہ وہ چلی جارہی تھی۔ اس نے ایک کنویں پر دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہوا ہے جس کی زبان پیاس کی شدت کی وجہ سے باہر نکل پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے اس عورت نے اپنے پاؤں کا (چمڑے کا) موزہ نکالا اور اوڑھنی میں باندھا اور کنویں سے پانی نکالا کر اس کتے کو پلایا آپ سے کسی نے پوچھا کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے صلہ میں بھی ثواب ملتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار کے احسان) کرنے میں ثواب ہے، مسلمان ہو یا کافر آدمی ہو یا جانور۔

یہ اور اس قسم کی بے شمار آیات قرآنی اور احادیث نبویہ موجود ہیں جو انسان کو انسانیت کا درس، غریبوں، مسکینوں کی خبرگیری پر اجر و ثواب کی بشارت، اپنوں کے ساتھ حسنِ سلوک، صلہ رحمی اور ان کی کفالت کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

ان عام ارشادات کے ہوتے ہوئے کیا کسی کے وہم و خیال میں اس بات کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ شریعت اسلامی نے اس نادار مطلقہ عورت کو پریشانیوں کے جھیلنے کے لئے بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہوگا، افسوس تو اس کا ہے کہ غیر تو غیر خود اپنے اسلامی شریعت کی ناقص معلومات کی بنیاد پر اس مسئلہ میں الجھ گئے اور خود مجتہد مطلق بن کر شریعت میں موشگافیاں کرنے لگے، ان حضرات کی نگاہوں میں حکومت کا قانون نفقہ (دفعہ ۱۲۵) ہمہ گیر قوانین دکھائی دیا، اور شریعت مطہرہ کا قانونِ نفقہ ناقص اور قابلِ ترمیم نظر آیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے قانونِ نفقہ دفعہ ۱۲۵ سی، آر، پی، سی پر ایک نظر ڈال لی جائے، اور دیکھا جائے کہ کیا یہ قانونِ نفقہ شریعت انسانی کے ہر فرد کو محیط اور اس کی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔

قانون نفقہ دفعہ ۱۲۵ (سی، آر، پی، سی) پر ایک نظر

یہ دفعہ ضابطہ فوجداری کے تحت ہے اس میں تین رشتوں کے نفقہ کی وضاحت ہے، بیوی، اولاد، اور والدین اس دفعہ کا ترجمہ یہ ہے۔

"دفعہ ۱۲۵ (۱) اگر کوئی شخص جس کی معقول آمدنی ہو اور گذارہ کی استطاعت رکھتا ہے لیکن حسب ذیل لوگوں کو نفقہ دینے میں لاپرواہی یا انکار کرتا ہو (الف) اپنی بیوی کو جو خود کفیل نہ ہو، (ب) اپنے نابالغ جائز و ناجائز بچوں کو جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو، چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ (ج) اپنے بالغ جائز و ناجائز اولادوں کو جو اپنی دماغی

وجسمانی کمزوری کی وجہ سے خود کفیل نہ ہو (اس میں شادی شدہ شامل نہیں ہیں)، (د) اپنے ماں باپ کو جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو، تو فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کو اختیار ہوگا، کہ وہ اس بات کا ثبوت مل جانے پر کہ وہ شخص نفقہ دینے میں لاپرواہی وکوتاہی یا انکار کرتا ہے تو حکم دے گا کہ متعلقہ شخص اپنی بیوی بچوں یا ماں باپ کو ماہواری الاؤنس دے جو پانچ سو روپئے سے زیادہ کا نہ ہوگا یا الاؤنس کی رقم کے بارے میں مجسٹریٹ جتنا بھی منظور کرنا مناسب سمجھے، شرط یہ ہے کہ مجسٹریٹ کو اختیار ہوگا کہ وہ نابالغ لڑکی کے باپ کو حکم دے کہ وہ نابالغ لڑکی کو اس وقت تک نفقہ دیتا رہے جب تک کہ اس کی لڑکی کا نکاح نہ ہو جائے، اس کے نکاح کے بعد اگر اس کے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو تو بھی باپ کے ذمہ ہی نفقہ عائد ہوگا۔

اس باب کی تشریح حسب ذیل ہے (الف) نابالغ کے معنی اس شخص سے ہے جو انڈین مجارٹی ایکٹ ۱۸۷۵ء (ایکٹ نمبر ۹ آف ۱۸۷۵ء) کے مطابق بالغ نہ ہوا ہو، (ب) بیوی میں وہ عورت بھی شامل ہے جس کے مرد نے اس کو طلاق دیدی ہو یا خود اس نے اپنی مرضی سے طلاق لے لی ہو، اور طلاق کے بعد اس کا نکاح نہ ہوا ہو " ۱۲۵، (۲) نفقہ کی ادائیگی مجسٹریٹ کے حکم کی تاریخ سے یا نفقہ دینے کی درخواست کے دن سے کی جائے گی"
۱۲۵ (۳) اس شق میں نفقہ کی عدم ادائیگی پر مجسٹریٹ کا کیا حکم ہوگا اس کو بیان کیا گیا ہے۔ (ماخوذ ہفت روزہ نقیب پٹنہ تحفظ شریعت نمبر)

دفعہ ۱۲۵ کی چند خرابیاں

(۱) یہ دفعہ خاندان کے ان تینوں رشتوں کے علاوہ دیگر افراد جو کبھی نفقہ کے

محتاج ہو جاتے ہیں جیسے دادا، دادی، بھائی، بہن اور دور کے رشتہ داراس کے نفقے کا انتظام کوئی قانون میں موجود نہیں ہے ۔

(۲) اگر کسی عورت کا شوہر غائب ہو جائے اور باپ بچے یا ماں کا مال موجود نہ ہو تو اب عورت کیا کرے، یہ قانون اس کے لئے خاموش ہے ۔

(۳) سابق شوہر پر عورت کے نفقہ کی ذمہ داری ڈالنے کی صورت میں عورت کے جذبۂ انتقام کو کچھ تسکین تو ضرور ہو جائے گی، لیکن مرد کے دل میں رحم وکرم کا ادنیٰ درجہ بھی باقی نہ رہے گا، وہ ہر قیمت پر اس ذمہ داری سے بچنا چاہے گا، خصوصاً جب وہ یہ جان رہا ہوگا کہ اس نفقہ کی ادائیگی مذہبی طور پر عائد نہیں ہوتی، لہذا ایسی صورت میں عورت عدالت کا دروازہ بار بار کھٹکھٹانے پر مجبور ہوگی، جو ایک نادار عورت کے لئے کورٹوں کا بار بار چکر لگانا ناقابلِ برداشت مصیبت ہے ۔

(۴) عدالت نے اگر اس مطلقہ عورت کیلئے ۴۰۰ یا ۵۰۰ روپیہ ماہانہ نفقہ سابق شوہر پر مقرر کر دیا تو ایسے بھی سنگ دل رشتہ دار ہوتے ہیں کہ وہ اس ماہنامہ الاؤنس کی لالچ میں اپنی اس عزیزہ کا رشتۂ نکاح تلاش کرنے میں غفلت برتیں گے، کیونکہ شادی ہو جانے کی صورت میں یہ ماہانہ الاؤنس بند ہو جائیگا

اس کے برخلاف اسلام کا قانونِ نفقہ ایک ہمہ گیر قانون ہے جو انتہائی منضبط اور جامع ومکمل ہے، عقل وفطرت کے تقاضے کے عین مطابق ہے، اسلام نے بیوی، اولاد، والدین، دیگر اعزہ واقارب، غلام وباندی اور خادم حتیٰ کہ جانوروں اور وقتی نادار مسافروں، غربا ومساکین اور محتاجوں کے لئے ایک بے مثل قانونِ نفقہ بنایا ہے ۔

اسلام کا قانون نفقہ

اسلام کا ایک نفقہ استحبابی ہے جس کا تعلق عام غربار و مساکین سے ہے اور دوسرا نفقہ وجوبی ہے جو کبھی قرابت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور کبھی زن وشوہر کے تعلقات کی بنیاد پر، اور کبھی دوسرے کی ملکیت میں دے دینے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔

غربا و مساکین کے نفقے کے سلسلے میں شریعت نے بار بار مسلمانوں کو نہ صرف انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی بلکہ ہر ذی ثروت اور صاحب نصاب مسلمان پر مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض قرار دیا اسلام کا یہ صیغہ اتنا اہم قرار پایا کہ اسے اسلام کی بنیادوں میں شامل کر دیا، قرآن کی روشنی کے مطابق اس نفقے کے مندرجہ ذیل حضرات مستحق ہوں گے۔

(۱) فقرار جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو (۲) مساکین (جن کے پاس بقدر حاجت میسر نہ ہو) عاملین ۳ یعنی وہ لوگ جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات کے کاموں پر مامور ہوں، ۴ مؤلفۃ القلوب یعنی وہ لوگ جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں، اکثر علماء کے نزدیک حضورؐ کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی، ۵ رقاب، یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے یا اسیروں اور قیدیوں کا فدیہ دے کر رہا کرایا جائے، ۶ غارمین، یعنی وہ لوگ جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے، ۷ سبیل للہ جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے، ۸ ابن السبیل، یعنی مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو گو مکان پر دولت رکھتا ہو۔ (سورۂ توبہ)

قرابت کی وجہ سے جو نفقہ واجب ہوتا ہے اس میں اولاد، والدین کے علاوہ دادا دادی، بہن، بھائی اور دیگر رشتہ داروں کا نفقہ بحالت محتاجگی شامل ہے حتیٰ کہ اگر والدین

ہم مذہب نہ ہوں تب بھی اولاد پران کا نفقہ واجب ہے، ان کی راحت وآرام کا انتظام کریں، قرآن کریم کا صاف حکم ہے۔

وصاحبهما فى الدنيا معروفا (سورہ لقمان) اور والدین کا دنیا میں دستور کے موافق ساتھ دو۔

دوسری جگہ قرآن کا ارشاد ہے۔

و وصّينا الانسان بوالديه حسنا. (سورة عنكبوت) اور ہم نے تاکید کردی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی سے رہنے کی۔

مندرجہ بالا آیات کے پیش نظر فقہاء نے یہ صراحت کردی کہ اولاد پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین کا نفقہ برداشت کریں، اگر وہ محتاج و مجبور اور معذور ہوں گو دین و مذہب والدین کا اولاد سے مختلف ہو، کیونکہ ان آیات کا شان نزول ہی ایسے ماں باپ کے حق میں تھا، جو کافر تھے، شریعت اس بات کی کیونکر اجازت دے سکتی تھی کہ اولاد تو دنیا کی تمام لذتوں سے مستفیض ہو اور والدین تنگ دستی میں بھوکے مر جائیں۔

اسی طرح اگر دادا، دادی محتاج ہوں تو شرعاً اسلام نے اس کے نفقہ کی ذمہ داری بھی اس پر ڈالی ہے، کیونکہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا ہی اس کا قائم مقام ہوتا ہے، چونکہ دادا اس اولاد کے زندہ ہونے کا سبب ہے اس لئے وہ اس اولاد پر اپنی زندگی کا استحقاق رکھتے ہیں، جیساکہ والدین کی صورت میں ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان رشتہ دار اپنے ان دیگر رشتہ داروں کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا جن سے میراث کا باہمی تعلق ہو، وہ حسب قاعدہ وراثت نفقہ دے گا، کیونکہ نفقے کا تعلق میراث کے ساتھ ہے، اسی بنا پر ایک مسلمان پر یہ واجب نہیں کہ وہ اپنے غیر مسلم بھائی کو نفقہ دے اس لئے کہ غیر مسلم مسلمان کی میراث میں حصہ نہیں لے سکتا، نفقہ ہر ذی رحم محرم کے لئے واجب ہوتا ہے، جب کہ وہ نابالغ یا محتاج ہو، یا عورت بالغہ نادان ہو، یا

مرد بالغ نادار، لنجہ یا اندھا ہو، کیونکہ قریبی رشتہ داری میں احسان کرنا واجب ہوتا ہے،
جو رشتہ دار محرم ہو وہ قریب ہوتا ہے، دور کی رشتہ داری میں نفقہ واجب نہیں ہوتا خدا
وند قدوس نے ارشاد فرمایا، وعلی الوارث مثل ذٰلک،، یعنی وارث پر اس
کے مثل واجب ہے، بالفاظ دیگر استحقاق اور ذمہ داری دونوں کا تعلق یکساں طور پر ہوتا
ہے، یعنی جس درجے میں جو رشتہ استحقاق رکھتا ہے اسی درجہ میں اس پر ذمہ داری عائد
ہوتی ہے،

صاحب قدوری علامہ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ: نفقہ کا واجب ہونا میراث کی تقدار
پر ہے، کیونکہ آیت میں وارث کا لفظ کہنے میں یہ تنبیہ ہے کہ مقدار میراث معتبر ہے، کیونکہ
حالات کے بقدر آدمی تاوان اٹھاتا ہے، یعنی جتنا اسے میراث سے ملے گا، اسی حساب سے
بالفعل عورت کو نفقہ دے گا،، (بحوالہ مجموعہ قوانین اسلام ص ۹۱۷)

مزید تفصیل درکار ہو تو فقہ اسلامی کا باب الحضانۃ کتاب المیراث اور کتاب النفقات
وغیرہ دیکھئے، شریعت نے کسی موقع پر بھی کسی محتاج کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا ہے،
بالفرض اگر اس کے پاس ذی محرم اعزہ واقارب موجود نہیں ہیں تو یہ زکوٰۃ کے مصرف کے
تحت مستحق نفقہ سمجھے جائیں گے، لاکھوں میں دو یک ہی ایسے لوگ ہوں گے جن کا کوئی
ایسا عزیز نہ ہو جس پر قانون شریعت کی رو سے اس کا نان نفقہ عاید نہ کیا جاسکے ایسے لوگوں
کا نفقہ بیت المال یا عامۃ المسلمین کے صدقات سے پورا کیا جائے گا۔

بیوی کا نفقہ زن و شوہر کے تعلقات کی بنیاد پر جو نفقہ واجب ہوتا ہے اس کے
بارے میں فقہا تصریح کرتے ہیں۔

النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمة كانت او كافرة اذا سلمت نفسها إلى

بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے خواہ
بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ شرط یہ ہے کہ وہ اپنے
آپ کو اس کے گھر جا کر حوالہ کر دے، لہٰذا اس پر

منزله فعليه نفقتها وكسوتها وسكناها ۔ (هداية ص ۲/۴۱۷) لازم ہوگا کہ اس کا کھانا کپڑا اور رہائش کا انتظام کرے۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک شوہر پر بیوی کے نفقہ و مسکن کے وجوب کی بنیاد زوجیت بالنکاح الصحیح مع حق الاحتباس ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

لان النفقة جزاء الاحتباس و كل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت النفقة عليه. (هدايه ص ۲/۴۱۷) شوہر پر بیوی کا نفقہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اس کے یہاں محبوس ہو کر رہ جاتی ہے، اور جو شخص دوسرے کے حق کی خاطر محبوس ہوگا قاعدہ میں اس کا نفقہ اس شخص پر ہی ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ بیوی شوہر کے لئے محبوس نہیں رہ گئی ہے چاہے اس نے ملازمت کر رکھی ہو یا اس کے کنٹرول سے باہر ہو تو اس کا نفقہ یعنی کھانا، کپڑا اور رہائش گاہ اس کے شوہر پر واجب نہیں ہے۔

وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله. (هداية ص ۲/۴۱۸) بیوی اگر نافرمان ہے تو اس کا نفقہ اس وقت تک شوہر پر نہیں جب تک لوٹ کر شوہر کے گھر نہ آجائے۔

مطلقہ کا نفقہ اگر کسی مجبوری کے تحت شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی تو جب تک وہ عدت میں رہے گی شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ لازم رہے گا، اسلئے کہ وہ عدت اس کے لئے گذار رہی ہے کہ کہیں شوہر کا نطفہ حمل نہ بن کر رہ گیا ہو، گویا شوہر کے حق کی خاطر وہ تین حیض یا تین مہینے عدت کے گذارتی ہے۔

علامہ قرطبی آیت کریمہ وان کن اولات حمل (سورہ طلاق) کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں

لا خلاف بين العلماء فى وجوب النفقة والسكنى للحامل المطلقة علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اس حاملہ کے نفقہ و سکنیٰ کے وجوب میں

ثلاثاً اواقل منهن حتی تضع جسے تین طلاقیں یا اس سے کم دی گئی ہوں تا حملها . (بحوالہ مسلم پرسنل لا اور نفقہ مطلقہ کا مسئلہ ص۱۳) آنکہ ولادت ہو جائے۔

عدت کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اسے اپنی دوسری شادی کا پورا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، پہلے شوہر کے لئے وہ اجنبی بن جاتی ہے، اب سابق شوہر سے اس کا شرعاً کوئی تعلق باقی نہیں رہ جاتا، آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت حضرت عمرؓ یوں بیان فرماتے ہیں

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول للمطلقۃ الثلث النفقۃ و السکنیٰ مادامت فی العدۃ (ھدایہ ۴۲۳/۲) میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کیلئے نفقہ وسکنیٰ صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ عدت میں ہے۔

غرضیکہ مطلقہ عورت زمانۂ عدت تک کی نفقہ کی حقدار ہے، عدت کے بعد چونکہ اس کا سابق شوہر سے زوجیت کا تعلق باقی نہیں رہتا اس لئے اس کا کسی بھی قسم کا کوئی نفقہ طلاق دینے والے شوہر کے ذمہ واجب نہیں ہوتا۔

نادار مطلقہ عورت کا نفقہ

مطلقہ عورت عدت گذارنے کے بعد اب کہاں جائے اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار کون ہو، سو اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اب یہ عورت اسلام کے قوانینِ ازدواج سے نکل کر قوانینِ کفالت کے تحت آگئی، کیونکہ قوانین ازدواج کا تعلق صرف زمانۂ زوجیت تک باقی رہتا ہے، اور جب رشتہ زوجیت عدت کے بعد ختم ہوگیا تو اس کے نفقہ کی ادائیگی اب قوانین کفالت کے تحت آئے گی، اسلام نے اسی سلسلہ میں مندرجہ ذیل اصول مقرر فرمائے ہیں۔

۱ - قرآن پاک کی اس آیت وصاحبهما فی الدنیا معروفا، کے تحت سب سے پہلے ذمہ داری اس کے اولاد پر آتی ہے، اگر اولاد ہو خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں

وہ اپنی ماں کے اخراجات برداشت کریں، اگر سب کے سب خوش حال ہوں توسب لڑکے لڑکیاں برابر برابر اس کا نان ونفقہ مہیا کریں گے، ورنہ ان میں جو نفقہ دینے کی حیثیت سے ہوگا وہ نفقہ کی ذمہ داری اٹھائے گا

۲ ۔ نادار مطلقہ کے اگر اولاد نہ ہو، یا سب کے سب بالکل مفلوک الحال اور تنگدست ہوں تو اگر اس کے والدین زندہ ہیں تو اب ان والدین کا فرض ہوگا کہ وہ اپنی اس مجبور لڑکی کی خبرگیری کا فریضہ انجام دیں ۔

تجب نفقة الابنة البالغة والابن الزمن على ابويه اثلاثا على الاب ثلثان وعلى الام ثلث لان الميراث لهما على هذ المقدار. (هدایہ ج۲ ص۴۲۶)

بالغہ لڑکی کا نفقہ اور مجبور لڑکے کا نفقہ ماں باپ پر واجب ہے، باپ پر دو تہائی، اور ماں پر ایک تہائی اس لئے کہ ان پر میراث اسی طرح تقسیم ہوتی ہے .

. . . .

۳ ۔ مطلقہ عورت کے اگر نہ اولاد ہوں نہ والدین ہوں یا سب مفلوک الحال اور نادار ہوں تو اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری اس کے قریبی اعزہ پر عائد ہوگی میراث کے قاعدے کے مطابق ان پر اس کا نفقہ واجب ہوگا، اولاد اور ماں باپ کے بعد جن اقرباء پر نان نفقہ کی ذمہ داری آتی ہے، ان کی فہرست بہت طویل ہے ہم یہاں چند کا ذکر کرتے ہیں، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی، بھتیجا، بھتیجی، بھانجہ، بھانجی وغیرہ ۔

اولاد اور والد کے علاوہ مطلقہ عورت کے دوسرے رشتہ داروں میں اگر سب خوش حال ہیں تو بھی نزدیکی اور قرب کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا اور کبھی یہ دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ یہ مطلقہ عورت اگر مال چھوڑ کر فوت ہو تو اس میں ترکہ کس کس حساب سے تقسیم ہوگا، اسی تناسب سے ان رشتہ داروں میں نفقہ عائد کیا جائے گا ۔

۴ ۔ اگر ان رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو یا بالفرض سب مفلوک الحال ہوں تو حکومت کے بیت المال وخزانہ سے اس کو نفقہ دلایا جائے گا۔

۵ ۔ اگر خزانہ سے ملنے کی کوئی صورت نہ ہو تو عام مسلمانوں پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، خواہ وہ صدقات اور زکوٰۃ سے اس کا انتظام کریں یا کسی اور مد سے۔

الحاصل اسلام کا قانونِ نفقہ اتنا ہمہ گیر قانون ہے جو معاشرۂ انسانی کی صلاح وفلاح کی مکمل ضمانت دیتا ہے، اسلام اس نادار مطلقہ عورت کو کبھی مجبور نہیں کریگا کہ وہ محنت ومزدوری اور ملازمت کے دروازہ کو کھٹکھٹاتے پھرے، بالغ ہونے کے بعد اگر اس کی شادی نہیں ہوسکی ہے یا طلاق ہوجانے کی وجہ سے بے سہارا ہوگئی ہے تو نادار ہونے کی صورت میں اس کا نان ونفقہ خونی رشتہ رکھنے والے اقرباء کے ذمہ عائد ہوگا اور اس لڑکی سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تندرست اور ہنرمند ہو لہٰذا کما کر یا ملازمت کرکے اپنے مصارف پورے کرو، اس کے برخلاف لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد اس کی ذمہ داری والدین سے ساقط ہوجاتی ہے، الآیہ کہ لڑکا نادار اور دماغی وجسمانی اعتبار سے معذور ہو۔

نادار مطلقہ عورت کے نفقے کی ذمہ داری اقرباء پر ڈالنے کی ایک یہ بھی حکمت ہے کہ ان کے دلوں میں اس کے لئے جذبۂ محبت زیادہ ہوتا ہے وہ اس کی خبرگیری میں بوجھ محسوس نہیں کریں گے، اگر وہ شادی کے لائق ہے تو اس کی فکر کریں گے، اس کے لئے رشتہ تلاش کرنے میں کوشش کریں گے بخلاف نفقہ سابق شوہر پر لازم کرنے کی صورت میں وہ اسے بوجھ محسوس کرتا ہے، اور اس کے تحت جو جذبۂ نفرت دل میں پیدا ہوتا ہے اس بنیاد پر وہ اس لازم شدہ نفقہ سے بچنے کی ہر امکانی کوشش کرے گا۔ ۔۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

مسلم پرسنل لا کا مسئلہ اور موجودہ بیداری

محمد ارشد الاعظمی
دارالعلوم فلاح الدارین ۔ ترکیسر

چند ہفتوں سے مسلم پرسنل لا کے مسئلہ پر عام طور سے بہت جوش و خروش دیکھنے میں آرہا ہے، اخباروں میں قارئین کے خطوط اور مضامین سے ان کے نقطہائے نظر سامنے آرہے ہیں، عام طور سے لوگ عارف محمد خان کی تقریر پر اظہار نفرین کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں، (جو بالکل مناسب اور درست ہے) کچھ لوگ ان کی ہم نوائی بھی کرتے ہیں، مسلم پرسنل لا، بورڈ کے بڑے بڑے جلسے ہو رہے ہیں، اور ان میں بڑی تعداد میں لوگوں کی شرکت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امت مسلمہ ابھی بھی زندہ ہے، اور زخموں سے چور اور مصائب سے رنجور یہ امت اب بھی اپنے اندر اپنے دین اور اس کی تعلیمات سے محبت و لگاؤ رکھتی ہے یہ نہایت خوش آئند بات ہے، خدا کرے کہ یہ دینی احساس، مذہبی شعور اور ملّی درد باقی رہے بلکہ روز افزوں ہو ـ

یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ ہم وقتی نعرہ بازی جلسے جلوسوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں شاید ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ بڑے بڑے جلسے پر جوش تقریریں، شعلہ بار صحافت اور حکومت

وقت کے خلاف اظہار جذبات سے ہی ہمارے مسئلے حل ہو جائیں گے اور ہم دین ومذہب کی پاسبانی کے ذمہ سے عہدہ برآ ہو جائیں گے، اس کے بعد پھر کچھ اور کرنے کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی، یہ طرز فکر اور آئیڈیالوجی نہ صرف یہ کہ کچھ مفید نہیں بلکہ ملت کے وجود کے لئے خطرہ بھی بن سکتی ہے۔

دوسری بات جو بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسائل کے سلسلے میں بڑی سطحی سوچ سے کام لینے کے عادی بن گئے ہیں کسی بھی مسئلے کے پیدا ہونے کی بنیاد کیا ہے، وہ کیا کمزوری ہے جس کی بنا پر یہ مسئلہ پیدا ہوا۔ اس کی کھوج لگانے اور بنیادی کمزوری کو دور کرنے کی طرف ہم بہت کم توجہ دیتے ہیں اور ہم اپنے سارے مسائل کا ذمہ دار حکومت اور حکومت کے وزراء و لیڈران کو قرار دیدیتے ہیں۔

اردو کا مسئلہ ہو، اقلیتوں پر ظلم وستم کا مسئلہ ہو، مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ہو ساری ذمہ داری بڑی آسانی سے چند لوگوں پر ڈال دی جاتی ہے، گویا اگر وہ صحیح ہو جائیں تو سارے مسئلے حل اور ساری خامیاں خود بخود عنقا ہو جائیں گی۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ قوموں کا زوال وعروج ان کے ذاتی حالات پر ہی مبنی ہوتا ہے، کوئی حکومت کسی قوم کو تباہ نہیں کر سکتی، جب تک کہ وہ خود تباہی کے سامان نہ کرلے۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کی تعلیمات کو ختم کرنے والی حکومتیں خود ختم ہو گئیں لیکن خود دار قوم کی ثقافت ان کی اقدار وتعلیمات زندہ رہیں، اسی طرح ہماری زبان، ہمارا کلچر، دین ومذہب، ہمارا ممتاز وجود کبھی لیڈروں کی موافقت، ہمدردی، نظر کرم کا مرہون منت نہیں، حکومتیں آئیں گی، پاببسیاں بدلیں گی، اور ہم اپنی جگہ منارۂ نور اور مشعل ہدایت بن کر چمکیں گے بشرطیکہ ہم اپنے وجود کو باقی رکھنے کا عزم بالجزم کر چکے ہوں ہم اپنی زندگی کو ٹھیک کر چکے ہوں گرم دم گفتگو کے بجائے گرم دم جستجو رکھتے ہوں اور گفتار کے غازی بننے کے بجائے کردار کے غازی بن جائیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج مسلم پرسنل لاکے سلسلے میں ہم اپنی زندگیوں کو نہیں دیکھتے کہ ہم خود روزانہ کتنے اسلامی اصول توڑتے ہیں، ہم خود اپنے کو اور معاشرہ کو کتنا بگاڑتے ہیں، ہم میں کتنی انارکی، بدنظمی، بے سلیقگی قدم قدم پر پائی جاتی ہے، ضرورت تھی کہ ہم کسی اور کو کچھ کہنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لیتے، اپنی اصلاح کرتے، معاشرہ کو صحیح خطوط پر لانے کی کوشش کرتے۔

ہم پھر ان لوگوں سے پوری خود اعتمادی اور بھرپور وثوق سے بات کرتے جو ہمارے گراں قیمت دین و مذہب میں دخل اندازی کا ارادہ رکھتے ہیں ہم اپنے کردار کی عظمت سے ان کا ناطقہ بند کر دیتے، اسلامی معاشرہ کی عملی صداقت ان کی زبان پکڑ لیتی، ضرورت ہے کہ آج مسلم قوم میں پرسنل لاکے موضوع پر پیدا ہونے والی بیداری سے فائدہ اٹھا کر احیائے اسلامی اور اصلاح معاشرہ کی تحریک شروع کر دی جائے۔

اس جوش وخروش کو سلبی جہت سے ہٹا کر مثبت سمت میں لگا دیا جائے، اور صرف حکومت کی مخالفت میں ساری توانائیاں صرف کرنے کے بجائے مثبت انداز سے شہر شہر، قریہ قریہ، بستی بستی ہر مسلم گھرانہ میں اسلامی تعلیمات کو صحیح انداز سے پیش کیا جائے اسلامی تعلیمات میں خیر کے مخفی پہلوؤں کو روشن کیا جائے اور ہر فرد کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی زندگی اب سے اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارے گا۔

اگر ہم نے یہ کام کیا تو بس (خدا کے بھروسے پر) پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ یہی لوگ جو آج آیات قرآنیہ کو غلط معانی پہنا رہے ہیں اور یہ تحریف کے مرتکب ہو رہے ہیں کل یہ خود دوبارہ اسلام قبول کریں گے اور نہ صرف یہ کہ اپنی تحریفات سے باز آئیں گے بلکہ صدآفریں کہیں گے ان علماء و مصلحین کو جنہوں نے معاشرہ کی اصلاح کی اور خود انہیں صحیح راہ دکھائی۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارا محافظ صرف خدا تعالیٰ ہے، ہم اسی کے در پر

لتجا کریں گے، اسی کے ہاتھ میں ہماری عزت و ذلت ہے، ہم چند دنوں کے گدی ..
نشینوں کے سامنے اپنے مسائل پیش کرکے کبھی بھی مطمئن نہیں ہو سکتے، اگر یہ وقتی ملک
ی کشتی کے ناخدا ہم سے خوش بھی ہو گئے، انہوں نے ہمارے مطالبات مان بھی لئے ،
ور ہم خود معاشرہ کو اسلامی نہ بنا سکے تو کیا یہ ہماری حکومتی تائید ہمارے حق میں مفید
ثابت ہو گی، اور کیا ہم سے دینی و مذہبی ذمہ داری ختم ہو جائے گی؟ ظاہر ہے کہ جواب
نفی میں ہو گا تو پھر ہم اپنی ساری طاقت حکومت سے ٹکر لینے میں کیوں صرف کر
دیں۔

حکومت کو اپنے موقف سے آگاہ کر دینے کے بعد (اور یہ جتا دینے کے بعد) ہم کسی بھی
صورت میں اپنی دینی تعلیمات سے دست کش نہیں ہو سکتے خواہ اس راہ میں ہمیں بڑی
سے بڑی قربانی ہی کیوں نہ دینا پڑے، ہم اپنا رخ اپنے بھائیوں کی اصلاح کی طرف کیوں
نہ پھیر دیں، اگر ہم نے اپنی شریعت کی حفاظت نہیں کی، اپنی زبان اپنے جان و مال کے
صیانت کی خود فکر نہیں کی تو پھر دوسروں سے شریعت، زبان، عزت و آبرو کی حفاظت
کا مطالبہ کیوں ہو؟

از قلم
مولانا شمس تبریز خان

متاع طلاق اور نفقہ مطلقہ ایک متفقہ مسئلہ

سپریم کورٹ جو بجا طور پر اپنی قانون دانی کے لئے ممتاز اور ہندوستان میں عدل وانصاف کے قیام کا اعلیٰ ترین ادارہ ہے اور اس لحاظ سے قابل احترام اور لائق تعریف ہے اور اب تک اس کا رویہ بڑی حد تک قابل تعریف رہا ہے مگر شاہ بانو کیس کے فیصلے میں اس کے چیف جج نے احتیاط اور مذہبی معاملات میں عدم مداخلت کی روش ترک کر دی اور قانون کی تشریح و توضیح کے بجائے قانون سازی کا کام اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی اور عورتوں کے بارے میں اسلامی احکام کو ظالمانہ قرار دے کر خود ایک بڑے ظلم کا ارتکاب کیا، اس سے دوسری غلطی یہ ہوئی کہ ایک شرعی مسئلہ کے فیصلے میں نہ کسی مسلم جج کو رکھا گیا، اور نہ کسی عالم اور ماہر قانون کی رائے لی گئی اور نہ متاع مطلقہ کے بارے میں چودہ سو سالہ اسلامی روایت کا پاس ولحاظ کیا گیا اور نہ مسلم عوام وخواص کے اجماع واتفاق عام کو اہمیت دی گئی اور نہ خود ہندوستان میں مروج مسلم پرسنل لاء کے گذشتہ فیصلوں اور نظیروں کو اپنایا گیا، اور اپنے فیصلے کے لئے عبداللہ یوسف علی کے کئے ہوئے لفظ "متاع" کے ترجمہ سے "نان ونفقہ" (MAINTENANCE) والے

ترجمے پر اپنے فیصلے کی بنیاد کھڑی کر دی، جب کہ قرآن میں گیارہ جگہ آنے والے اس لفظ کے ترجمے انہوں نے معقول تحفہ، ملک، تصرف، آرام، اور نفع، کے الفاظ سے بھی کیے ہیں، اور ججوں نے اپنی مقصد برآری کے لئے اے، جے آربری، اور محمد مارماڈیوک پکتھال کے ترجموں کا بھی غلط طور پر حوالہ دیا ہے، فقہ اسلامی کے متفقہ فیصلے کو نظر انداز کر کے غیر عربی داں مترجمین قرآن کے بعض ترجموں پر اپنے فیصلے کی بنیاد رکھنا کیا فاضل ججوں کے شایانِ شان ہے اور کیا اس سے عنبران کی غیر جانبداری اور انصاف پسندی مجروح نہیں ہوتی ؟

قانون کی تشریح کا حق

کسی قانون خصوصًا مذہبی و آسمانی قانون (DIVINE LAW) کی شرح وتفسیر کا حق اس قانون اس کے ماننے والوں اور اس کے مستند ماہروں ہی کو دیا جانا چاہئے، خصوصًا اس وقت جبکہ اس کا عملی نفاذ بھی پیش نظر ہو اور اس سلسلے میں غلط فہمی کا بھی اندیشہ ہو مگر بوالعجبی یہ ہے کہ خود اسلامی قانون کا پورا ذخیرہ نفقۂ مطلقہ کے تسلسل کا منکر ہے اور علماء وفقہاء اور اسلامی قانون کے ماہرین ومتبعین اس قانون کی نئی اور انوکھی تعبیر کی تردید کر رہے ہیں مگر انصاف دینے والے ہیں کہ زبردستی انصاف "تھوپنے پر تلے ہوئے ہیں جب کہ قانون ہی میں یہ کہا گیا ہے کہ "انصاف اس کو کہتے ہیں جسے انصاف پانے والا بھی انصاف سمجھے"، مگر یہاں اسلامی شریعت اور قرآنی آیت کو خود بولنے کا موقع دینے کے بجائے ان کی اپنی من مانی ترجمانی پر اصرار" مدعی سست وگواہ چست" کا بدترین نمونہ پیش کر رہا ہے اسلامی قانون کی تشریح کا حق لازمی طور پر علمائے دین اور مذہب وعربی زبان سے واقف مسلم وکلا ہی کو دیا جاسکتا ہے، ان کے علاوہ کسی بھی حلقے سے اس کی آزادانہ تشریح باطل اور مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول ٹھہرے گی اور بجا طور پر ان کی ناراضگی وبے اطمینانی کا موجب ہوگی خود پریوی کونسل نے عدالتوں کو ہدایت کی ہے کہ مذہبی احکام کی تشریح کا کام وہ ہرگز اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔

یکساں یا یونیفارم سول کوڈ

یکساں یا یونیفارم سول کوڈ ایسے ملک کے لئے توبہتر ومعقول ہے جہاں ایک ہی مذہب وقانون کے ماننے والے ہوں مگر ہندوستان جیسے جمہوری اور سیکولر ملک کے لئے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے صدیوں سے رہتے آئے ہیں، اور ہندوستان کے تہذیبی تنوع ، رنگارنگی اور دلکشی اور کثرت میں وحدت (Unity in Diversity) اور مذہبی رواداری اور وسیع النظری کا نمونہ پیش کرتے ہیں، کسی غیرفطری، نامعقول اور زبردستی کی یکسانیت پر زور دینا، جہاں دستورہند کے خلاف ہے وہیں ہندوستان کی تاریخی وتہذیبی روایت اور تقاضائے انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

ہندوستان کے اس ثقافتی تنوع کو (بہ شمول گاندھی جی وجواہر لال نہرو) یہاں کے بیشتر اہل نظر نے سراہا ہے جو ہندوستانیوں کی کشادہ قلبی اور انسان دوستی اور جمہوریت پسندی کی سب سے بڑی علامت ہے، اور جس کی ہر مہذب سماج میں قدردانی وہمت افزائی کی جاتی ہے، اور اقلیتی وقبائلی ثقافتوں کو فروغ دیا جاتا ہے۔ ابھی ٹائمز آف انڈیا (لکھنؤ) نے "ہندوستان کی طاقت ثقافتی ومذہبی تنوع میں ہے" کے عنوان سے وزیراعظم راجیو گاندھی کی تقریر شائع کی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے "ہندوستان مذاہب کی دولت مشترکہ ہے اور اس کی طاقت اور اتحاد مختلف مذہبی نظاموں کے ساتھ رواداری کی بدولت باقی رہا" (۱)

حقیقت یہ ہے کہ دستورہند کی دفعہ ۴۴ ، بنیادی حقوق اور مذہبی آزادی کی دفعہ سے ٹکراتی ہے اور اس کے بنتے وقت بھی مسلم ممبران نے اس سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دیئے جانے کی اپیل کی تو ان کو طفل تسلی دیدی گئی اور مسٹر امبیدکر نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی

---

(1) - TIMES OF INDIA, 4/12/1985

مگراب اس قانونی تضاد کو مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر کے ہی دور کیا جاسکتا ہے۔

یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے بڑے صبر وضبط، رائے عامہ کی ہمواری اور عوام کے کامل اتفاق واتحاد کی ضرورت ہے اور اس میں عجلت کی کوئی وجہ نہیں اس کے لئے عوامی رضامندی ضروری ہے اور اس کے لئے توجبر کا کوئی جواز ہی نہیں یہ کوئی نسخۂ کیمیا یا جادو کی چھڑی نہیں جس سے ہندوستان کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے اور ملک کی سالمیت وترقی اور عزت میں اضافہ ہوگا، بلکہ اس کے برعکس اقلیتوں کا اعتماد واطمینان ہی ملک کی ترقی واستحکام کی ضمانت ہے ؎

صد ملکِ دل بہ نیم نگہ می تواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر کردہ اند

سپریم کورٹ کے فیصلے کی حمایت سادہ لوحی یا مفاد پرستی

سپریم کورٹ کے اس غیر دانشمندانہ فیصلے کی حمایت میں اکثریت کا فرقہ پرست طبقہ اور متعصب پارٹیاں آگے ہیں اور اس فیصلے کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے نقصان رساں سمجھ کر اس کی زبردست تائید کر رہی ہیں، سارا غیر مسلم ہندی اور انگریزی پریس شریعت اور اسلامی تعلیمات پر بیجا اور شرم ناک الزامات عائد کرنے کو گویا وقت کی سب سے بڑی خدمت وضرورت سمجھ رہا ہے۔ (۲)

غیر مسلم اپنی ناواقفیت یا تعصب کی بنا پر اگر شریعت کے خلاف کچھ کہتے ہیں تو محل تعجب نہیں مگر اس وقت صدمے سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جب کوئی مسلمان شریعت کے احکام میں ترمیم وتبدیلی کی بات کرتا ہے، اور فقہ وشریعت کے علم کے بغیر اجتہاد کی دعوت دیتا

---

(۱) اس بدترین اور جارحانہ پروپیگنڈے کا افسوس ناک نمونہ ہنگامہ باز صحافی، ARUN SHOURIE L کے قلم سے "شریعت" کے عنوان سے ایک طویل مضمون بھی ہے جو تین قسطوں میں جنوری ۱۹۸۶ء کے "السٹریٹیڈ ویکلی آف انڈیا" میں شائع ہوا ہے۔

ہے، اس سلسلہ میں مرکزی وزیر عارف محمد خان، اور اصغر علی انجنیر کے بیانات (۱) خواب پریشاں اور مجذوب کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسلامی تعلمات سے ناواقفیت مغربی افکار سے مرعوبیت، خوشامدانہ ذہنیت اور مذہب وملت کی بدخدمتی کے مظہر ہیں، انہی کے ساتھ کچھ سادہ لوح وناواقف یا مفادپرست مسلمان مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی آواز اٹھاکر حکومت اور ہندوستانی عدالت کے لئے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر مداخلت کی راہ ہموار کررہے ہیں ان کی اس افسوس ناک اور مذموم حرکت پر ان کا محاسبہ وفہمائش بلکہ مقاطعہ بھی کرنا چاہئے

وسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون۔

لفظ "متاع" کی لغوی تحقیق

اس تمہید کے بعد ہم متاع مطلقہ کے بارے میں پہلے لغوی ولسانی اور پھر شرعی تحقیق پیش کرینگے۔

قرآن مجید کے سب سے مستند لغت نگار علامہ راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ

ویقال لما ینتفع بہ فی البیت متاع ... فالمتاع و المتعۃ مایعطی المطلقۃ لتنتفع بہ مدۃ عدتہا۔ (۲)

گھر میں جن چیزوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے انہیں متاع کہا جاتا ہے، اس طرح متاع و متعہ وہ سامان ہے جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس سے عدت کی مدت میں فائدہ اٹھائے۔

---

(۱) عارف محمد خان نے پارلیمنٹ میں یہ تقریر کی اور اپنی غلط رائے پر اصرار جاری رکھا اور وزارت سے مستعفی ہوکر عذرگناہ بدتر از گناہ کی نئی مثال قائم کی اور مسٹر انجنیر نے اشتراکی اخبار "بلٹز" بمبئی کے اگست وستمبر ۱۹۸۵ء کے شماروں میں "قرآن میں عورت کا درجہ" میں ایک طویل مضمون لکھا جسمیں عورتوں کے بارے میں قرآنی احکام کی ایسی تاویل کی جسمیں باطنیت وتشیع، اور تجدد کا رنگ بہت نمایاں تھا،

(۲) المفردات فی غریب القرآن ص ۴۶۱ (بیروت)

قرآن کے دوسرے لغت نگار حسین بن محمد دا مغانی نے بھی" متاع "کو مطلقہ کا وہ سامان بتایا ہے جو مہر کے علاوہ شوہر اپنی حیثیت کے مطابق اسے دیتا ہے ۔ (۱)

مفسر قرآن مولانا حمید الدین فراہی لکھتے ہیں" متاع مصدر ہے اور اسم کے طور پر بھی مستعمل ہے ، ساز و سامان کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور اس میں قلتِ مدت کا مفہوم شامل ہے کبھی تو اس کی صراحت کی جاتی ہے اور کبھی اشارہ کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالے کا ارشاد ہے، متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعهم ،یعنی لوگوں کے لئے دنیا میں چند روزہ استفادہ ہے پھر ہماری طرف ان کی واپسی ہے ،اور ہماری بات کے شواہد بہت ہیں" (۲)

شیخ الازہر اور مفتی دیار مصر شیخ حسنین محمد مخلوف متاع کے معنی عدت کے اندر دیا جانے والا سامان یا نفقہ کے بتاتے ہیں (۳) مستند ترین صاحب لغت ابن منظور افریقی ،شیخ ازہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں، متاع ہر اس شئی کو کہتے ہیں جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور وقت پر کام لیا جائے اور وہ دنیا ہی میں ختم ہو جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ازہری متعہ کی ایک قسم کو واجب اور ایک کو مستحب کہتے ہیں ، واجب اس مطلقہ کے لئے ہے جس کا مہر شوہر نے نہ مقرر کیا ہو اور نہ اس کے ساتھ قربت ہوئی ہو تو اس پر کم و بیش متعہ دینا واجب ہے یعنی اسے کپڑا پہنائے یا خدمت کے لئے ایک خادم دیدے یا کچھ روپے یا غلہ دیدے اور اس کا کوئی وقت نہیں متعین ہے اس لئے کہ اللہ تعالے نے اس کا کوئی وقت نہیں رکھا ہے بلکہ صرف متعہ دیدینے کا حکم کیا ہے ۔

دوسرا متعہ مستحب جو احسان کے طور پر ہے اس صورت میں ہے کہ کسی نے کسی عورت

---

(۱) اصلاح الوجوه والنظائر فی القرآن ص ۴۲۸ (بیروت ۱۹۷۰ء) (۲) مفردات القرآن، ص ۶۴ (اعظم گڑھ ۱۳۵۸ھ) (۳) لغات القرآن ص ۳۲ (قاہرہ ۱۹۶۵ء)

سے شادی کی اور اس کا مہر بھی مقرر کیا پھر اسے قبل یا بعد دخول طلاق دیدی تو اسے عدم دخول کی صورت میں نصف مہر کے علاوہ متعہ بھی دے جو اسے نفع دے سکے اور یہ اگر چہ اس پر واجب نہیں بلکہ مستحب ہے تاکہ وہ محسنین ومتقین میں شمار ہو سکے . . . .

. . . . نیز متعہ زاد قلیل کو بھی کہتے ہیں ازہری کہتے ہیں کہ متاع وہ وقتی سامان ہے جس سے کام لیا جائے اور وہ باقی نہ رہے ، (۱) مشہور عیسائی لغت نگار معلوف یسوعی متعہ کے معنی لکھتا ہے ، تھوڑا سا سامان جس سے فائدہ اٹھایا جائے ، نقد کے سوا دینوی قلیل وکثیر سامان ، انسان کا فرش ولباس " (۲)

مولانا عبدالحفیظ بلیاوی متاع کے معنی لکھتے ہیں ، " چاندی سونے کے علاوہ سامانِ زندگی " (۳)

حماسی شاعر الصمۃ بن عبد اللہ القشیری کہتا ہے۔

تمتع من شمیم عرار نجد فما بعد العشیۃ من عرار

نجد کے پھول کی خوشبو سے مستفید ہو لو کہ شام کے بعد پھر گل عرار نہ ہو گا

دوسرا حماسی شاعر ابن میّادۃ بھی تمتع کو وقتی فائدے کے معنی میں استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

تمتع بذا الیوم القصیر فانہ رھین بأیام الشھور الاطاول

اس مختصر دن سے فائدہ اٹھالو کہ وہ مہینے کے لمبے دنوں کے عوض میں ہے

علامہ طاہر پٹنی رح (م ۹۸۶ھ) " متاع " کا ترجمہ " حقیر اور ناقابل التفات چیزیں " اور متعہ کا ترجمہ " وقتی سامان " کرتے ہیں (۴)

---

(۱) لسان العرب ۳/۴۳۲ - ۴۳۴ (دار لسان العرب، بیروت) (۲) المنجد ص ۵۴۸ ، (بیروت ۱۹۲۵) (۳) مصباح اللغات ص ۸۰۴ (دھلی) (٤) مجمع بحار الأنوار ۴/۴۳۴ (حیدرآباد ۱۹۷۳ء) .

عربی زبان کے ان ماہرین کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ لفظ "متاع" تھوڑے اور وقتی نفع اور ساز و سامان اور کپڑوں کے لیے بولا جاتا ہے جس کو دیکھتے ہوئے مدت العمر یا طویل المیعاد نان نفقہ کی اس میں کوئی گنجائش نہیں پھر قرآن مجید میں متاع نکرہ استعمال ہوا ہے جس کا تقاضا بھی قلت اور جزئیت ہے۔

چند ممتاز مترجمین قرآن کی تصریحات

قرآن مجید کے تمام مستند مترجمین اور ممتاز مفسرین نے آیت متاع کا وہی ترجمہ کیا ہے جو شروع سے آج تک علماء و فقہائے اسلام کے درمیان متفقہ اور مسلمہ ہے اور جس پر مسلمانوں کے عوام و خواص کا عمل رہا ہے اور جو اصلاً خود کتاب و سنت کی تعلیمات و تصریحات ہی پر مبنی ہے، اگر ارد و ہی کے ممتاز مفسرین و مترجمین قرآن کے ترجمے اور تفسیریں نقل کی جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی اس لئے یہاں بطور نمونہ چند ممتاز مترجمین و مفسرین قرآن کی تصریحات پیش کی جا رہی ہیں:

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس آیت کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں،

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ (البقرۃ: ۲۴۱)

"وطلاق دادہ شدگان را لازم است بہرہ مند ساختن بخوش خوئی یعنی نفقہ وسکنیٰ لازم کردہ شد بر پرہیز گاراں" (۱)

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ آیت کا تشریحی ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

"اور واسطے طلاق دی ہوئی عورتوں کے یعنی جن عورتوں کو طلاق دی اور ان کا مہر مقرر نہ تھا، ان کے واسطے جوڑا ہے مقرر دینا، یعنی کچھ خرچ دیا جائے اچھی طرح خوشی سے، موافق دستور کے، لازم ہے پرہیز گاروں پر جوڑا" (۲)

---

(۱) فتح الرحمٰن، (۲) موضح القرآن ۶/۱، دہلی ۱۳۲۳ھ).

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے بھی آیت کا ترجمہ اور تفسیر تقریباً وہی کی ہے جو حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب نے کی ہے۔

ترجمہ "اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ہے قاعدہ کے موافق ، لازم ہے پرہیزگاروں پر"

تفسیر: پہلے خرچ یعنی جوڑا دینے کا حکم اس طلاق پر آچکا ہے کہ نہ مہر ٹھہرا ہو نہ زوج نے ہاتھ لگایا ہو اب اسی آیت میں وہ حکم سب کے لئے آگیا مگر اتنا فرق ہے کہ سب طلاق والیوں کو جوڑا دینا مستحب ہے ضروری نہیں اور پہلی صورت میں ضروری ہے"۔ خلوت اور مہر مقرر ہونے سے قبل طلاق کی صورت میں جو متعہ لازم ہے اس کی تفسیر میں شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:

" مجامعت اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دیدی تو مہر کچھ لازم نہ ہوگا، لیکن زوج کو لازم ہے کہ اپنے پاس سے عورت کو کچھ دیدے، کم سے کم یہی کہ تین کپڑے کرتہ، سربند چادر اپنی حالت کے موافق اور خوشی سے دیدے" (۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ آیت مذکورہ کا یہ ترجمہ اور تفسیر فرماتے ہیں۔

"اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا (کسی درجے میں مقرر ہے) قاعدے کے موافق (اور یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک و کفر سے) پرہیز کرتے ہیں (یعنی مسلمانوں پر خواہ یہ مقرر ہونا وجوب کے درجے میں ہو یا استحباب کے مرتبہ میں)"

حکم سی و سوم میں دو قسم کے مطلقات کا بیان تھا جب کہ قبل دخول طلاق ہوئی تھی ایک کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ جوڑا دیا، دوسری کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ آدھا مہر دیا اب وہ

---

(۱) ترجمۂ قرآن از شیخ الہندؒ ص ۴۸، ۴۹ (دارالاشاعت اسلامیہ دہلی)

طلاق والیاں رہ گئیں جنکو دخول کے بعد طلاق دی جائے سوان میں جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اس کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ پورا مہر دینا چاہئے اور جس کا مہر مقرر نہ کیا جاوے اس کے لئے بعد دخول کے مہر مثل واجب ہے یہ متاع بمعنی مطلق فائدہ پہنچانا اس تفصیل سے تو واجب ہے اور اگر متاع سے مراد فائدہ خاص یعنی جوڑا ہی دینا ہو تو ایک مطلقہ کو تو دینا واجب ہے۔ ۔اور باقی سب اقسام میں مستحب اور اگر متاع سے مراد نفقہ لیا جائے تو جس طلاق میں عدت ہے اس میں عدت گزرنے تک واجب ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن غرض آیت اپنے الفاظ عامہ سے سب صورتوں کو شامل ہے اور قاعدہ سے مراد یہی تفصیل ہو جاوے گی اور ہر صورت کے وجوب و استحباب کا فرق دوسرے دلائل سے ثابت کیا جاوے گا اور حقا کو واجب کے معنی میں نہ لیں گے بلکہ ثابت کے معنی میں لیں گے اور علی الزام کے لئے نہ ہوگا بلکہ محض ۔۔ تائید کے لئے ہوگا گو درجہ استحباب ہی میں سہی " (۱)

مولانا ابوالکلام آزاد اس آیت کا تشریحی ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

اور یاد رکھو جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی ہو تو چاہیئے کہ مناسب طریقہ پر فائدہ پہنچایا جائے یعنی ان کے ساتھ جس قدر حسن سلوک کیا جاسکتا ہے کیا جائے ، متقی انسانوں کے لئے ایسا کرنا لازمی ہے " (۲)

مولانا عبدالماجد دریابادی آیت پر اپنے تفسیری نوٹ میں لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے یہ نہ ہو کہ اسے ننگا بوچا کر کے بھوکا پیاسا اسی وقت گھر سے نکال دیا جائے بلکہ ایک مدت تک اس کی آسائش کا خیال اور اس کی ضرورتوں کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے ، فقہا نے حدیث و سنت کی روشنی میں ایک سہ ماہی کی مدت مقرر کی ہے کہ اتنی مدت تک کھانے پینے اور رہنے سہنے کا

---

(۱) بیان القرآن ۱/۱۴۳ (تاج پبلشرز دہلی) (۲) ترجمان القرآن ۱/۲۹۴ (لاہور)

انتظام شوہر پر واجب ہے، مطلقہ پر اگر تینوں طلاقیں ابھی نہیں پڑی ہیں جب تو یہ حکم متفق علیہ ہے اور اگر پڑ چکی ہیں تو حنفیہ کے یہاں جب بھی یہی حکم ہے " (۳)

متاع مطلقہ ممتاز مفسرین کی نظر میں

قرآن کے مترجمین کی طرح تمام ماہر مفسرینِ قرآن اور ائمہ اربعہ کا اس پر اجماع نظر آتا ہے کہ نفقۂ مطلقہ صرف عدت یا وضع حمل تک ہے اور قرآن کی صراحت کے مطابق " متاع " صرف اسی صورت میں واجب ہے کہ زوجۂ مطلقہ سے نہ خلوت ہوئی ہو اور نہ مہر مقرر ہوا ہو اور بقیہ صورتوں میں مستحب ہے، البتہ حسن بصری اسے سب کے لئے واجب کہتے ہیں، یہاں چند ممتاز مفسرین کی رائیں نقل کی جاتی ہیں جن سے اس مسئلے پر انکا اجماع سامنے آتا ہے، قرآن کے قدیم ترین مفسر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ " متاع " کی ادنیٰ قسم میں کرتا، اوڑھنی اور چادر سمجھتے ہیں، اور ادائگی مہر کی صورت میں اسے واجب نہیں بلکہ فضل واحسان قرار دیتے ہیں، (۲)

دوسرے قدیم و مستند مفسر ابن جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ) حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ متعۂ طلاق کی اعلیٰ شکل زوجہ مطلقہ کو خادم دینا ہے اور اس سے کم کچھ نقد دینا اور اس سے کم کپڑے دینا ہے، اور امام شعبی سے روایت ہے کہ اوسط درجے کا متعہ یا متاع ایک اوڑھنی ایک قمیص اور ایک چادر ہے اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ قاضی شریحؒ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ پانچ سو درہم دلاتے تھے " (۳)

مشہور حنفی فقیہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) متعۂ طلاق کے بارے میں ائمہ متقدمین کی یہ آراء تحریر کرتے ہیں، " فقہاء میں امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر متعہ کو مطلقہ غیر مدخولہ کے لئے واجب کہتے ہیں جس کا مہر مقرر نہ ہوا ہو اور اگر خلوت ہو چکی ہو تو اسے متعہ دے

(۱) تفسیر ماجدی ۴۴۵/۱ (لکھنؤ) (۲) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، لابی طاہر الفیروز آبادی ۲۷ (مصر ۱۳۱۶) (۳) تفسیر طبری ۱۲۱/۵ (طبع بیروت)

,ابن لیلیٰ اور ابو الزناد متعہ کو واجب نہیں سمجھتے چاہے کوئی دے یا نہ دے اس پر جبر نہیں کیا جائیگا
,اس حکم میں مطلقہ کی تمام شکلیں داخل ہیں امام مالکؒ اور لیثؒ کی رائے بھی یہی ہے ۔ ہمارے
صحاب نے متاع کی کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے ۔ اس کی کم و بیش نہ ہو بلکہ ہر زمانے کے متعارف
یقے پر رکھا ہے ۔ ان سے تین کپڑوں کی بات بھی منقول ہے یعنی قمیص، دوپٹہ اور شلوار . . . حمادؒ
تاع میں نصف مہر مثل دینے کے قائل ہیں ، عطاءؒ کہتے ہیں مناسب متعہ قمیص، دوپٹہ، اور چادر
ہے ، امام شعبیؒ کی رائے میں اسے گھریلو استعمال کے کپڑے دیئے جائیں گے ۔
سعید بن المسیبؒ کا قول ہے کہ متعۂ طلاق میں اوڑھنی دینا افضل اور کوئی کپڑا دینا کمتر
ہے ۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کے نزدیک متاع کی مقدار اجتہادی امر ہے "(۱)
ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکیؒ (۴۶۸ ـ ۵۴۳ھ) لکھتے ہیں ، علمائے مالکیہ کی رائے
میں متاع دو وجہوں سے واجب نہیں ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے متعین نہیں کیا ہے بلکہ دینے
والے کی رائے پر چھوڑ دیا ہے ، دوسرے یہ کہ وہ محسنین پر لازم کیا گیا ہے اگر واجب ہوتا تو سب کے
لئے کہا جاتا " (۲)
علامہ ابن الجوزیؒ (م ۵۹۶ھ) کہتے ہیں: متعہ کو واجب کہنے والوں کے تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ ہر
مطلقہ کے لئے ہے اس کی روایت حضرت علیؓ، حسن ، ابو العالیہ ، زہری رحمہم اللہ سے ہے دوسرا یہ کہ جس مطلقہ
کا مہر متعین ہوا سے نصف مہر ملے گا اور اس کے سوا سب کو متاع ملے گا ، یہ حضرت ابن عمرؓ، قاسم بن
محمد ، شریح اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کی رائے ہے ۔
تیسرا قول یہ ہے کہ وہ غیر مدخولہ اور غیر متعین مہر والی کے لئے متاع واجب ہے اور اگر مدخولہ
ہے تو مہر مثل دیا جائے گا ۔ یہ رائے امام اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کی ہے ۔
اور امام مالکؒ ، امام لیثؒ ، الحکمؒ ، اور ابن ابی لیلیٰؒ کی رائے میں متاع مستحب ہے نہ کہ واجب

لہ احکام القرآن لابن العربی ۱/۲۱۷ (دار المعرفت بیروت)

مقدار متعۂ طلاق میں ابن عباسؓ وابن المسیبؒ کی رائے میں سب سے اعلیٰ خادم دینا ہے اور ادنیٰ وہ جوڑا ہے دینا ہے جس میں نماز پڑھ سکے امام حماد و امام ابو حنیفہ سے اس کی مقدار مہر مثل کے برابر نقل ہے، امام شافعیؒ و امام احمدؒ اسے شوہر کی تنگ حالی وخوش حالی پر منحصر سمجھتے ہیں امام احمدؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ متعۂ طلاق میں وہ جوڑا کافی ہے، جس میں نماز ہو جائے، یعنی لمبی قمیص اور دوپٹہ۔ (۱)

امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) "متاع کو وہ عارضی چیز قرار دیتے ہیں جس سے وقتی اور عنقریب ختم ہونے والا نفع حاصل ہو ان کے بیان کے مطابق دنیا کو اس لئے متاع کہا گیا ہے اور وقتی لطف اندوزی کو تمتع کہا گیا ہے " (۲)

ابوالبرکات نسفیؒ متاع کو عدت کا نفقہ کہتے ہیں اور متعۂ طلاق کو اور صورتوں میں مستحب کہتے ہیں۔ (۳)

مشہور و مقبول مفسر قاضی بیضاویؒ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "اللہ تعالےٰ نے ایک نوعیت کی مطلقہ کے لئے تو متعۂ طلاق واجب کیا اور بقیہ کے لئے بھی (مستحب طور پر) اس کا حکم دیا ہے"۔ (۴)

عہد وسطیٰ کے مستند و معتمد مفسر علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے آیت متعہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ، بخاریؒ نے سہل بن سعدؓ اور ابی اسیدؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امیمہ بنت شرجیل سے جب نکاح کیا تو آپ جب اس سے قریب ہوئے تو اس نے کچھ بیزاری کا اظہار کیا اس پر آپ نے ابو اسیدؓ کو اسے کچھ سامان اور دو نیلے کپڑے دیکر رخصت کرنے کا حکم دیا، امام شعبیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا متاع نہ دینے کی صورت میں کسی کو قید کیا جاسکتا ہے، تو امام شعبیؒ نے فرمایا کہ بخدا ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اس معاملہ میں بند کیا گیا

---

(۱) زاد المسیر فی علم التفسیر لابن الجوزی ۱/ ۲۸۰ (بیروت، ۱۹۶۴ء) (۲) تفسیر کبیر ۲/ ۲۷۴ (طبع مصر) (۳) مدارک التنزیل وحقائق التاویل ص ۲، (دہلی ۱۲۷۸ھ) (۴) تفسیر انوار التنزیل ص ۱۱۶ (طبع لکھنؤ ۱۲۸۲ھ)۔

ہو واللہ اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی حضرات اس کی عدم ادائیگی پر ضرور لوگوں کو بند کرتے: (و اللہ ما رأیت احداً حبس فیہا واللہ لوکانت واجبۃ لحبس فیہا القضاۃ)(۱)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) متاع معروف کی تفسیر بآسانی دیئے جانے والے اور ممکن عطیے سے کرتے ہیں اور شافعیہ کے مسلک کے مطابق مطلقات کی تینوں شکلوں کے لئے واجب کہتے ہیں" (۲)

ملا احمد جیون امیٹھویؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین طلاق والی عورت کے لئے عدت میں نفقہ و مکان کی سہولت حاصل ہوگی" اس کا ساتھ ہی وہ آیت کے حکم کو مستحب قرار دیتے ہیں، (۳)

علامہ رشید رضا مصری اس آیت پر تفصیلی بحث کا خلاصہ یہ قرار دیتے ہیں کہ "محتاط اور معتدل قول ان کا ہے جو متعہ کو مہر سے الگ رکھتے ہیں، اور اسے صرف اس مطلقہ کے لئے واجب کہتے ہیں، جو مہر کی مستحق نہیں اور اس کے علاوہ کے لئے مستحب کہتے ہیں" (۴)

ایک معاصر مفسر شیخ محمد علی الصابونی (استاذ کلیۃ الشریعۃ، مکہ مکرمہ) بھی جمہور حنفیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں، کہ "متاع ان کے نزدیک ایک صورت میں واجب اور باقی میں مستحب ہے، اور شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو جماع کی صورت میں جو مال یا لباس دیتا ہے وہ اس کی مدد عزت ہمت افزائی اور دل جوئی و اشک شوئی کے لئے ہوتا ہے اور امام مالکؒ کے یہاں اس کی مقدار متعین نہیں، امام شافعیؒ خوشحال آدمی کے لئے ایک خادم، متوسط آمدنی والے کے لئے تیس درہم اور تنگ دست کے لئے ایک دوپٹہ دینا مناسب

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱/۵۱۱ (بیروت ۱۹۶۶ء) (۲) جلالین ص ۳۷ (کلکتہ ۱۳۷۶ھ)

(۳) تفسیرات احمدیہ ص ۱۲۲ (مطبع حسینی دہلی) (۴) تفسیر المنار ۲/۴۴۷

(قاہرہ، ۱۳۲۵ھ)

ہیں، امام ابوحنیفہؒ اس کی کم تعداد قمیص، اوڑھنی، اور چادر کہتے ہیں جو نصف مہر سے زیادہ نہ کم نہ ہو، امام احمدؒ ایک قمیص و چادر کہتے ہیں جس میں نماز ہو جائے ان سے بھی شوہر کی مالی حالت کا لحاظ کرنا منقول ہے۔" (۱)

بطور نمونہ تاریخی تسلسل کے ساتھ عہد بہ عہد لکھی جانے والی اہم قرآنی تفسیروں کے مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ واضح ہوگیا کہ علمائے اسلام کی کثریت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ متاع صرف اسی صورت میں واجب ہے جس میں مطلقہ سے قربت نہ ہوئی ہو اور نہ مہر متعین ہوا ہو، اس کے علاوہ بقیہ سب صورتوں میں مستحب ہے دوسرے یہ کہ نفقہ و سکونت کا انتظام صرف عدت تک ہے، تیسرے یہ کہ متاع زوجین کے حسب حیثیت ہے اس کی اعلیٰ شکل خادم مہیا کرنا اوسط شکل کچھ رقم دینا، اور ادنیٰ شکل ایک جوڑا کپڑا اور چادر یا نقاب دینا ہے چوتھا اہم حکم آیت متاع کے لفظ و مفہوم سے یہ نکالا گیا ہے کہ ہندوستانی سپریم کورٹ کے فیصلے کے برعکس یہ متاع دائمی اور مسلسل نہ ہوگا اور مطلقہ عورت بیوی نہیں سمجھی جائے گی، اس طے شدہ حکم کے پیش نظر یہ بات سامنے آتی ہے کہ شروع سے آج تک کسی مفسر، محدث اور فقیہ نے اپنی کتاب میں اس آیت کے نفقۂ مطلقہ پر استدلال نہیں کیا ہے اور نہ اس کے تسلسل و استمرار کی بات کہی ہے۔

متاع طلاق کے بارے میں امام محمدؒ کی اس روایت سے احناف کا مستند مسلک سامنے آجاتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

> "ہم سے امام مالکؒ نے نافعؒ کی روایت بیان کی کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ ہے سوا اس کے جس کا مہر متعین ہوا اور جس سے صحبت نہ کی گئی ہو تو اس کے لئے نصف مہر ہے، امام محمدؒ کہتے ہیں کہ ہم اس روایت پر عمل کرتے ہیں اور صرف اس مطلقہ کو متاع دینے پر مجبور کیا جائے گا، جسے قبل دخول طلاق

---

(۱) روائع البیان تفسیر آیات الاحکام من القرآن ۱/۳۷۹،۳۸۰
(دار القرآن الکریم ۱۹۷۲ء)

دی گئی ہو اور اس کا مہر متعین نہ ہوا ہو، یہ متعہ واجب ہے اور قاضی اسکا مواخذہ کرسکتا ہے اور متعہ کی ادنیٰ شکل مطلقہ کے گھریلو استعمال کے کپڑے ہیں یعنی قمیص، چادر اور اوڑھنی، یہی امام ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ (۱)

قاضی ابن رشد مالکی کہتے ہیں " جمہور کا مسلک یہ ہے کہ متعہ طلاق ہر مطلقہ کے لئے نہیں ہے کچھ اہل ظاہر اسے ہر مطلقہ کے لئے واجب کہتے ہیں، اور کچھ لوگ اسے مستحب کہتے ہیں جو امام مالک کا بھی قول ہے الخ" (۲)

ضرورت مندوں پر خرچ کے فضائل

نفقات اور مالی کفالت کے سلسلے میں اسلامی قانون کی تفصیلات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس نے ایک فلاحی، ہمدرد، انسان دوست اور اخوت ومساوات پر مبنی ایک صالح و صحت مند معاشرہ کی تشکیل کے لئے حقوق و فرائض کے درمیان بڑا معتدل ومتوازن اور قابل عمل تناسب اور ذمہ داری قائم کی ہے جن میں افراد پر حقوق کے ساتھ فرائض بھی عائد کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے معاشرہ کے تمام افراد اپنے کو ایک دوسرے کے ساتھ رشتۂ مودت ومروت کے ذریعہ وابستہ محسوس کرتے ہیں اور وقت ضرورت ایک دوسرے کی کفالت وخبرگیری کرتے ہیں اس طرح اسلامی معاشرہ کا کوئی فرد کسی حال میں بیکسی وکس مپرسی کی زندگی نہیں گذار سکتا یہی احساس ذمہ داری تھا جس نے حضرت عمرؓ سے یہ کہلوایا کہ "اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مرتا ہے تو اس کے بارے میں عمر سے قیامت میں بازپرس ہوگی" اور وہ حدیث یہی احساس پیدا کرتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ "وہ مسلمان نہیں جو خود کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے"

انسانی معاشرہ میں سب سے بیچارہ شخص یتیم اور بیوائیں ہوسکتی ہیں اس لئے یتیم پروری

---

(۱) موطا امام محمد، ص ۲۶۲ (لکھنو ۱۹۸۲) (۲) بدایۃ المجتہد ۲/ ۹۷ (مصر

اور بیوہ کی خبر گیری کو بہترین کار ثواب بتایا گیا ہے جس کے پیش نظر کیسا ہی زوال پذیر مسلم معاشرہ ہو مگر ان دونوں کی خبر گیری اس میں موجود ملے گی نفقات و صدقات کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا زیادہ حصہ معاشرہ کے کمزور طبقات بچوں اور عورتوں سے متعلق ہیں " حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی تین بیٹیاں یا بہنیں یا دو بیٹیاں اور بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ حسن وسلوک کرے اور اللہ سے ڈرے تو اس کے لئے جنت واجب ہے " (۱)

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من ابتلو بشئ من البنات فصبر علیهن کن له حجاباً من النار۔ (۲)	جس پر لڑکیوں کی کوئی ذمہ داری پڑے اور وہ ذمہ داری برداشت کرے تو وہ لڑکیاں جہنم کی آگ سے اس کی حفاظت کا ذریعہ بنیں گی،

حضرت انس رضؓ کی روایت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے دو بچیوں کی پرورش کی وہ اور ہم جنت میں ہاتھ کی ان دو انگلیوں کی طرح رہیں گے اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا " (۳)

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت میں آنحضورؐ نے یہی بات یتیم کے سلسلے میں بھی فرمائی (۴)

بیوہ اور یتیم کی خبر گیری کے بارے میں صفوان بن سلیم رضؓ اور ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله او کالذی یصوم النهار ویقوم اللیل (۵)	بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے یا دن بھر روزہ رکھنے والے یا رات بھر عبادت کرنے والے جیسا ہوتا ہے۔

---

(۱)(۲)(۳)(۴) سنن ترمذی ص ۳۲۱،۳۲۲ (دهلی ۱۲۶۶ھ (۵) ایضاً ص ۳۲۹

مطلقہ اگر نادار ہے تو اسے بھی بیوہ عورت پر قیاس کرکے اس کی خبرگیری باعث ثواب ہوگی اور اس کے اعزہ کے نہ ہونے یا خبرگیری نہ کرنے کی صورت میں مسلم معاشرے پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی

نفقہ مطلقہ احناف کے یہاں عدت تک مطلقہ کا نان ونفقہ اس کے شوہر پر ہے اور یہ حکم قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (طلاق ٦)　　اور اگر وہ حمل سے ہوں تو ان پر خرچ کرو جب تک کہ حمل سے فارغ ہوجائیں،

اس کی تائید حضرت عمرؓ کے عمل اور فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت کی تردید سے ہوتی ہے اور ان کے حکم کو حضرت زید بن ثابتؓ اسامہ بن زیدؓ حضرت عائشہؓ، سعید بن المسیبؒ، قاضی شریحؒ، امام شعبیؒ، اسود بن یزیدؒ امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کی تائید حاصل ہے، مطلقہ بائنہ کو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں صرف سکنیٰ ملے گا اور اگر حاملہ ہو تو نفقہ بھی اور امام احمدؒ اسحاقؒ اور ابوثورؒ کے مسلک میں نہ اسے نفقہ ملے گا نہ سکنیٰ۔

فقہا کی تصریحات کے مطابق نفقہ ازدواجی تعلق کے سبب تھا اور اس کے ختم ہونے کے ساتھ اس کا حق بھی ختم ہوجاتا ہے طلاق کے بعد سابق شوہر کو نفقہ کے لئے مجبور کرنا غیر قانونی و غیر عقلی اور غیر اخلاقی چیز ہے جو ایک طرف شوہر کو غلط اقدام پر مجبور کرسکتی ہے اور دوسری طرف مطلقہ کو بھی من مانی کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے، یہ قرآن کے اس حکم کے بھی خلاف ہے کہ

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۝ (نساء - ۲۹)　　آپس میں ایک دوسری کا مال غلط طریقے سے نہ کھاؤ،

حدیث میں بھی فرمایا گیا

لا لایحل لامری من مال اخیہ شئی الا بطیب نفسہ۔ (مسند احمد ۱۱۳/۵)　　کسی کے لئے اپنے کسی بھائی کا مال بغیر اس کی مرضی کے جائز نہیں:

اسلام کا نظام نفقات رشتہ قرابت کی دوری ونزدیکی کے لحاظ سے فطری ترتیب کے مطابق قائم ہوتا ہے اور اسی کا نظام وراثت بھی اسی ترتیب ومصلحت کے مطابق نافذ ہوتا ہے اور اس میں حقوق و فرائض، ذمہ داری اور منافع (الغنم بالغرم) کی یکسانیت و مطابقت کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس میں عورتوں کے ساتھ ایسی خاص رعایت کی گئی ہے جو دنیا کے کسی قانون میں نہیں یعنی کمانے اور خرچ کرنے کی ذمہ داری صرف مردوں پر ڈالی گئی ہے اور عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

اسلامی قانون میں عورت ہونا ہی کسبِ معاش سے عجز کی دلیل ہے (مجرد الأنوثة عجز) (۱) اس لئے ان کی ذمہ داری ان کے والدین، شوہروں اور اولاد اور پھر نزدیک و دور کے رشتہ داروں پر ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں "ہر ذی رحم محرم کے لئے نفقہ واجب ہے، اگر وہ چھوٹا اور محتاج ہو یا بالغ عورت ہو اور محتاج ہو یا معذور ہو یا اندھا فقیر ہو تو میراث کے مطابق نفقہ واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ قریب کی نہ کہ دور کی رشتہ داری میں صلہ رحمی واجب ہے اور اس کا امتیاز ذی رحم محرم کے ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، و علی الوارث مثل ذٰلك .....

اس وجوب کے اسباب میں فقر واحتیاج، کم عمری، عورت ہونا، اور معذور ہونا ہے اندھا ہونا بھی عاجز ہونے کی وجہ سے احتیاج کی علامت ہے اور کمانے پر قادر غنی شمار ہوگا بخلاف والدین کے کہ کمانے سے ان کو تکلیف ہوگی جبکہ لڑکا ان سے دفع ضرر پر مامور ہے اس لئے باوجود کمانے پر قادر ہونے کے ان کا نفقہ لڑکے پر واجب ہے" (۲)

اس طرح اگر مطلقہ صاحب اولاد ہے تو اس کی اولاد پر اس کے بعد والد پر پھر بھائی، چچا ماموں، پھوپھا، خالو، اور دوسرے اعزہ پر میراث کی ترتیب سے اس کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔

---

(۱) رد المحتار ۲/۹۲۵ (۲) ھدایہ ۲/۴۲۷ دیوبند (۱۳۷۵ ھ)

علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں۔

فالاناث عليه نفقتهن الى ان يتزوجن اذا لم يكن لهن مال وليس له ان يواجرهن فى عمل ولاخدمة وان كان لهن قدرة واذا طلقت وانقضت عدتها عادت نفقتها على الأب (۱)	لڑکیوں کا خرچ اگر ان کے پاس مال نہ ہو تو شادی تک باپ پر ہے اور وہ انہیں کسی کام یا خدمت پر نہیں لگا سکتا اگرچہ انہیں قدرت ہو اور وہ جب طلاق پا جائے اور عدت گذر جائے تو اس کا نفقہ پھر باپ پر لوٹ آتا ہے۔

مطلقہ بیٹی کی خبرگیری کو رسول اللہ علیہ وسلم نے منتخب ترین نیکی قرار دیتے ہوئے حضرت سراقہ بن مالکؓ سے فرمایا:

الا أدلك على اعظم الصدقة؟ ابنتك المردودة اليك ليس لها كاسب غيرك: (ابن ماجه ۲۶۹)	کیا تمہیں سب سے بڑا صدقہ نہ بتاؤں؟ وہ تمہاری لوٹائی ہوئی (طلاق یافتہ یا بیوہ) لڑکی ہے جس کے لئے تمہارے سوا کوئی اور کمانے والا نہیں ہے۔

ان سب انتظامات کے ساتھ اگر طلاق دینے والا شوہر اپنی مرضی سے مطلقہ عورت کی مدد کرتا ہے تو یہ اس کا فضل و احسان ہے، عورت کے رشتہ داروں کے نہ ہونے یا نفقہ نہ اٹھا سکنے کی صورت میں جس طرح اس کی کفالت مسلم معاشرے پر ہے اسی طرح حکومتِ ہند پر بھی ہے جو ایک ویلفیئر اسٹیٹ ہے اور جو بیواؤں اور معذوروں کو پنشن دیتی بھی ہے خصوصاً اس معاشی صورتِ حال کے پیش نظر کہ ہندستانی مسلمان بہ حیثیت مجموعی اقتصادی طور پر بہت پس ماندہ ہیں۔

---

(۱) فتح القدیر ۳/۳۴۲۔ (۲) مسند احمد ۴/۱۷۵۔

تمہیں جمہوریت کے پاسبانو آج کیا بھیجوں؟

عزیز ربانی عزیز

تمہیں جمہوریت کے پاسبانو آج کیا بھیجوں
کہو تو خونِ دل خونِ جگر خونِ وفا بھیجوں

لکھا تھا جس کو راوی کے کنارے ناخداؤں نے
اگر خواہش ہو تم کو وہ پیامِ ناخدا بھیجوں

ابھی محفوظ کتنی یادگاریں ہیں شہیدوں کے
اگر مانگو کوئی خونی کفن خونیں ردا بھیجوں

بنایا جس کو دیوانوں نے اپنے شوق کا پرچم
اگر ذوقِ جنوں ہو تو وہی چاکِ قبا بھیجوں

جسے پی کر شہیدوں نے حیاتِ جاوداں پائی
جو پینے کا سلیقہ ہو وہی آبِ بقا بھیجوں

تمہیں فرصت کہاں تم سن سکو آہِ غریباں کو
مجھے موقع کہاں کوئی نویدِ جاں فزا بھیجوں

غریبی بھوک بیماری تعصب جہل تاریکی
بتاؤ تم تمہارے واسطے میں آج کیا بھیجوں

گر تم رات کی ظلمت کو کہد و رات کی ظلمت
پیامِ صبحِ نو تم کو یہ فیضانِ صبا بھیجوں

میرا احساس غیرت اب مجھے جینے نہیں دیتا
سلامت تم رہو میں تم کو جینے کی دعا بھیجوں

تمہارا شکریہ ہر نشترِ غم تم نے بھیجا ہے
یہ میرا فرض ہے تم کو کوئی تحفہ نیا بھیجوں

اگر باقی ہے خاکستر میں اب بھی کوئی چنگاری
تو دیوانِ عزیزِ شاعرِ شعلہ نوا بھیجوں

مجروح

محافظینِ شریعت کے نام

پٹنہ میں ۲۴ نومبر ۸۵ء کو مسلم پرسنل لا کے جلوس پر پولیس کی زیادتی اور مجروحین کی حالت دیکھ کر مندرجہ ذیل دونوں نظمیں لکھی گئیں۔

میرے عزیزو، وفا شعارو، خدا کے بندو، خدا کے پیارو　　رسول اکرمؐ کے جاں نثارو، قلمروِ دیں کے تاجدارو
تمہیں سے ہمت جواں ہماری تمہیں سے ہے عز و شاں ہماری　　خدا کا سایہ تمہارے سر پر، تمہارے اوپر ہے فضلِ باری
تمہیں سے ملت کا کام ہوگا، تمہیں سے امت کا نام ہوگا　　تمہیں شریعت کے ہو محافظ، تمہارا نعرہ ہی عام ہوگا
یہ گرمجوشی، یہ رزم کوشی، یہ حق گزاری، یہ جاں سپاری　　کوئی تزلزل، نہ کچھ تذبذب، نہ دل میں وحشت نہ خوف طاری
بڑھا قدم جو مجاہدانہ، نہ مڑ کر دیکھا، نہ پیش جانا　　ہو راہِ عشق نبی کے پیرو، تمہارے جذبات والہانہ
تمہارا خوں رائیگاں نہیں ہے، تمہارا چرچا کہاں نہیں ہے　　فضا دعاؤں سے گونج اٹھی، اثر سے خالی جہاں نہیں ہے
یہ عزم محکم، یہ سعی پیہم، جہاں میں سرخرو کرے گی　　تمہارا ہی ہوگا بول بالا، عدو کو بے آبرو کرے گی
یہ سرخ قطرے بنیں گے شعلے، یہ گرم آہیں دھواں بنیں گی　　ستم جواب بھی نہیں رکا تو یہ آہیں پھر بجلیاں بنیں گی
یہ بجلیاں جگ کو پھونک دیں گی، یہ شعلے سب کو بھسم کریں گے　　جنہیں شریعت ہے سب سے پیاری کبھی نہ گردن کو خم کریں گے

دعا ہے یہ قاسمیؔ کی ہر دم خدا تمہیں کامیاب رکھے
رہِ طلب کی صعوبتوں میں تمہارا جوشِ شباب رکھے

محمد معظم حسین قاسمی

محمد معظم حسین قاسمی

ہتھیارے پولیس والوں کے نام

سنو اے حاملِ جہل مرکب اے پولس والو
نہتے نوجوانوں پر مظالم توڑنے والو

ذرا سوچو کہ یہ امن واماں اور شانتی والے
تشدد چاہتے تو کیوں نہ لاتے لاٹھیاں بھالے

شریعت کے یہ متوالے ہیں، مذہب کے پجاری ہیں
وطن سے اِنکو الفت ہے یہ ہندی ہیں بہاری ہیں

تمہارے ہموطن بھائی تمہارے ساتھ رہتے ہیں
مصیبت دیش پر آئے تو سب کے ساتھ سہتے ہیں

تم اپنے ہموطن پر بھائیوں پر وار کرتے ہو
یہ کیسے آدمی ہو کس طرح بیہو پار کرتے ہو

یہی وہ نوجوان ہیں جن پہ بھارت ناز کرتا ہے
انہیں پر فخر بھارت کا ہر ایک جاں باز کرتا ہے

انہیں کے پیش رو، عبدالحمید، اشفاق خان بھی تھے
انہیں میں ایک عثماں، سرحدی غفار خاں بھی تھے

انہیں کے پیشواں آزاد، مولانا حسین احمدؒ
وہ ملت کے مجاہد حفظِ رحمٰن، وہ علی احمدؒ

حکیم اجمل داناں، وہ ذاکر خان دانشور۔
وہ شیخ الہند محمود الحسن، وہ حضرتِ جوہرؒ

یہی وہ رہنما تھے جن پہ ہنر و ناز کرتے تھے
ہر ایک پیر و جواں کو ہمدم و دمساز کرتے تھے

انہیں کے ماننے والوں پہ یوں ظلم وستم ٹوٹے
کسی کی ٹانگ ٹوٹے اور کسی بچے کا سر پھوٹے

جو ظالم اور ہتھیارے ہیں رکھشا کر نہیں سکتے
وطن سے لابھ اٹھاتے ہیں وطن پر مر نہیں سکتے

تحفظ شریعت بل

پارلیمنٹ میں پیش کئے گئے بل کا اصل متن

مسلم پرسنل لا نمبر تیاری کے مرحلے میں تھا کہ حکومت نے مسلمانوں کے متفقہ شدید احتجاج کی بنا پر "تحفظ شریعت بل" کے نام سے پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کررہا ہے، جس پر عام طور سے مسلم عمائدین نے اطمینان کا اظہار کیا ہے جبکہ اپوزیشن پارٹیاں اس کی مخالفت کررہی ہے ہم اپنے قارئین کی خدمت میں بل کا متن پیش کررہے ہیں۔

مدیر

ایسی مسلمان عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا بل جنہیں ان کے شوہروں نے طلاق دیدی ہو یا جنہوں نے طلاق لی ہو نیز ان کے حقوق اور طلاق سے متعلقہ معاملات و واقعات سے متعلق بل۔ جیسے جمہوریہ ہند کے ۳۷ رویں سال پارلیمنٹ نے قانون کی شکل میں نافذ کیا، مندرجہ ذیل ہے۔

۱ (۱) اس ایکٹ کو مسلم خواتین (طلاق سے متعلق حقوق) ایکٹ ۱۹۸۶ء کہا جائے گا۔

(۲) اس ایکٹ کا نفاذ ریاست جموں کشمیر کے سوا تمام ہندوستان پر ہوگا۔

۲: اس ایکٹ میں شامل اصطلاحات کا مفہوم یہ لیا جائے گا۔؟

الف: مطلقہ عورت سے مراد وہ مسلم خاتون لی جائے گی جس کی شادی مسلم لا کے تحت ہوئی ہو، اور اسے طلاق دے دی گئی ہو، پھر اس نے اسلامی قانون کے تحت اپنے شوہر سے طلاق حاصل کی ہو۔

ب : مطلقہ عورت کے سلسلے میں "عرصہ عدت سے" مراد ہے ۔
۱ ۔ طلاق کے بعد ۳ ، ماہواریوں کا گذرنا اگر مطلقہ عورت حائضہ ہوتی ہو ۔
۲ ۔ اگر مطلقہ عورت کو حیض نہ آتے ہوں تو طلاق ہونے کے بعد ۳ ، قمری مہینوں تک ۔
۳ اگر طلاق کے وقت عورت حاملہ ہو تو طلاق کے وقت سے بچہ کی ولادت یا حمل کے ساقط ہونے تک جو بھی پہلے ہو ۔

ج : "مجسٹریٹ" سے مراد وہ فرسٹ کلاس مجسٹریٹ لیا جائے گا جو اس علاقے میں جہاں مطلقہ عورت رہتی ہے ، کوڈ آف کرمنل پروسیجر ۱۹۷۳ کے تحت اختیار سماعت رکھتا ہو ۔

۳ : ۱ ۔ کسی بھی دوسرے قانون کے باوجود جو اسوقت نافذ ہو اب مطلقہ خاتون مندرجہ ذیل حقوق کی حقدار ہوگی

الف : سابقہ شوہر کی طرف سے اس کا حسب حال اور مناسب و معقول بندوبست اور نان ونفقہ کا انتظام اور اس کی ادائیگی عدت کی مدت کے اندر کردی جائے ۔

ب اس صورت میں جبکہ وہ ان بچوں کی بھی پرورش کررہی ہو جو طلاق سے قبل یا طلاق کے بعد اسکے ہاں تولد ہوئے ہوں تو سابقہ شوہر ان بچوں کی تاریخ پیدائش سے دو سال تک ان کے لئے بھی مناسب و معقول بندوبست کرے گا اور نان ونفقہ ادا کرے گا ۔

ج : اسلامی قانون کے مطابق شادی کے وقت جو اسکا مہر متعین کیا گیا تھا اس رقم کی ادائیگی ۔

د : ان جائدادوں کی حوالگی جو اس خاتون کو قبل از شادی یا شادی کے وقت یا شادی کے بعد اسکے رشتہ داروں یا احباب کی طرف سے منتقل ہوئی ہو یا شوہر ، شوہر کے رشتہ داروں یا شوہر کے دوستوں کیجانب سے اسے ملی ہے

۲ : اس صورت میں جبکہ مطلقہ عورت کا وقت طلاق مناسب معقول بندوبست نہ کیا گیا ہو یا اسے نان نفقہ ادا کیا گیا ہو یا اس کے مہر کی رقم نہ ادا کی گئی ہو ، یا کلاز (د) کے سب سیکشن (۱) کے مطابق اسے جائدادوں کی تحویل نہ دی گئی تو مطلقہ عورت خود یا وہ جسے مختار بنائے وہ اس کی جانب سے مجسٹریٹ کی عدالت میں بندوبست اور نان ونفقہ کی ادائیگی کے لئے مہر یا جائدادوں کی حوالگی کیلئے جو بھی صورتحال ہو اسکے ازالہ کیلئے درخواست دے سکتا ہے

۳ : ان حالات میں جبکہ مطلقہ عورت نے درخواست سب سیکشن (۲) کے تحت دی ہو تو اگر مجسٹریٹ مطمئن ہو جائے کہ

الف: مطلقہ عورت کا خاوند مناسب وسائل ہونے کے باوجود عرصہ عدت کے درمیان اس کا اور اس کے بچوں کا مناسب و معقول بندوبست کرنے اور نان ونفقہ کی ادائیگی کرنے میں ناکام رہا ہو یا۔

ب معینہ مہر کی رقم کی ادائیگی نہیں کی گئی ہے یا ان جائدادوں کی حوالگی نہیں کی گئی ہے جن کا ذکر کلاز (د) کے سب سیکشن (۱) میں کیا گیا ہے تو وہ اس بات کا حکم دے سکتا ہے کہ مطلقہ عورت کا سابق شوہر درخواست داخل ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر اندر مناسب و معقول بندوبست اور نان ونفقہ کی ادائیگی کرے اس کی مناسب معقول ہونے کا تعین عدالت مطلقہ عورت کی ضروریات نیز شادی شدہ زندگی کے دوران ان کے معیار زندگی اسکے علاوہ اسکے سابق شوہر کے ذرائع آمدنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرے گی یا مطلقہ عورت کو مہر کی ادائیگی کا حکم یا ان جائداد کی حوالگی کا حکم دے سکتا ہے جن کا ذکر کلاز (د) کے سب سیکشن (۱) میں کیا گیا ہے۔

ایسی صورت میں جب کہ مجسٹریٹ اس درخواست پر فیصلہ کرنا معینہ عرصہ میں ناممکن العمل سمجھتا ہے تو وہ اس کی وجوہات ریکارڈ کر کے معینہ مدت کے بعد بھی فیصلہ کر سکتا ہے۔

۴: اگر کسی بھی فرد جس کے خلاف سب سیکشن (۳) کے تحت فیصلہ کیا گیا ہو بنا کسی مناسب عذر کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی برتے گا تو مجسٹریٹ نان ونفقہ کی رقم یا مہر کی رقم قانون طور پر وصول کرنے کے لئے کوڈ آف کرمنل پروسیجر ۳، ۱۹۷ جس کے تحت قانونی طور پر جرمانے وصول کئے جاتے ہیں کا استعمال کرے گا اور کل واجب رقم یا اس کے غیر ادا شدہ حصہ کی ادائیگی کی حکم عدولی میں سزا دے سکتا ہے جس کی میعاد واجب رقم کی ادائیگی تک یا ایک سال تک ہو سکتی ہے جو بھی پہلے ہو مگر ایسے فرد کو عدالت میں اپنی صفائی اور دفاع کا حق پوری طرح دیا جائے گا اور بیان کردہ سزا معینہ کوڈ کے مطابق ہی دی جائے گی۔

۴۔ ۱۔ اس ایکٹ کے تحت دی گئی مراعات یا اور کسی بھی مروجہ قانون کے باوجود اگر مجسٹریٹ اس بات سے مطمئن ہو جاتا ہے کہ مطلقہ عورت نے دوبارہ شادی نہیں کی ہے اور وہ عدت کے بعد اپنا خرچ چلا نے کی سکت نہیں رکھتی تو وہ اس مطلقہ عورت کے ان رشتہ داروں کو جو اسکی وفات کے بعد اسلامی قانون کے مطابق اس کے ترکہ میں حصہ دار ہوں حکم دے سکتا ہے کہ وہ اس عورت کو مناسب اور معقول نان ونفقہ دیں جس کا تعین عدالت اس عورت کی ضروریات اس کی شادی شدہ زندگی کی مدت کے دوران اسکے معیار زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے کرے گی، علاوہ ازیں عدالت اس تعین کے لئے رشتہ داروں کے وسائل کو بھی مدنظر رکھے گی، اور نان نفقہ کی ادائیگی میں ان

کے حصہ کا تعین اس نسبت سے کیا جائیگا جس نسبت سے وہ اس کے ترکہ میں حصہ دار ہوں گے اور ایسے مواقع پر عدالت اپنے حکم میں اسکی وضاحت کریگی۔ ایسی صورتحال میں جبکہ کوئی رشتہ دار مرد یا عورت اپنے اس حصہ کی ادائیگی کے ناقابل ہو جو مجسٹریٹ نے متعین کیا ہے تو مجسٹریٹ ادائیگی نہ کرسکنے کے ثبوت بہم ہونیکی صورتمیں یہ حکم بھی کرسکتا ہے کہ غیر ادا شدہ حصہ کی ادائیگی ایسے دوسرے رشتہ داروں کے ذریعہ کی جائے جو مجسٹریٹ کی نگاہ میں ادا کرسکنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اسی تناسب سے ادا کرسکتے ہوں جو مجسٹریٹ مناسب سمجھ کر حکم دے۔ ۲۔ اس صورت میں جہاں مطلقہ عورت اپنی کفالت نہ کرسکنے کی حالت میں ہو اور اس کے ایسے رشتہ دار بھی نہوں جن کا سب سکیشن (۱) میں تذکرہ کیا گیا ہے، یا ایسے رشتہ دار یا ان میں سے کوئی فرد اتنے ذرائع بھی نہ رکھتا ہو کہ وہ مجسٹریٹ کا حکم کردہ نان ونفقہ دے سکے یا دیگر رشتہ داروں کے پاس بھی اتنے وسائل نہ ہوں کہ وہ اپنے ان رشتہ داروں — — — — — — —

رہ جانے والے نان ونفقہ کے حصہ کو ادا کرسکیں جو مجسٹریٹ کے حکم کی وجہ سے سب سکیشن (۱) کے تحت انپر نافذ ہوتا ہے مجسٹریٹ اپنے اختیار سے وقف ایکٹ ۱۹۵۴ء کی سکیشن ۹ کے تحت قائم ہونیوالے ریاستی وقف بورڈ کو یا کسی بھی دوسرے قانون کے تحت جو اسوقت اس ریاست میں نافذ ہو جہاں مطلقہ عورت رہائش پذیر ہے، حکم جاری کرسکتا ہے کہ وہ اس نان نفقہ کی ادائیگی کریں جس کا تعین سب سکیشن (۱) کے تحت کیا گیا ہے یا حالات کے مطابق وقف بورڈ سے ان رشتہ داروں کا حصہ ادا کرنے کیلئے جو ادا کرسکنے کے لائق ہوں ایسے مواقع پر وہ اپنے آرڈر میں وضاحت کریگا۔

۵۔ ۱۔ مرکزی حکومت سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکیشن کرکے اس ایکٹ کے مقاصد کو پورا کرنیکیلئے رولز وضع کرسکتی ہے۔

۲۔ اس ایکٹ کے تحت بنائے جانے والے ہر رول کو بننے کے فوراً بعد پارلیمنٹ کے ہر ایوان کے سامنے جلد از جلد پیش کیا جانا ہوگا ایوان میں یہ بل ۳۰ روز تک زیر غور رہ سکتا ہے خواہ یہ ۳۰ روز ایک سیشن میں ہوں یا اس کے بعد ہونیوالے اگلے سیشن میں ملاکر ہوں، اس پہلے اور بعد والے سیشن میں اگر دونوں ایوان اس رول میں کسی ترمیم پر متفق یا دونوں ایوان اس بات پر متفق ہوں کہ یہ رول نہیں بنایا جائے تو پھر یہ رول پہلی صورت میں ترمیم شدہ شکل میں لاگو ہوگا۔ اور دوسری صورت میں لاگو ہی نہیں ہوگا، جیسی بھی صورت ہو علاوہ ازیں ایسی کسی بھی ترمیم سے یا مسترد کئے جانے کے بعد اس رول کے تحت پہلے کئے گئے فیصلوں پر کوئی اثر نہیں پڑیگا ۔۔۔۔

کتبہ:۔ مصطفیٰ صدیقی (فاضل دیوبند)

Library • Nagar

12 MAY 1986

May 86

(2)

دارالعلوم دیوبند کا دینی و علمی ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ نمبر ۲ | مئی ۱۹۸۶ء بمطابق رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ | جلد نمبر ۶۹

نگران

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے

سعودی عرب، کویت، ابوظبی، ایرمیل ۱۴۵/- جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ ۱۲۵/- امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل ۱۴۵/- پاکستان ۶۰/- ہندوستانی بنگلہ دیش ۴۰/- ہندوستانی۔

محبوب پریس دیوبند: سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپکا زر تعاون ختم ہوگیا ہے۔

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر سے روانہ فرمائیں۔

۲ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد، ضلع ملتان، پاکستان، کو بھیج دیں اور انہیں لکھیں کہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

۳ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں، خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

والسلام، مدیر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن قاسمی

ہندوستان کی تقسیم نے جہاں مسلمانوں کے حصے بخرے کر دیئے وہیں بہت سے نئے اور سنگین مسائل سے بھی انہیں دوچار کر دیا چنانچہ ۱۹۴۷ء میں سب سے بڑا مسئلہ جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا کھڑا ہوا اور وہ برابر بڑھتا چلا گیا حتیٰ کہ اس نے اقتصادی، سیاسی اور کاروباری زوال کی شکل میں پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، پھر بھی کیسی عجیب بات ہے کہ ہندوستان کا مسلمان زندہ ہے اور اتنا زندہ ہے کہ فرقہ پرست طاقتوں کو اپنی مسلم دشمن پالیسیوں پر نظر ثانی کرنی پڑی، چنانچہ حالات نے کروٹ بدلی تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب مسلمان سے زیادہ خود اسلام نشانہ پر ہے اور مختلف شکلوں میں ہے اب اگر مسلمانوں پر بھی حملہ ہے تو ان کی جان مال و آبرو سے بڑھ کر ان کے ایمان و عمل پر دھاوا بولا جا رہا ہے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ راجستھان، آگرہ، بائنڈرس اور علی گڑھ کے دیہاتوں میں تقریریں، پمفلٹ، کتابیں جلسے اور مذہبی تقریبات کے ذریعہ مسلم برادریوں کو برادری کے نام پر ہندو مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور یہ کوشش بہت منظم طور پر جاری ہے حتیٰ کہ ان کی غربت، بیماری، اور مجبوریوں کو بھی فرقہ پرست عناصر ایمان کی تبدیلی کے لئے استعمال کر رہے ہیں، مگر یہ حملے اسی وقت تک کارگر رہینگے جب تک پڑھا لکھا طبقہ ان جاہل دیہاتیوں کو سہارا دینے کے لئے آگے نہیں آتا، اس لئے اگر ان کے

بچوں کو دینی تعلیم دی جائے اوران کے مردوں، عورتوں کو معمولی مذہبی تربیت دینے کا انتظام کر دیا جائے تو یہ علاقے اب بھی محفوظ ہو سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں مسلمان بیدار ہو گئے ہیں وہاں کی برادریاں محفوظ ہو گئی ہیں۔

اس قسم کے جو لوگ اسلام پر حملہ آور ہیں ان کا بڑا طبقہ عدالتوں کے اندر بھی ہے جو بار بار بھی وہ کہیں قرآن پر کہیں اذان پر اور کہیں ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، یہی طبقہ ہے جس نے مطلقہ عورت کے گذارے کے نام پر پورے مسلم پرسنل لا کو داؤ پر لگا دیا اور اب بچوں کی پرورش اور وراثت کے نام پر حقیقی اور غیر حقیقی اولاد کو برابر کرنے کے لئے فیصلے دے رہا ہے یہی اسلام دشمن طبقہ نصاب کی کتابوں میں اسلام کے خلاف، پیغمبر اسلام اور ان کی تعلیمات کے خلاف برابر زہر گھولتا رہتا ہے یا اخبارات ورسائل میں مضامین لکھ لکھ کر مسلمانوں کو مشکوک، غیر مسلموں کو متنفر بنانے اور سیکولر طاقتوں کو پشیمان کرنے کی مسلسل جدوجہد کر رہا ہے۔

مسلم دشمنی کا ایک نیا روپ اور ظاہر ہوا ہے کہ مسلم عبادت گاہوں پر قبضہ کر کے انہیں مندروں میں تبدیل کر دیا جائے جیسا کہ بابری مسجد اجودھیا میں ہو چکا ہے اور اب متھرا، بنارس، سنبھل جونپور، بجنور، بدایوں، جالور، برندابن وغیرہ مقامات کی مساجد، عیدگاہ وغیرہ کے خلاف تخریب کاری کی کوششیں جاری ہیں، عوام اور حکومت کو گمراہ کرنے کے لئے جھوٹے اور مکروہ پروپیگنڈے ہر سطح پر کئے جا رہے ہیں، اس طرح ہمارے ہندوستان کا مسلمان چاروں طرف سے مسائل میں گھرا ہوا ہے بلکہ مسلمان ہی نہیں خود اسلام بھی یہاں نرغے میں آگیا ہے۔

اس صورت حال سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدا کے دربار میں ہندوستان کے عام باشندوں کے لئے کوئی نیا فیصلہ ہونے والا ہے، کیونکہ تاریخ میں جب بھی کوئی قوم اسلام سے ٹکرائی ہے تو اسلام نے ہمیشہ اسے جیت لیا ہے ایسے میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسلام کے اصولوں کو اور اس کی تصویر لوگوں کے سامنے رکھ دیں افسوس کہ ہندوستان کی ہزار سالہ زندگی میں ہم نے یہاں کی مختلف قوموں کو ان کی مختلف زبانوں کو اور شہر سے دیہات تک پھیلی ہوئی

برادریوں کو اسلام سے روشناس نہیں کرایا پھر بھی وقت باقی ہے کہ موجودہ مسلم ادارے یہ قرض ادا کریں۔

اس کے لیے حسب حوصلہ مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱ اسلام کے اصولوں اور اس کی تعلیمات سے ہندوستان کی تمام چودہ زبانوں کو مالا مال کریں۔

۲ ایسے علما تیار کریں جو مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کر کے اسلام کی حقانیت و صداقت کو ثابت کر سکیں

۳ ایسے قانون داں پیدا کیے جائیں جو اسلام سے براہ راست واقف ہوں اور وقت آنے پر اس کا قانونی دفاع کر سکیں۔

۴ ایسے اصحاب قلم اور ارباب صحافت ابھارے جائیں جو اسلام کے ترجمان بن کر نہ صرف ستیہ پرکاش کا بلکہ ایسے تمام فرقہ وارانہ اعتراضات کا جواب دے سکیں۔

۵ ایسے اہل علم کی خدمات حاصل کی جائیں جو مستشرقین کی بخیہ ادھیڑ کر اسلام کے چہرے سے باطل کی نقابیں الٹ سکتے ہوں اگر ہندوستان کے تمام مسلم ادارے باہمی تعاون و اشتراک سے کام کریں تو بڑا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں ورنہ الگ الگ بھی ان موضوعات پر کام کے لئے تیار ہو جائیں تو بڑھتا ہوا اندھیرا اب بھی چھٹ سکتا ہے اور اسلام کی صبح نو ہماری نسلوں پر آج بھی طلوع ہو سکتی ہے ورنہ صرف حکومت کا شکوہ کر کے یا اکثریت اقلیت کی بحثوں میں الجھ کر آپ مایوسی تو پیدا کر سکتے ہیں امید کی کرنیں نہیں پھیلا سکتے۔

اگرچہ بت ہیں زمانے کی آستینوں میں
ہمیں ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

حدیث پاک
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں

مولانا محمد حنیف ملّی مالیگاؤں

عہد رسالت میں حدیث کی نشر و اشاعت

دعوت و تبلیغ کے ابتدائی دور سے حدیث بھی قرآن کے ساتھ جمع ہوتی رہی مسلمانوں کی تعداد کم تھی، زید بن ارقم کا مکان خاموش مرکز تھا، یہاں صحابہ جمع ہوکر دین سیکھنے، قرآن پڑھنے اور اسلامی شعائر کی حفاظت کرتے تھے، کچھ ہی دنوں بعد خدا نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بندوں تک احکام پہونچانے کا مکلف بنا دیا اور یہ آیت نازل ہوگئی "فاصدع بما تؤمر" اے نبی آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھل کر عام فرما دیجئے، مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی، اسلام جزیرۃ العرب میں پھیل گیا اور آپ دعوت کو اللہ کے بندوں تک عام کرتے رہے، ان کے نزاع کے تصفیے کرتے رہے، قرآن کریم پڑھاتے اور اسلامی شعائر کی حفاظت کرتے، امن و جنگ کی سیاست سے آگاہ کرتے اور ان میں وعظ فرماتے رہے صحابہ بھی آسودگی اور مفلسی ہر حال میں آپ کی خدمت میں رہ کر بڑے اہتمام سے دین سیکھتے اور اس کے ہر حکم کو اپنے اوپر نافذ بھی کرتے تھے غرض حدیث کی نشر و اشاعت کے بے شمار اسباب سارے عالم میں مہیا ہوگئے ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ اسلامی دعوت کی تبلیغ و اشاعت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی سرگرمی اور بے پناہ نشاط..... سب سے بڑا اور بنیادی سبب ہے آپ نے نشر و اشاعت کے

تمام طریقے اختیار فرمائے، قبائل میں دعوت دینے بنفس نفیس پہنچے، اس راہ کی ہر مشکل کو انگیز فرمایا موسم اور مختلف تقریبات میں آنے والے وفود سے رابطہ قائم کیا اور ان کے سامنے دین کی دعوت بھی پیش کی آپ نے نشر واشاعت کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی ان نامساعد حالات میں بھی (سنت) حدیث پاک مسلمانوں کے دلوں پر دستک دیتی رہی۔

۲ فطرتِ اسلامی اور اس کا نظام تو بھی ایک اہم سبب ہے جس کی کشش نے لوگوں کو اسلامی مقاصد اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے پر آمادہ کیا جو شخص بھی آپ کی دعوت کو سنتا فوراً خدمت اقدس میں پہنچ جاتا اور اسلام کی بابت آپ سے دریافت کرنے ہی مسلمان ہونے کا اعلان کرتا اور جو کچھ دیکھتا یا سنتا اسے اپنی قوم میں جاکر بیان بھی کرتا تھا۔

۳ علم اور اس کی حفاظت کے لئے بے پناہ سرگرمی اور صحابہ کی والہانہ جدوجہد بھی حفاظت حدیث کا ایک کلیدی سبب ہے جسے ہم ایک ذیلی عنوان کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

۴۔ حدیث کی نشر واشاعت کا ایک سبب امہات المومنین بھی ہیں جن کا مقام اور دوسری صحابیات میں بہت نمایاں ہے بعض مرتبہ مسلم خواتین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات دریافت کرنے میں حیا محسوس کرتیں تو ازواج مطہرات کے یہاں ان کے شکوک کا ازالہ ہو جاتا یا سوالات کا جواب مل جاتا تھا اس لئے آپ کی ازواج ہمہ وقت آپ سے قریب رہنے کی وجہ سے بے شمار احکامات میں آپ سے رہنمائی حاصل کرتیں کہ جس کا دوسری عورتوں کو کم موقع تھا اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہمہ گیر علم اور دقت نظر میں مشہور تھیں، حضرت ابن ملیکہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب کوئی بات سنتیں اور نہ سمجھ پاتیں تو اسے آپ سے بار بار دریافت کرکے سمجھ لیتی تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من حوسب عذب" جس سے حساب لیا گیا وہ عذاب میں ہوگا، اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا یا رسول اللہ کیا خدا نے "فسوف یحاسب حسابا یسیرا" نہیں فرمایا ہے اس پر آپ نے فرمایا یہ عرضی کی

صورت ہے لیکن جس شخص سے نامہ اعمال کے بارے میں مناقشہ ہوگا پھر وہ ہلاک ہوگیا۔

حضرت عائشہ کا مقام بہت بلند ہے ان کے مقام اور علمی سرگرمیوں کے معترف سب لوگ ہیں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عائشہ دین کے بہت سے امور میں کعبہ علمی اور مرجع ہوتیں تھیں۔

۵ دیگر صحابیات بھی حفاظت حدیث کا ایک سبب ہوئیں اس لئے حدیث کے باب میں عورتوں کا اثر مردوں سے کسی طرح کم نہیں ہے وہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شرکت کرتی تھیں بلکہ بعض مرتبہ انہیں یہ محسوس ہونے لگتا کہ مرد آپ کی مجلسوں میں غالب رہتے ہیں تو اللہ کے نبی سے درخواست کرتیں کہ ہماری تعلیم کے لئے بھی مخصوص جگہ اور وقت مقرر کر دیا جائے عید وغیرہ کے موقع پر عورتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے احادیثیں سنا کرتی تھیں علاوہ ازیں عورتوں کے مخصوص ازدواجی مسائل دوسروں تک پہنچانے میں بھی ان خواتین کی کوششوں کے اثرات بڑے زبردست ہیں بلکہ اگر وہ نہ بتاتیں تو صحابہ کونسوانی مسائل دریافت کرنا مشکل ہوتا

۶ حفاظت حدیث کی ایک اور وجہ گورنر، قاصد، اور وفود ہیں، ہجرت کے بعد مدینہ منورہ دعوت اسلامی کا پایۂ تخت بن چکا تھا، جہاں سے سارے عالم میں ہدایت کی کرنیں پھوٹیں اور گمراہی و بت پرستی کی تاریکیاں دور ہوئیں مدینہ سے مبلغین کے قافلے دور اور نزدیک کے علاقوں میں دین کی اشاعت کے لئے روانہ ہوئے جبکہ قریش ہر طرح کی رکاوٹ ڈال رہے تھے، آپ کا معمول تھا کہ مبلغین کو روانہ کرتے وقت ہدایت فرماتے، اصولِ دعوت تلقین کرتے اور لوگوں کو دین کی طرف حکمت و دانائی سے بلانے کی نصیحت فرماتے تھے، حضرت معاذ، اور ابو موسیٰ اشعری کو جب یمن کی طرف روانہ فرمایا تو انہیں یہ نصیحت کی "یسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا" دیکھو دعوت میں نرمی سے کام لو ان کے لئے زحمت مت بنو انہیں خوشخبری سناؤ دلوں میں نفرت مت پیدا کرو، حضرت معاذ سے فرمایا، تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو انہیں پہلے ایک خدا کی دعوت دو اور یہ بھی بتاؤ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ مان لیں تو یہ بتاؤ کہ خدا نے دن بھر میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر

ایسے بھی مان لیں تو یہ بتاؤ کہ خدانے زکواۃ بھی فرض کی ہے جو بستی کے سرمایہ دار سے لے کر غریبوں میں تقسیم کردی جائے اگر وہ اسے بھی مان لیں تو ان سے کہو کہ زکواۃ میں عمدہ اور نفیس مال لینے سے بچیں اور مظلوم کی بددعا سے بھی بچیں اس لئے کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے گورنر اور قاضیوں کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے حضرت علی فرماتے ہیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، آپ مجھے ایسے لوگوں میں قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں جو مجھ سے زیادہ عمر دراز اور تجربہ کار ہیں آپ نے فرمایا ہاں تم جاؤ ان شاء اللہ خدا تمہاری زبان میں استقامت اور دل میں صحیح کام کی توفیق پیدا فرمادے گا، بلاشبہ رسول اللہ کے یہ گورنر، قاضی اور وفود اس امانتِ رسالت کو بحسن و خوبی اٹھاتے اور انجام دیتے رہے ۶ھ میں آپ نے مختلف علاقوں میں بکثرت وفود روانہ فرمائے صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے شاہان عالم کے یہاں اپنے قاصد روانہ کئے بسا اوقات ایک ہی دن مختلف علاقوں کی طرف چھ چھ قاصد اور مبلغ روانہ فرمائے دربار حکومت میں پہنچ کر ان مبلغین نے انہیں کی زبان میں گفتگو کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچایا تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے روم کے قیصر، بصریٰ کے حاکم، دمشق کے فرمانروا حارث بن ابی شمر کی طرف اپنے قاصد روانہ فرمائے، مقوقس مصر کو بھی دین کی دعوت دینے کے لئے ایک قاصد کے ذریعہ نامہ مبارک ارسال فرمایا ان کے علاوہ فارس کے کسریٰ بحرین کے منذر بن ساوی کو تبلیغی خطوط روانہ کیا، اور عمان، یمامہ جیسی ریاستوں کے متعلقہ گورنروں اور حبشہ کے نجاشی کے پاس بھی دین کی دعوت پہنچانے کے لئے قاصد روانہ فرمایا یہ تمام قاصد دربار میں پہنچ کر بادشاہ کے اور قبیلہ کے سرداروں کے سوال کا جواب بھی دیتے اور ان کے سامنے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کی روشنی میں دین کی حقیقت اسلام کا مقصد اور اس کے محاسن بھی تفصیل سے بیان کرتے آپ کا یہ طریقہ بھی تھا کہ ابھی ابھی مسلمان ہونے والوں میں ان کی تربیت کے لئے کسی کو بڑا مقرر فرما

دیتے اور ایسے جان کار افراد بھی مہیا فرماتے جو انہیں تعلیم بھی دیتے اور مسائل بھی بتائے۔

فتح مکہ (فتح مبین) (۷) ۸ھ میں جب قریش نے بدعہدی کی اور صلح توڑ دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں تمام مسلم قبائل کو مدینہ منورہ میں جمع کیا اور دس ہزار مجاہدین اسلام کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوگئے مکہ فتح فرمایا بت پرستی کا خاتمہ کیا پھر ہزاروں مسلمانوں کے مجمع میں آپ نے وعظ فرمایا اور تمام دشمنوں کو معاف کر دیا اسی وعظ میں آپ نے بہت سے احکام بھی بیان فرمائے مثلاً کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے دو مختلف مذہب کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے عورت اور اس کی چچی یا پھوپھی کو ایک ساتھ نکاح میں نہ رکھا جائے وعظ کے بعد سے صحابہ اسی مجلس میں آپ کے دست حق پرست پر بیعت بھی ہوئے بلاشبہ فتح مکہ اسلامی تاریخ کا انتہائی زبردست اور اہم واقعہ ہے جسے ایک جم غفیر نے نقل کیا ہے اور آپ کا وہ تاریخی خطبہ بھی صحابہ کرام کے ذریعہ دور دراز علاقوں تک پہنچا اور ابھی ابھی مسلمان ہونے والوں نے آپ کی دعوت کے بہت سے گوشے اپنے، قبیلے، خویش و اقارب اور پڑوسیوں تک پہونچایا ہے یہ فتح بھی حدیث کی نشر و اشاعت اور اس کی حفاظت کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج (۹) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ ۱۰ھ میں مکہ تشریف لائے اور صحابہ کے ساتھ اپنی زندگی کا آخری حج ادا فرمایا اس وقت آپ کے ساتھ نوے ہزار صحابہ موجود تھے آپ نے اس لشکر جرار کے ساتھ عرفات میں قیام فرمایا اور انتہائی بلیغ خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت امانت ادا کرنے کی تاکید، سود کی حرمت، عہد جاہلیت کے خون ناحق کا خاتمہ اور غلط رسم و رواج ترک کر دینے کا ذکر ہے آپ نے اس خطبہ میں زن و شوہر کے حقوق عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی ترغیب دی ہے اور وارث کو وصیت سے محروم رکھا ہے بلاشبہ آپ کا یہ خطبہ مختلف قبائل کے قبول اسلام اور حدیث

کی نشر و اشاعت کا اہم سبب بنا اس لئے کہ اس خطبہ کو سننے والے بے شمار صحابہ تھے جن کے ذریعہ آپ کا یہ پاک ارشاد چار دانگ عالم میں پہنچا اور سننے والوں نے بھی آپ کے اس ارشاد پر پورا پورا عمل کیا آپ نے اخیر میں فرمایا " الا ھل بلغت ، اللھم فاشھد فلیبلغ الشاھد الغائب "، لوگو کیا میں نے تم تک پیغام پہنچا دیا ، خدایا تو گواہ رہنا ، جو لوگ یہاں حاضر ہیں وہ دوسروں تک سب باتیں پہنچا دیں ۔

حجۃ الوداع اور فتح مکہ کے بعد وفود کی آمد

مکہ فتح ہو جانے کے بعد عرب کے گوشے گوشے سے مختلف وفود آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور اسلام کے پرچم تلے آنے لگے یہ وفود مسلسل آئے اور حجۃ الوداع کے بعد تو ان کی آمد میں اور اضافہ ہوگیا آپ آنے والوں کا خیر مقدم فرماتے انہیں اسلام کی تعلیم دیتے اور اپنے گراں بہا ارشاد و نصیحت کا توشہ بھی ساتھ کر دیتے ان وفود میں بعض ایسے بھی تھے جو چند دن قیام کر کے دین کے سیکھنے اور دین حنیف کی نشر و اشاعت کے لئے اپنے قبیلے میں واپس چلے جاتے انہی میں حضرت ضمام بن ثعلبہ کا وفد بھی تھا جن کی بدولت ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہوا ان کے علاوہ وفد بنو حنیفہ، وفد عبدالقیس وفد طی ، وفد کندہ ، وفد ازدشنوءۃ ، اور شاہان حمیر کے قاصدوں کا وفد بھی ہے جو نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ دین سیکھنے کے لئے آپ کے پاس وفد بھی بھیجتے رہے آپ نے خط کے ذریعہ انہیں اطلاع بھی دی کہ ہمیں آپ کے مسلمان ہونے کا علم ہے اور خدا کی اطاعت کے ساتھ دین پر قائم رہنے کی تلقین بھی فرمائی اس نامۂ مبارک میں آپ کی دوسری وصیتیں بھی شامل ہیں اسی طرح وفد ہمدان ، وفد تجیب ، وفد ثعلبہ ، وفد بنو اسد ، اور بہت سے دوسرے وفود ہیں جن کے تفصیلی تذکرہ کا یہ موقع نہیں ہے ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان وفود کی آمد کو خیر و برکت کا باعث سمجھتے ، ان کی عزت فرماتے اور انہیں دین بھی سکھاتے تھے یہ لوگ بھی آپ سے بہت سی باتیں دریافت فرماتے اور آپ انہیں جواب مرحمت فرماتے بعض وفود کو آپ کی بہت سی

حدیثیں سننے اور بہت سے موقعوں پر شرکت کرنے کا موقع بھی ملا آپ کے ساتھ عبادت میں بھی شامل رہے بلکہ آپ کے تصرفات کا بچشم خود مشاہدہ بھی کیا اس لئے حدیث کی نشر و اشاعت اور حفاظت میں ان وفود کا بھی بڑا زبردست اثر رہا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے حفاظت حدیث اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے یہ ذکر کردہ اسباب بہت کافی ہیں ۔

یہ اجمالی تذکرہ دراصل حدیث کی حفاظت اور نشر و اشاعت پر ایک سرسری نظر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کو تدوین حدیث اور اس کی حفاظت کا کتنا خیال تھا، اسلام آپ کی زندگی میں پھیلا اور دیکھتے ہی دیکھتے عرب کے تمام علاقوں پر چھا گیا قرآن وسنت سے لوگوں کے سینے معمور ہو گئے، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے اپنا انعام تام کیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا ۔"　　(جاری)

بزرگانِ دیوبند کے روشن کارنامے

امام علم و دانش قاسمی صدر الدین اسلامیہ محمود

محمدی لکھیم پور کھیری

ہندوستان میں اسلام کی روشنی علماء حق اور صوفیاء کرام کے ذریعہ پھیلی ہے اور انہیں کی جد وجہد سے گلشن اسلام پھلتا پھولتا رہا جب کبھی دین کے چمن کو پامال کرنے کی کوئی کوشش ہوئی تو جو لوگ سینہ سپر ہو کر سامنے آئے اور اندرونی و بیرونی فتنوں کو دبا کر گلشن اسلام کی تازگی کو قائم رکھا وہ یہی علوم شریعت و طریقت کے جامع علماء ربانی ہیں جن کی کوششوں سے دین کی رونق آج بھی قائم ہے۔

جب اکبر بادشاہ نے ایک نیا مذہب جاری کیا جس کا نام دین الٰہی رکھا اور سبائیت کے فتنے کی سرپرستی بھی شروع کر دی تو بعض دنیا پرست مولویوں اور پیروں نے اکبر کا ساتھ دینا شروع کیا ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا شیخ احمد سرہندی نقشبندی کو تجدید و احیائے دین کی خدمت کے لیے کھڑا کر دیا یہی وہ الف ثانی کے مجدد ہیں جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بنے اور قید و بند کی تکلیفیں برداشت کر لیں مگر اسلام میں ادنیٰ تحریف و ترمیم بھی گوارہ نہیں فرمائی، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جد وجہد کے نتیجے میں مغلیہ سلطنت کے مسند نشینوں

اور دین حق سے تعلق نئے سرے سے قائم ہوا اور مسلمانوں میں جو فتنہ عظیم اسلام کی تباہی کے لئے پیدا ہو چلا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا۔

عادل بادشاہ اورنگ زیبؒ کے بعد ان کے جانشینوں کی نااہلی سے جب ملک میں اضطراب اور بے چینی کا دور دورہ ہوا اور سیاسی بدانتظامی نے اقتصادی ابتری کو پیدا کر دیا اس انتشار کے زمانہ میں دین حق کے خلاف داخلی و خارجی فتنوں نے پھر سر اٹھایا اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو کھڑا کر دیا انہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ اس وقت کی سرکاری زبان میں فارسی میں کر کے مجددانہ کارنامہ پیش کیا اور اپنی تصنیفات میں زندگی کے مختلف شعبوں میں ظاہر ہونے والی بے اعتدالیوں کی نشاندہی فرما کر اصلاحی لائحہ عمل پیش فرمایا اور (فک کل نظام لا سلام) یعنی تمام باطل نظاموں کی بیخ کنی کر کے اسلام کو غلبہ دلانے کی دعوت پیش فرمائی۔

بڑے شاہ صاحبؒ کے بعد ان کے جانشین صاحبزادے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی رہنمائی میں دینی جدوجہد کے ولی اللّٰہی پروگرام کو منظم طور پر پیش کئے جانے کا انتظام قدرت کی طرف سے ہو گیا آپ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا صاف صاف فتویٰ جاری فرمایا اور عیسائی انگریزوں کی دھاندلیوں اور مکر و فریب کا خاص طور پر اپنے فتویٰ میں ذکر فرمایا ان کے دادا کے قائم کئے ہوئے مدرسہ رحیمیہ کے علمی فرزند ملک کے گوشہ گوشہ میں موجود تھے ولی اللّٰہی خاندان کے سربراہ کا فتویٰ ملک کے چپہ چپہ میں تیزی سے پھیل گیا فتویٰ جاری کرنے کے ساتھ ہی مجاہدین کی تیاری کے لئے بھرپور کوشش جاری کر دی اس کام کی سربراہی کے لئے حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ کو امیر بنایا گیا اور اپنے مخصوص شاگردوں اور عزیزوں حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی اور مولانا عبدالحی بڈھانوی وغیرہ کو ان سے متعلق کر دیا ان حضرات نے اسلام کے پرچم کو اپنی آخری سانسوں تک بلند رکھا دوسری طرف شاہ صاحب نے تفسیر عزیزی تحفۂ اثنا عشریہ جیسی کتابیں لکھ کر اور حدیث نبوی

کا مسلسل درس دیکر عقائد و اعمال کی اصلاح کا سامان مہیا کیا اور داخلی و خارجی ہر قسم کے فتنوں سے اسلام و اہل اسلام کی حفاظت کرنے والے علماء و مشائخ تیار کئے ۔

حضرت سید صاحبؒ اور آپ کے رفقاء نے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ فرمایا اور دین کے لئے جانی و مالی قربانی دینے والے مجاہدین تیار کئے ان حضرات کے بارے میں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن انگریز مورخین نے یہ مشہور کر دیا کہ سفر حج میں سید صاحب کی ملاقات مکہ مکرمہ میں محمد ابن عبدالوہاب کی جماعت والوں سے ہوئی جہاں سے وہ نجدی وہابی تحریک لے کر آئے ۔ حالانکہ یہ انگریز مورخ خود یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ سید صاحب کے عرب جانے سے پہلے ہی ان کی تحریکِ جہاد زور و شور سے شروع ہو چکی تھی اور اس تحریک سے مسلمانوں کی زندگیوں میں دینی انقلاب آرہا تھا ، عقائد و اعمال کی اصلاح کے لئے اور دین پر سب کچھ قربان کر دینے کے جذبۂ جہاد کو ابھارنے کی کوئی تحریک ہندوستان میں سید صاحب کی تحریک کے مقابلے پر پیش نہیں کی جاسکتی تعجب ہے اب جبکہ یہ تاریخی حقیقت پیکرِ محسوس کی طرح ہر مورخ و مبصر کو نظر آرہی ہے ایک گروہ جو انگریزوں کا نمک خوار رہ چکا ہے نجدیوں سے متاثر ہونے کا افسانہ آج بھی دہرا رہا ہے بہرحال سید صاحب کو جہاد میں مسلسل کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں سرحد میں وہ خود مقابلہ پر تھے دوسری طرف بنگال میں حاجی شریعت اللہ وغیرہ سرگرم عمل تھے لیکن خدا کو ایسا ہی منظور تھا کہ کچھ بدبخت عناصر آڑے آگئے اور بالاکوٹ کے میدان میں ۱۸۳۱ء کے دوران آپ اور آپکے رفقاء مولانا شاہ اسماعیلؒ وغیرہ شہید کر دیئے گئے ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اگرچہ عارضی طور پر اس تحریک کو نقصان پہونچا مگر مسٹر ہنٹر انگریز مورخ کے بقول یہ تحریک رہنماؤں کی موت و زیست پر منحصر نہیں رہ گئی تھی جہاد کا ایمانی جذبہ سید صاحب نے مجاہدین میں پیدا کر دیا تھا ، وہ برابر دلوں میں موجزن رہا سید صاحبؒ کے بعد ان کا پیغام پیش

کرنے والے دین کا پرچم اٹھائے برابر آگے بڑھتے رہے۔

مجاہدین نے سرحد میں مقام سفیانہ پر کیمپ قائم کرلیا اور انگریزوں کے خلاف مسلسل جہاد جاری رکھا دشمن انگریز کی خفیہ رپورٹ میں لکھا گیا تھا۔

" یہ بستی ۱۸۲۳ء میں وہابی لیڈر سید احمد شاہ رائے بریلوی نے قائم کی تھی
اس وقت سے اس کے اراکین کا رویہ خصومت و جنگ ہے
سیاسی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنے کے باوجود تاہنوز قائم ہے"
(بحوالہ تحریک شیخ الہند ص ۱۶۵)

سید صاحب کا زبردست مخالف ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے۔

" میں ان بے غیرتوں، حملوں، اور قتل و غارتگری کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے اس دوران مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا ایک ہی بات سے حالات کا بڑی حد تک اندازہ ہو جائے گا یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک ہم علیحدہ علیحدہ سولہ جنگی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد بیس ہزار ہوگئی تھی اور ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۳ء تک ان فوجی مہموں کی گنتی بیس تک پہونچ گئی تھی اور باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تک ہوگئی تھی بے قاعدہ فوج اور پولیس اس کے علاوہ تھی، بہرحال جب ہم نے اس مہلک گھاٹی کو چھوڑا تو اس کے چپہ چپہ پر برطانوی سپاہیوں کی قبریں موجود تھیں"
(بحوالہ تحریک شیخ الہند ص ۵۸)

مولانا اسماعیل شہید دہلوی کے دست خاص کا لکھا ہوا مخطوطہ ریاست ٹونک کے محافظ خانہ میں محفوظ تھا اس کی نقلیں ملک میں بھیجی جاتی تھیں انگریزوں نے خبر پاتے ہی وہ فتویٰ ضبط کرلیا تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا جذبہ پیدا کرنے اور اس کی سربراہی کا کارنامہ بھی اسی ولی اللّٰہی تحریک سے منسلک بزرگوں نے انجام دیا اس وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انگریز راج ختم ہو کر رہ جائے گا شاملی کے میدان میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی" مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا محمد قاسم نانوتوی حافظ ضامن شہید وغیرہ بزرگوں نے جہاد کیا اور ایک حصہ اپنے قبضہ میں لے کر اسلامی حکومت کی بنیاد بھی رکھدی تھی لیکن اندرونی غداروں اور ضمیر فروشوں کی وجہ سے آخری نتیجہ انگریزوں کے حق میں نکلا جنہوں نے اس جنگِ آزادی کو غدر کے نام سے مشہور کر دیا۔

آزادی کی اس تحریک کی ناکامی کے بعد انگریز نے ظلم و جبر کے تمام روایتی طریقے اپنائے ہندوستانی آزادی پسندوں کو بے پناہ قتل کرنے کے ساتھ مساجد و مدارس کو برباد کرنے کی پوری کوشش کر ڈالی، سب سے زیادہ انتقام مسلمانوں اور خاص طور پر علماء حق سے لیا گیا اور ملت اسلامیہ کے آثار و نشانات مٹانے کی تمام ممکنہ تدبیریں اختیار کیں ایسے نازک حالات میں یہی ولی اللّٰہی شیر علماء حق آگے بڑھے دیوبند کے مقام پر مدرسہ قائم کر کے اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو بربادی سے بچانے کا ظاہری انتظام کیا (حقیقی محافظ تو اللہ تعالیٰ ہے) ایک طرف انگلستان میں ہندوستان کے لئے یہ اعلان ہوا وزیر اعظم برطانیہ لارڈ مرسٹن نے جسے ظاہر کیا کہ۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اپنے مقصد میں متحد ہیں یہ ہمارا فرض ہی نہیں ہمارا مفاد بھی اس امر سے وابستہ ہے کہ ہم عیسائیت کو ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلا دیں، اور پھر عیسائیوں پادریوں کا سیلاب چاروں طرف سے امنڈ پڑا انگریزوں نے اسلام کو تباہ کرنے کی عملی کوشش تیز تر کر دی اور یہ پروگرام بنایا کہ مسلمانوں اور دوسرے مذہب والوں کو اگر عیسائی نہ بنایا جاسکے تو کم از کم انہیں اپنے دین سے بدگمان کر دیا جائے اسی دوران

مرزائی آریہ سماجی منکرین حدیث، دشمنانِ صحابہ اور دیگر اہل بدعت گروہ انگریز کے زیر سایہ متاع ایمان واسلام کو لوٹنے کے لئے آگے بڑھے علماء حق ملک کو دار الحرب قرار دے کر مسلسل جہاد اور اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت میں مشغول تھے اور انگریز کے نمک خوار اعلان کر رہے تھے "ہندوستان بفضلہ تعالیٰ دارالاسلام ہے"، (احکام شریعت بریلوی ص ۸۷)

"سرکار انگریزی کے احسانات اور عنایات کو ہم مرتے دم تک بھولنے والے نہیں اس کے دم سے ہماری جانیں اور ہماری عزت اور ہماری دولت محفوظ ہے"، انجام للمرزا قادیانی ص ۲۸۲ ۔ ۲۸۳)

مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان کر کے علماء حق کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو نقصان پہونچانے کی پوری کوشش کر ڈالی یہ دیوبند کا مدرسہ ہے جہاں کے فرزندوں نے ان تمام فتنوں کے سامنے بند باندھا علوم کتاب و سنت کی اشاعت فرمائی داخلی فتنوں کا بھی پامردی سے مقابلہ کیا قلمی ولسانی جہاد بھی کیا ہر ایک کو ان کے سامنے منہ کی کھانی پڑی اور اس دور میں اسلام کے سب سے بڑے دشمن انگریز کا مقابلہ بھی برابر جاری رکھا خفیہ برطانوی رپورٹ میں یہ اعتراف موجود ہے،

"دیوبند کا مدرسہ مولانا محمد قاسمؒ نے قائم کیا تھا، وہ مشہور عالم دین ہے، تاہم غدر کے بعد برطانیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مولوی حاجی امداد اللہ کا شریک ہوگیا تھا ان دونوں مولویوں کو چھپ جانا پڑا تھا"،

(بحوالہ تحریک شیخ الہند ص ۱۹۱)

پادریوں کے خلاف مولانا رحمت اللہ کیرانوی مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی مولانا محمد علی مونگیریؒ وغیرہ کی خدمات سنہرے حروف سے لکھنے جانے کے لائق ہیں، قادیانیت کے

کے خلاف مولانا گنگوہی کا فتویٰ علامہ انور شاہ کشمیری اور ان کے شاگردوں کا قولی و عملی جہاد مجلس احرار الاسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوت کی جد و جہد بزرگان دیوبند کے روشن کارناموں کا اہم حصہ ہے حدیث و معجزات کے منکروں اور صحابہ کرام کی عظمت سے کھیلنے والوں اور شرک و بدعت کی سلمانوں میں ترویج کرنے والوں کے فتنوں کا مقابلہ فرزندان دیوبند کی سنہری تاریخ کا روشن باب ہے۔

یک چراغے است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

سید صاحب کی تحریک جہاد کو حضرت شیخ الہند نے نئے سرے سے منظم کیا اور ریشمی رومال کے نام سے مشہور کی جانے والی مشہور اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے ممتاز تحریک شروع فرمائی انگریزی کی خفیہ رپورٹ میں لکھا ہے۔

"۱۹۱۰ء میں یہ تحریک پھر سر اٹھاتی ہوئی معلوم ہوئی کیونکہ افغانستان کے انگریز دشمن جماعت کے ایک نہایت طاقتور رکن نے متعصب ہندوستانیوں کی مالی امداد اور ہمت افزائی شروع کردی (تحریک شیخ الہند)

یہ تحریک ترکی خلافت کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکی ورنہ افغانستان کے راستہ ترک فوجیں ہندوستان پر حملہ کرتیں اور یہاں کے باشندے حمایت کرتے اس طرح انگریزی حکومت ختم ہو جاتی تحریک کے خاص ارکان مولانا عبید اللہ سندھیؒ مولانا محمد منصور وغیرہ ملک کے باہر سرگرم عمل تھے اور مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری حکیم اجمل خان وغیرہ ملک میں کام کررہے تھے راجہ مہندر پرتاپ وغیرہ غیر مسلم بھی تعاون کررہے تھے کیونکہ انگریزی حکومت ختم کرکے ایک ایسی حکومت ملک میں بنانے کا منصوبہ بنایا گیا تھا جو ہر مذہب کو اپنے مذہب پر آزادی سے عمل پیرا ہونے کی ضمانت دیتی اور عدل وانصاف کا نظام قائم کرتی ایک ایسا ملک جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہو وہاں کے لئے اس سے بہتر نظام

حکومت تمام باشندوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے نہیں سوچا جاسکتا تھا اسی دوران حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ جو حجاز میں ترکی خلافت کے ذمہ داروں سے نظام عمل طے کرنے کی گفتگو مکمل کرنے کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے، ان حضرات کو گرفتار کرکے خود انہوں نے انگریز کے سپرد کردیا اور یہ تحریک مسلمانوں کے باہمی اختلاف و انتشار کے سبب ناکامیاب ہوگئی یہ بزرگ مالٹا کی قید سے رہائی کے بعد جب ہندوستان واپس آئے حالات بدل چکے تھے، اپنے مسلح انقلاب لانے کے نظریہ میں ناکامیابی کے بعد ان حضرات نے طریق کار میں تبدیلی کرتے ہوئے تحریک خلافت چلائی اس کے پلیٹ فارم سے پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف جذبات بیدار کئے، اسی دوران حضرت شیخ الہند نے جمعیۃ علماء ہند قائم فرماکر علماء کرام کو متحد و متفق ہوکر ملک کو کامل آزادی دلانے کی جدو جہد میں شرکت کی دعوت دی، یہ جمعیۃ علماء تھی جس نے جنگ عظیم کے موقع پر انگریزوں سے عدم تعاون کا فتویٰ دیا جس کی حمایت خلافت کمیٹی اور کانگرس نے بھی پورے طور پر کی (جبکہ ابھی تک کانگرس مکمل آزادی کے نصب العین کو اختیار کرنے میں متردد تھی) اس فتوی کے نتیجے میں ہزاروں علماء حق کو مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں خدا تعالیٰ نے ان کو استقامت نصیب فرمائی حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح نے اس فتوے کی حمایت میں انگریز جج کے سامنے کراچی کی عدالت میں اپنا مشہور مجاہدانہ بیان سنایا جس کے ان آخری جملوں پر مولانا محمد علی جوہر نے حضرت کے قدم بے ساختہ چوم لئے، وہ یہ تاریخی جملہ ہے،

"اگر لارڈ ریڈنگ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلا دیں حدیث شریف کو مٹادیں اور کتب فقہ کو برباد کردیں تو سب سے پہلے اسلام پر اپنی جان قربان کرنے والا میں ہوں۔"

(پہلا بیان کراچی سنہ ۱۹۲۱ء)

جنگ آزادی کی رہنمائی درحقیقت علمائے حق فرمارہے تھے اور ساتھ ہی شدھی

سنگھٹن وغیرہ تحریکوں کے مقابلے میں دعوت و تبلیغ اسلام کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے،
حضرت شیخ الہند کے خدام کی قربانیاں رنگ لائیں ملک آزاد ہوا اور ہندوستان کے آزاد
ہونے سے مصر و شام و عراق او غیرہ اسلامی ممالک کی آزادی کا راستہ کھلا بد قسمتی سے
ملک کی تقسیم کے بعد فسادات اور بلوؤں کا خوفناک سلسلہ شروع ہوگیا یہ بزرگان دیوبند
مولانا آزاد، و مولانا مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا محمد میاں، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
جیسے بزرگ ہیں جنہوں نے ہندوستان میں رہ کر ملت اسلامیہ کی کشتی کو ڈوبنے سے بچایا
اور ملک میں اسلام کی حفاظت مسلمانوں کی حمایت اور دیگر مظلوموں کی امداد کرنے ملت
اسلامیہ کی تعلیمی اقتصادی سیاسی ہر قسم کی ترقی کرنے کی کوشش جاری رکھیں اسلام
کے نام پر ایک حصہ ملک سے کٹ جانے اور الگ ملک پاکستان بن جانے کے باوجود
ہندوستان میں ایسا دستور پاس کروایا جس میں تمام باشندوں کو برابر مذہبی و سیاسی
حقوق دیئے گئے ہیں اور دستور کے خلاف جو بھی اور جہاں کہیں بھی فتنے اور فسادات
اور سازشیں اور منصوبے نظر آتے وہ علماء حق ہیں پہونچے اور اپنی جانوں کو
خطرے میں ڈال کر مظلوموں کی حمایت کرتے رہے ہیں، اس کے علاوہ جمعیۃ کے
پلیٹ فارم سے ہٹ کر بھی بزرگان دیوبند علماء دین کی دینی، علمی، دعوتی
تبلیغی کوشش اور قلمی و لسانی و عملی جہاد کا سلسلہ برابر جاری ہے، ملک کے
دوسرے حصوں میں جو اب پاکستان اور بنگلہ دیش کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں وہاں
بھی اسلامی پیغام اور دین خالص کی اشاعت اور کتاب و سنت کی روشنی میں مسلمانوں
کی رہنمائی کی مخلصانہ ذمہ داری اور حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی دینی امانت
کی حفاظت میں سب سے آگے وہی فرزندان توحید اور بندگان حق اور غلامان مصطفےٰ
صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جو ولی اللّٰہی سلسلۂ دیوبند سے منسلک نہیں، اسلام اور مسلمانوں
کی حفاظت دین کا انتظام قدرت نے خاص طور پر برصغیر میں فیض یافتگان دیوبند کے ذریعہ

کرایا ہے جسے ہر انصاف پسند مورخ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گا ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

وطن اور وطنیت

ڈاکٹر محمد اقبال

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانہ کو دکھا دے

اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی رہ بحر میں آزادِ وطن صورت ماہی

ہے ترکِ وطن سنت محبوب الٰہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے

قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

اسلام خدا کا آخری اور مکمل دین ہے اور علماء ہی اس کے اصل جانکار ہیں

قاری مطلوب الحق اعظمی،
مدرس جامعہ اسلامیہ سلطانپور

اسلام خدا کا مکمل اور آخری دین ہے، اس کے سارے احکام بڑی حکمتوں سے اور بے شمار فائدوں پر مبنی ہیں اور اس کا کوئی حکم بے مقصد اور فضول نہیں ہے اس لئے مضمون کو طول دیئے بغیر نصیحت و عبرت کے لئے عرض ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں نمرود نے سر اٹھایا تو اس کو بالآخر شکست ہی کھانی پڑی اور اس کی قوم ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں پر ایمان لائی جب فرعون اور قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لڑنے کے لئے صف آرائی کی تو خدا نے فرعون کو دریا میں غرق کر دیا اور قارون کو خزانے کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا اور ان کی قوم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی جب حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ نے اپنا نبی بنا کر دنیا میں بھیجا تو ان کی قوم نے مذاق اڑانا شروع کر دیا اور مخالفت کی تو اللہ کے حکم سے نوح علیہ السلام نے ایک کشتی بنائی کہ جو اللہ پر اور میرے اوپر ایمان لا چکے ہیں وہ طوفان سے محفوظ رہ سکیں گے کیونکہ طوفان آنے والا ہے اور جو ایمان نہیں لایا ہے وہ شخص پانی میں ڈوب کر تباہ و برباد ہو جائے گا چنانچہ طوفان آیا جو ایمان لایا تھا اللہ نے اس کی حفاظت کا انتظام فرما دیا اور جو ایمان نہیں لائے وہ شخص ہلاک ہو گئے، اسی طرح مذہب اسلام کے دشمن رہے ہیں اور خود نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور مخالفین تھے، جو طرح طرح کی آپ کو اذیتیں پہنچاتے تھے مگر آپ صبر سے کام لیتے گئے بالآخر اللہ نے آپ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو کامیابی عطا کی اور دشمنوں کی شکست ہوئی اور ذلیل ورسوا بھی ہوئے آپ کے وصال کے بعد سب سے پہلے نبوت کا دعویدار مسیلمہ کذاب ہوا کہ کوئی آج تک نام لیوا نہیں ہوا، پھر تیرہویں صدی ہجری میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو علماء دیوبند نے اس کا ایسا جواب دیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا اور اس کی ذریت کا بھی پتہ نہیں چلا ابھی ۱۳۹۵ھ میں مکہ مکرمہ کے حرم پاک میں ایک شخص نے اپنے کو مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا، تو اسے گولی کا نشانہ بنا دیا گیا اسی طریقے سے آج کے ایسے موجودہ پرفتن دور میں عارف محمد خان مسلم پرسنل لا کے مسئلے میں اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں اور باوجود فہمائش کے باز نہیں آئے، یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی چیز اپنی حدود سے تجاوز کر جاتی ہے تو وہ گر جاتی ہے چنانچہ عارف محمد خان نے اپنے جاننے میں مسلم پرسنل لا کی مخالفت اس لئے شروع کی کہ میرا نام ہوگا، مگر الٹا ہوا، اور وہ لوگوں کی نظر سے گر گئے اور اپنے وقار سے ہاتھ دھو بیٹھے چنانچہ وہ اسی بناء پر اپنی سیاست کی ناکامی کی وجہ سے اپنی وزارت سے استعفا بھی دے دیا اس لئے کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں سب درست کر رہا ہوں عہدے اور طاقت کی وجہ سے مخالفت نہیں کر رہا ہوں، بلکہ مسلم خواتین کا حق دلوا رہا ہوں، حالانکہ عوام ان کی سیاست کو خوب سمجھ رہی ہے کہ عارف محمد خان یہ سب کیوں بول رہے ہیں اور کہاں سے بول رہے ہیں خود عارف محمد خان کی بیوی ہندی ہفتروزہ رسالہ رویوار کے شمارہ مارچ ۱۹۸۶ء میں رقمطراز ہیں کہ عارف محمد خان معلوم نہیں اسلام میں کونسی ایسی نئی چیز پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اسلام میں نہیں ہے" عارف محمد خان کو ہرگز ایسا اقدام نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسلام کے حدود کے اندر ہی رہ کر کام کرنا چاہئے انہیں، مسلمانوں کو کوئی اچھی راہ دکھائی چاہئے اسی میں ہم سب کی اور انکی فلاح وبہبود ہے اور اگر کوئی شخص اسلام کے دائرے سے نکل کر کوئی کام کریگا یا کوئی راستہ اختیار کریگا تو دنیا و آخرت میں بڑا نقصان اٹھائے گا اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ دین اسلام کی مخالفت کوئی معمولی چیز نہیں اس کا بڑا نقصان

اور خمیازہ بھگتنا پڑیگا کیونکہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے جو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ خاتم النبی صلے اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا اور ہم تک پہونچایا گیا ایسی صورت میں دین اسلام کی مخالفت اللہ تعالےٰ کی مخالفت اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے مترادف ہے تو پھر بھلا وہ شخص کیسے چین وسکون کی زندگی بسر کرسکتا ہے اور راحت محسوس کرسکتا ہے اس طرح سے بھی بہتیرے لوگوں نے اسلام کو نقصان پہونچانے کی کوشش کیں جسکے نتیجے میں انہیں رسوائی اٹھانی پڑی کامیابی کا تو کوئی سوال ہی نہیں، جنکا نام لینے سے آج لوگ نفرت کرتے ہیں اور حقارت سے یاد کرتے ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی جن لوگوں نے بھی مخالفت کی وہ ضرور ذلیل ورسوا ہوئے ہیں اور شکست کھائی ہیں اور آج بھی اسکا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے آج بھی دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو دین اسلام میں ادل بدل کرکے کامیابی حاصل کرسکے بلکہ اسے منہ کی کھانی پڑی ہے اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا فرماکر تمام اشیاء پر ایسے قدرت عطا کردی ہے جسے ہر عقلمند انسان سمجھ رہا ہے دین اسلام حقیقت میں اللہ کا پسندیدہ اور ابدی دین ہے تو اب جو شخص دین اسلام کی مخالفت کرے اور اپنی رائے اور بات کو بہتر سمجھے اور دوسری کو کچھ اہمیت نہ دے تو در حقیقت اس کی کھلی ہوئی گمراہی نادانی اور کبر ہے، جسکا کیا علاج ہوسکتا ہے، خود کردہ را علاج نیست ،نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء ہی کو اپنا وارث ٹھہرایا ہے اور انہیں ہی اس کا مجاز بھی بنایا ہے کہ وہی اس میں غور وفکر کریں تشریحات وتوجیہات کریں اور جو لوگ عالم نہیں ہیں انہیں قطعاً یہ حق حاصل نہیں بلکہ انکا فرض ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ خود علماء کے پاس جائیں اور جو کچھ وہ بتائیں بس اس پر عمل کریں اپنی رائے کو اسمیں ہرگز شامل نہ کریں اور نہ اپنے آپ کو اسکا اہل ہی سمجھیں عارف محمد خان اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ وہ دین کی باریکیوں کو نہ جاننے کے باوجود بھی اپنے آپ کو جانکار اور اہل علم سمجھ بیٹھے اور من مانی قرآن کی تفسیر وتشریح کرنے لگے اور جب علماء نے انہیں ٹوکا تو بگڑ گئے اور اول فول بکنے لگے جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آج وہ نہ حکومت میں رہے نہ عوام کے ہوئے، جسطرح دھوبی کا گدھا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا یہ چند سطور بطور عبرت ونصیحت ہدیۂ ناظرین ہیں تاکہ دین کی اہمیت اور اسمیں اپنی رائے زنی کی مذمت عیاں ہوجائے اور پھر کوئی شخص دین میں مداخلت کی جرأت نہ کرے ورنہ اسکا انجام بھی عارف خان ہی جیسا ہوگا ۔

خلافِ راہِ پیغمبر قدم جو بھی اٹھائے گا   کبھی رستہ نہ دیکھے گا کبھی منزل نہ پائیگا

معارف قاسمیہ

جمیل الرحمٰن پرتاب گڈھی
دارالعلوم دیوبند

ہندوستان میں سیاسی اقتدار سے محروم ہو جانے کے بعد اسلامی تہذیب و تمدن کے بقاء و تحفظ کا مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا مگر خداوند قدوس نے چند برگزیدہ علماء کے ذریعہ اپنے دین کی حفاظت کا انتظام فرمایا، اوران کو تعلیم کے ذریعہ اپنی انفرادیت کے تحفظ کا طریقہ تلقین کیا ۔

ان بزرگوں میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام نامی سرفہرست ہے حضرت اقدس قدس سرہ نے اپنی مختصر زندگی میں ایک طرف جگہ جگہ مدارس عربیہ کی صورت میں اسلام کے تحفظ کے قلعے تعمیر فرمائے جن کی روشنی سے ماحول منور ہوا اور دوسری طرف سینکڑوں مسائل پر علمی اسلوب میں وہ شاہکار تحریریں یادگار چھوڑیں، جنہیں علماء راسخین کی نظر میں "علم کلام جدید" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، ان تحریروں نے اس دور کے علمی فتنوں کے سیلاب پر بند باندھا اور علماء کے ہاتھوں میں وہ کامیاب علمی اسلحہ فراہم کئے جن کے ذریعہ پچھلی صدی میں علمی میدان فتح کئے گئے ۔

مگر عوامی سطح پر حضرت اقدس کے مرتب فرمودہ اس جدید علم کلام سے پوری طرح استفادہ نہیں کیا جاسکا کیونکہ اگرچہ زبان و بیان کی حد تک یہ تحریریں کسی پختہ کار ادیب کے کارنامے سے کم نہیں، لیکن اول تو مضامین میں ندرت ہے، دوسرے یہ کہ حضرت اقدس کے یہاں مضامین

کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ بات سے بات جب نکلتی ہے تو جملہ معترضہ کے طور پر وہ اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ اصل مضمون کی طرف واپسی دشوار ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ کسی علامت کے بغیر تسلسل کے ساتھ ان کی کتابت نے بالکل یہ کیفیت پیدا کر دی ہے جیسے شاہراہ سے منزل کی تمام علامتیں اور نشانات ختم کر دیئے گئے ہوں اور مسافر صحیح راستے پر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو گم کردہ راہ محسوس کر رہا ہو

ان ہی دشواریوں کے سبب ماضی میں بھی حضرت اقدس کے ان مضامین عالیہ کی طرف توجہ کی گئی اور ان علمی مقفل دروازوں کو کھولنے کی سعی بلیغ کی گئی، لوگ کامیاب بھی رہے، عام مسلمانوں تک یہ افادات پہونچے اور وہ ان سے مستفیض بھی ہوئے۔

ذیل میں اکابر دارالعلوم کے مضامین کی تشریحات کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے اور ان میں سے سب سے پہلے حضرت نانوتوی کو منتخب کیا گیا ہے، طرز یہ اپنایا گیا ہے کہ حضرت قدس سرہ العزیز کا ایک مضمون جو آپ کی مختلف تصانیف میں منتشر ہے اس کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے، تاکہ ایک ہی موضوع سے متعلق جتنی بھی معلومات حضرت قدس سرہ العزیز نے جمع کی ہیں ان سے ہر شخص بیک وقت استفادہ کر سکے۔

حضرت کی جو بھی عبارت ہوگی وہ مخطوطہ ہوگی، اس کے علاوہ کی تمام عبارتیں توضیحات و تشریحات ہیں،

کیا قربانی اور ذبیحہ ظلم ہے؟

اسلام کو برا سمجھنے اور اس پر تیشہ تنقید چلانے والے ابنائے وطن ہندوؤں نے یہ اعتراض ہمیشہ کیا ہے کہ اسلام کی اس سے بڑی خرابی اور کیا ہوگی کہ یہ مذہب ایک مسلمان کو اس کی لذت نفس کے لئے بے زبان جانوروں کو ذبح کرنے اور انہیں کھانے کی اجازت دیتا ہے، کیا جانوروں کو ذبح کرنے سے برا بھی کوئی ظلم ہوگا؟

ماضی میں دیانند سرسوتی نے بھی اس اعتراض کو خوب اچھالا تھا، اور آج بھی بہت سے

معارف قاسمیہ

جمیل الرحمٰن پرتاپگڈھی
دارالعلوم دیوبند

ہندوستان میں سیاسی اقتدار سے محروم ہو جانے کے بعد اسلامی تہذیب و تمدن کے بقاء و تحفظ کا مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا مگر خداوند قدوس نے چند برگزیدہ علماء کے ذریعہ اپنے دین کی حفاظت کا انتظام فرمایا، اور ان کو تعلیم کے ذریعہ اپنی انفرادیت کے تحفظ کا طریقہ تلقین کیا۔

ان بزرگوں میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام نامی سرفہرست ہے، حضرت اقدس قدس سرہ نے اپنی مختصر زندگی میں ایک طرف جگہ جگہ مدارس عربیہ کی صورت میں اسلام کے تحفظ کے قلعے تعمیر فرمائے جن کی روشنی سے ماحول منور ہوا اور دوسری طرف سینکڑوں مسائل پر علمی اسلوب میں وہ شاہکار تحریریں یادگار چھوڑیں، جنہیں علماء راسخین کی نظر میں "علم کلام جدید" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، ان تحریروں نے اس دور کے علمی فتنوں کے سیلاب پر بند باندھا اور علماء کے ہاتھوں میں وہ کامیاب علمی اسلحہ فراہم کئے جن کے ذریعہ پچھلی صدی میں علمی میدان فتح کئے گئے۔

مگر عوامی سطح پر حضرت اقدس کے مرتب فرمودہ اس جدید علم کلام سے پوری طرح استفادہ نہیں کیا جا سکا کیونکہ اگرچہ زبان و بیان کی حد تک یہ تحریریں کسی پختہ کار ادیب کے کارنامے سے کم نہیں، لیکن اول تو مضامین میں ندرت ہے، دوسرے یہ کہ حضرت اقدس کے یہاں مضامین

کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ بات سے بات جب نکلتی ہے تو جملہ معترضہ کے طور پر وہ اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ اصل مضمون کی طرف واپسی دشوار ہوتی ہے، تیسرے یہ کہ کسی علامت کے بغیر تسلسل کے ساتھ ان کی کتابت نے بالکل یہ کیفیت پیدا کر دی ہے جیسے شاہراہ سے منزل کی تمام علامتیں اور نشانات ختم کر دیئے گئے ہوں اور مسافر صحیح راستے پر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو گم کردہ راہ محسوس کر رہا ہو

ان ہی دشواریوں کے سبب ماضی میں بھی حضرت اقدس کے ان مضامین عالیہ کی طرف توجہ کی گئی اور ان علمی مقفل دروازوں کو کھولنے کی سعی بلیغ کی گئی، لوگ کامیاب بھی رہے، عام مسلمانوں تک یہ افادات پہونچے اور وہ ان سے مستفیض بھی ہوئے۔

ذیل میں اکابر دارالعلوم کے مضامین کی تشریحات کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے اور ان میں سے سب سے پہلے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو منتخب کیا گیا ہے، طرز یہ اپنایا گیا ہے کہ حضرت قدس سرہ العزیز کا ایک مضمون جو آپ کی مختلف تصانیف میں منتشر ہے اس کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے، تاکہ ایک ہی موضوع سے متعلق جتنی بھی معلومات حضرت قدس سرہ العزیز نے جمع کی ہیں ان سے ہر شخص بیک وقت استفادہ کر سکے۔

حضرت کی جو بھی عبارت ہوگی وہ مخطوطہ ہوگی، اس کے علاوہ کی تمام عبارتیں توضیحات وتشریحات ہیں،

کیا قربانی اور ذبیحہ ظلم ہے؟!

اسلام کو برا سمجھنا اور اس پر ہمیشہ تنقید چلانے والے ابنائے وطن ہندؤوں نے یہ اعتراض ہمیشہ کیا ہے کہ اسلام کی اس سے بڑی خرابی اور کیا ہوگی کہ یہ مذہب ایک مسلمان کو اس کی لذت نفس کے لئے بےزبان جانوروں کو ذبح کرنے اور انہیں کھانے کی اجازت دیتا ہے، کیا جانوروں کو ذبح کرنے سے بڑا بھی کوئی ظلم ہوگا؟

ماضی میں دیانند سرسوتی نے بھی اس اعتراض کو خوب اچھالا تھا، اور آج بھی بہت سے

لوگ اس اعتراض کو دہرا رہے ہیں، مذکورہ اعتراض کا مسکت اور خاموش کر دینے والا جواب بہت سے لوگوں نے دیا ہے، لیکن حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز نے جو اس کا جواب مرحمت فرمایا ہے وہ اپنی نظیر نہیں رکھتا فرماتے ہیں کہ "جو لوگ گوشت کھانے کو بہت برا جانتے ہیں، ان کے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہیں ہے کہ ظاہر میں ذبح کرنا جانوروں کا ظلم معلوم ہوتا ہے، اور ظلم ہر مذہب و ملت میں بلکہ ہر کس و ناکس کے نزدیک برا ہے۔

واقعی یہ دھوکہ ایسا ہے کہ ایک دفعہ تو اچھے عقلمندوں کو بھی بھلا دیتا ہے، پس ان حضرات کو اگر خدا تعالیٰ عقل سلیم اور نظر انصاف عنایت فرما دے تو صاف معلوم ہو جائے کہ اس کو ظلم سمجھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص جس کو سونے اور پیتل اور بلور اور پھٹک (کچا ہیرا) اور زمرد اور سبز کانچ کی تمیز نہ ہو، اور سونے اور بلور اور زمرد کی کان پر جائے اور دیکھے کہ ہزارہا سونا اور جوہری گودیں بھر بھر لئے جاتے ہیں، پھر اپنی بے تمیزی سے سونے کو پیتل اور بلور کو پھٹک اور زمرد کو سبز کانچ سمجھ کر چھوڑ دے اور اٹھا لینے والوں پر اعتراض کرے ۔ ۔ ۔ ۔ مناسب تو یوں تھا کہ یہ بھی ان کا اتباع کرتا اور جانکاروں کو طلبگار دیکھ کر اپنی سمجھ کو غلط سمجھتا تو محروم نہ رہتا۔

"دستور عام ہے کہ جس طرف زیادہ عاقل ہوتے ہیں اسی طرف عقل کی بات ہوتی ہے، پھر تماشا ہے کہ سارا جہان ایک طرف ہے یہاں تک کہ ہندوؤں میں سے بھی بہت سی قومیں، تا پھر بھی اہل ہنود گوشت کھانے کو ظلم اور کھانے والے کو ظالم سمجھتے ہیں اور اپنی وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہے جا دیں، اس سے زیادہ اور کیا ناحق شناسی ہوگی۔

ظلم کے معنی

"مصنف کے نزدیک تو یہی بات بہت ہے پر مزید توضیح کے لئے اتنا اور بیان کیا جاتا ہے کہ ظلم کے معنی نہ فقط ایذا رسانی ہے ورنہ سانپ اور بچھو اور شیر کا مارنا جو سب کے نزدیک بالاتفاق ہندوؤں یا مسلمان جائز ہے بلکہ بعضے موقع پر واجب ۔ یقیناً حرام ہوتا، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی غیر کی چیز کو کسی کام کی نہ ہو اسکی بے اجازت تصرف میں نہ لاؤ، اپنی چیز کا اختیار ہے جلاؤ یا پھونکو، توڑ دو یا موڑ دو۔

"اس صورت میں اگر خداوند کریم بھی جس نے ہمیں اور سب چیزوں کو بنایا ہے، جہان کو اپنا کیے اور گائے بھینس، بکری وغیرہ کو اپنا کرکے اپنی اشرف المخلوقات کو اجازت دے کہ ان کا گوشت تمہارے کار آمد ہے کھاؤ اور مزے اڑاؤ، پر حد سے باہر نہ جاؤ تو فرمائیے کیا گناہ، اور کون سی تقصیر۔

انسان کو خدا تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے، اور اشرف کے لئے ادنیٰ کا استعمال میں لانا قاعدہ عام ہے، کون نہیں جانتا کہ اچھے مکان کے بنانے کے وقت اینٹوں کو کیسا کیسا توڑ پھوڑ کر، گڑھ گڑھ کے لگاتے ہیں، مکان اور اہل مکان کو اینٹوں سے افضل سمجھا تو یہ ستم اینٹوں پر روا رکھا استینے کے واسطے کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ اینٹ یا سنگ موسیٰ یا سنگ مرمر یا زمرد یا یاقوت یا لعل کو گڑھ کے اور بیل بوٹے اس پر تراش کے تیار کر کے رکھتا ہو۔

ایسی مسلمان کہتے ہیں کہ اشرف المخلوقات کے لئے اس نے مناسب نامناسب دیکھ کر اجازت کھانے پینے اور استعمال میں لانے کی دی ہے، اور رفع شبہ کے لئے ہزاروں مثالوں سے اس عالم کو بھر دیا۔ (تحفہ لحمیہ حضرت نانوتوی)

حضرت تھانوی نے اسی قاعدے کے تحت کچھ مثالیں ذکر فرمائی ہیں جو اشرف کے لئے ادنیٰ کے استعمال کو خوب واضح کر دیتی ہیں فرماتے ہیں "ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی دوست آجائے تو جو کچھ ہمارے پاس ہو اس کی خوشی کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے گھی آٹا گوشت وغیرہ قیمتی اشیاء اس پیارے کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اس سے زیادہ عزیز ہو تو مرغ مرغیاں حتی کہ بھیڑیں اور بکرے قربان کئے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر گائے بھینس اور اونٹ بھی عزیز مہمان کے لئے قربان کر دیئے جاتے ہیں۔

طب میں دیکھا گیا ہے کہ وہ قومیں جو اس کو جائز نہیں سمجھتیں کہ کوئی جاندار قتل ہو وہ بھی

اپنے زخموں کے سینکڑوں کیڑوں کو مار کر اپنی جان کو قربان کر دیتے ہیں ۔ اس کے اوپر چلو تو ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ لوگوں کو اعلیٰ کے لئے قربان کیا جاتا ہے ، مثلاً بھنگی ہیں گو تمام قوموں کے عید کا ہی دن ہو مگر ان بے چاروں کے سپرد وہی کام ہوتا ہے ، بلکہ ایسے ایام میں ان کو زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ لوگوں کی آسائش و آرام کی خاطر کوئی گندگی کسی گذرگاہ میں نہ رہنے دیں ، گویا ادنیٰ کی خوشی اعلیٰ کی خوشی پر قربان ہوئی ۔

بعض ہندو گئو رکھشا بڑے زور سے کرتے ہیں لدا خ کے ملک ...... میں تو دودھ تک نہیں پیتے کیونکہ یہ بچھڑوں کا حق ہے ، مگر یہاں کے ہندو دھوکہ دیکر اس کا دودھ دوہ لیتے ہیں اور پھر اسی سے اور اس کی اولاد سے سخت کام لیتے ہیں ، یہاں تک کہ اپنے کاموں کے لئے انہیں مار مار کر درست کرتے ہیں ، یہ بھی ایک قسم کی قربانی ہے ۔

ادنیٰ سپاہی اپنے افسر کے لئے اور وہ افسر اپنے اعلیٰ افسر کے لئے اور وہ اعلیٰ افسر اپنے بادشاہ کے لئے قربان ہوتا ہے ، پس خدا نے اس فطرتی مسئلہ کو برقرار رکھا ، اور اس قربانی میں تعلیم دی کہ ادنیٰ اعلیٰ کے لئے قربان کیا جائے ۔

خدا تعالیٰ کا فعل دیکھو کہ ہوا میں باز ، شکرے ، گدھ وغیرہ شکاری جانور موجود ہیں اور وہ غریب پرندوں کا گوشت ہی کھاتے ہیں ، گھاس اور عمدہ سے عمدہ میوے اور اس قسم کی کوئی چیز نہیں کھاتے پھر دیکھو آگ میں پروانے کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے ، پھر پانی کی طرف خیال کرو کہ اس میں کس قدر خونخوار جانور موجود ہیں ، گھڑیال اور بڑی بڑی مچھلیاں ، اود بلاؤ وغیرہ یہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کو کھا جاتے ہیں ؛ بلکہ بعض مچھلیاں قطب شمالی سے قطب جنوبی تک شکار کے لئے جاتی ہیں ، پھر ایک اور قدرتی نظارہ سطح زمین پر دیکھو کہ چیونٹی خور جانور کیسے زبان نکالے پڑا رہتا ہے ، جب بہت سی چیونٹیاں اس کی زبان کی شیرینی کی وجہ سے اس کی زبان پر چڑھ جاتی ہیں تو جھٹ زبان کھینچ کر سب کو نگل جاتا ہے ، مکڑی مکھیوں کا شکار کرتی ہے ، مگس خور جانور اپنی غذا ان جانوروں کو ہی مار کر ہضم پہونچاتے ہیں ، بندروں کو چیتا مار کر

کھاتا ہے، جنگل میں شیر بھیڑیئے، تیندوے کی غذا جو مقرر ہے وہ سب کو معلوم ہے، بلی کس طرح چوہوں کو پکڑ کر ہلاک کرتی ہے۔

اب بتلاؤ کہ اس نظارۂ عالم کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون ذبح جو عام طور پر جاری ہے یہ کسی ظلم کی بناء پر ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر انسان پر حیوان کے ذبح کرنے کے ظلم کا الزام کیا مطلب رکھتا ہے، انسان کے جوئیں پڑ جاتی ہیں، یا کیڑے پڑ جاتے ہیں، کیسے بے باکی سے ان کی ہلاکت کی کوشش کی جاتی ہے، کیا اس کا نام ظلم رکھا جاتا ہے جب اسے ظلم نہیں کہتے کہ اشرف کے لیئے اخس کا قتل جائز ہے تو ذبح پر اعتراض کیونکر ہوسکتا ہے،، (۱)

---

(۱) المصالح العقلیہ حضرت تھانویؒ

موجودہ ہندوستان میں

علومِ اسلامیہ کی تعلیم وتدریس

(ایک عمومی جائزہ)

ڈاکٹر ماجد علی خان
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

نوٹ
" یہ مقالہ معمولی اختصار کے ساتھ آل انڈیا ریڈیو دہلی کی اردو سروس سے نشر ہو چکا ہے "

ہندوستان میں علومِ اسلامیہ کی تعلیم کا آغاز اس ملک میں مسلمانوں کی آمد سے شروع ہوا ابتداء میں علوم اسلامیہ کے مراکز سندھ، ملتان اور لاہور میں تھے، جب مسلمان حکمرانوں نے دہلی فتح کیا تو بادشاہوں کی قدر دانی سے علماء باکمال اطراف سے سمٹ سمٹ کر دہلی آنے لگے اور اس شہر کو علوم اسلامیہ کی تعلیم وترویج کے اعتبار سے بھی مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی، تیرھویں صدی عیسوی (یعنی ساتویں صدی ہجری) سے سولھویں صدی عیسوی (یعنی دسویں صدی ہجری) تک اس ملک میں اسلامی علوم کی تعلیم کا دور اول شمار کیا جاتا ہے جبکہ صرف، نحو، بلاغت فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر اور حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی، بعد میں علوم تقریباً یہی رہے صرف مختلف کتابوں میں تبدیلی ضرور کردی گئی، سترھویں صدی عیسوی کے اواخر اور اٹھارھویں صدی کے شروع یعنی بارھویں صدی ہجری میں اس ملک میں علوم اسلامیہ کے مشہور ترین نصاب، درس نظامی کا اجراء ہوا جس کی بنیاد ملا نظام الدین نے رکھی تھی، ملا نظام الدین

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے معاصرین میں سے تھے، لہٰذا اس نصاب میں کچھ تبدیلیوں کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نصاب درس میں رائج کتب شامل کی گئی تھیں، اس نصاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قوت مطالعہ اور اعمانِ نظر کا زیادہ خیال رکھا گیا تھا، جس کی وجہ سے بشرطیکہ صحیح طریقہ پر پڑھایا گیا ہو، طلبہ میں دقتِ نظر، قوت مطالعہ اور احتمال آفرینی پیدا ہوتی ہے موجودہ دور میں ہندوستان کے اندر علوم اسلامیہ کی تعلیم عربی مدارس اور یونیورسٹیوں کی سطحوں پر ہوتی ہے۔

جہاں تک عربی مدارس کا سوال ہے اس ملک میں ان کا ایک جال پھیلا ہوا ہے، میری کوتاہ نظر میں تعداد کے اعتبار سے جتنے عربی مدارس اس ملک میں ہیں شاید ہی کسی دوسرے اسلامی یا غیر اسلامی ملک میں اس قدر ہوں، شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک عربی مدارس کا ایک لمبا سلسلہ ہے، شمالی ہندوستان کے بعض دیہاتوں میں اور چھوٹے چھوٹے قصبوں میں ایسے مدارس مل جائیں گے جہاں ہر سال سیکڑوں کی تعداد میں طلبہ فضیلت اور عالمیت کی اسناد حاصل کرتے ہیں۔ دیوبند، سہارنپور، ضلع مظفر نگر، جلال آباد، میرٹھ، مرادآباد، رامپور، بردوئی، لکھنؤ، اعظم گڑھ اور بنارس وہ چند مقامات ہیں جن کو صرف ایک صوبے یعنی اترپردیش میں علومِ اسلامیہ کے اعتبار سے مرکزی حیثیت حاصل ہے ان میں سے بیشتر اضلاع و مقامات پر ایک سے زیادہ بڑے بڑے مدارس ہیں جہاں نہ صرف ہندوستان کے اطراف وجوانب سے بلکہ غیر ممالک سے بھی بکثرت طلبہ علم کی پیاس بجھانے آتے ہیں اور علوم اسلامیہ کو حاصل کرتے ہیں، دیوبند کا مدرسہ دارالعلوم، لکھنؤ کا دارالعلوم ندوۃ العلماء اور سہارنپور کا مظاہر علوم بین الاقوامی شہرت کے حامل مدارس ہیں، ان میں سے ہر ایک خود ایک جامعہ (یونیورسٹی) کا درجہ رکھتا ہے جہاں طلبہ کی تعداد سیکڑوں سے تجاوز کرکے ہزاروں تک پہونچی ہے۔

عربی مدارس میں ایک بڑی تعداد ایسی ہے جہاں درس نظامی کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے اس نصاب کی موجودہ شکل میں احادیث کی صحاح ستہ تعلیم کے

آخری مرحلہ میں پڑھائی جاتی ہیں جس کے بعد طالب علم کو فضیلت کی سند عطا کی جاتی ہے اس طرز کے مدارس میں دارالعلوم دیوبند کو ام المدارس کا درجہ حاصل ہے، درس نظامی میں صرف و نحو کی اعلیٰ تعلیم، منطق، فلسفہ، ادب، عقائد، فقہ و اصول فقہ، تفسیر و اصول تفسیر اور حدیث و اصولِ حدیث وغیرہ مضامین خاص طور پر پڑھائے جاتے ہیں اور طالب علم کو ان علوم میں مہارت پیدا کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

کچھ عربی مدارس گورنمنٹ سے منظور شدہ عربی مدارس بورڈوں کے نصاب کو اختیار کئے ہوئے ہیں، یہ نصاب بھی درس نظامی سے زیادہ مختلف نہیں ہے، اس میں طالب علم کو تعلیم کے تین مراحل سے گذرنا پڑتا ہے، پہلا مرحلہ "مولوی" کا دوسرا "عالم" اور تیسرا و آخری مرحلہ "فاضل" کا ہے جس کو عام طور پر "مولوی فاضل" کہتے ہیں، یہ امتحانات عربی مدارس بورڈوں کے ذریعہ منعقد کرائے جاتے ہیں جن کے جگہ جگہ مراکز ہیں، ایک ایسا بورڈ الہ آباد میں بھی ہے جس کے تحت اتر پردیش (یعنی یو، پی) میں مختلف مقامات پر امتحانات کے لئے مراکز قائم ہیں، اس کا نگراں رجسٹرار عربی مدارس (یو پی) ہے جس کا دفتر الہ آباد میں ہے، یہ صوبائی گورنمنٹ کا ایک گزیٹیڈ افسر ہوتا ہے اس طرح ان امتحانات کا کنٹرول گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہوتا ہے رام پور کا قدیم اور مشہور مدرسہ، مدرسہ عالیہ انہی امتحانوں کے نصاب کے مطابق طلبہ کو تعلیم دیتا ہے، مدرسہ عالیہ رامپور بھی صوبائی گورنمنٹ کا ایک ادارہ ہے، باقی عربی مدارس جو ان امتحانات کی تیاری کراتے ہیں یا تو پرائیویٹ ہیں یا پھر گورنمنٹ کی طرف سے تسلیم شدہ اور امداد یافتہ ہیں، مثلاً میرٹھ کا دارالعلوم ایک ایسا ادارہ ہے جو صوبائی گورنمنٹ سے تسلیم شدہ ہے (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے الہ آباد بورڈ کے ان امتحانات کو تسلیم کرلیا ہے اور "مولوی" کی سند یافتہ طالب علم وہاں سے صرف انگریزی میں ہائی اسکول، "عالم" کی سند پانے والا طالب علم پری یونیورسٹی کا امتحان صرف انگریزی میں بشرطیکہ وہ ہائی اسکول انگریزی میں پاس کرچکا ہو اور "فاضل" کی سند رکھنے والا طالب علم صرف انگریزی میں بی، اے کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ پری یونیورسٹی انگریزی

ہیں پاس کر چکا ہو، صرف انگریزی میں مختلف امتحان و دیگر امتحانات کے لئے علی گڑھ میں کئی دیگر
بورڈوں اور مدارس کے امتحانات بھی تسلیم کئے جاتے ہیں، مثلاً دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء
لکھنؤ اور مظاہر علوم سہارنپور وغیرہ) جموں اینڈ کشمیر، پنجاب اور بنگال وغیرہ میں بھی اس قسم کے
بورڈ ہیں، لکھنؤ یونیورسٹی (اور کچھ دیگر یونیورسٹیوں) میں بھی "عالم" "فاضل" یا ان کے متبادل
امتحانات ہوتے ہیں، حال میں آسام میں بھی ان امتحانات کے لئے اس قسم کا ایک بورڈ بنا
ہے،

کچھ عربی مدارس درس نظامی سے مختلف نصاب تعلیم کو پڑھاتے ہیں، دارالعلوم ندوۃ
العلماء لکھنؤ کا نصاب ایک منفرد نصاب ہے جس میں عربی .... زبان و ادب، عقائد، فقہ و
اصول فقہ، تفسیر و اصول تفسیر اور حدیث و اصول حدیث کے علاوہ عصری علوم مثلاً جغرافیہ
تاریخ اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ میں بھی
ایک خاص سطح تک علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے، اس
قسم کے مدارس دیگر مقامات پر بھی قائم ہیں، مرکزی درس گاہ جماعت اسلامی، رامپور کے نصاب
میں علوم اسلامیہ اور عصری علوم دونوں کی ایک خاص سطح تک آمیزش ہے۔

جنوبی ہند میں حیدر آباد، مدراس، عمر آباد، بنگلور اور کیرالہ، مغربی ہند میں گجرات کے قصبوں
اور شہروں بالخصوص ڈابھیل، پالنپور، کلفلیتہ، راندھیر اور ضلع سورت کے دیگر دیہات و قصبوں
اور مشرقی ہند میں بنگال بالخصوص کلکتہ، آسام اور اڑیسہ میں بھی بکثرت عربی مدارس قائم ہیں،
بہار اور مدھیہ پردیش میں بھی عربی مدارس کثرت سے مل جائیں گے، اسی طرح راجستھان اور
ہریانہ میں میوات میں بھی، دہلی میں کئی مشہور عربی مدارس قائم ہیں جن میں غالباً قدیم ترین مدرسہ
حسین بخش ہے، اس کے علاوہ فتحپوری کا مدرسہ عالیہ، مدرسہ امینیہ اور نیا قائم شدہ مدرسہ رحیمیہ،
وغیرہ بھی مشہور ہیں، حال میں نئی دہلی میں جوگا بائی اوکھلا کے علاقہ میں ایک عربی مدرسہ ایک
اسلامی مرکز کے تحت قائم کیا گیا ہے۔

زیادہ تر عربی مدارس حنفی مکتبۂ فکر کے ہیں، لیکن اہل حدیث، اہل تشیع اور شافعی حضرات کے مدارس بھی جگہ جگہ موجود ہیں۔ جن میں سے کئی کافی مشہور ہیں مثلاً جامعۃ السلفیہ بنارس اور جامعہ سیفیہ سورت وغیرہ۔

یونیورسٹی کی سطح پر ایم۔ اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی۔ (P.H.D.) تک کی تعلیم وتحقیق کا انتظام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں ہے، اس کے علاوہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں بھی علوم اسلامیہ کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہے، اور اس کا ایک شعبہ قائم ہے کشمیر یونیورسٹی سرینگر میں حال میں بی۔ اے (B.A.) تک علوم اسلامیہ کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے اور علوم اسلامیہ کو شعبۂ عربی کے تحت رکھا گیا ہے، پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں دیگر مذاہب کے ساتھ "اسلام" صرف ایم، فل (M.PHIL) کی سطح پر پڑھایا جاتا ہے، اس طرح تقابلی مطالعہ کے تحت شانتی نیکیتن میں بھی مطالعہ کیا جاتا ہے شاید کچھ اور یونیورسٹیوں میں بھی اسلام مذہب (یا تہذیب اسلامی) کو تقابلی مطالعہ کے تحت پڑھایا جاتا ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک پوری فیکلٹی علوم دینیہ کے لئے قائم ہے جسکو فیکلٹی آف تھیالوجی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس میں طالب علم کسی بھی مضمون میں گریجویٹ (B.A. ، BSc وغیرہ) کی تعلیم کے بعد دینیات میں بی، اے یعنی بی، ٹی، ایچ، (B.T.H) اور پھر دینیات میں ایم، اے یعنی ایم ٹی ایچ (M.T.H.) کر سکتا ہے اور پھر دینیات میں ہی پی، ایچ، ڈی (P.H.D.) بھی کر سکتا ہے، ہندوستان کی یہ واحد یونیورسٹی ہے جس میں تھیالوجی (دینیات) میں ڈی، لٹ کی سطح پر ڈی، ٹی، ایچ (D.T.H) کی ڈگری حاصل کرنے کا بھی انتظام ہے، دینیات کی فیکلٹی میں دو شعبے ہیں، ایک سنی دینیات کا اور دوسرا شیعہ دینیات کا ان کے نصاب میں عقائد، حدیث و اصول حدیث، تفسیر و اصول تفسیر، فقہ و اصول فقہ وغیرہ نیز مذاہب کے تقابلی مطالعہ کو شامل کیا گیا ہے، ان کے علاوہ عربی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے۔

علی گڑھ میں فیکلٹی آف تھیالوجی کے علاوہ اسلامک اسٹڈیز (ISLAMIC STUDIES) کا بھی ایک شعبہ ہے اس میں بھی بی، اے (آنرز) ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، ڈی، لٹ کی ڈگری کے لیے تعلیم وتحقیق کا انتظام ہے، اسلامک اسٹڈیز کا نصاب تعلیم یوروپین اورامریکن یونیورسٹیوں میں پڑھائی جانے والی اسلامک اسٹڈیز کے نصاب سے ملتا جلتا ہے، اسمیں اسلام کی تاریخ تہذیب وتمدن، علوم اسلامیہ (علم تفسیر قرآن، علم حدیث، فقہ، علم کلام اورتصوف) کا نشوونما وارتقاء اوران کے خاص خاص اصول، عربی یا فارسی زبان، ہندوستان میں اسلام کی تاریخ تہذیب وتمدن وغیرہ جیسے مضامین پڑھائے جاتے ہیں، ترکی زبان بھی پڑھانے کا انتظام ہے

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں گریجویٹ سطح پر دینیات لازمی ہے مضمون کی حیثیت سے لی جاتی ہے، غیر مسلموں کے لئے اس کا متبادل مضمون ہے، اس کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ویسٹ ایشین اسٹڈیز کے نام سے بھی ایک ادارہ ہے جس میں مشرق وسطیٰ کی تہذیبی، ادبی اورسیاسی تاریخ وجغرافیہ وغیرہ پڑھایا جاتا ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں اسلامک اسٹڈیز ایک بڑے شعبہ اسلامک، عرب و ایرانین اسٹڈیز کے تحت پڑھائی جاتی ہے، یہاں پر بی، اے (آنرز، پاس)، ایم، اے و پی، ایچ ڈی کی ڈگریوں کے لئے اسلامی تعلیم وتحقیق کا انتظام ہے یہاں کی اسلامک اسٹڈیز کا نصاب تعلیم کچھ تبدیلی کے ساتھ علی گڑھ کے اسلامک اسٹڈیز کے نصاب جیسا ہی ہے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ایم، اے کی سطح پر مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا پرچہ بھی شامل ہے اس کے علاوہ یہاں گریجویٹ سطح پر اسلامیات لازمی مضمون کی حیثیت سے بھی رکھی گئی ہے جس کا نصاب علی گڑھ کے لازمی دینیات کے نصاب سے تقریباً ملتا جلتا ہے، البتہ جو طلبہ اس کو نہ پڑھنا چاہیں ان کے لئے متبادل مضمون لینے کی گنجائش ہے، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے بھی کئی عربی مدارس کی اسناد کو تسلیم کیا ہے اوران اسناد کو حاصل کرنے والے طلبہ کو براہِ

راست بی ۔اے میں داخلہ کی اجازت دے دی جاتی ہے ۔البتہ ان مدارس کے طلبہ کو جن میں انگریزی زبان انٹرمیڈیٹ کی سطح تک نہیں پڑھائی جاتی ہے پہلے اس سطح کا صرف انگریزی میں امتحان پاس کرنا ہوتا ہے اس کے بعد ان کا داخلہ بی ۔اے ۔ میں ہوسکتا ہے ۔

ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی تعلیم وتدریس کا یہ عمومی جائزہ نامکمل رہے گا اگر ایک اور ادارہ کا تذکرہ نہ کیا جائے ۔تقریباً بیس سال قبل دیوبند میں ایک ایسا ادارہ بھی قائم کیا گیا ہے جو جامعہ اردو علی گڑھ کا متبادل ہے ۔اس ادارہ کا نام جامعہ دینیات اردو ہے یہ ادارہ ماہر دینیات (اردو)، عالم دینیات (اردو) اور فاضل دینیات (اردو) کے امتحانات ہندوستان میں قائم شدہ مختلف مراکز کے ذریعہ پرائیویٹ طریقہ پر لیتا ہے اور کامیاب امیدواروں کو اسناد دیتا ہے ۔اس ادارہ کے ذریعہ تفسیر قرآن ،حدیث ، فقہ ، عقائد ،اردو ،ہندی اور معلومات عامہ وغیرہ مضامین کی تعلیم پرائیویٹ طریقہ سے دی جاتی ہے ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی وغیرہ نے ان اسناد کو بھی انگریزی میں مختلف امتحانات دینے کے لئے تسلیم کیا ہے ۔

موجودہ دور میں لڑکیوں کے لئے بھی دینی تعلیم کے الگ ادارے قائم کرنے کا رجحان ہوتا جارہا ہے ۔اس سلسلہ میں جامعۃ الصالحات ،رامپور اور مالیگاؤں کا ادارہ قابل ذکر ہیں ۔ان اداروں میں تفسیر واصول تفسیر ،حدیث واصول حدیث ، فقہ ، عقائد اور عربی زبان جیسے مضامین کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے

غرض موجودہ دور میں ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی تعلیم وتدریس کا ایک وسیع نظام ہے ۔اور مسلمانوں کی دلچسپی ان علوم سے نہ صرف پوری طرح وابستہ ہے بلکہ وہ ان علوم کو اپنی مذہبی اور معاشرتی زندگی کا ایک جزلاینفک سمجھتے ہیں ۔

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو)

چند الزامات کا تجزیہ

محمد اقبال رنگونی، مانچسٹر انگلینڈ

روزنامہ جنگ لندن اور روزنامہ وطن لندن کی ۲۱ اپریل اور ۱۹ اپریل کی اشاعت میں بریلوی مکتبہ فکر کے جناب مولانا بوستان قادری آف برمنگھم کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں انہوں نے تحریک پاکستان کے بارے میں پوری خیرہ چشمی سے تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ان کے اکابر نے ہی تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی تھی نیز پاکستان کا وجود ان ہی کی مساعی جمیلہ کا مرہونِ منت ہے۔ اس کے برعکس دارالعلوم دیوبند کے بزرگوں نے تحریک پاکستان کی زبردست مخالفت کی تھی اور دارالعلوم دیوبند سے ملت از وطن ست کا نعرہ بلند ہوا، جس نے تحریک پاکستان پر ضرب کاری لگائی اس مضمون کی اشاعت سے بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان تھا ائے مناسب معلوم ہوا کہ قارئین کے سامنے حقیقت حال آشکارا کی جائے اور یہ بتلا دیا جائے کہ موصوف نے اپنے مضمون میں کس قدر دیانت و امانت کا خون کیا ہے اور کس طرح حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش فرمائی ہے۔

تمہیداً گذارش ہے کہ برصغیر ہند و پاک کے مسلمان اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ تحریک آزادی ہند اور تحریک پاکستان میں جن جن شخصیتوں نے حصہ لیا تھا ان میں کثیر تعداد اکابر دیوبند

کی بھی تھی جن کی مالی و جانی قربانیوں کے نتیجے میں ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا اور پاکستان بھی ایک اسلامی ریاست بن کر ظہور پذیر ہوا، جب بھی کوئی مؤرخ اس پر قلم اٹھائے گا وہ اس حقیقت کا اعتراف و اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے گا کہ تحریک آزادیٔ ہند ہو یا تحریک پاکستان دونوں معرکوں میں دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز سپوتوں نے بھرپور حصہ لیا تھا اور ان کی محنتوں اور قربانیوں کو اسمیں کافی دخل تھا تحریک آزادی ہند ہی کو لے لیجئے۔

اس جنگ میں شیخ المشائخ علماء دیوبند کے سرپرست شیخ و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، دارالعلوم دیوبند کے بانی قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، سرپرست دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہم نے اس معرکہ میں جہاد بالسیف میں بھی زبردست حصہ لیا تھا تاکہ مسلمانانِ ہند انگریزوں کی غلامی اور انگریزی اقتدار سے نجات حاصل کرسکیں، اس معرکہ میں ان کے کافی رفقاء نے جام شہادت نوش فرمایا حضرت گنگوہیؒ نے چھ ماہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، حضرت نانوتویؒ کو گولی لگی اس معرکہ میں حضرت حافظ ضامن صاحبؒ شہادت سے ہم کنار ہوئے اسی دارالعلوم دیوبند کے فرزند جلیل شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے فرنگی راج کا تختہ الٹنے کیلئے ترکوں کے خلیفہ اور ایران و افغانستان کے سربراہوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش فرمائی اور ان ممالک اسلامیہ کے سربراہوں اور قبائلی علاقے کے پٹھانوں میں جذبہ جہاد پیدا کیا اور متحدہ طور پر انگریزوں پر حملہ آور ہونے اور متحدہ ہندوستان کو انگریزی اقتدار سے نجات دلانے کی تحریک چلائی، انہوں نے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو قبائلی علاقے میں اور پھر افغانستان میں بنفس نفیس روانہ فرمایا اور اس مقصد کیلئے خود حجاز روانہ ہوگئے وہاں غالب پاشا اور انور پاشا سے اس بارے میں تبادلۂ خیال کیا اور اس تحریک سے انہیں آگاہ فرمایا، لیکن عرب میں ترکوں کے خلاف بغاوت ہوگئی شریف مکہ نے غداری کی اور انگریزی حکومت کے ساتھ مل گیا، اس سے اس تحریک کو نقصان بھی پہنچا اور انگریزوں کو حضرت شیخ الہند کی اس تحریک

پتہ چل گیا، چنانچہ آپ کو شریف مکہ کے ذریعہ گرفتار کرلیا گیا اور تقریباً ساڑھے تین سال مالٹا میں قید رکھا گیا گیا، جب وہاں سے آپ کو رہائی ملی، تو آپ ہندوستان تشریف لائے اور آپ نے پھر سے اس تحریک میں روح پھونکی، مگر قضائے الٰہی سے چند ماہ کے بعد آپ عالم جاودانی کو کوچ فرما گئے ادھر حضرت مولانا عبیداللہ سندھی جلاوطن قرار دیئے گئے لیکن اس کے باوجود یہ تحریک پروان چڑھتی رہی بالآخر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ سیوہاروی اور دیگر علماء کرام کی کوششوں اور قربانیوں سے متحدہ ہندوستان آزاد ہوا، اس تاریخی حقیقت کے ہوتے ہوئے آنکھیں بند کرکے یہ واویلا کرنا کہ ان کا کوئی حصہ نہیں جھوٹ اور دروغ گوئی کے سوا اور کچھ نہیں۔ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ، چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے اکابر تحریک پاکستان اور نظریہ پاکستان کے نہ صرف حامی و موید تھے بلکہ اس کے پرجوش داعی تھے۔ اور ان کی پرجوش خواہش تھی کہ مسلمانوں کے لئے ایک اسلامی مملکت کا حصول بہت ہی ضروری ہے دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ السامی نے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادیؒ کے سامنے پاکستان کی تجویز پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو بیت المال قائم ہو نظام زکوٰۃ رائج ہو شرعی عدالتیں قائم ہوں مسلمانوں کو اس کے لئے کوشش کرنی چاہیئے، ہندوؤں سے مل کر یہ مقصد حاصل نہ ہوگا، (مقدمہ حیات امداد صـ ۲۴)

حضرت مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ جو شروع شروع میں سیاسی طور پر حضرت اقدس حکیم الامت کے ہم خیال نہ تھے بلکہ کانگرس کی حامی جماعت سے تعلق رکھتے تھے لیکن جب آپ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں پہلی مرتبہ تھانہ بھون حاضر ہوتے ہیں تو اس وقت کا حال لکھتے ہوئے ایک

مقام پر تحریر کرتے ہیں کہ :

"پاکستان کا تخیل خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں، پہلے پہل اس قسم کی آوازیں یہیں کان میں پڑیں ... حضرت اقدس کی گفتگو میں یہ جزو بالکل صاف تھا۔ (نقوش و تاثرات ص۲۳)

غرض اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حضرت حکیم الامت نے قائداعظم مرحوم کے پاس ایک وفد روانہ فرمایا چنانچہ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوریؒ کی زیر قیادت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم، حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گنگلھویؒ پر مشتمل وفد نے قائداعظم مرحوم سے ملاقات کی اور حضرت حکیم الامت کی تجاویز پیش کیں، پھر دوسرا وفد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی زیر قیادت دہلی پہنچا اس وفد نے بھی قائداعظم مرحوم سے ملاقات کرکے حضرت حکیم الامت کی تجاویز پر تبادلہ خیالات کیا، اس ملاقات میں مذہب وسیاست پر بھی بحث ہوئی جس میں قائداعظم مرحوم کو اس امر کا اقرار کرنا پڑا کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے غرض کہ ان تبلیغی وفود کا قائداعظم مرحوم پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ فرماتے تھے۔

مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم و تقدس اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں تمام علماء کا علم و تقدس رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سرپرست دارالعلوم دیوبند ہیں، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی مولفہ منشی عبدالرحمن خان ملتانی ص ـــ)

یہی وجہ ہے کہ قائداعظم مرحوم حضرت تھانویؒ سے بہت عقیدت و محبت رکھتے تھے اور آخر زمانہ میں ان پر جو مذہبی رنگ غالب ہوا وہ بھی حضرت تھانویؒ کا ہی فیضان تھا، قائداعظم مرحوم کے یار غار نواب جمشید علی خان صاحب جن کے پاس اکثر قائداعظم مرحوم اپنی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح کے ساتھ موسم سرما میں باغپت جاکر رہا کرتے تھے کہتے ہیں کہ :

یہ بالکل حقیقت ہے کہ قائداعظم کی تمام تر دینی تربیت حضرت تھانوی کا فیضان تھا اور ان کا اسلامی شعور حضرت تھانویؒ کی بدولت تھا مولوی شبیر علی تھانوی نے قائداعظم کو حضرت تھانوی کے قریب لانے میں بڑا کام کیا قائداعظم باعث کے دوران قیام حضرت تھانوی کا بہت خلوص اور ادب سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ قائداعظم کو تھانہ بھون حاضر ہونے کا انتہائی شوق تھا لیکن افسوس کہ چند وجوہات کی بناء پر ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوسکی، قائداعظم مرحوم پر آخری زمانہ میں جو مذہبی رنگ غالب ہوا اور جس کو ہم سب نے دیکھا وہ حضرت تھانویؒ کی ہی جوتیوں کا صدقہ تھا۔ (تعمیر پاکستان صہ۹۲)

مسلم لیگ جو قیام پاکستان کا مطالبہ کرکے آگے بڑھ رہی تھی اس کے ساتھ حضرت حکیم الامتؒ کیا تعلق تھا اسے ان کی تحریر میں ملاحظہ کیجئے آپؒ سر سکندر حیات خان صاحب وزیراعظم پنجاب کی طرف سے آئے ہوئے ایک خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

الطاف نامہ صادر ہوا، احقر تو مسلم لیگ کا ہمیشہ حامی ہے اور وہ حمایت الحمدللہ کسی کی وجہ سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی دنیوی اصلاح میں اس وقت مسلم لیگ ہی میں شامل ہونے میں سمجھ رہا ہوں۔ (بیس بڑے مسلمان صہ ـــ)

خود بریلوی مکتبہ فکر کے علماء و زعماء کو اس امر کا اعتراف ہے کہ مسلم لیگ کے جلسوں میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو "شیخ الاسلام" اور "حکیم الامت" کہا جاتا تھا اور "اشرف علی زندہ باد" کے نعرے لگائے جاتے تھے (حوالہ آگے آرہا ہے) جس سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر نے نظریہ پاکستان کی نہ صرف حمایت کی تھی بلکہ ہر سلسلے میں قائدانہ حیثیت کے مالک تھے اور اس راہ میں حائل ہونے والی تمام مشکلات کو دور کرتے ہوئے اس کے حصول کی کوششیں فرمائیں اور کامیاب بھی ہوئے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بعد دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم اور عالم اسلام کے مایۂ ناز مفسر و محدث، متکلم و خطیب شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ

دیوبند کی سب سے زیادہ موثر اور فعال شخصیت کے مالک تھے انہوں نے خود مسلم لیگ میں شرکت فرمائی اور نظریہ پاکستان کی زبردست تائید و حمایت کی، اور مسلم لیگ کو چند دنوں میں بام عروج تک پہنچا دیا، اگر ایک طرف قائد اعظم مرحوم نے مسلم لیگ میں شرکت کو سیاسی طور پر مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیا تھا تو دوسری طرف حضرت علامہ عثمانیؒ نے مذہب وسیاست دونوں کی روشنی میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی، آپ کے سب سے پہلے پیغام کلکتہ نے کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کی کانفرنس میں وہ صور پھونکا کہ مسلمانوں کی کایا پلٹ دی پھر آپ کو اس جماعت کا صدر منتخب کرلیا گیا، آپؒ نے میرٹھ کی مسلم کانفرنس میں ایک تاریخی خطبہ دیا جس میں آپ نے مسلم لیگ کو کامیاب بنانے اور اس میں شریک ہونے کی پرزور اپیل کی، آپؒ نے تمام ملک کا دورہ فرمایا، تقریریں کیں مباحثے کئے جس کے نتیجے میں مشرقی ہند سے لیکر مغرب تک مسلمانوں میں مسلم لیگ کی اعانت اور نظریہ پاکستان کی ایک لہر دوڑ گئی جس کا سہرا حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے ہی سر بندھا، حضرت شیخ الاسلام نے پاکستان بننے کے بعد بھی پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا اور اس کے لئے انتھک کوشش فرمائی آپ نے پاکستان میں دستور ساز اسمبلی کے ایک رکن کی حیثیت سے قرار داد مقاصد کی حیثیت سے ریزولیشن بھی پاس کرایا تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے خطبات عثمانی مرتبہ پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی)

اس دارالعلوم دیوبند کی ایک اور جلیل القدر ہستی اور ممتاز محدث حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں ہندوستان کے چپے چپے کا دورہ کیا، اور تقریباً تین سال کے دوران ہی ہندوستان کے گوشے گوشے میں آپ کی مساعی جمیلہ سے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کو خاص قبول حاصل ہوا، آپ شب وروز اس تحریک کی ترقی کے لئے دور دراز کا سفر کیا کرتے تھے حتیٰ کہ سلہٹ ریفرنڈم کے بارے میں عام لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ کانگرس کے زیر اثر ہے، مگر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ کی مساعی جمیلہ نے ان لوگوں کا یہ خیال غلط ثابت کر دیا اور سلہٹ کے عوام نے پاکستان کی حمایت میں رائے دے کر

حامیان پاکستان کے سارے خدشات دور کر دیئے اور سلہٹ کا علاقہ بھی پاکستان میں داخل ہوا
الغرض ان اکابر کے علاوہ اور بھی بے شمار اکابر علماء دیوبند تھے جنہوں نے اس تحریک میں بھر
پور حصہ لیا جن میں حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مرحوم خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانوی
حضرت مولانا سید سلیمان ندوی خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب
جالندھری خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ خلیفہ
حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوریؒ خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ حضرت
مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ حضرت مولانا شبیر علی
تھانویؒ، حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ حضرت
مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ حضرت مولانا شمس الحق فریدپوریؒ حضرت مولانا شاہ
ولی اللہ صاحب الہ آبادیؒ حضرت مولانا عبد المجید صاحب بچھراویں، حضرت مولانا مفتی جمیل
احمد صاحب تھانوی مدظلہ جیسے مشاہیر دارالعلوم دیوبند شامل ہیں جو اپنے اپنے دور میں قائد
کی حیثیت رکھتے تھے، صفحات کی تنگ دامانی کے سبب ہر ایک کی ذات پر لکھنا مشکل ہے۔

بہر حال تحریک پاکستان اور نظریہ پاکستان کی حمایت و تائید میں حضرات علماء دیوبند کا
مقام اتنا اونچا اور ان کی کوششوں کا اتنا زیادہ دخل تھا کہ قائد اعظم مرحوم نے حضرت مولا علامہ
شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ سے درخواست کی کہ وہ مغربی اور مشرقی
پاکستان پر اپنے دست مبارک سے پرچم لہرائیں، چنانچہ مغربی پاکستان کا پرچم شیخ الاسلام حضرت
علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اور مشرقی پاکستان کا پرچم حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے لہرایا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا		ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ان تاریخی حقائق کے باوجود ان حضرات گرامی قدر کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا اور یہ
مذموم پروپیگنڈہ کرنا کہ تحریک پاکستان میں علماء دیوبند نے کوئی خدمات سرانجام نہیں دیں حقیقت
سے انحراف اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کے مرادف ہے، جو نہایت مذموم حرکت ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بریلوی مکتبہ فکر کے لوگ اکثر و بیشتر اپنے مضامین میں علماء دیو بند کو پاکستان کے مخالف قرار دیتے ہوئے اس کی تائید میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی کانگریس میں شرکت اور مسلم لیگ کی مخالفت کو پورے زور و شور سے پیش کرتے ہیں اور علامہ سر محمد اقبال مرحوم کی ایک فارسی کی رباعی پیش کر کے حضرت اقدس مدنیؒ اور علماء دیو بند پر اتہام و الزام کی بارش برساتے ہیں کہ انہوں نے نظریہ پاکستان کی مخالفت کی تھی لیکن یہ حضرات اس حقیقت کو ہمیشہ بھول جایا کرتے ہیں کہ اگر حضرت اقدس مدنیؒ نے کانگرس کا ساتھ دیا تو آخر اس کی وجہ کیا تھی، اور قیام پاکستان کے بعد حضرت اقدس مدنیؒ کا موقف کیا تھا، ؟ اگر یہ حضرات تعصب کی نگاہ ہٹا کر حضرت اقدس مدنیؒ کا قیام پاکستان کے قبل اور قیام پاکستان کے بعد کا موقف معلوم کریں تو وہ بھی حضرت اقدس مدنیؒ پر کوئی الزام لگانے کی جسارت نہیں کر سکیں گے، مگر جن لوگوں کا وطیرہ ہی امت میں افتراق و انتشار پیدا کرنا ہے انہیں غور و فکر کی فرصت کہاں، اور تاریخی حقائق کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنے میں دلچسپی کیوں ؟

پھر یہ بھی تو دیکھئے کہ دوسری طرف قیام پاکستان کے بانیوں اور حامیوں اور اس کے پرجوش داعیوں میں دارالعلوم دیو بند کے بے شمار جلیل القدر اکابر تھے جو اس سلسلے میں قائدانہ حیثیت کے مالک تھے اور انہوں نے قیام پاکستان کے بعد دستور بنانے اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی ریاست بنانے میں کس قدر تعاون کیا ہے ؎

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں　　　ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

جو لوگ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر آئے دن کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں انہیں اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ قیام پاکستان سے قبل جب یہ تحریک ابتدائی مرحلے میں تھی تو اس سے اختلاف نہ کفر تھا نہ جرم، ایک نظریہ کی حمایت اور اس سے اختلاف تھا ایک نے اپنے غور و فکر اور علمی اجتہاد سے متحدہ ہندوستان کو مسلمانوں کے لئے بہتر سمجھا اور دوسرے نے

مسلم لیگ کے ساتھ رہنے کو اپنے اجتہاد کی روشنی میں بہتر خیال کیا، پھر یہ حقیقت بھی واضح ہے کسی سیاسی اور علمی مسائل میں اختلاف اگر نیک نیتی اور دیانت پر مبنی ہو تو کسی کو بھی غلط کہنا صحیح نہیں، ہاں اپنے اپنے دلائل کی روشنی میں ہر شخص اپنے آپ کو صحیح سمجھے تو درست ہے، مثلاً کئی مسائل میں حضرات صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہوا، ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہوا، فقہا کا اختلاف ہوا، حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے اپنے استاذ حضرت امام ابو حنیفہؒ النعمان سے اختلاف کیا حالانکہ حضرت الامام ان کے استاذ تھے۔ اسی طرح کا اختلاف یہاں بھی ہوا حضرت مدنیؒ نے اپنے دلائل کی روشنی میں اس امر کو بہتر خیال کیا کہ متحدہ ہندوستان مسلمانوں کے لئے بہتر ہے اور دوسری طرف کے اکابر نے قیام پاکستان کو بہتر سمجھا، حضرت مدنیؒ کے اختلاف کا مقصد... مسلمانوں کے سودے بازی یا نظریہ پاکستان پر ضرب کاری لگانے کا ہرگز نہ تھا، بلکہ ان کا خیال تھا کہ مسلمان وہ قوت ایمانی اور ہمت عمل رکھتے ہیں کہ متحدہ ہندوستان میں کبھی مغلوب نہ ہوں گے مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہے جو حالات کے کسی بھی موڑ پر اپنا کردار پورا کر سکتی ہے اگر یہ ایک ہو کر رہیں اور آپس میں اتفاق و اتحاد کا مظاہرہ کریں اور محمد بن قاسمؒ اور محمود غزنویؒ وغیرہم جیسے حضرات کا جذبہ اپنے اندر بیدار کریں تو دوسری قومیں اس کا بال بیکا نہیں کر سکتیں اور اگر خدا نخواستہ یہ جذبہ مفقود رہا بے عملی، الحاد، زندقہ، نااتفاقی، انتشار و اختلاف نے راہ پکڑی تو پھر ایک علیحدہ مملکت لے کر بھی ان کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا، دوسری طرف کے اکابر حالات پر گہری نظر رکھتے ہوئے اس بات کو بہتر سمجھ رہے تھے کہ علیحدہ ملک کا حصول بہت ضروری ہے، دوسری قوموں کے ساتھ رہ کر مقصود اصلی حاصل نہ ہو سکے گا۔

حضرت مدنیؒ کا موقف اور اختلاف کسی غرض پر مبنی نہ تھا بلکہ دیانت، و خلوص اور مسلمانوں کی بھلائی و بہتری پر ہی منحصر تھا، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مسلم لیگ کے جلسوں میں بارہا اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ:

" مجھے مولانا مدنی سے پورا سیاسی اختلاف ہے مگر مجھے ان کی دیانت پر کبھی

ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں ہوا" (دارالعلوم دیوبند نمبر)

یہ ہے حقیقت حضرت مدنیؒ کے اختلاف کی۔ اب جب پاکستان بن گیا تو حضرت مدنیؒ کا موقف کیا تھا اسے بھی ملاحظہ کر لیجئے:۔

ایک مرتبہ ایک مجلس میں کسی صاحب نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے پوچھ لیا کہ حضرت پاکستان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو آپ نے نہایت سنجیدگی اور بشاشت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

"مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن جب وہ بن گئی تو مسجد ہے"

(شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات ص ۱۷۶)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت مدنیؒ کا اختلاف خلوص و دیانت پر ہی مبنی تھا اور قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان اور اہل پاکستان کے حق میں دعائیں کیا کرتے تھے اور آپ نے اپنے خدام متوسلین، معتقدین، مریدین و تلامذہ کو (جو پاکستان میں تھے) ہمیشہ اس بات کی تلقین کی کہ وہ پاکستان کی بقا ترقی، خوشحالی، استحکام کے لئے سینہ سپر رہیں۔ اس کے باوجود جو لوگ حضرت مدنیؒ کے نام کو مخالف پاکستان کے طور پر لے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہتے ہیں، وہ ملک و ملت کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے بلکہ تاریخی حقائق پر ڈاکہ ڈال کر پاکستان کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

June 86

Dr. Z. H. ... Library, J. M. I. New Delhi

دارالعلوم دیوبند کا دینی و علمی ترجمان
ماہنامہ
دارالعلوم
شمارہ نمبر ۳
جون ۱۹۸۶ء مطابق شوال المکرم ۱۴۰۶ھ
جلد نمبر ۶۹
نگران
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
مدیر
مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی
فی پرچہ -/۳
سالانہ -/۳۰
سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے
سعودی عرب، کویت، ابوظبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ بھی بذریعہ ایرمیل -/160 Rs -/160
پاکستان -/65 Rs ہندوستانی۔ بنگلہ دیش -/65 Rs ہندوستانی
محبوب پریس دیوبند
سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپکا زرِ تعاون ختم ہوگیا

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اولین فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔

(۲) پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ /۶۰ روپئے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد، ملتان، پاکستان، کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

(۳) خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں، خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

والسلام۔ مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

حبیب الرحمٰن قاسمی

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ خاصانِ خدا کی دعائے سحرگاہی کا ثمرہ، علماء حق کے جذبۂ ایثار وقربانی کا مظہر، مجاہدین اسلام کے جہد واخلاص کی لازوال نشانی، علم ومعرفت کا حسین امتزاج، مسلمانان ہند کے حیاتِ ملی کی صراط مستقیم اور لامذہبیت کے اس دور میں اسلامی تہذیب وتمدن اور دینی آثار واقدار کا نقیب اور علمبردار۔

دارالعلوم دیوبند کیا؟ تاریخ اسلامی کی اولین درسگاہ "صفہ" کی یادگار اور عکس جمیل، جس کی بنیاد توکل علی اللہ، اور خدا کے صالح اور باحوصلہ بندوں کے مخیلانہ جذبات پر رکھی گئی۔ جس نے نہ کبھی کسی نواب ورئیس کے مراحم خسروانہ کی طرف نگاہ اٹھائی اور نہ کسی حاکم وامیر کی داد ودہش کی پرواکی، جس کا سراپا وجود اپنے ابناء اور فرزندوں کو اعتماد علی اللہ اور عرفان خودی کی تعلیم دیتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند! ہی برصغیر کی وہ واحد اسلامی چھاؤنی ہے جس نے اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کا مؤثر مقابلہ کیا ہے۔ خواہ وہ فتنہ آریہ سماج کی طرف سے اٹھایا گیا ہو یا سدھی وسنگٹھن کے نام پر، چاہے وہ فتنہ قادیانیوں اور بہائیوں نے برپا کیا ہو یا رضاخانیوں اور مودودیوں نے، چاہے وہ فتنہ سبائیت کی شکل میں نمودار

ہوا ہو یا ناصبیت کی صورت میں

دارالعلوم دیوبند! ہی وہ تربیت گاہ حریت ہے جس نے اسلامیان ہند کو ”جمعیۃ علمائے ہند“ جیسی اولوالعزم، باحوصلہ مدبر اور باشعور جماعت فراہم کی جس نے برطانوی اقتدار کو اس وقت للکارا جبکہ اس کے قلمرو میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا۔ اور وقت کی اس عظیم طاقت سے اس وقت اعلان جنگ کر دیا جبکہ برادران وطن اس نو وارد آقا کی خوشنودی اور رضاجوئی کی پالیسی اپنائے ہوئے تھے۔ تاریخ گواہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ اس نے برطانوی سامراج کو با ایں طاقت وشوکت تگنی کا ناچ نچا دیا۔ اور اپنی جدوجہد اور قربانیوں کے سلسلے کو اس وقت تک جاری رکھا جب تک اس سفید فام، سیاہ دل غاصبوں سے وطن عزیز کا ایک ایک چپہ آزاد نہیں کرا لیا۔ اور آزادی کے بعد ملک وملت کی تعمیر وترقی کے سلسلے میں ایسے لازوال کارنامے انجام دے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

۱۸۵۷ء کے سیاسی انقلاب اور سماجی اتھل پتھل کے بعد جب برصغیر پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا۔ اور قانون فطرت کے مطابق فاتح قوم کا اثر ونفوذ جسموں کی حد سے گزر کر مفتوح رعایا کے دل ودماغ کو بھی مسخر کرنے لگا، اسلامی عقائد واعمال اور ملی شعائر وآثار کی مستحکم دیواریں متزلزل ہونے لگیں اور قریب تھا کہ ”اندلس“ کی طرح سرزمین ہند سے بھی اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخت سفر باندھ لے اس نازک ترین اور انتہائی سنگین وقت میں اسلام کی حفاظت وصیانت کا اہم کارنامہ ”دارالعلوم دیوبند“ ہی نے انجام دیا اور تاریخ ہند کی یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ”دارالعلوم“ کی مساعی جمیلہ سے اسلام کے اکھڑے ہوئے قدم ہندوستان میں پھر سے جم گئے اور اس مضبوطی کے ساتھ کہ اس استحکام کی مثال ممالک اسلامیہ بھی پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

لاریب! دارالعلوم دیوبند ہی وہ بابرکت اسلامی دانش گاہ ہے جو اس عہد

بے بسی اور عالم کس مپرسی میں اسلامی ہند کی حیات ملی کے لئے ایک سہارا بنکر نمودار ہوا اور دیکھتے دیکھتے ملک کی فضا میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی اور حکومتِ برطانیہ کی تمام تر دسیسہ کاریوں کے باوجود اسلامی تعلیمات اور دینی عقائد و اخلاق کا پورے ملک میں جال بچھا دیا۔

بفضلہ تعالیٰ آج بھی دارالعلوم اسی آن وبان اور اخلاص وایثار کے ساتھ ملّتِ اسلامیہ کی دینی وعلمی خدمت میں مصروف ہے۔ بلکہ ماضی قریب کے مقابلہ میں اس وقت اس کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے اور پندرہ سو (۱۵۰۰) طلبہ کے بجائے تقریباً تین ہزار نونہالان قوم کی علمی ودینی تعمیر وترقی میں لگا ہوا ہے۔ علوم دینیہ کے یہ طلبہ جو دارالعلوم کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہیں یہ درحقیقت امت کی عظیم امانت ہیں جن کی تہذیب وتکمیل کی ذمّہ داری دارالعلوم انجام دے رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اہم ترین فریضہ تنہا دارالعلوم اسی وقت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے سکتا ہے جبکہ امّت کا تعاون اُسے حاصل رہے۔ اس لئے ہمیں توقع ہے کہ ماضی کی طرح ملّتِ اسلامیہ کی توجہ کا مرکز دارالعلوم آج بھی رہے گا اور اُسے کسی قِسم کی تنگ دامانی کی شکایت اربابِ ہمّت نہ ہونے دیں گے۔

حبیبُ الرحمٰن قاسمی

مولانا محمد حنیف ملی
شیخ الحدیث معہد ملت
مالیگاؤں

حدیث صحابہ اور تابعین
کے عہد مبارک میں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلامی شریعت کا سرچشمہ کتاب وسنت تھے آپ پر وحی نازل ہوتی تو اسے فوراً تمام لوگوں تک پہونچا دیا کرتے تھے بلکہ اس کی غرض اور مقصد بھی بیان فرمادیا کرتے آپ کی ذات گرامی ہر معاملہ میں پوری امت کے لئے مرجع تھی امور قضا ہوں یا فتاویٰ، اقتصادی، سیاسی اور فوجی تنظیم ہو یا کچھ اور آپ ہر مسئلہ کا حل صحابہ کے سامنے کتاب اللہ کی روشنی میں فرماتے تھے اگر کتاب اللہ میں مسئلہ کا حل مل گیا تو فیصلہ فرمادیا ورنہ عقل سلیم سے غور کر کے اجتہاد فرمالیا یا پھر خدا کی منشار جاننے کے لئے وحی کا انتظار بھی فرمالیا اور کبھی اجتہاد فرما بھی لیا تو آپ کے اجتہاد کی توثیق وتائید کے لئے وحی نازل ہوتی تھی اسلئے کہ خدا اپنے پیغمبر کو غلطی پر قائم نہیں رکھتا ہے۔

چند برسوں کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وصال فرماگئے اور وحی کا مقصد سلسلہ بھی منقطع ہوگیا اب امت کے سامنے یا کتاب اللہ ہے یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنتی،، میں تم میں دو باتیں چھوڑے جارہا ہوں اگر تم نے ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک کتاب اللہ دوسری میری سنت ہے، صحابہ کرام نے بھی خدا کے حکم کی تعمیل میں سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پوری مضبوطی سے تھامے

رکھا قرآن کا حکم یہ ہے "ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا" رسول تمہیں جو کچھ دیں لے لو اور جس سے منع کریں باز آجاؤ، ایک دوسری جگہ ارشاد ہے "فلاو ربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینہم ثم لایجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیماً ۰ (ترجمہ) قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جھگڑا نہ ہو یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرلیں پھر آپ کے تصفیہ سے دل میں تنگی نہ پائیں اور پورا پورا تسلیم کرلیں، ایک جگہ ارشاد ہے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون"، خوشی سے اللہ اور رسول کا کہنا مانو کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔

ایک مسلمان کے لئے آپ کی دعوت پر لبیک کہنا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی واجب ہے اور آپ کے وصال کے بعد بھی، چنانچہ صحابہ نے خدا کے حکم کی تعمیل آں حضرت ؐ کی زندگی ہی میں کرکے بتادی اور انتہائی اخلاص کے ساتھ قرآن کریم کے ہر حکم کو اپنے اوپر نافذ کیا اور جان و مال سے شریعت مطہرہ کی حفاظت بھی کی اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی اس وصیت کی تعمیل میں بھی مظاہرہ کیا جو آپ کی عین منشا اور خواہش تھی، حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اثر انگیز وعظ فرمایا جس سے دل دہل گئے آنکھیں پرنم ہوگئیں ہم نے آپ سے دریافت کیا یہ تو رخصت کرنے والے انسان کا آخری وعظ معلوم ہوتا ہے اس لئے آپ ہمیں بھی کچھ نصیحت فرمادیجئے آپ نے فرمایا، میں تمہیں ہر حال میں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور دیکھو میری اطاعت کرو چاہے وہ ایک غلام زادہ کیوں نہ ہو اس لئے جو میرے بعد زندہ رہے گا بہت زیادہ فتنہ اور شورش دیکھے گا، ان حالات میں تم میری اور میرے ہدایت یاب صحابہ کرام کے طریقوں کو تھام لو اور انہیں دانتوں سے دبالو اور دیکھو دین میں نئی باتوں سے بچو اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی انسان کو جہنم تک پہنچادیگی اس مبارک ارشاد کی

روشنی میں صحابہ نے سنت کا بڑا اہتمام کیا اسے پوری قوت سے تھامے رکھا اور اس بدنصیبی سے محفوظ رہے جس کا ذکر آنیوالی حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آپکا ارشاد ہے "یوشك الرجل متكیا علی اریكته یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا و بینكم كتاب اللہ فما وجدنا فیه من حلال استحللناه وما وجدنا فیه من حرام حرمناه الا وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مثل ما حرم اللہ" قریب ہیکہ کوئی شخص اپنی مسند پر ٹیک لگائے میری کوئی حدیث بیان کرتے کرتے یہ کہہ رہا ہوگا کہ ہمارے لئے تو بس اللہ کی کتاب کافی ہے اس میں جو چیزیں حلال ہیں ہم اسے حلال سمجھتے ہیں اور جو حرام ہے انہیں حرام سمجھتے ہیں، خبردار جس طرح خدا نے بہت سی چیزیں حرام قرار دی ہیں اسی طرح اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت سی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

یہی نہیں صحابہ کرام نے سنّت کی حفاظت کے لئے بڑا زبردست موقف اختیار کیا اور غلط سمجھنے والوں کو معقول جواب بھی دیا ہے جیسا کہ حضرت ابونضرۃ حضرت عمران بن حصین سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آکر کچھ سوالات کیا آپ نے سب بیان فرمادیا اس آدمی نے کہا اللہ کی کتاب کے علاوہ کسی اور کی بات مت کہو حضرت عمران نے کہا تم تو بڑے نادان ہو اچھا یہی بتا دو کہ قرآن میں ظہر کی چار سری رکعتوں کا کہیں ذکر ہے، اسی طرح آپ نے زکوۃ کا ذکر فرمایا پھر فرمایا کہ ان کا بھی تفصیلی تذکرہ قرآن میں تمہیں نہیں ملیگا اللہ کے بندے کتاب اللہ نے تو اس کا اجمال ذکر کیا ہے اور حدیث اس کی تفسیر وتشریح ہے،

ایک شخص نے مشہور تابعی حضرت مطرف بن عبداللہ سے کہا قرآن کے علاوہ کوئی اور بات مت کرو مطرف نے کہا ہم قرآن کا بدل نہیں چاہتے بلکہ ہم تو اس ذات کو چاہتے ہیں جو قرآن پاک کا سب سے زیادہ علم رکھتی ہے، آئندہ صفحات میں کتاب وسنت کے سلسلہ میں صحابہ کرام کے بارے میں احتیاط کو ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ کریں کہ صحابہ کرام نقل حدیث میں کس

قدر احتیاط سے کام لیتے تھے،

رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور صحابہ و تابعین

قرن اول کے مسلمانوں نے قرآن کریم کی آیت "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" پر لبیک کہا رسول اللہ کی اتباع میں کھو گئے اور آپ کے نقش قدم پر چل پڑے جس کی جھلکیاں زندگی کے مختلف دور میں نظر آتی ہیں، یہ یار با صفا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو لشکر اسامہ کی روانگی پر مصر ہیں اور ایسے وقت میں بھی اسے روکنا نہیں چاہتے جبکہ امیر المؤمنین کو ایک ایک سپاہی کی بڑی سخت ضرورت ہے اور فرماتے ہیں کہ خدا میں اس مہم کو ہرگز نہیں ختم کروں گا جس کا فیصلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں فرما دیا ہے اور حضرت خالد بن ولید کو مرتدین سے مقابلہ کرنے کے لئے جھنڈا سپرد کرتے ہوئے فرمایا خالد میں نے پیغمبر علیہ السلام سے سنا ہے، "نعم عبد اللہ و اخو العشیرۃ خالد بن الولید سیف من سیوف اللہ سلہ اللہ علی الکفار والمنافقین" خالد خاندان کے اچھے فرزند اور خدا کے بہترین بندے ہیں جو خدا کی طرف سے مشرکین و منافقین کے لئے تیغ بے نیام ہیں

حضرت فاطمہ والد کے مال میں اپنا حصہ طلب کرنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے "ان اللہ عزوجل اذا اطعم نبیا طعمۃ ثم قبضہ جعلہ للذی یقوم بعدہ فرأیت ان اردہ علی المسلمین" اگر خدا کسی نبی کو چند لقمہ عطا فرمائے پھر اس کا وصال ہو جائے تو اس کے اسباب کا ذمہ دار وہ ہوگا جسے جانشین بنا دیا گیا ہے میں نے مناسب سمجھا کہ متروکہ اسباب تمام مسلمانوں کو لوٹا دوں، حضرت فاطمہ نے فرمایا اس معاملہ کو آپ ہی زیادہ جانتے ہیں جو مناسب ہو کیجئے بعض روایت میں ہے کہ ابوبکر نے فرمایا خدا کی قسم آپ نے اپنی زندگی میں جو عمل کیا ہے میں اسے کسی حال میں نہیں ترک کروں گا اگر میں نے کچھ بھی نظر انداز کیا تو میرا دل کا شیرازہ منتشر ہوگا۔

مسیلمہ کذّاب اور اس کا پورا قبیلہ جب مرتد ہوگیا تو وہ ابوبکر ہی تھے جو جنگی تیاریوں میں معروف تھے
حضرت عمر نے انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد دلایا: ابوبکر آپ جنگ کی بات کر رہے ہو،
حالانکہ میں پیغمبر علیہ السلام سے فرماتے سنا ہے کہ "أمرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا
الہ الا اللہ فاذا قالوا ها عصموا منی دماءهم واموالهم الا بحقها وحسابهم
علی اللہ" (ترجمہ) مجھے حکم ملا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک وہ
لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں جب وہ کلمہ گو ہو جائیں تو ان کی جان و مال سب محفوظ ہوں گے مگر اسلامی حق
قائم ہوگا اور ان کا حساب خدا پر ہوگا یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، عمر قسم بخدا میں تو آج نماز اور
زکوٰۃ میں بھی تمیز نہیں کرونگا میں تو نماز میں اور زکوٰۃ میں کوتاہی کرنے والوں سے بھی جنگ کرونگا،
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگوں سے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ جنگ کی اور
ہمیں اسی میں حق نظر آیا، حضرت عبداللہ بن سعدی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ان کے
پاس آئے حضرت عمرؓ نے دیکھتے ہی فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کو بھی حکومت نے عوام کی کوئی ذمہ داری
سپرد کی ہے لیکن تنخواہ لینا ناگوار سمجھتے ہو انہوں نے کہا ہاں، حضرت عمرؓ نے فرمایا آخر تم کیا چاہتے ہو،
انہوں نے کہا خدا کے فضل سے میرے پاس گھوڑا غلام وغیرہ سب کچھ ہے میں آسودہ ہوں میں چاہتا
ہوں کہ میری تنخواہ ضرورت مند مسلمانوں میں بطور صدقہ دے دی جائے حضرت عمرؓ نے فرمایا تم ایسا
مت کرو اس لئے کہ میں بھی جب ملازم تھا تو یہی چاہتا تھا اللہ کے نبی جب مجھے تنخواہ دیتے تو کہہ دیتا
یا رسول اللہ کسی ضرورت مند کو صدقہ کر دیجئے ایک مرتبہ آپ نے مجھے کافی رقم دینا چاہا میں نے لینے
سے انکار کر دیا آپ نے مجھ سے فرمایا عمر لے لو اور اسے اپنی ملکیت میں شامل کر کے ضرورت مند
مسلمانوں میں تقسیم کر دو دیکھو جو روپیہ تمہارے بغیر مانگے ملے اسے لے لو اور جو نہ ملے تو اپنے آپ
کو اس کے پیچھے بدحواس و پریشان مت کرو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خادم فروخ فرماتے ہیں کہ اپنے دور خلافت میں حضرت
عمر مسجد نبوی تشریف لائے اور غلہ بکھرا ہوا دیکھا دریافت فرمایا یہ کیوں پھیلا ہوا ہے لوگوں نے

بتایا رعایا میں تقسیم کرنے کے لئے کہیں سے آیا ہے حضرت عمر نے فرمایا خدا بھیجنے والے کے ساتھ اس غلہ کو مبارک کرے، کسی نے امیر المؤمنین سے کہہ دیا یہ تو وہ غلہ ہے جسے ذخیرہ کر کے رکھا گیا تھا خلیفہ نے پوچھا کس نے ذخیرہ کیا تھا لوگوں نے بتایا حضرت عثمان کے خادم فروخ اور حضرت عمر کے فلاں خادم نے حضرت عمر نے دونوں کو طلب کیا اور ان سے پوچھا تم نے یہ غلہ کیوں ذخیرہ کر رکھا تھا ضرورت مندوں میں کیوں نہیں تقسیم کر دیا انہوں نے کہا امیر المومنین! ہم... تو اسے اپنے سرمایہ سے خرید کر فروخت کیا کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ سے سنا ہے، من احتکر علی المسلمین طعامہم ضربہ اللہ بالافلاس او بجذام " جو شخص نفع کے لالچ سے ضرورت کے وقت اپنا غلہ مسلمانوں سے روک لے تو خدا اس پر جذام اور تنگ دستی مسلط کر دے گا، فروخ نے کہا امیر المؤمنین آج سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ذخیرہ اندوزی نہیں کرونگا، لیکن حضرت عمر کا غلام باز نہیں آیا امام ابویحیی فرماتے ہیں کہ اس گناہ سے باز نہ آنے کی وجہ سے میں نے اسے جذام میں مبتلا پایا۔

جنگ یرموک میں تمام کمانڈروں نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ہمارے سروں پر موت منڈلا رہی ہے ہماری مدد کے لئے لشکر روانہ کیا جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جوانہیں جواب دیا وہ یہ تھا " انی ادلکم علی من هو اعز نصرا واحضر جندا اللہ عز وجل فاستنصروہ فان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم قد نصر یوم بدر فی اقل من عدتکم فاذا اتاکم کتابی هذا فقاتلوهم ولا تراجعونی - (ترجمہ) میں تمہیں اس ذات کی نشاندہی کر رہا ہوں جو بڑی معین اور لشکر بہم پہنچانے والی ہے یعنی تم اللہ سے مدد مانگو.. اس لئے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بدر میں کامیاب ہوئے حالانکہ آپ تعداد اور تیاری میں تم سے بہت کم تھے دیکھو جب تم کو میرا خط مل جائے تو دشمن سے لڑنے لگو اور واپس مت آنا، غرض صحابہ کرام موت اور ہلاکت کے دھانے پر کیوں نہ ہوں لیکن آپ کی سیرت اور سنت کو ترک کرنے کے روا دار نہیں ہوتے تھے اور سنت پر عمل کرنے کا یہ والہانہ جذبہ تقریباً تمام صحابہ میں موجود تھا بلکہ وہ دوسروں

کو بھی اتباع سنت کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ حضرت عمر نے دیکھا کہ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھ رہے ہیں پاس گئے اور انہیں کوڑے رسید کیا حضرت زید نے اس پر کہا امیر المومنین آپ مجھ پر کوڑے برساتے رہیئے، خدا کی قسم چونکہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عصر کی دو رکعت پڑھتے دیکھا ہے اس لئے میں کسی قیمت پر نہیں ترک کروں گا حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ ساری رات نماز پڑھنے کا ایک بہانہ تراش لیں گے تو آپ کو درے کبھی نہ رسید کرتا۔

حضرت عمر نے دیکھا کہ لوگ دنیا کے عیش و آرام اور مرغن غذاؤں کی طرف بہت زیادہ مائل ہیں گو کہ خدا نے اسے مباح فرمایا ہے اس لئے انہیں یاد دلا رہے ہیں مسلمانوں خدارا ذرا اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی اور گذر بسر پر تو غور کرو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ بھوک کی بیتابی سے سارا دن کروٹ بدلتے اور پیٹ بھرنے کے لئے آپ کو معمولی قسم کی کھجوریں بھی میسر نہ ہوتی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام صحابہ زندگی کے تمام شعبوں میں حتی الامکان آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع فرماتے اور آپ کے اسوۂ مبارکہ پر چلتے تھے چنانچہ جب حضرت عمر پر نیزہ سے حملہ ہوا تو ان کی حالت انتہائی نازک تھی کسی نے کہا امیر المومنین اپنا خلیفہ کسی کو نامزد فرمادیں، فرمایا اگر کسی کو جانشین نہ بناؤں تو اس ذات نے بھی تو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا جو عمر سے بدرجہا افضل ہیں یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اگر کسی کو جانشین بنا بھی دوں تو مجھ سے بہتر انسان ابو بکر صدیق نے بھی تو نامزد فرمایا ہے، حضرت مالک بن عبداللہ زیادی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے تو ان کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا حضرت عثمان نے کہا اے کعب حضرت عبدالرحمن وصال فرماگئے اور مال چھوڑ گئے اس متروکہ مال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے کہا اگر وہ اس مال میں خدا کا حق پورا کرتے ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں یہ سنتے ہی حضرت ابوذر نے ڈنڈا اٹھالیا اور حضرت

کعب کے سر پر دے مارا اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو جسے میں خیرات کر دوں اور وہ قبول بھی ہو جائے بہ نسبت اس کے کہ میں کل چھ اوقیہ سونا چھوڑ جاؤں اے عثمان بھلا میں تم سے پوچھتا ہوں کیا تم نے بھی آرشاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے انہوں نے کہا ہاں میں نے بھی آپ سے سنا ہے، حضرت عطا خراسانی فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ میں نے ایک روز حضرت عثمان کو مقاعد پر بیٹھے ہوئے دیکھا انہوں نے خادم سے پکا ہوا کھانا منگوایا اسے کھایا پھر اسی وقت اٹھ کر نماز بھی ادا کی پھر فرمایا میں نے آج رسول اللہ کی طرح بیٹھ کر کھانا کھایا اور آپ کی ہی طرح نماز ادا کی، حضرت میسرہ بن یعقوب طہری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو کھڑے کھڑے پانی پیتے دیکھا میں نے ان سے کہا پانی کھڑے ہو کر پیتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہو کر پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ کو بیٹھ کر بھی پانی پیتے دیکھا ہے اس لئے بیٹھ کر بھی پی لیتا ہوں یعنی میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پابند ہوں، حضرت عبد خیر بن یزید ہمدانی سے روایت ہے کہ حضرت علی کا ارشاد ہے کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ پیر کے اندرونی حصہ پر مسح کرنا قرین عقل ہے لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم موزوں کے ظاہری حصہ پر ہمیشہ مسح کرتے تھے حضرت علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی کے پاس سواری لائی گئی جب انہوں نے رکاب پر پاؤں رکھا تو بسم اللہ فرمایا، سواری پر اطمینان سے بیٹھ گئے تو الحمد للہ، سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون" پڑھا پھر تین مرتبہ الحمد للہ، تین مرتبہ اللہ اکبر فرمایا پھر سبحانک لا الہ الا انت قد ظلمت نفسی فاغفرلی پڑھا پھر بے ساختہ ہنس پڑے میں نے عرض کیا امیر المومنین یہ ہنسنے کا کون سا وقت ہے فرمایا کہ میں نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو علی الترتیب یہ سب کام کر لینے کے بعد ہنستے ہوئے دیکھا تو عرض کیا اللہ کے نبی آخر آپ کیوں ہنس رہے ہیں فرمایا اللہ اپنے بندے کے اس جملہ؟

"رب اغفرلی" پر بہت خوش ہوتا ہے کہ دیکھو بندے کو بھی پتہ ہے کہ میرے سوا گناہوں کا معاف کرنے والا کوئی نہیں۔

صحابہ کرام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ اتباع فرماتے تھے اور ہر حال میں آپ کی سنت کی حفاظت کیا کرتے تھے چاہے وہ اس سے غرض سے واقف ہوں یا نہ ہوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تو خصوصاً اتباع سنت کے لئے بہت مشہور تھے ان کی نماز، روزہ، ان کی زکوٰۃ و حج حتیٰ کہ قضائے حاجت تک میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نمونہ موجود ہے وہ بکثرت کہا کرتے تھے " لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ " وہ جب آپ سے کچھ سنتے یا آپ کے کسی عمل کا بچشم خود مشاہدہ کرتے تو اس پر کاربند ہوتے۔ بلاکسی افراط و تفریط کے جتنا کچھ دیکھتے یا سنتے اس سے آگے پیچھے نہیں ہوتے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ہم ابن عمر کے ساتھ ایک سفر میں تھے چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے تو راستے سے ہٹ گئے ان سے پوچھا گیا آپ نے یہ کیوں کیا تو فرمایا کہ میں نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے میں نے بھی کیا حضرت ابن عمر کا معمول تھا کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ایک درخت کے پاس قیلولہ کرتے اور کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یہاں پر آرام فرمایا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس کھڑے فرمارہے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ تیری حیثیت ایک پتھر سے زیادہ کچھ نہیں ہے اگر میں اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ لیتے یا ہاتھ لگاتے ہوئے نہ دیکھتا تو نہ میں تجھے استلام کرتا نہ بوسہ دیتا پھر فرماتے " لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ " حضرت فاروق اعظم کسی کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل سے زیادہ کچھ کرتے دیکھتے تو فوراً منع فرما دیتے تھے حضرت یعلی بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کیا جب میں حجر اسود کی جانب قریب کے دروازے پر پہنچا تو ان کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ حجر اسود کا استلام کر سکیں اس پر حضرت عمر رض

نے فوراً کہا کیا کبھی آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا ہے میں نے کہا کیوں نہیں آپ کے ساتھ بھی طواف کیا ہے انہوں نے کہا تو تم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یا تھ لگاتے دیکھا ہے میں نے عرض کیا نہیں حضرت عمر نے فرمایا تو پھر دور ہٹ جاؤ اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات اور ذات اقدس میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے، حضرت علی جنازہ کو دیکھ کر قیام کے سلسلے میں فرماتے ہیں "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کو دیکھ کر قیام کیا تو ہم نے بھی کیا پھر آپ نے ترک فرمادیا تو ہم نے بھی چھوڑ دیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن یہ حکم دیا تھا کہ اپنے مونڈھے کھول کر اور طواف خوب اترا کر کریں تاکہ مشرکین کو مسلمانوں کی قوت اور سخت جانی کا اندازہ ہو جائے غور کیجئے اب تو اسلام کو شان و شوکت حاصل ہو چکی ہے اور اکڑ کر طواف کرنے کی علت بھی باقی نہیں رہی پھر بھی فاروق اعظم نے فرمایا جانتے ہو اب بھی مونڈھے کھول کر اکڑتے ہوئے چلنے کی کیا ضرورت رہی جبکہ خدا نے اسلام کو عزت بخشی اور مشرکین کو جلا وطن بھی کر دیا جی ہاں ہم ایسی کسی ادا کو کسی حالت میں بھی ترک نہیں کریں گے جسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں کیا کرتے تھے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا گیا کہ قرآن میں سفر کی نمازوں کا تو کوئی ذکر نہیں ملتا فرمایا اللہ نے ہم میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہم کچھ بھی نہیں جانتے تھے ہم نے عمر بھر آپ کو جو کچھ کرتے دیکھا ہے اسے کرتے رہیں گے بعض روایتوں میں ہے کہ ہم تو بھٹکے ہوئے تھے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا نے ہمکو ہدایت سے سرفراز فرمایا بس ہم تو صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے۔

صحابہ کرام کوئی ادنیٰ سی سنت کو بھی ترک کرنے پر راضی نہ تھے اور نہ سنت کے لئے کسی بڑے سے بڑے انسان کی رائے کو کوئی اہمیت دیتے تھے، بلکہ ایسے موقع پر بنا، غیظ وغضب کا پوری قوت سے اظہار کرتے تھے اور ایسے شخص پر سخت نکتہ چینی اور نکیر فرماتے تھے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت یا اسوہ کو نہ مانتا ہو چاہے یہ لوگ ان کے عزیز و اقارب اور قریب ترین کیوں نہ ہوں۔ چند نظیریں ملاحظہ ہوں۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مغفل کے پاس ان کا بھتیجا بیٹھا کنکر پھینک رہا تھا حضرت عبداللہ نے فوراً روکا اور کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی حرکت سے منع فرمایا ہے لیکن صاحبزادے باز نہیں آئے کنکر چلاتے رہے حضرت عبداللہ نے برہم ہوکر کہا کہ میں تم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں اور تم ہو کہ اپنی حرکت سے باز نہیں آتے جاؤ اب میں تم سے کبھی بات نہیں کرونگا، حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا تمنعوا إماء الله ان يصلين المساجد" اللہ کی بندیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے مت روکو حضرت عمر کے ایک صاحبزادے نے یہ حدیث سن کر کہا بخدا ہم تو ان کو ضرور روکیں گے حضرت ابن عمر اس پر بہت برہم ہوئے اور فرمایا نادان، ہم تم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہے ہیں اور تم کہتے ہو کہ ہم تو روکیں گے بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے اسے ڈانٹا اور فرمایا بڑے دکھ کی بات ہے کہ میں کہتا ہوں کہ نبی نے فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ میں نہیں کرونگا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمتع فرمایا تو عروہ نے اس پر کہا کہ ابوبکر و عمر نے تو تمتع سے منع فرمایا ہے حضرت ابن عباس غصہ میں آگئے اور کہنے لگے یہ عریہ (عروہ کا اسم تصغیر) کیا کہتا ہے، حضرت سعید بن جبیر نے کہا وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر نے تو تمتع سے منع کیا ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایسی بات کہنے والا اپنے لئے ہلاکت کا گڑھا کھود رہا ہے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کر رہا ہوں اور وہ کہتے ہیں کہ شیخین نے منع کیا ہے، یہ حضرت عبادہ بن صامت ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحابی ہیں اور نقیب بھی ایک مرتبہ وہ روم کی سرزمین پر دشمن سے برسرپیکار تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے حضرت عبادہ نے دیکھا کہ لوگ سونے کی خرید و فروخت دینار سے کر رہے ہیں فرمایا لوگو! تم سود کھا رہے ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ سونے کی بیع سونے سے مت کرو الا یہ کہ دونوں برابر ہوں، حضرت معاویہ نے ان سے کہا ابوالولید سود تو اس وقت ہوگا جب یہ کاروبار ادھار ہو حضرت عبادہ نے فرمایا میں تم کو رسول اللہ کی حدیث بتا رہا ہوں

اور تم اپنی عقل سے ایک بات کہہ رہے ہو اور فرمایا اگر خدا نے مجھے یہاں سے نکلنے کا موقع دیا تو آپ دیکھ لیں گے کہ ایسی سرزمین پر نہیں رہوں گا جہاں آپ کی امارت قائم ہو حضرت عبادہ روم سے واپس ہوئے تو مدینہ آکر بس گئے حضرت عمر نے ان سے پوچھا ابوالولید یہاں کیسے آگئے انہوں نے ساری سرگذشت سنائی حضرت عمر نے فرمایا ابوالولید وہیں چلے جاؤ وہ زمین بڑی ہی بدنصیب اور بری ہوگی جہاں آپ جیسے نیک اور پاکباز نہ ہوں اور خلیفہ نے امیر معاویہ کو لکھ دیا کہ اب حضرت عبادہ پر آپ کا اور آپ کی امارت کا کوئی زور نہ ہوگا اور رومی باشندوں کو حضرت عبادہ کے خیال کے مطابق ہر قسم کے سودی کاروبار سے منع فرمادیا۔

یہ ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جانثار اور فداکار ساتھی جو نہ صرف سنت کے محافظ بنے بلکہ انہوں نے پوری امت کو جادۂ مستقیم پر ڈال دیا، انہیں دین اسلام کا پابند بنادیا، امور دین میں ادنیٰ سی مزاحمت گوارا نہ کی اور اظہار حق کے لئے کسی وقت بھی کسی کی ملامت کا کچھ خیال نہ کیا، حضرت زبیر بن عربی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر نے حجراسود کو بوسہ لینے کے بارے میں دریافت کیا ابن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو چونکہ میں نے بوسہ لیتے دیکھا ہے اس لئے میں بھی بوسہ لیتا ہوں ایک شخص نے کہا ہے ابن عمر! اگر ہجوم بہت زیادہ ہو تو بھی بوسہ لیں حضرت ابن عمر نے برہم ہو کر فرمایا: اپنا اگر مگر اد ھر یمن ہی میں رکھو، میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے بوسہ لیتے دیکھا ہے، حضرت وبرہ بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ ایک اور شخص حضرت ابن عمر کے پاس آیا اور عرض کیا میں احرام کی حالت میں بیت اللہ کا طواف کرسکتا ہوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں کاوٹ کیا ہے اس آدمی نے کہا فلاں شخص کہتا ہے کہ جب تک موقف سے واپس نہ آجاؤ بیت اللہ کا طواف مت کرو وہ شخص اگرچہ میری نظر میں بہت زیادہ معزز ہیں لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ عزیز ہیں حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیا بیت اللہ کا طواف کیا، صفا ومروہ کی سعی کی، اگر تم سچے ہو تو یاد رکھو کہ فلاں اور فلاں کی بات سے زیادہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل اور سنت کی اتباع ضروری ہے بعض

روایتوں میں فلاں کے بجائے حضرت ابن عباس کے نام کی صراحت بھی ملتی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ کی سنت اور قرآن کے نازل شدہ حکم کے مطابق تمتع کی رخصت کا فتویٰ دیتے تھے کچھ لوگوں نے ابن عمر سے کہا آپ کے والد نے تو تمتع سے منع فرمایا ہے اپنے والد کی مخالفت کیوں کرتے ہیں، حضرت ابن عمر نے فرمایا افسوس ہے کہ لوگو! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے اگر حضرت عمر نے تمتع سے منع کیا ہے تو اس کی کوئی حکمت یا وجہ ہوگی تاکہ پورے عمرہ کا ثواب مل جائے آخر یہ تو بتاؤ جس کو خدا نے حلال بتایا ہے اور رسول نے جس پر عمل بھی فرمایا ہے تم اس کو حرام کیوں سمجھتے ہو مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی مقدم اور ضروری ہے یا حضرت عمر کے بتائے ہوئے حکم کی، میرے والد نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ موسم حج میں عمرہ حرام ہے بلکہ ان کی منشا یہ ہے کہ ایام حج میں مستقل عمرہ کرنا افضل ہے۔

ہم اس باب کے آخر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی کثرت عبادت کا ذکر بھی ضروری سمجھتے ہیں جس پر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال تک سختی سے کاربند رہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابہ کرام میں بڑے عبادت گذار، پرہیزگار، زاہد دنیا صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہر مہینہ چند مخصوص دنوں میں روزہ رکھنے کی رعایت دے رکھی تھی مگر وہ خود کو اس سے بھی زیادہ روزہ کے لئے توانا اور قادر سمجھتے رہے اور عمر بھر کا روزہ رکھنے کا فیصلہ بھی کر لیا لیکن آخیر عمر میں جب ضعف حد سے زیادہ بڑھ گیا تو حسرت سے کہا کرتے تھے اے کاش میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ رعایتوں کو قبول کر کے عمل کرتا تو یہ میرے لئے بہت ہی اچھا ہوتا لیکن افسوس کہ لوگوں کا خیال کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرتا رہا۔

از ڈاکٹر ماجد علی خاں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ
دھلی

مستشرقین اور مستغربین کا نظریۂ وحدت ادیان

"مستشرق" (جمع "مستشرقین") کا لفظ اب اتنا عام ہو چکا ہے کہ ہر وہ پڑھا لکھا مسلمان جو دینی ذوق رکھتا ہے اور علوم دینیہ سے متعلق لٹریچر کا مطالعہ کرتا رہتا ہے۔ اس لفظ سے واقف ہے۔ علماء نے "مستشرقین" پر مستقل کتابیں اور مضامین لکھے ہیں۔ راقم السطور بھی اپنے متعدد مضامین میں ان کے بارے میں تحریر کر چکا ہے۔ مستشرقین ان مغربی اسکالرز کو کہا جاتا ہے۔ جنھوں نے علوم اسلامیہ (جن کو مغرب میں علوم شرقیہ یا ORIENTAL STUDIES بھی کہتے ہیں) بشمول تاریخ اسلام، سے مطالعہ کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں۔ اسی وجہ سے مغرب میں ایسے لوگوں کو مستشرقین (یعنی ماہرین علوم شرقیہ) یا ORIENTALISTS کہا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں ان میں یہود و نصاریٰ دونوں شامل ہیں۔ یہ مستشرقین قرآن و حدیث، سیرت نبوی، فقہ اسلامی اور اخلاق و تصوف کا گہرا مطالعہ اس مقصد سے کرتے ہیں کہ ان علوم میں خامیاں نکالی جائیں اور ان کو اپنے مذہبی و سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔ یہ معلوم ہو کر یقیناً تعجب ہوگا

کہ ان میں ایک بڑی تعداد عیسائی مبلّغین اور پادریوں (PRIESTS) کی ہے۔

"مستغربین" کا لفظ میں پہلی بار اپنی اس تحریر میں استعمال کر رہا ہوں اور میرے ناقص علم میں شائد ابھی تک کسی نے تحریراً یہ لفظ اس معنیٰ میں استعمال نہ کیا ہوگا۔ جن معنیٰ میں اس لفظ کو میں استعمال کر رہا ہوں۔ لفظ "مستغربین" کے لغوی معنیٰ کی بحث میں جائے بغیر میں اس لفظ سے مراد مشرق کے "مغرب زدہ دانشوراں" لوں گا، یعنی وہ لوگ جو مغربی "مستشرقین" کے بلاواسطہ یا بالواسطہ شاگرد ہیں یا ان کے خیالات کے ترجمان ہیں۔ اب تک میں نے ایسے لوگوں کے لئے "مستشرقین" کے شاگردوں" کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن چند ماہ قبل دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک بزرگ و مؤقر استاذ سے "مستشرقین کے شاگردوں" کے خیالات کا تذکرہ چلا جبکہ وہ جامعہ ملّیہ آئے ہوئے تھے تو انھوں نے مجھ سے کہا آپ ان کو "مستغربین" کہیئے۔ اُن کا یہ مشورہ مجھے اتنا پسند آیا کہ اس تحریر میں مجھے اس لفظ کو پہلی بار استعمال کرنے کی جرأت ہوئی۔ وضاحت کے طور پر تحریر ہے کہ موجودہ دور میں جو لوگ یونیورسٹیوں میں تعلیم دے رہے ہیں (یا پا رہے ہیں) ان میں سے بعض (بلکہ اکثر کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا) کے ذہن میں اسلام کے ماضی کی طرف سے بدگمانی اور علوم اسلامیہ دینیہ کے بنیادی مأخذ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے اور "اصلاح مذہب" "اسلام کی تشکیل جدید"، "اصلاح فقہ و قانونِ اسلامی" اور اس سے بھی آگے بڑھکر "اصلاح دین اسلام" جیسے عنوانات سے اسلامی عقائد و حقائق (نیز تعلیمات) کو مسخ کرنے کی تحریکوں کی پشت پر انہی مستشرقین یا ان کے شاگردوں اور پیروکاروں یعنی "مستغربین" کا ہاتھ ہے۔

حالانکہ اس سے قبل بھی لکھا جا چکا ہے لیکن محض ربط کی خاطر مختصراً مزید وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس صدی کے شروع تک مستشرقین نے قرآن،

حدیث، سیرت، فقہ اسلامی اور تاریخِ اسلام وغیرہ علوم ومضامین پر براہِ راست حملے کئے۔ اور ان علوم پر بے لاگ تنقید کی، ان میں تحریف کی اور اسلام و پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو مسخ کرکے پیش کیا۔ ان کی تحریرات یورو پی زبانوں میں ہوئی تھیں۔ ہندوستان کے بعض علماء نے ان کے مدلل جوابات دئے اور ان کی فاحش غلطیوں سے عامۃ المسلمین کو روشناس کرایا۔ لیکن جلد ہی مستشرقین نے محسوس کیا کہ ان کے طریقۂ کار میں بنیادی غلطی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی جدوجہد کا پورا نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا ہے اور بعض اوقات اس کی وجہ سے اسلامی حلقوں اور اداروں میں شدید ردعمل اور اشتعال پیدا ہوجاتا تھا جو ان کے مفسدانہ مقاصد پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے بڑے بڑے وظائف دیکر یوروپ، امریکہ اور کناڈا میں قائم شدہ نام نہاد اسلام کی تحقیق کے اداروں کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دئے اور مسلمانوں کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور نام نہاد سائنٹیفک وسسٹمیٹک تحقیق کے عنوان سے ان کے ذہن مسموم کرکے ان کو اپنے سانچہ میں ڈھال لیا۔ ایسے لوگ جب اپنے اپنے وطنوں کو واپس آئے۔ تو احتیاطا تحریر ہے کہ ان میں سے بیشتر) انہی مستشرقین کا (قصدًا یا بلا قصد) آلۂ کار بنے۔ موجودہ اصطلاح میں اس عمل کو BAIN-WASHING (برین واشنگ) کہتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے مسلمانوں کے علمی طبقہ کا اچھی طرح برین واشنگ کیا تاکہ اُن کے ذہن و دماغ کی پوری طرح صفائی ہوجائے۔ اس ملک میں بھی ایسے مسموم شدہ ذہن کے لوگ آئے اور اب بھی آرہے ہیں اور موجود ہیں (یا حفیظ بولی میں" ویرلجیاں" ہیں۔ یہی لوگ یعنی "مستغربین" اپنی باطل اور مسخ شدہ تحقیقات کے عنوان سے مسلمانوں کو گمراہ کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اس کی تازہ مثال اس ملک کے "مسلم پرسنل لا" میں ان کی رخنہ اندازی کی ناکام کوشش ہے۔ ان "مستغربین" سے اکثر کی زبان پر اپنے استادوں اسمتھ، گولڈزہر وغیرہ جیسے مستشرقین کے نام

رہتے ہیں اور انہی کے یہ گُن گاتے ہیں۔ نیز انہی کے "اسلام" کو "خالص اسلام" سمجھتے ہیں۔ اور ان کی تشریحات کو ہی پسند کرتے ہیں۔

مستشرقین و مستغربین کا اسلام اور عقائد اسلام پر ایک حملہ "وحدتِ ادیان" کی شکل میں ہوا۔ اس کی شدت کا احساس راقم السطور کو پہلی بار اب سے تقریباً پندرہ ۱۵ سال قبل ویسٹ انڈیز میں ہوا جبکہ راقم السطور وہاں کے ایک بڑے مشہور کالج میں درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے راقم السطور کی توجہ امریکہ (یو۔ ایس۔ اے، جس کو عام طور پر ویسٹ انڈیز کہا جاتا ہے جو خود براعظم امریکہ کا ہی ایک حصّہ ہے) کے کچھ ایسے گمراہ شدہ نومسلموں کی طرف دلائی جو خود کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اولاد (یا پیروکار) بتاتے تھے اور ان کی افضلیت کے قائل تھے (نوٹ:۔ یہ لوگ بلیک مسلمانوں BLACK MUSLIM) سے الگ ایک دوسری جماعت ہے۔) اور مستشرقین کے عقیدۂ "وحدتِ ادیان" کے نتیجہ میں گمراہ ہو کر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ توراہ و انجیل اس دور میں بھی قابلِ عمل ہیں، چنانچہ ایک سیمینار میں اصلاح کی غرض سے ان لوگوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ یہ لوگ آئے اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور اُن کے شکوک و شبہات کا جواب بھی دیا گیا۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ۔ (نوٹ:۔ مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، نے ماہنامہ الفرقان میں دجنوری ۱۹۷۸ء تا مئی ۱۹۷۸ء کے شمارول میں) "کیا اہل کتاب کے لئے اسلامی شریعت کی پیروی ضروری نہیں" کے عنوان کے ایک مدلّل مضمون اس موضوع پر تحریر کیا ہے جس کا مطالعہ اس سلسلے میں مفید رہے گا۔)

راقم السطور جب جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، میں ملازم ہو کر آیا تو کچھ عرصہ بعد جامعہ میں ۱۸ فروری ۱۹۷۷ء کو ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، تغلق آباد، نئی دہلی کے زیر اہتمام ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں مشہور مستشرق جناب ولیم۔ اے۔ بیلے فلڈ۔

(پروفیسر علوم قرآنیہ میکگل یونیورسٹی، مانٹریال، کناڈا) اور (اس وقت کے) مدیر اعلیٰ " دی مسلم ورلڈ " (ہارٹ فورڈ سیمینری فاؤنڈیشن، امریکہ) نے دو مقالے پڑھے۔ یہ دونو اجلاس میں پڑھے گئے تھے۔ پہلے یعنی صبح والے اجلاس کی صدارت استاذی حضرت مولانا عبدالدائم الجلالی مرحوم نے کی تھی۔ اور دوسرے یعنی سہ پہر والے اجلاس کی صدارت استاذی پروفیسر مولانا سعید احمد اکبرآبادی صاحب مرحوم نے کی تھی۔ اس سیمینار کی روداد راقم السطور کے قلم سے ہی ماہنامہ "جامعہ" میں "کوائف جامعہ" کے تحت ۔ "وحدتِ دین اور اسلام کا مخصوص موقف اور اسلام کے متعلق مغرب کے تصورات کی تشریح و تصحیح" کے عنوان سے (جون ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں) چھپی تھی۔ اس میں راقم السطور نے صرف روداد ہی تحریر کی تھی اپنی طرف سے تبصرہ یا اظہار خیال نہیں کیا تھا۔ روداد کا یہ عنوان اس وجہ سے رکھا گیا تھا کہ پروفیسر ولیم اے۔ بیلے فلڈ کا ایک مقالہ "وحدت دین" پر تھا۔ اس مقالہ کے چند اقتباسات یہاں نقل کرتا ہوں تاکہ اس سلسلہ میں مستشرقین کے کچھ خام خیالات کا اندازہ قارئین کو ہو جائے۔

"پچھلی دو صدیوں میں مختلف مستشرقین نے اسلام کے بارے میں جو غلط بیانیاں کی ہیں، مقالہ نگار نے انھیں تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا کہ: "ٹوئن بی اور دوسرے مستشرقین کا یہ خیال تھا کہ عیسائیت اور اسلام دونوں ہی یہودیت سے نکلے ہیں۔ جہاں تک خدا کے تصور کا سوال ہے وہ عیسائیت اور یہودیت تقریباً ایک ہی جیسا ہے لیکن اسلام نے ایک طرف تو (نعوذ باللہ) JEALOUS GOD (غالباً قہار کو انھوں نے انگریزی میں JEALOUS کہا) اور دوسری طرف اس کو رحمٰن اور رحیم بتایا۔ اس طرح اس کے (یعنی ٹوئن بی) کے مطابق اسلام میں خدا کے تصور کے بارے میں یہ بنیادی تضاد پایا جاتا ہے۔ اس قسم کے مستشرقین نے یہ بھی بتایا کہ سورۃ البقرۃ کا "الٓمٓ" دراصل المسیح کا مخفف ہے۔ اُن کے خیالات دراصل بارھویں صدی

کے عیسائی عالموں کے خیالات کا عکس تھے۔ ان لوگوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ قرآن عیسائیت کو تسلیم کرتا ہے اور اپنی دلیل میں سورۂ آل عمران، المائدہ، یونس، مریم الحج، العنکبوت اور الشوریٰ وغیرہ کی وہ آیات پیش کیں جن میں عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی تعلیمات کا تذکرہ ہے، سورۃ البقرہ کی مندرجہ ذیل آیت کی بنیاد پر ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ قرآن نہ صرف عیسائیت کو تسلیم کرتا ہے بلکہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ سب عیسائی جو اپنے عقائد پر قائم ہیں اور ان کے مطابق عمل کر رہے ہیں نجات کے مستحق ہیں"

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ (البقرہ ۸)	"بیشک جو لوگ ایمان لائے اور وہ یہودی عیسائی اور صابی جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور (جنہوں نے) نیک عمل کئے ان کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور وہ نہ غمگین ہوں گے اور نہ رنجیدہ" (البقرۃ: ۶۲)

پروفیسر بیلے فیلڈ نے (شاید اس خوف سے کہ وہ ایک مسلم ادارہ میں تقریر کر رہے تھے یا مقالہ پڑھ رہے تھے) ان خیالات کی خود ہی تردید بھی کی تھی۔ بہرحال تردید انھوں نے کسی بھی وجہ سے کی ہو۔ اس سے راقم السطور اور اس موضوع پر لکھنے والے علماء اسلام و محققین کے خیالات کی تائید ہوتی ہے جو کہ اوپر تحریر کی گئی ہے۔ کہ: "جلد ہی مستشرقین نے محسوس کیا کہ ان کے طریق کار میں بنیادی غلطی ہے......" مذکورہ بالا سیمینار میں دونوں اجلاس کے متعلقہ صدر صاحبان نے بھی اسلامی نقطۂ نظر کی پوری طرح وضاحت کی تھی اور قرآن وسنت کی روشنی میں مستشرقین کی غلطیوں کی نشاندہی کی تھی۔

مستشرقین اور مستغربین کے خیالات جو کچھ بھی ہوں قرآن وسنّت کے بیّن ارشادات کی روشنی میں جو کوئی بھی اللہ اور اُس کے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

نہیں لائے گا اور اس شریعت پر جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری شریعت کی شکل میں لیکر تشریف لائے ہیں یقین نہیں رکھے گا۔ اور اسی کو باعث نجات نہ مانے گا مسلمانوں کے زمرہ میں داخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم میں صاف صاف ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ○ (آل عمران)

یعنی "اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کی پیروی کرے گا (یا چاہے گا) تو وہ (دین) اس سے ہرگز مقبول نہیں ہوگا اور وہ آخرت میں (یقیناً) خسارے والوں میں سے ہوگا" (آل عمران: ۸۵)

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اس آیت اور ان جیسی دوسری آیات اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کی روشنی میں اب چاہے مستشرقین کے شاگردوں میں سے کوئی مستغرب "بالشتیہ" ہو یا کسی دینی ادارہ کا فارغ التحصیل "قدآور" عالم اُس کی کوئی دلیل اس دین حق میں رخنہ اندازی کے سلسلہ میں انشاء اللہ کامیاب نہیں ہو سکے گی (ملاحظہ ہو مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی کا مذکورہ بالا تحقیقی مضمون، مطبوعہ الفرقان لکھنؤ جنوری تا مئی ۱۹۷۸ء)

دراصل کچھ لوگوں کو دین و شریعت میں صحیح امتیاز و فرق نہ کرنے کی وجہ سے کچھ غلط فہمی بھی ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں مزید دلائل پیش کرنے سے قبل اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ اس موضوع پر استاذی پروفیسر مولانا سعید احمد اکبرآبادی صاحب مرحوم اپنے ایک انگریزی مقالہ میں (جس کا اردو ترجمہ راقم السطور نے کیا تھا اور وہ "برہان" میں شائع ہوا تھا) تحریر کرتے ہیں :۔ "لفظ "الدین" جو کہ پورے مذہب اسلام کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، کے دو جزء ہیں :۔ (۱) دین، (۲) شریعت۔ دین کا تعلق بنیادی اصول و ضوابط سے ہے۔ گو کہ "الدین" کی تشریحات

مختلف پیغمبروں نے (اپنی شریعت کے مطابق کیں)، اسکی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی۔ دین بنیادی طور پر حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی رہا جیساکہ قرآن میں بھی متعدد جگہوں پر اس پر زور دیا گیا ہے۔

جہاں تک شریعت کا تعلق ہے اس میں وہ قوانین وضوابط ہوتے ہیں جن کا مدار دین پر ہوتا ہے۔ گوکہ عملی اعتبار سے دین وشریعت کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا تاہم شریعت میں تھوڑی سی لچک اور نرمی ہوتی ہے تاکہ کسی خاص قوم کی ضرورت اور زمانہ کے تقاضہ کے مطابق ضروری قوانین وضوابط بنائے جاسکیں، قرآن کریم نے اس خاص نقطۂ نظر کو بھی واضح کردیا ہے۔ دین کے متعلق قرآن کہتا ہے:۔

"شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ (الشوریٰ: ۱۳)

"اس (اللہ) نے تمہارے لئے وہ دین ٹھہرایا جس دین پر نوح (علیہ السلام) کو چلنے کا حکم دیا اور جس دین کا حکم ہم نے تجھ کو (اے محمدؐ) بذریعہ وحی عطا کیا۔ اور جس دین کا ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ (پیغمبروں) کو حکم دیا۔ (سب سے یہی کہا تھا) دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو (اے پیغمبر) جس (دین) کی طرف تو مشرکوں کو بلاتا ہے وہ اُن پر بہت گراں ہے"۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

شریعت کے لئے قرآن کریم میں مذکور ہے:۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ (المائدہ: ۴۸)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک راہ اور شریعت دی ہے"۔

اس سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ ہر پیغمبر کو دو مقاصد سے مبعوث کیا گیا؛

(۱) اپنے سے پہلے پیغمبر کے " الدین " کی تصدیق کرے؛ (۲) اس قانون (شریعت) میں ضروری ترمیمیں اور تبدیلیاں کرے جو اس سے پہلا پیغمبر لایا تھا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انھوں نے اعلان کیا :-

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ (آل عمران: ۵۰)

" اور (میں تصدیق کرتا ہوں توریت کی جو مجھ سے پہلے نازل کی گئی تھی اور میں اسلئے آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام ہوگئی تھیں ان کو حلال کردوں (خدا کے حکم سے)"۔ ......

(دور جدید میں اسلامی قانون (فقہ) ماہنامہ " برہان " ستمبر ۱۹۸۱ء ص ۲۹/۱۳۵، ۱۴۰، جلد ۸۳)

جہاں تک اس آیت قرآنی کا تعلق ہے۔ جس کی غلط تاویل کی وجہ سے بہت سے لوگ راہ راست سے بھٹک گئے اور جس کو مذکورہ بالا مستشرق ولیم اے۔ بیلے ہولڈ نے بھی نقل کیا ہے یعنی سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۶۲ (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصَّابِئِيْنَ الخ)، اس مختصر مضمون میں تمام اہم مفسرین و علماء کے خیالات لکھنا ممکن نہیں چند ضروری تشریحات لکھی جاتی ہیں۔ مفسر اعظم امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) اپنی مشہور عالم تفسیر میں تحریر کرتے ہیں۔

" (یہاں پر) یہود، نصاریٰ اور صابئین کے ایمان کا مطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور اس (شریعت) کی تصدیق ہے جو کہ آپ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ ..." (تفسیر الطبری، الجزء الاول ص ۲۵۴)

انھوں نے اس سلسلہ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ یہ آیت دراصل حضرت سلمان فارسیؓ اور ان کے ان ساتھیوں کے لئے نازل ہوئی تھی جو تلاش حق میں نکلے تھے اور بالآخرۃ ان کی رسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوئی اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے اس سلسلہ میں امام طبریؒ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول بھی نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا الخ کا مطلب وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا الخ (آیت) کی روشنی میں سمجھا جائے۔ کیونکہ یہ آیت (یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ الخ) وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا الخ آیت سے پہلے نازل ہوئی تھی"۔ طبری تحریر کرتے ہیں اس طرح ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ آیت وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا الخ پہلی آیت کیلئے ناسخ ہے۔ (تفسیر الطبری، الجزء الاول، ص ۲۵۶، ۲۵۷) اس سلسلے میں طبریؒ نے مزید تشریحات بھی کی ہیں۔ تفسیر قرطبی (ج ۱ ص ۳۷۱) اور تفسیر درمنثور (ج ۱ ص ۷۴) میں بھی ابن عباسؓ کے اس قول کو نقل کیا گیا ہے۔ اس قول کے مطابق آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ مذکورہ بالا دوسری آیت (وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا الخ) سے منسوخ ہوچکی ہے۔ ایک اور جلیل القدر مفسر اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی (م ۷۷۴ھ) نے بھی ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۱۰۳) اس کے بعد وہ تحریر کرتے ہیں (ترجمہ:-) "جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء و رسل کی حیثیت سے تمام بنی آدم کے لئے "علی الاطلاق" مبعوث ہوچکے ہیں تو ان سب پر (یعنی تمام بنی آدم پر) لازم ہے کہ وہ آپ کی تصدیق کریں اور اس کی بھی تصدیق کریں جس کی آپؐ نے اطلاع دی اور آپؐ کی ان تمام اوامر میں اطاعت کریں جن کا آپؐ نے حکم دیا ہے۔" (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۰۳، ۱۰۴)

غرض مسلمان ہونے کیلئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نجات اخروی حاصل کرنے کیلئے یہ ضروری اور لازمی ہے کہ ہر شخص (خواہ وہ کسی بھی مذہب کا پیرو رہا ہو) اللہ پر ایمان لائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپؐ کی شریعت کی تصدیق کرے۔ اعمال صالحہ کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہی عمل کرے اور اپنے تمام امور میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے اوامر کو ہی سامنے رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (سورۃ النساء الآیۃ ۶۵)

آپ کے رب کی قسم وہ لوگ اُس وقت تک ایمان والے قرار نہیں دیئے جاسکیں گے جب تک کہ وہ (اپنے تمام معاملات میں یہاں تک کہ) آپسی تنازعات میں بھی آپؐ کو حکم تسلیم نہ کریں اور پھر آپؐ (جو بھی فیصلہ کردیں آپؐ) کے اس فیصلہ سے اپنے دلوں میں ذرا بھی تنگی نہ پائیں (یعنی اس کو بخوشی قبول فرمالیں) اور پورا پورا تسلیم کرلیں"

؁ ؁ ؁ ؁ ؁

اس مفہوم کی قرآن کریم کی اور بھی آیات ہیں :

قرآن کریم کا ایک ادنیٰ سا طالب علم بھی اس بات سے واقف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انسانوں (اور ہر مذہب کے ماننے والوں) کے لئے نبی و رسول بنا کر بھیجا ہے۔ خواہ کسی بھی جگہ کا رہنے والا انسان ہو یا کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو۔ اب آپؐ پر ایمان لائے بغیر نجات حاصل نہیں کرسکتا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ࣙالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝ (سورۃ الاعراف ۱۵۸)

آپؐ کہہ دیجئے اے تمام انسانو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اس لئے (صرف ایک) اللہ پر (ہی) ایمان لاؤ۔ (یعنی اس کی وحدانیت پر) اور اس کے

(ایسے) نبیِ اُمّی پر (بھی) جو کہ (خود) اللہ پر
اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور
(صرف) اُسی (نبیِ اُمّی) کا اتباع کرو تاکہ
تم راہِ راست پر آجاؤ۔ سورۂ اعراف آیت ۱۵۸)

یہی نہیں بلکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب (یعنی یہود ونصاریٰ) کو بھی دیگر کفار ومشرکین کے زمرے میں ہی شمار کیا ہے اور اُن کو خلود فی النار کا عذاب دیا جانا بتایا ہے :۔"

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ط اُوْلٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ۝
سُوْرَۃُ البیّنہ ، آیت ۶)

بلاشبہ اہل کتاب (یعنی یہود ونصاریٰ) اور مشرکین میں جن لوگوں نے (اللہ، اس کے رسول اور شریعتِ اسلامی کا) انکار کیا۔ (اور کافر ہوگئے) وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے جہاں (وہ) ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (بلاشبہ) یہی لوگ بدترین خلائق ہیں "

اس سلسلہ میں اس سورۃ کی پہلی آیت بھی قابلِ غور ہے۔

اللہ واحد پر ایمان لانے اور شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے سلسلہ میں احادیث کثرت سے وارد ہوئی ہیں :۔ اس سلسلہ میں اہل کتاب کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضؓ کو یمن کی طرف جب بھیجا تو (صاف الفاظ میں) فرمایا کہ تم اہل کتاب کے پاس جارہے ہو،

(پہلے) تم اُن کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کی دعوت دینا اور (اس بات کی بھی دعوت دینا) کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ لوگ (یعنی اہل کتاب) اس بارے میں تمہاری بات مان لیں تو پھر تم ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی (دیگر تمام مسلمانوں کی طرح

دن ورات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔۔۔۔(اس طرح آپؐ نے اہل کتاب کو اُن تمام احکام کی تعمیل کا حکم دیا جس کی تعمیل دوسرے تمام مسلمانوں سے کرائی جاتی ہے)۔۔۔۔۔" (صحیح مسلم) اس حدیث اور اس قسم کی دیگر احادیث صحیحہ سے ظاہر ہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور دیگر غیر مسلم (مشرکین وغیرہ) کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ کی وحدانیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان لائیں۔ اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کی تصدیق کریں اور اب صرف اسی شریعت پر عمل کریں۔

اسطرح "وحدت ادیان" یا وحدتِ دین" کا نظریہ قرآن وسنّت کے خلاف ہے اور اسلام میں اسطرح کے گمراہ کن نظریہ وعقیدہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے

مطالعات و تعلیقات

از ۔ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

قحط و گرانی کا کامیاب مقابلہ

سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں پورے ملک میں شدید قحط پڑا سلطان نے دہلی والوں کے لئے یہ انتظام کیا کہ سرکاری غلہ کے گودام سے ہر شخص کو چھ ماہ کا غلہ فی کس ڈیڑھ رطل کے حساب سے دیا جائے، جب یہ اعلان ہوا تو علماء اور قضاۃ ہر ہر محلہ میں گھوم کر لوگوں کے خاندان اور نام لکھتے تھے، اور ان کی تصدیق پر ہر شخص کو چھ ماہ کا غلہ سرکاری گودام سے دیا جاتا تھا اور وہ اطمینان سے پیٹ بھر کر کھانا کھاتا تھا (رحلہ ابن بطوطہ ص۳۵ ج ۲)

اس سے پہلے سلطان علاؤ الدین محمد شاہ خلجی کے زمانہ میں جب جب ملک میں گرانی آتی تو سرکاری گودام سے سستے داموں پر عوام کو غلہ دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے بلیک مارکیٹ کرنے والوں کا داؤ نہیں چلتا تھا۔ یہی طریقہ جانوروں اور کپڑوں کی گرانی اور نایابی کے زمانہ میں اختیار کیا جاتا تھا حکومت ان کو خرید کر دام کے دام پر فروخت کراتی تھی اور اس میں کام کرنے والوں کو اجرت دے دی جاتی تھی، اس طرح چند دنوں میں گرانی ختم ہو جاتی تھی اور گراں فروشوں کو عوام کے لوٹنے کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اور حکومت کے خزانہ پر زیادہ بار

بھی نہیں پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ غلہ پر سخت گرانی اور نایابی آئی اور غلہ فروشوں نے دام بہت بڑھادئے عوام میں قوت خرید نہیں رہی، سلطان علاؤالدین نے یہی انتظام کیا کہ حکومت کی طرف سے غلہ کے گودام کھول دئے گئے اور دام کے دام پر اُن کو فروخت کیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ اسٹاک جمع کرنے اور غلہ چھپاکر گراں فروخت کرنے والوں کو نقصان ہونے لگا۔ ان کے اسٹاک میں کیڑے لگنے لگے۔ اور اصل قیمت کا وصول ہونا مشکل ہوگیا، اس لئے انھوں نے سستے داموں پر فروخت کرنا غنیمت جانا، چھ ماہ گذرتے گذرتے یہ حال ہوگیا کہ انھوں نے سرکاری دام سے کم دام پر فروخت کرنے کی اجازت طلب کی تاکہ ان کا جمع کیا ہوا غلہ ضائع نہ ہو جائے۔ (رحلہ ابن بطوطہ صفحہ ۲۶/۲۶)

قحط وگرانی ایک قدرتی بات ہے۔ وباؤں، بیماریوں اور لڑائیوں کی طرح اس کا وقت بھی کبھی کبھی آجاتا ہے اور جس طرح بیماریوں اور جنگوں کے لئے تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ اسی طرح قحط، گرانی اور نایابی کیلئے بھی تدبیر کی جاتی ہے۔ حکومتیں دور اندیشی، حکمت عملی اور جدوجہد سے کام لیتی ہیں۔ آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں۔ وہ پہلے بھی آچکا ہے۔ اور پہلے کے حکمرانوں اور عوام نے اس کا کامیابی سے مقابلہ کیا ہے اور اس میں کامیاب اقدام یہی رہا ہے کہ حکومت نے غلہ کی تقسیم کا انتظام خود سنبھال کر قابل اعتماد طریقہ پر قابلِ اعتماد لوگوں کی خدمات حاصل کیا ہے، اور یہی باتیں ہمارے زمانہ میں نہیں ہیں جس کی وجہ سے یہ مصیبت کم نہیں ہوئی۔ پہلے زمانہ میں یہ کام علماء، قضاۃ، دیندار اور خداترس لوگوں کے ذریعہ لیا جاتا تھا اور اب لوٹ کھسوٹ کرنے والے اس عہدہ پر آگئے ہیں جو چوروں کے ساتھی بن کر عوام کی خدمت کے لئے سامنے آتے ہیں۔ موجودہ حکمراں قدرت سے مقابلہ کے لئے عوام میں حوصلہ پیدا کرنے کی تلقین تو کرتے ہیں مگر اسٹاک جمع کرنے والوں، بلیک کرنے والوں، اور ملک میں گرانی و نایابی لانے والوں کے مقابلہ میں خود ناکام رہتے ہیں۔ اس نئی جمہوریت سے اچھی

تو وہی پرانی شخصیت تھی جس میں عوام اور رعایا نازک حالات میں اپنے لئے سچے غمخوار پاتے تھے اور ان کے حسن انتظام کی وجہ سے حالات قابو میں آتے تھے۔

مصیبت سے نجات کا دینی طریقہ

ابن بطوطہ ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین کا معتوب قرار پا گیا۔ صورت یہ ہوئی کہ کسی بات پر سلطان ایک بزرگ پر سخت غصہ ہو گیا جو دہلی کے باہر ایک غار میں رہتے تھے، ابن بطوطہ بھی اس غار کو دیکھنے کے لئے گیا تھا۔ جب سلطان نے اس شیخ کے لڑکوں کو گرفتار کر کے معلوم کیا کہ کون کون شیخ کی ملاقات کے لئے آتے ہیں انھوں نے ابن بطوطہ کا نام بھی لیا، سلطان نے اپنے چار خادموں کو حکم دیا کہ جاؤ ابن بطوطہ کو حاضر کرو، سلطان جس کے بارے میں اس طرح حکم دیتا ہے اس کی جان کی خیر نہیں ہوتی "ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ جمعہ کے دن اس کے خدام میرے پاس آئے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ میں اس حال میں زیادہ سے زیادہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل ، پڑھا کروں۔ چنانچہ میں اس کو ۳۳ ہزار بار پڑھ کر سو گیا اور چار دن تک صوم وصال رکھتا رہا۔ اسی کے ساتھ ہر روز ایک ختم قرآن پڑھ کر صرف پانی پر روزہ افطار کرتا رہا۔ اسطرح مسلسل چار روزے، تلاوت قرآن کے ساتھ رکھے اور پانچویں دن بھی اسی طرح روزہ رکھا مگر اس دن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میری رہائی ہو گئی۔ اور شیخ کو سلطان نے قتل کر دیا۔ (رحلہ ابن بطوطہ ص۹۲ ج ۲)

مصائب اور نوائب آئیں تو ان سے نجات کی تدبیر کرنی چاہئے مگر اصل تدبیر اللہ تعالیٰ سے دعا اور رحم وکرم کی درخواست کے ذریعہ کرنی چاہئے۔ یہی کامیابی کی جڑ اور بنیاد ہوتی ہے، بڑے بڑے منکر بھی جب وقت پڑ جاتا ہے تو خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں، مگر ان کا یہ یاد کرنا خود غرضی کے لئے ہوتا ہے۔ اور جو لوگ عیش وآرام اور تکلیف ومصیبت دونوں میں اس کی یاد کرتے ہیں وہ عبدیت وبندگی کے معیار پر یہ کام کرتے ہیں اور یہی زیادہ مفید ہے

جیسی حکومت ویسے ہی عوام

حکمراں طبقہ کا اثر عوام پر بہت زیادہ پڑتا ہے۔ اور جیسے حکمراں ہوتے ہیں ویسے ہی عوام ہوتے ہیں۔ جس دور میں حاکم نیک دل انصاف گر اور شریف ہوں گے۔ اس دور کے عوام بد باطن، ظالم اور کمینے نہیں ہو سکتے۔ استثنار کو چھوڑ دیجئے عام طور سے یہی بات ہوتی ہے۔ اسی لئے حکام کو ہر اعتبار سے معیاری اور اونچا ہونا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو ایک جملہ میں یوں ادا فرمایا ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِھِم یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے طور طریقہ پر ہوا کرتے ہیں۔ اس ایک جملہ کی تشریح کے لئے دُنیا کا پورا دور حکمرانی پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس وقت ہم اموی دور خلافت کے حکمرانوں کے بارے میں ایک تاریخی حقیقت پیش کرتے ہیں۔

وکان الناس اذا التقوا انما یسئل بعضھم بعضا من البناء والضیاع وکان اخرہ سلیمان صاحب نکاح وطعام فکان الناس فی ایاس سلیمان یسئل بعضھم بعضا عن النکاح والجواری، فلما ولی عمر بن عبد العزیز فکان الرجل یلقی صاحبہ فیقول ماوردک کم تحفظ من القرآن ومتی تختم

ولید کے زمانہ میں جب لوگ ملتے تو آپس میں تعمیرات اور جاگیروں کے بارے میں سوال کرتے، اس کا بھائی سلیمان شادی بیاہ اور کھانے پینے میں آگے تھا اس کے زمانے میں لوگ شادی اور باندیوں کے بارے میں آپس میں سوال کرتے اور جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنائے گئے تو لوگ جب آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے کہ آجکل تم کیا وظیفہ پڑھ رہے ہو، تم کو قرآن کتنا یاد ہے، قرآن کب اور کتنے دن میں ختم کرتے ہو اور مہینہ میں کتنے روزے

وکم تصوم فی الشہر العیون الحدائق[۳] روزے رکھتے ہو۔)

یعنی جس زمانہ میں جس ذہن ومزاج کا خلیفہ ہوتا تھا لوگوں کی باہمی ملاقاتوں میں اس قسم کی باتیں ہوتی تھیں۔ اور لوگوں کی نجی زندگیاں اسی کے طرز پر گذرتی تھیں۔ ہر زمانہ کی طرح آج بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ اب لوگ ملتے ہیں تو بلیک کی ملاوٹ کی، اسمگلنگ کی، لوٹ گھسوٹ کی اور چھین جھپٹ قتل وفساد کی باتیں کرتے ہیں۔ کیونکہ حکمرانوں کی زندگیاں ان ہی ہلاکتوں اور بربادیوں میں گذر رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے دور میں عوام اچھے کیسے ہو سکتے ہیں۔

خلیفہ اور بادشاہ

ایک مرتبہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ علیہ سے فرمایا کہ أملکٌ انا ام خلیفۃ؟ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ اس پر حضرت سلمان رضؓ نے فرمایا کہ

ان انت جبیت من ارض المسلمین درھما او اقل او اکثر، ثم وضعتہ غیر حقہ فانت ملک وغیر خلیفۃ۔

اگر آپ مسلمانوں کی زمین سے ایک درہم یا اس سے زیادہ یا اس سے کم وصول کر کے اُسے ناحق خرچ کرتے ہیں تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں ہیں۔

یہ سُن کر حضرت عمر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

دوسری روایت سفیان بن ابو العوجا ر کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔ اگر میں بادشاہ ہوں تو یہ بہت بڑی خامی ہے۔ اس پر ایک صاحب نے کہا کہ اے امیر المؤمنین خلیفہ اور بادشاہ دونوں میں فرق ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا فرق ہے؟ انھوں نے کہا کہ

الخلیفۃ لا یأخذ الا حقًا ولا یضعہ الا فی حقٍّ فانت بحمد

خلیفہ صحیح طریقہ سے مال لیتا ہے اور صحیح طریقہ سے خرچ کرتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ

الله کذٰلك والملك يعسف الناس فيأخذ من هٰذا ويعطى هٰذا، فسكت عمر
(طبقات ابن سعد ص ۳۰۷ طبع بیروت)

آپ ایسا ہی کرتے ہیں اور بادشاہ لوگوں پر زیادتی کرتا ہے اور ایک کا مال لے کر دوسرے کو دیدیتا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

اسلامی خلافت نہ پرانی شہنشاہیت سے میل کھاتی ہے اور نہ ہی نئی جمہوریت سے اس کا تعلق ہے۔ خلافت میں اللہ کی زمین پر اللہ کے بندوں کے امن وامان سے زندگی بسر کرتے اور انسانی حقوق کے استعمال کرنے کی فضا پیدا کی جاتی ہے۔ خلیفہ انسانوں کا بہی خواہ اور خادم ہوتا ہے جو صرف اللہ کے قانون کو جاری کرتا ہے۔ اور اللہ اور اس کے بندوں کے سامنے مسئول اور جواب دہ ہوتا ہے۔ اس میں ذاتی اقتدار، یا قومی اور جماعتی اقتدار کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ خلیفہ امیر ضرور ہوتا ہے مگر ایک عام آدمی کی طرح ہر وقت اپنے کو جواب دہ سمجھتا ہے۔ اور زمین پر صرف اللہ کا نیک اور ذمہ دار بن کر رہتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف اسلام کا قاضی اور داعی بنا کر روانہ فرمایا تھا، حضرت معاذ یمن میں تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اور خلافتِ صدیقی کا دور آ گیا، حضرت معاذ حج کے موقع پر یمن سے مکہ مکرمہ آئے، اس سال امیر الحج حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت معاذ بن جبل اس حال میں یمن سے مکہ آئے کہ ان کے ساتھ بہت سے مسلمان اور غلام تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ابوعبدالرحمٰن! یہ غلام کس کے ہیں؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ سب میرے ہیں، حضرت عمر نے پوچھا یہ تم کو کہاں سے ملے؟ حضرت معاذ نے کہا کہ مجھے ہدیہ میں دئے گئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میری بات مانو اور ان سب کو حضرت ابوبکر کی خدمت میں بھیجدو۔ اگر امیر المؤمنین ان کو تمہارے لئے اچھا سمجھیں گے تو پھر یہ سب تمہارے ہوں گے۔ حضرت معاذ نے کہا کہ

میں اس بارے میں آپ کی بات نہیں مان سکتا۔ جو چیز مجھے ہدیہ میں ملی ہے، میں اُسے حضرت ابوبکر کے پاس کیوں لے جاؤں؟

جب رات کو حضرت معاذ بن جبل سوئے تو خواب میں دیکھا کہ میں آگ کی طرف گھسیٹا جارہا ہوں اور حضرت عمر میری کمر پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ صبح اٹھ کر حضرت عمر رض کی خدمت میں پہونچے اور اپنا خواب بیان کرکے کہا کہ ان سب کو حضرت ابوبکر کے یہاں روانہ کردیجئے، حضرت عمر رض نے فرمایا کہ یہ کام آپ ہی کو کرنا چاہیئے۔

بہرحال جب غلام حضرت ابوبکر کی خدمت میں پہونچے تو آپ نے فرمایا کہ اے معاذ! یہ سب غلام تمہارے ہی رہیں گے۔ معاذ بن جبل ان سب کو لے کر اپنے گھر گئے اور جب نماز کا وقت آیا تو وہ سب بھی حسب سابق صف بستہ ہوکر حضرت معاذ کے پیچھے کھڑے ہوگئے، حضرت معاذ نے ان سے اس وقت دریافت کیا تم لوگ کس کیلئے نماز پڑھتے ہو؟ انھوں نے کہا اللہ کے لئے۔ حضرت معاذ رض نے کہا جاؤ، تم سب بھی اللہ کے لئے ہو۔ (طبقات ابن سعد ج۳ ص۵۸۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ کی طرف سے امیر الحاج تھے اس لئے انھوں نے حضرت معاذ بن جبل کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کے پاس یہ جو غلام اور نوکر ہیں آپ کے ذاتی نہیں ہیں کیونکہ آپ کو یمن کا حاکم بناکر بھیجا گیا تھا۔ کمانے کے لئے نہیں گئے تھے۔ حضرت معاذ نے ابتدا میں انکار کیا، مگر رات میں خواب دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمر میری نجات کی بات کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تحقیق حال کے بعد معلوم کرلیا کہ یہ غلام ان کی ذاتی ملکیت ہیں اس لئے ان کو واپس کردیا اور حضرت معاذ نے اللہ کی رضا جوئی کیلئے ان سب کو آزاد کردیا۔
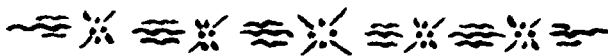
گذشتہ سے پیوستہ
قسط ۲

چند الزامات کا تجزیہ

محمد اقبال رنگونی مانچسٹر انگلینڈ

قیام پاکستان کا مطالبہ لیکر آگے بڑھنے والی جماعت مسلم لیگ کے بارے میں بریلوی مکتب فکر کے ممتاز رہنما مولانا ابوالبرکات سید احمد خلیفہ مولانا احمد رضا خاں و والد مولوی محمود احمد رضوی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ لیگ کی حمایت کرنا اور اس میں چندے دینا۔ اس کا ممبر بننا۔ اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا ہے اور دینِ اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔

۲۔ لیگ کے لیڈروں کو رہنما سمجھنا۔ ان پر اعتبار کرنا۔ منافقین و مرتدین کو رہنما بنانا۔ اور ان پر اعتبار کرنا ہے جو شرعًا ناجائز ہے۔ کسی طرح بھی جائز نہیں۔

۳۔ لیگی لیڈروں کے افعال واقوال سے ان کی گمراہی مہر نیم روز سے زائد روشن ہے۔ مرشد تھانویؒ کو لیگیوں کی تقریروں میں شیخ الاسلام اور حکیم الامت کہا جاتا ہے۔ اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ مسٹر محمد علی جناح کو قائد اعظم، سیاسی پیغمبر، قائد ملت، رہبر اعظم، رہنمائے محترم، مخدومنا ذات گرامی تم سلامت رہو ہزار برس۔ مسلم ہے۔ تراغم خوار جناح۔ رہبر ہے تراسردار جناح وغیرہ کہا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ جو ساڑھے تیرہ سو برس والے اصلی سچے مذہب اہلسنت پر قائم ہیں وہ اس مسلم لیگ کی شرکت و ممبری کو کیونکر روا رکھ سکتے ہیں ـــ اس سے پہلے اس مقام پر لکھ چکے ہیں کہ۔

۴۔ لیگ کی جو حکومت جمہوریہ ان کفریات ملعونہ کی تبلیغ واشاعت کو ترقی دے گی
تبلیغ کفر وشرک کی حفاظت کرے گی ۔ وہ اسلامی سلطنت ہوگی ۔ یا کفری حکومت
اگر آپ اس سے زیادہ مسلم لیگ کی خباثتیں دیکھنا چاہیں تو جماعت مبارکہ اہلسنت
مارہرہ ضلع ایٹہ سے مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری اور احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ"
منگوا کر ملاحظہ کرلیں ۔

مولانا ابوالبرکات سید احمد کا مندرجہ بالا فتویٰ "الجوابات السنیہ علی زھاء
السوالات اللیگیہ" نامی رسالہ کے آخر میں مفصل درج ہے ۔

مولانا احمد رضا خاں کے دوسرے خلیفہ مولوی حشمت علی قادری "مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری"
نامی کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ۔

۱۔ اس فرمان کو اپنا دستور العمل بنائیں ۔ ان کے دشمنوں، وہابیوں، دیوبندیوں، غیر مقلدوں
لیگیوں وغیرہم سے دشمنی وعداوت ونفرت رکھیں (ص ۲۸)
اسی کتاب میں ایک جگہ یہ بھی ہے ۔

۲۔ مسلم لیگ جس میں اتحاد کا فرین ومرتدین ہے اس میں شامل ہونا ہرگز ہرگز
جائز نہیں (ص ۲۹)

۳۔ اسی میں ہے !
لیگ کا ممبر بن جانا یہ ہرگز جائز نہیں نہ ایسے حملوں کا انسداد لیگ کے ممبر بن جانے
ہی میں منحصر ہے بلکہ لیگ سے تو اسلام اور مسلمین کی سچی حقیقی پشت پناہی اور
خیر خواہی کی امید بھی باطل اور موہوم جیساکہ اوپر واضح ہو چکا ۔ (ص ۲۵)

قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کے بارے میں ان حضرات کے فتاوے ملاحظہ کیجئے ۔ مولانا
اولاد رسول محمد میاں قادری قائداعظم مرحوم کی برائیاں بیان کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں
بدمذہب سارے جہاں سے بدتر ہیں ۔ بدمذہب جہنمیوں کے کتے ہیں کیا کوئی

سچا، ایماندار مسلمان کسی کتے اور وہ بھی دوزخیوں کے کتے کو اپنا قائداعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔

(مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری ص۱۲ طبع ۱۹۳۹ء)

(اس کتاب پر بطور تائید و تقریظ کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولوی حشمت علی قادری سمیت بریلوی مکتب فکر کے ۱۵ علماء کے دستخط ہیں)

مولانا ابوالبرکات سید احمد والد مولانا محمود احمد رضوی لکھتے ہیں!

اگر رافضی کی تعریف حلال اور جناح کو اس کا اہل سمجھکر کرتا ہے تو مرتد ہوگیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس سے کلی مقاطعہ کریں۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کرے (الجوابات السنیہ ص۳۲ مطبوعہ ۱۹۳۹ء)

تجانب اہل سنت جو مولوی ابوطیب داناپوری کی تصنیف ہے اور اسپر مولوی حشمت علی کے بھی دستخط ہیں۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ:-

مسٹر جینا ان کا قائداعظم ہے اگر صرف انھیں دو کفروں پر اکتفا کرتا ہے تو قائداعظم کی خصوصیت ہی کیا رہتی لہذا وہ اپنی اسپیچوں اپنے لکچروں میں نئے نئے کفریات قطعیہ بکتا رہتا ہے۔ (ص۱۱۹)

آگے فتویٰ صادر فرمایا ہے کہ!

بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے ان عقائد کفریہ قطعیہ خبیثہ کی بنا پر قطعاً مرتد خارج از اسلام ہے جو شخص اس کے کفروں پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان جانے یا اسکے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے یا اسکو کافر کہتے ہیں توقف کرے وہ بھی کافر و مرتد اور شرالانام اور بے توبہ مرا تو مستحق لعنت عزیز علام (ص۱۲۲)

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رح کے بارے میں بھی ان کی رائے سن لیجئے!

"ڈاکٹر صاحب کے مذہب کو سچے دین اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے (تجانب ص۱۳۱)

۲۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ڈاکٹر صاحب ایسے عقائد رکھتے ہوئے کیسے مسلمان ہیں ڈاکٹر صاحب کے اسلام کی حقیقت ہماری سمجھ میں نہیں آتی اگر ان اعتقادات کے باوجود بھی ڈاکٹر صاحب مسلمان ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کوئی اور اسلام گھڑ لیا ہے اور وہ اپنے گھڑے ہوئے اسلام کی بناء پر مسلمان ہیں (صفحہ ۳۴)

۳۔ ڈاکٹر صاحب کی زبان پر ابلیس بول رہا ہے (صفحہ ۳۴)

۴۔ مولوی دیدار علی الوری (والد مولانا ابوالبرکات) کا ڈاکٹر اقبال پر تکفیری فتویٰ نہایت ہی مشہور و معروف ہے جس میں موصوف نے ڈاکٹر صاحب پر تکفیری گولے برسائے۔ اور انھیں مرتد و بے ایمان تبلاتے ہوئے دائرۂ اسلام سے خارج تبلایا گیا۔

ملاحظہ فرمایئے! حضرت مدنیؒ پر تو آنکھیں بند کر کے الزام و اتہام کے تیر برسائے گئے کہ انھوں نے مخالفت کی تھی مگر اپنے گھر کی خبر نہ لی کہ انھوں نے کب حمایت کی تھی؟ حضرت مدنیؒ نے تو قیام پاکستان کے بعد مملکت پاکستان کو مسجد سے تشبیہ دی۔ مگر یہ حضرات جنھوں نے مسلم لیگ میں شرکت حرام، اس کی امداد حرام۔ اس کی ممبری حرام اور موجب غضب رب انام قرار دیا۔ اور اس کے قائد کو برا بھلا کہا۔ ان پر تکفیری گولے پھینکے گئے۔ کیا انھوں نے اس سے رجوع کیا؟ کیا ان تکفیری فتوؤں سے بیزاری کا اظہار کیا؟ حضرت علامہ اقبالؒ کی ثلاثی رباعی کو لیکر گلی گلی گھومنے والے اور حضرت مدنیؒ پر الزام لگانے والے اگر اپنے ہی آئینہ میں اپنی تصویر دیکھ لیتے کہ انھوں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم سے کیا سلوک کیا تھا تو اپنی حقیقت نظر آجاتی۔ نیز وہ تمام فتاوے جو مسلم لیگ کے تمام اکابر پر صادر کئے گئے تھے۔ اگر اسے جمع کر دیا جائے تو یقیناً ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اور پاکستان کی مخالفت کرنے والوں کی فہرست میں اک نئے باب کا اضافہ بھی۔ اور بریلوی مکتبۂ فکر کے لئے تازیانۂ عبرت و موعظت بھی۔

قارئین کرام! اس تفصیل سے ہمارا مقصد کسی کی دلآزاری ہرگز نہیں۔ بلکہ حقیقت

حال کو واضح کرنا ہے اور اس پروپیگنڈے کی اصلیت ظاہر کرنی ہے جسے بریلوی مکتب فکر کے علماء و خطباء اپنی ہر محفل و مجلس ـ تحریر و تقریر ـ میں بیان کرنے سے نہیں شرمائے. مجبورًا ہمیں بھی اس موضوع پر قلم اٹھانا پڑا اور بتانا پڑا کہ تحریک پاکستان کے حامی و موید کون تھے اور مخالف کون؟ کس نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور نظریہ پاکستان کی حمایت کی اور کس نے مسلم لیگ کے اکابر پر تکفیری فتوی چسپاں کرتے ہوئے امت مسلمہ کو ان سے دور کر کے تحریک پاکستان پر ضرب کاری لگانے کی کوشش کی تھی؟

دوسرا الزام:۔ جناب بوستاں قادری صاحب نے اپنے مضمون میں علماء دیوبند پر ایک الزام یہ لگایا ہے کہ "اچانک دارالعلوم دیوبند سے ملت از وطن است کا نعرہ بلند ہوا" موصوف کا یہ بیان بھی سراسر غلط اور حقیقت سے بے خبری کا پتہ دیتا ہے. اسلئے اس کی حقیقت بھی نہایت اختصار کے ساتھ پیش کی جاتی ہے،

بات یہ ہے کہ ۸ رجنوری ۱۹۳۸ء کی شب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح نے صدر بازار دہلی کے ایک جلسے سے خطاب کیا اس خطاب کا بڑا حصہ ۹ رجنوری کے اخبارات میں شائع ہوا ـ چند روز بعد الامان اور وحدت نامی اخبارات سے اس تقریر کو قطع و برید کے بعد اپنے اخبارات میں شائع کر دیا ـ ان پرچوں سے دوسرے اخبارات نے نقل کر کے حضرت مدنی رح پر یہ الزام منسوب کر دیا کہ حسین احمد مدنی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتی اسلئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں ـ جب یہ اخباری اطلاع کسی نے علامہ اقبال مرحوم کو دی تو آپ کی غیرت جوش میں آگئی اور بلا تحقیق تین فارسی شعر سپرد قلم فرمادئے جن میں سے ایک یہ ہے ـ

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است ۔۔۔ چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

ان اشعار سے ہندوستان کے دینی حلقوں میں ایک تلاطم برپا ہو گیا ـ جس کی تفصیل

اس زمانے کے اخبارات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس وقت ایک دردمند مسلمان علامہ طالوت مرحوم نے حقیقت حال دریافت کرنے کے لئے حضرت مدنیؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس کے جواب میں حضرت مدنیؒ نے اپنے ۸ر جنوری کے بیان کے ان جملوں کی حقیقت واضح فرمائی اور فرمایا کہ مجھ پر سراسر الزام واتہام ہے۔ میری تقریر ایسی نہیں تھی۔ آپ کا یہ جواب ۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت مدنیؒ نے دوسرا گرامی نامہ ارسال فرمایا۔ حضرت مدنیؒ کے اس جواب کو علامہ طالوت مرحوم نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس کے جواب میں دو خط لکھے اور آخر میں صاف صاف لکھ دیا کہ :-

" مولوی صاحب کو میری طرف سے یقین دلا دیجئے کہ میں ان کے احترام میں کسی مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں "

اس کے بعد علامہ مرحوم نے ایڈیٹر روزنامہ احسان کے نام ایک خط لکھ کر حقیقت بیان کی اور بتلایا کہ حضرت مدنیؒ کے خطاب کے جو اقتباسات اخبارات میں شائع ہوئے تھے ـــــ ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانانِ ہند کو مشورہ دیا ہے۔ اس بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار احسان میں شائع ہوا۔ لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت کے نام آیا جس کی نقل انھوں نے مجھ کو بھی ارسال کی۔ اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ (پورا خط نقل کر دیا)۔۔۔ خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے لہذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ میں مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں ـــ خدا تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے اور زیادہ مستفید فرمائے نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔ مخلص محمد اقبال۔

(باقی اگلے شمارے میں ملاحظہ کیجئے)

(ادارہ)

مجلسِ شوریٰ کے فیصلے

بتاریخ ۱۹/۲۰/۲۱ شعبان ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۹/۳۰ اپریل و یکم مئی ۱۹۸۶ء کو مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا حسبِ دستور تین روزہ اجلاس ہوا جس میں تقریباً ۱۴ حضرات اراکین نے شرکت فرمائی اور درج ذیل اہم فیصلے کئے۔

(۱) مجلسِ تعلیمی کو ہدایت کی گئی کہ

۱۔ مجلسِ تعلیمی ماہ ذی الحجہ میں فرصت (رخصت) کا ایسا نظام مرتب کرے جس میں ذی الحجہ کا پورا مہینہ تعلیم سے خالی نہ جائے یعنی اساتذہ اور طلبہ کو یا ذی الحجہ کے پہلے ہفتہ میں فرصت (رخصت) دی جائے یا اخیر ہفتہ میں۔

۲۔ الف مجلسِ شوریٰ سہ ماہی امتحان کے اجراء سے متعلق مجلسِ تعلیمی کو ہدایت کرتی ہے کہ امتحان سہ ماہی پورے اہتمام کے ساتھ لیا جائے۔

(ب) "تاریخ دارالعلوم" سے متعلق شوریٰ ہدایت کرتی ہے کہ اس پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی مدیر رسالہ دارالعلوم "نظر ڈالیں اور حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب رکن شوریٰ کی سرپرستی اور مشورہ سے اس کی فروگذاشتوں کو مرتب کریں (اگر ہوں) تو مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش کریں۔

۳۔ ایجنڈے کی دفعہ ۱۵ کے تحت مجلس طبی اور جامعہ طبیہ کے ورکنگ پرنسپل صاحب کی رپورٹ پیش ہوئی، شوریٰ نے اس رپورٹ پر غور کیا اور ان تمام گوشوں کا از سر نو

جائزہ لیا جو جامعہ طبیہ میں ڈپلوما کورس اور ڈگری کورس سے اجراء کے متعلق برسہا برس سے ہوتی چلی آرہی ہیں اس جائزہ سے شوریٰ نے یہ محسوس کیا کہ جامعہ طبیہ کے معاملے کو شوریٰ جس اخلاص، محنت اور کثیر خرچ کے ساتھ سلجھانا چاہتی ہے حکومت کے نئے نئے قوانین اور پابندیوں کے باعث الجھتا جارہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا مقصد یہ تھا کہ اپنے اکابر واسلاف کے طریقۂ کار کے پیش نظر دارالعلوم میں فنِ طب کی تعلیم بھی دیجائے کہ یہ فن ہمارے اسلاف کیلئے رزقِ حلال کے حصول کا بہترین اور کامیاب ذریعہ رہا ہے، اور وہ اس پیشہ کے ذریعہ خدمتِ خلق کے خوشگوار فریضہ کو بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا اور نئے قوانین بنتے گئے۔ اس پیشہ پر پابندیاں لگتی گئیں۔ بڑی کوششوں سے جامعہ طبیہ کو ڈپلوما کورس کا درجہ ملا جس کی مدت ۱۹۸۲ء میں ختم ہوگئی، تو پھر کوشش شروع کی گئی آگے ہماری کوششوں کا محور یہ تھا کہ طب کی تعلیم ہوتی رہے اس کے ساتھ ساتھ جدید میڈیکل سائنس سے بھی استفادہ ہو۔ لیکن جامعہ طبیہ اور بالخصوص دارالعلوم کی داخلی اور خارجی آزادی متأثر نہ ہونے پائے کہ مسلمانوں کا یہ دینی اور فلاحی ادارہ حکومت کے زیر اثر ہو کر اپنی مخصوص دینی حیثیت اور مذہبی افادیت کو کھو نہ بیٹھے اس مقصد کے پیش نظر دارالعلوم کے ذمہ داروں، اس کے مہتمم اور ارکان نے بھر کوششیں کیں، مرکزی حکومت کے ذمہ داروں اور صوبائی حکومت کے وزیروں اور اس کے اعلیٰ افسروں کے دروازے نہ معلوم کتنی مرتبہ کھٹکھٹائے لیکن مایوسی کے سوا کوئی چیز ہاتھ نہ آئی۔ سالِ رواں میں حکومت نے ایک قانون بھی بنالیا جسکے باعث اب ڈپلوما کورس کا کوئی ادارہ نہ قائم ہوسکتا ہے نہ باقی رہ سکتا ہے۔

اسلئے شوریٰ بڑے افسوس اور صدمہ کے ساتھ جامعہ طبیہ کی بساط کو سمیٹ دینے کے لئے اپنے کو مجبور پاتی ہے بڑے کرب و بےچینی کے ساتھ جامعہ طبیہ، دارالشفاء اور اس کے پورے نظام کو تحلیل کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔

تجویز ۱۲ مجلس تعلیمی کی رپورٹ مولانا ریاست علی صاحب ناظم مجلس تعلیمی نے پڑھ کر سنائی اس ذیل میں شوریٰ نے غور و بحث کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کیے۔

(الف) شعبۂ تجوید میں طلبہ کی کثرت کے پیش نظر مجودین کی تعداد پر غور کیا گیا شوریٰ نے مجلس تعلیمی کو ہدایت کی وہ شعبہ تجوید کا پورا جائزہ لیکر مجلس عاملہ میں اپنی رپورٹ پیش کرے اور یہ واضح کرے کہ مجودین کے اضافہ کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کتنی؟

(ب) مجلس شوریٰ نے وسطیٰ ب کے مدرسین مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا احرار الحق صاحب کو مستقل قرار دیا۔

(ج) شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ معین المدرسین کی تربیت کی مدت ایک سال کے بجائے دو سال کر دی جائے اور مدت ختم ہونے کے بعد انھیں دار العلوم سے کہیں اور بھیجد یا جائے، نیز یہ کہ ہر سال دو طلبہ کا انتخاب معین المدرس کے طور پر عمل میں لایا جاتا رہے۔

(د) شعبۂ تدریس میں ہونے والے تقررات حسب سابق انتخابی کمیٹی کے ذریعہ نام حاصل کر کے کئے جائیں۔

(ھ) شوریٰ نے یہ بھی طے کیا کہ تعلیمی نظام کو نصاب تعلیم کی مرحلہ وار تقسیم کے ذریعہ استوار کیا جائے، دینیات فارسی اردو کے چھے سال کو مدرسہ ابتدائیہ، سال اول عربی سے سال چہارم تک کو مدرسہ ثانویہ، اور پنجم سے ہفتم تک کو درجہ عالمیت، اور دورۂ حدیث کو درجۂ فضیلت قرار دیا جائے اور درجۂ عالمیت کی تکمیل پر عالمیت کا سرٹیفکٹ (تصدیق نامہ) دیا جائے اور درجہ فضیلت کی تکمیل پر سند عطا کی جائے۔

(و) تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لئے مجلس شوریٰ نے مدرسہ ثانویہ کے علیحدہ نظم کی اجازت دی

(ز) شوریٰ نے گذشتہ سال ۱۶۰۰ (سولہ سو) طلبہ تکنیکی امداد کی منظوری دی تھی۔ اس سال شوریٰ اس تعداد پر دو سو کا اضافہ کرتی ہے اور یہ بھی ہدایت کرتی ہے کہ ان میں سے چودہ سو طلبہ کو خوراک کے ساتھ دوسرے لوازم بھی دئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ

ان کے تجربات معیار کے مطابق ہوں۔
(ح) شوریٰ نے طے کیا کہ دارالافتاء میں چار جدید طلبہ کا معین المفتی کے طور پر انتخاب بمشورہ حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب کیا جائے۔ یہ انتخاب دو سال کے لئے ہوگا، اور منتخب طلبہ میں سے ہر ایک کو -/300 روپیہ ماہوار علاوہ طعام کے بطور وظیفہ کے دیا جائیگا دو سال کی تربیت کے بعد وہ جہاں چاہیں گے جاسکیں گے۔ یہ واضح رہے کہ یہ انتخاب صرف اسی سال کے لئے ہے۔
(ط) شوریٰ نے دارالافتاء کے طلبہ کی تعداد میں تحدید کو ضروری قرار دیا اور طے کیا کہ ان کی تعداد ۱۲ سے متجاوز نہ ہو۔
تجویز ۶۔ شیخ الہند اکیڈمی کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوئی شوریٰ نے سماعت کے بعد حسب ذیل فیصلے کئے۔
(الف) مجلس شوریٰ منعقدہ صفر ۱۴۰۶ھ کی تجویز ۱۱ کی روشنی میں حضرت مہتمم صاحب نے ڈائرکٹر کے منصب کیلئے قاضی اطہر مبارکپوری صاحب سے مراسلت کی، قاضی صاحب نے اپنے آخری خط میں معذرت کردی۔ اسلئے ڈائرکٹر کے منصب کیلئے مناسب شخص کی تلاش جاری رکھی جائے
(ب) سال رواں میں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کی زیر ہدایت ہونے والے کام چار مسودات کی شکل میں شوریٰ کے سامنے آئے (۱) تلخیص سوانح قاسمی (۲) تحفۂ طلبہ (۳) تحذیر الناس مع تصحیح و تعلیق (۴) تاریخ دارالعلوم کی تلخیص۔ ان کاموں کے متعلق شیخ الہند اکیڈمی کی کمیٹی نے دو باتیں لکھی ہیں پہلی تو یہ کہ ان کاموں کی ضرورت ہے یا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ ان مسودات کو کوئی صاحب نظر اور اہل قلم ملاحظہ کریں، شوریٰ کمیٹی کی ان دونوں باتوں کو مستحسن سمجھتی ہے اور مولانا وحید الزماں صاحب سے امید کرتی ہے کہ صاحب نظر کو دکھلا کر اس کی رائے کے ساتھ اپنی رپورٹ آئندہ شوریٰ میں پیش فرمائیں۔ نیز شوریٰ تعریب کے سلسلہ میں بھی کمیٹی کی رائے سے متفق ہے کہ تعریب کا کام ابھی روک دیا جائے۔ نیز شوریٰ نے حضرت مولانا وحید الزماں صاحب معاون مہتمم کو شیخ الہند اکیڈمی کا رکن مقرر کیا۔

Regd. No. SHN-L-13-NP-21-86

DARUL-ULOOM MONTHLY

DEOBAND (U.P.)

Library J. M. I. New Delhi

کیل مہاسے

؟

مُصیبت سے بچیے، خون کو صاف کیجیے

خون کی خرابی سے کیل مہاسے، پھوڑے پھنسیاں اور جلد کی دوسری تکلیفیں آپ کو پریشان کرتی ہیں، چہرے کے نکھار کو بگاڑتی ہیں۔ ان سب شکایتوں کو دور کرنے کا کامیاب ذریعہ ہے صافی!

صافی معدہ اور آنتوں کی اصلاح کرکے خون کو صاف کرتی ہے اور خون کی صفائی ہی ان شکایتوں کا اصل علاج ہے۔

صافی میں شامل ۲۴ جڑی بوٹیاں اور دوسرے اہم اجزا آپ کی جلد کو صاف، نرم اور خوب صورت بناتے ہیں۔

صافی بے فکر ہو کر استعمال کیجیے۔ اس سے صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

Dr. Zakir Husain Library J.M.I. New Delhi
3 0 ... 1986
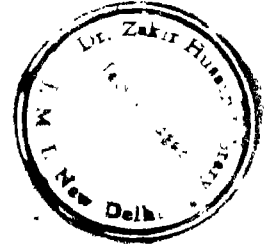
دارالعلوم

July 86
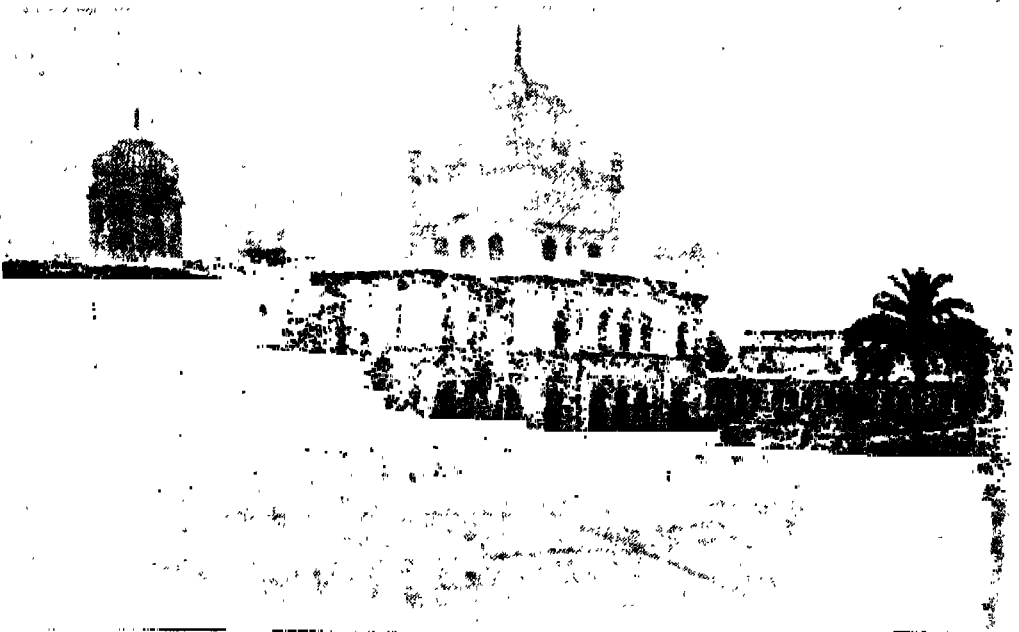
شمارہ نمبر ۷	جولائی ۱۹۸۶ء مطابق ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ	جلد نمبر ۷۰

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمٰن القاسمی

فی پرچہ ۳/-

سالانہ ۳۰/-

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے } سعودی عرب، کویت، ابوظبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ بھی بذریعہ ایرمیل -/160

پاکستان -/60 Rs ہندوستانی — اور بنگلہ دیش -/40 Rs ہندوستانی

مطبوعہ:- محبوب پریس دیوبند } سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہوگیا

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

(۱) ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اوّل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔

۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپئے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد، ملتان، پاکستان، کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں۔

۳۔ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

والسلام
منیجر رسالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

حبیب الرحمٰن القاسمی

مدارس عربیہ کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی بقاء و ترقی کا جو معجز نما کام پچھلی صدی میں انجام پایا وہ تاریخ کا حیرت انگیز باب ہے۔ عالم اسباب میں اس کی صورت یہ ہوئی کہ ان مدارس نے مسلسل امت مسلمہ ہندیہ کو ایسے افراد اور رجال کار دئے جو اپنی اپنی جگہ ایک ایک امت سے کم نہ تھے ان نابغہ روزگار علماء نے زندگی کے ہر میدان میں بھرپور کارگذاری کا مظاہرہ کیا۔ اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کی تمام دینی، ملی اور سیاسی ضرورتوں کو پورا کیا اور وہ پچھلی صدی کے زبردست طوفان کے درمیان سے ہندوستان کے مسلمانوں کا سفینہ پوری احتیاط اور دانشمندی سے نکال کر لے گئے۔

مسلمانوں کے مردم ساز اداروں کی اس تاریخی خدمت کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عرصۂ دراز سے مردم سازی کا یہ کام تقریباً بند ہے اور امت مدارس کی کثرت کے باوجود ان دینی و ملی فوائد سے محروم ہے جو اسکو ماضی میں مدارس کی قلت کے باوصف میسر رہے ہیں۔

ملت کے دردمند حضرات اس اندوہناک صورت حال سے مسلسل کرب محسوس کر رہے ہیں اور اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اُن خامیوں پر غور اور ان کی تلافی کی راہیں تلاش کر رہے ہیں جن کے سبب یہ سانحہ پیش آرہا ہے ایک نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ نصاب تعلیم ان ضرورتوں کو پورا نہیں کر رہا ہے جنھیں عصر حاضر اپنے جلو میں لیکر آیا ہے اور اس سے وہ ذہن سازی نہیں ہو پاتی جو عصر حاضر کے چیلنج کا جواب بن سکے اس لئے اس نقطۂ نظر والوں کی تمام ذہنی توانائیاں نصاب میں ترمیم و تبدیل پر صرف ہو رہی ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ اساتذہ میں جوہر علم منتقل کرنے کی وہ صلاحیت باقی نہیں ہے جو ماضی میں موجود تھی ان میں کردار کی وہ مقناطیس نہیں ہے جو افراد کو اپنی طرف جذب کرلے ان کے دلوں میں حسن نیت اور

اخلاص کی وہ شمع روشن نہیں ہے جس سے دوسرا چراغ روشن ہو سکے۔

کسی کے نقطۂ نظر سے اس صورتِ حال کا سرچشمہ خود طلبا کی کمزوریاں ہیں ان میں طلب صادق نہیں ہے جو منزل کی رہنمائی کے لئے ضروری ہے وہ ذوقِ تشنگی مفقود ہے جو آبِ حیات کی طرف گامزن کر دے۔ وہ حسنِ نیت اور اخلاص نہیں ہے جو علم کی خاطر شمع کی طرح پگھلنے کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

ایک نقطۂ نظر کے مطابق ان صورتِ حال کی ذمہ داری مدارسِ اسلامیہ کے ماحول پر عائد ہوتی ہے کہ اب ان مدارس میں وہ ماحول باقی نہیں رہا ہے جو خوشگوار موسم کی طرح غنچوں میں زندگی اور شادابی کی روح پھونکتا رہتا تھا۔ اور بہاریں خود سمٹ کر ان کا جزوِ زندگی بن جایا کرتی تھیں۔

یہ تمام اسباب و عوامل یقیناً کسی نہ کسی درجہ میں موجود بھی ہیں اور ان سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ واقعہ ہے کہ یہ مرض کی صحیح تشخیص نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ کردار اور شخصیت سازی کی وہ سعی باقی نہیں رہی جو اسلاف کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ اور موجودہ انحطاط کی سب سے بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ افراد سازی کی مہم سے غفلت برتی جارہی ہے۔ عرصۂ دراز سے فضلاء کرام کو ان کی صلاحیت اور حیثیت کے مطابق مشغلے نہیں دئے جارہے ہیں بلکہ ہر نوعمر فاضل کو خلاء بسیط میں اس طرح آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے جس کو کنٹرول کرنے والی کوئی طاقت موجود نہیں ہوتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خلاء میں گردش کرتا رہتا ہو کسی ایسی سمت نکل جاتا ہے۔ جہاں اس کی تمام توانائیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ اکابر ہر سال کے فضلاء پر گہری نظر رکھتے تھے اور ان کو حسب صلاحیت تدریسی تصنیفی اور ملی خدمات پر مامور فرما دیتے تھے اور اس طرح صالح عناصر کی تربیت کا کام انجام پاتا رہتا تھا۔ ماضی قریب میں حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی رح کے طریق تربیت کو اس کی نظیر میں پیش کیا جا سکتا ہے کہ دونوں بزرگوں نے کس کس طرح افراد کی تربیت کی اور قرابت کی بنیاد پر نہیں، بلکہ صرف صلاحیت کی بنیاد پر وہ ملی و تدریسی خدمات کیلئے افراد کا انتخاب فرماتے رہے۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ مدارسِ عربیہ کی سرزمین پر جو نہالِ تازہ اگتا ہے یا تو جامعہ ملیہ میں اس کا قلم لگا دیا جاتا ہے یا معاشی استحکام کی طمع اس کو ہندوستان کے انگریزی مدارس اور عرب کے جامعات میں کھینچ لے جاتی ہے اور ہمارے یہاں پیدا ہونے والا ایک ایک جوہر قابل اپنی صلاحیتوں کو

دوسرے میدانوں میں منتقل کر دیتا ہے۔

بہتر ہوگا کہ مدارسِ عربیہ کے ذمہ دار اکابر ماضی کے اس بیس سال کا تفصیلی چارٹ تیار کرائیں اور یہ دیکھیں کہ مدارس سے نکلنے والے جمِ غفیر میں جوہر قابل کتنے فضلاء تھے۔ پھر یہ کہ ان میں کتنے فضلاءِ جامعہ طبیہ کی نذر ہوگئے، کتنوں نے اپنا سفینہ جدید تعلیم کے طوفان میں ڈال دیا اور عرب جامعات کی طرف پرواز کر گئے۔ اور کتنے ایسے ہیں جو ہندوستان کے مسلمانوں کی ملی و علمی خدمت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ پھر یہ کہ جو خدمت بخت و اتفاق سے ان کے سپرد ہوگئی ہے کیا وہ ان کی صلاحیتوں کا صحیح استعمال ہے، نیز یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمت میں مصروف یہ فضلاءِ واقعۃً یہ کام خدمت سمجھ کر انجام دے رہے ہیں یا انھیں ایسی مجبوریاں پیش آگئیں کہ وہ زندگی کا نہج تبدیل نہ کر سکے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس طویل مدت میں معدودے چند فضلاء ہی امت کے ہاتھ آئے ہوں گے اور وہ بھی ایسی جگہوں پر اپنی صلاحیتوں کا استعمال کر رہے ہوں گے جو ان کے لئے موزوں نہیں بس یہی ایک سب سے بڑی وجہ ہے کہ امت ان مدارس کے صحیح فائدے محروم ہے۔

اس اندوہناک صورتِ حال کو تبدیل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ مردم سازی کی مہم بڑے اہتمام سے شروع کر دی جائے مدارسِ عربیہ سے فارغ ہونے والے باصلاحیت نوجوانوں کا انتخاب پھر ان کی صلاحیت کے مطابق کاموں کی تفویض اور نگرانی ہی دراصل اس صورتِ حال کو ختم کر سکتی ہے۔ ورنہ اگر نصابِ تعلیم، اساتذہ اور طلبہ کی کمزوریاں اور مدارس کا ماحول ہی پیشِ نظر رہا اور اصلاح کا سارا زور اسی جانب صرف کیا جاتا رہا تو اس سے صورتِ حال میں کسی بہتری کی توقع نہیں کی جا سکتی

کتنا اچھا ہو کہ مدارس کے ذمہ دار فوراً اس طرف توجہ دیں اور امت کے اجڑے ہوئے گلستاں میں پھر وہی بہاریں خیمہ زن ہو جائیں جن کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔

سیرت نبویؐ اور ہندیات

(مولانا قاضی اطہر مبارکپوری)

یہ مقالہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں پڑھا گیا جس کا انعقاد وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کی جانب سے ۱۲، ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ میں ہوا۔

عہد رسالت میں عرب میں مختلف ممالک کے لوگ اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے، خاص طور سے اس کے دونوں مرکزی شہروں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں یہ لوگ اپنے ملکی و قومی امتیازات اور خصوصیات کے ساتھ بود و باش رکھتے تھے، چنانچہ یہاں کے ہندی ایرانی، رومی اور حبشی رجال کے تذکرے، سیر و مغازی اور احادیث میں موجود ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگ عہد رسالت ہی میں اسلام لائے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ان سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس حیثیت سے سیرت نبوی کا مطالعہ بہت کم کیا گیا ہے کہ ان بیرونی باشندوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا تعلق تھا؟ آج ہم "سیرت نبوی اور ہندیات" کے موضوع پر مختصر طور سے کچھ باتیں پیش کرتے ہیں۔

برصغیر ہند و پاکستان اور عرب کے درمیان قدیم زمانہ سے تجارتی، معاشی اور مذہبی تعلقات پائے جاتے تھے، خاص طور سے یہاں کے ساحلی مقامات مکران اور سندھ سے سراندیپ تک کے باشندے عرب آتے جاتے تھے اور عرب کے باشندے ان مقامات میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ بلکہ ہندوستان کی کئی قومیں عرب میں مستقل طور سے اپنے ملکی و

قومی نشان وامتیاز کے ساتھ آباد تھیں، چنانچہ عہدِ رسالت میں زُط، سیابجہ، مید اور ہندو سندھ کے نام سے یہ لوگ پہچانے جاتے تھے، ہندوستان کی متعدد اشیاء استعمال کی جاتی تھیں، یہاں کے بعض طبقے اور افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روابط قائم کرنے کی کوشش کی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں جہاد کی پیشین گوئی فرما کر اس میں شریک ہونے والے مجاہدین کے حق میں نارِ جہنم سے آزادی کی خوشخبری سنائی۔ یہاں کی متعدد اشیاء آپ استعمال فرماتے تھے اور بعض چیزوں کے استعمال کا حکم ومشورہ دیتے تھے۔

ہندوستان کے لوگوں سے واقفیت

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہندوستان کے زُط یعنی جاٹ اور دوسری جماعتیں اچھی خاصی تعداد میں پائی جاتی تھیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اچھی طرح واقف تھے۔ صحیح بخاری میں معراج کے بیان میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رنگ اور جسم وجثہ میں جاٹوں سے تشبیہ دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأیت عیسیٰ وموسیٰ وابراھیم فاما عیسیٰ فأحمر عریض الصدر واما موسیٰ فآدم جسیم کأنہ من رجال الزطؔ[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عیسیٰؑ اور موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کو دیکھا عیسیٰؑ سُرخ رنگ اور کشادہ سینہ کے تھے اور موسیٰؑ گندمی رنگ کے خوش قامت اور لحیم وجسیم تھے جیسے وہ بہادر جاٹوں میں سے تھے۔

اس روایت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰؑ کو جاٹ سے تشبیہ دی ہے۔ دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جنات کو جاٹوں سے تشبیہ دی ہے

[1] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل، واذکر فی الکتاب مریم الخ

سنن ترمذی کے ابواب الامثال میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بطحائے مکّہ کی طرف لے گئے اور ایک جگہ خط کھینچ کر اس کے اندر مجھے بٹھادیا اور فرمایا کہ تم اسی دائرے کے اندر رہنا، کچھ لوگ تمہارے قریب آئیں گے ان سے بات چیت نہ کرنا، یہ کہہ کر آپ کہیں تشریف لے گئے اور میں اسی دائرے کے اندر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ:۔

اذا تانی رجال کانھم الزط أشعارھم وأجسامھم لا أری عورۃ ولا أری قشرًا وینتھون الی، ولا یجاوزون الخط، ثم یصدرون إلی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ سلم۔

کچھ لوگ میرے قریب آئے اور وہ اپنے جسم اور بال میں جاٹوں کے مشابہ تھے، میں ان کی شرمگاہ اور کھال نہ دیکھ سکا، وہ میری طرف آتے تھے مگر خط کے اندر نہیں آتے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ جاتے تھے

امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں یہ واقعہ مختصر طور سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے یوں بیان کیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی العشاء فاقام ببطحاء مکۃ فخط علیہ فإذا أنا برجال کانھم الزط[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشاء کے بعد بطحائے مکّہ میں قیام فرمایا، اور میرے ارد گرد خط کھینچا، میرے پاس کچھ ایسے آدمی آئے گویا وہ جاٹ ہیں "

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

امام طبری نے تفسیر میں حضرت قتادہ سے روایت کی ہے کہ عہد فاروقی میں جب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کوفہ آئے اور سیاہ رنگ دراز قد و قامت جاٹوں کو دیکھا تو گھبرا کر کہا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ جاٹ ہیں، یہ سن کر ابن مسعودؓ نے کہا کہ یہ لوگ ان جنّات سے کس قدر مشابہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

۵ے تاریخ کبیر جلد اوّل قسم دوم ص۳۰۰

لیلۃ الجن میں آئے تھے[۱]۔

اس سلسلہ میں تیسری روایت طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ سنہ ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ نجران سے بنوحارث کا ایک وفد لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوتے، جس میں قیس بن حصین، ذی الغصۃ، یزید بن عبد المدان یزید بن المحجل، عبد اللہ بن قراد، شداد بن عبد اللہ قنانی اور عمر بن عبد اللہ ضبابی شریک تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکانِ وفد کی شکل وہیئت دیکھ کر دریافت فرمایا:۔

من ھؤلاء القوم الذین کانھم رجال الھند۔	یہ کون لوگ ہیں جو گویا ہندوستان کے آدمی ہیں؟۔

اس کے جواب میں عرض کیا گیا:۔

یارسول اللہ ھؤلاء رجال بنی الحارث بن کعب[۲]	یارسول اللہؐ! یہ لوگ بنی حارث کے افراد ہیں[۲]"

اصابہ میں ابن الکلبی کے حوالہ سے ہے کہ جب یہ لوگ خدمت نبوی میں آئے تو آپؐ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا:۔

من ھؤلاء کانھم من الھند۔[۳]	یہ کون لوگ ہیں، جیسے یہ ہندوستان کے باشندے ہیں"

ان تینوں روایات میں اہل ہند، خاص طور سے جاٹوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ یہاں کے باشندے عرب میں عام طور سے مشہور تھے اور اپنی وضع قطع، شکل وصورت جسم ولباس اور خاص انداز وہیئت کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ تشبیہ میں مُشبّہ سے زیادہ مُشبّہ بہ معروف ومتعارف ہوتا ہے۔

---

[۲] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۳۹، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۳، ص ۵۹۴، تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۲۵

[۳] الاصابہ ج ۷، ص ۲۶۴، [۱] تفسیر طبری ج ۲۶ ص ۳۲

ہندی اشیاء کا استعمال ہندوستان کی چیزوں میں مشک، کافور، زنجبیل، قرنفل، فلفل، عود ہندی، قسط ہندی، ساج، ہندی تلوار اور یہاں کے کپڑے عہد رسالت میں عام طور سے استعمال کئے جاتے تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بھی ان کو استعمال کرتے تھے۔ قرآن کریم میں مشک، کافور اور زنجبیل کا ذکر لغوی توارد کے طور پر آیا ہے، مشک کافور اور قسط ہندی کے استعمال کی صراحت صحاح وسنن کی متعدد احادیث میں آئی ہے۔

قسط ہندی ہندوستان کی مشہور دوا، لکڑی کی قسم سے ہے۔ اور یہاں کُٹھ کہلاتی ہے، عرب میں اس کو قُط، قُسط، کست اور کُشت کہتے ہیں۔ بعض احادیث میں اُسے عُود ہندی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، عہد رسالت میں اس دوا کا استعمال عام تھا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بطور دوا استعمال کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے، اور اس میں سات بیماریوں سے شفا کی بشارت دی ہے۔ صحیح بخاری میں اس کو عنوان بنا کر ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے: "باب السعوط بالقُسطِ الهندی البحری وهو الكُست" اسی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا کے بچوں کے جم اور گلے کی بیماری میں قسط ہندی کے استعمال کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

علیکم بهذا العود الهندی، فان فيه سبعةَ اشفيةٍ يُسعط به من العذرة ويُلَدُّ به من ذات الجنب۔[1]	تم اس ہندی لکڑی کو استعمال کرو۔ کیوں کہ اس میں سات بیماریوں سے شفا ہے گلے کی بیماری میں اس کی ناس دی جاتی ہے۔ اور جم میں پلائی جاتی ہے۔"

یہی روایت صحیح مسلم میں حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا سے تفصیل کے ساتھ مروی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الطب باب السعوط الخ۔

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا ہے۔

علام تزعرن اولادکن بهذا الاعلاق،	"تم اپنی اولاد کو جونک لگا کر کیوں ڈراتی ہو،
علیکن بهذا العود الهندی، فان	اس ہندی لکڑی (قسط) کو استعمال کرو،
فیه سبعة اشفیة، منها ذات الجنب	کیونکہ اس میں سات بیماریوں سے شفا ہے
یُسعط من العُذرة وَ یُلدّ ذات	جن میں جم بھی ہے۔ گلے کی بیماری میں اس کی
الجنب [۱]	ناس دی جاتی ہے۔ اور جم میں پلائی جاتی ہے

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ تم جو دوا علاج کرتے ہو۔ اس میں سب سے بہتر حجامت یعنی پچھنی اور قسط بحری ہے تم اپنے بچوں کا گلا (گھانٹی) دبا کر ان کو تکلیف نہ دو، شارحین نے لکھا ہے کہ یہاں قُسْط بحری سے مراد قسط ہندی ہے۔

حیض بند ہوجانے کے بعد غسل کے موقع پر قُسط ہندی کا استعمال طبی حیثیت سے مفید ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت اُم عطیہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ہمیں اجازت دی ہے کہ جب کوئی عورت حیض سے پاکی کا غسل کرے تو تھوڑی سی کست اظفاری استعمال کرے۔[۲]

اظفار یا ظفار یمن کا تجارتی شہر ہے اور کُست ہندی اس کی طرف منسوب ہوتی ہے

لسان العرب میں ہے۔

وفی حدیث الحیض نبذة من	حدیث میں غسلِ حیض کے موقع پر تھوڑی
کست اظفار هو القسط الهندی [۳]	سی جس کست اظفار کا ذکر ہے۔ وہ قُسط
	ہندی ہے۔

---

[۱] صحیح مُسلم، [۲] صحیح بخاری باب الطیب للمرأة عند غسلها من الحیض۔
[۳] لسان العرب ج ۲ ص۷،

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آئے، دیکھا کہ ایک بچہ کی ناک کے دونوں سوراخ سے خون جاری ہے، معلوم ہوا کہ یہ حالت عُذرہ (گھانٹی بڑھ جانے) یا دردِ سر کی وجہ سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم عورتوں پر افسوس ہے تم اپنی اولاد کی جان مت لو۔ جس عورت کے بچہ کو عُذرہ یا دردِ سر کی شکایت ہو وہ قسط ہندی لے کر گھسے اور اسی کی ناس دے۔ آپ کے فرمانے کے مطابق جب قُسط ہندی استعمال کی گئی تو بچہ فوراً شفایاب ہوگیا [1]

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بعض مفسرین کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کُست ہندی یا قُسطِ ہندی کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ اس میں سات امراض کی شفا ہے تو بعض بیماریوں کی شفا آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم تھی اور بعض کا علم تجربہ سے تھا [2]

علماء نے لکھا ہے کہ احادیث میں طب اور دوا علاج سے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ شرعی نہیں بلکہ تجرباتی ہیں اور ان کا استعمال مزاج اور آب وہوا دیکھ کر ہونا چاہئے ساج یعنی ساگوان ہندوستان کی خاص عمارتی لکڑی ہے۔ جو قدیم زمانہ سے عرب میں استعمال ہوتی تھی۔ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے کا دروازہ شمالی رُخ پر تھا............ جس میں ساگوان کا صرف ایک کواڑ تھا [3]

بلاذری کی انساب الاشراف میں ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے یہاں جس چارپائی پر آرام فرماتے تھے اس کو اسعد بن زرارہؓ نے خدمتِ نبوی میں پیش کیا تھا، اس کے پائے ساگوان کے تھے، بعد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر آرام فرماتے تھے، حتی کہ اسی پر آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی [4]

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۸۲ [2] فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۲۱ [3] الادب المفرد، [4] انساب الاشراف ص ۵۲۵ ج ۱

ابن قتیبہؒ کا بیان ہے کہ یہ چارپائی ساگوان کی لکڑی سے بنی اور کھجور کی چھال سے مُنی ہوئی تھی، بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی میراث میں فروخت کی گئی جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک آدمی نے چار ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کردیا۔ اور اسی پر مُردے اٹھائے جاتے تھے۔ ؎۱

عرب میں ہندی تلوار اپنی مختلف اقسام کے ساتھ قدیم زمانہ سے استعمال کی جاتی تھی اور اس کو مہنّد، مہندی، ہندوانی، سیف ہندی، اور سیف قلعی کے ناموں سے یاد کرتے تھے۔ اس کی برِش، آب وتاب، جوہریت کا شہرہ مسلّمہ حقیقت کی حد تک عام تھا اور اس سے تشبیہ اور تمثیل بیان کی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت کعب بن زہیرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو اپنا شہرۂ آفاق قصیدہ بانت سعاد پیش کیا تھا اس کے ایک شعر میں آپؐ کو نور کے ساتھ مہنّد سے تشبیہ دے کر ہندی تلوار کا مرتبہ کہیں سے کہیں پہونچا دیا ہے ؎

ان الرسول لنور یستضاء بہ
مھنّد من سیوف اللہ مَسلول

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں کھینچی ہوئی ہندی تلوار ہیں۔

ابن سعد نے طبقات میں اور بلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قینقاع کے اسلحہ سے تین تلواریں ملی تھیں جن میں ایک سیف قلعی، دوسری بتّار اور تیسری حتف نامی تھی۔ ؎۲

ابودلف مسعر بن مہلہل نے جنوبی ہند کے شہر کلہ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اس میں رصاص قلعی کی کان ہے۔ یہیں سیوف قلعیہ بنائی جاتی ہیں۔ جو بہترین ہندی تلوار

؎۱ المعارف ص۲۴۰، ؎۲ طبقات ابن سعد ص۴۸۶/ج۱، ص۲۹/ج۲، انساب الاشراف ص۵۲۲/ج۱،

ہوتی ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ؓ ایسے کپڑے بھی استعمال کرتے تھے جو ہندوستان اور دوسرے مقامات سے عرب جاتے تھے ۔ یمن، صحار اور نجران وغیرہ میں بھی کپڑے تیار ہوتے تھے ۔ جن کو برود یمانیہ (یمنی چادریں) حلّہ سحولیہ (سحولی جوڑے) اور اثواب نجرانیہ (نجرانی کپڑے) کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا، ان مقامات میں ہندی کپڑے بھی فروخت ہوتے تھے ۔ اور بسا اوقات ان ہی مقامات کی نسبت سے مشہور ہوتے تھے ۔ اس لئے احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے سلسلہ میں جو یمنی، سحولی، نجرانی اور صحاری چادروں اور کپڑوں کا تذکرہ ملتا ہے، ان کے ثیاب ہندیہ ہونے کا قوی امکان ہے ۔

سندھ کے بنے ہوئے کپڑوں اور چادروں کو مسندہ اور مسندیہ کہتے تھے ۔ سندھ کی قدیم مشہور چادر اَجرَک کے بارے میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ عربی کے لفظ "اَزْرَق" کا بگڑا ہوا تلفّظ ہے جو قدیم زمانہ میں عرب میں استعمال کی جاتی تھی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سندھی کپڑے استعمال کئے ہیں ۔ لسان العرب میں ہے ۔

و فی حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ رأی علیہا اربعۃ اثواب سنل وقیل ھو نوع من البرود الیمانیۃ [۲]	حضرت عائشہ ؓ کے جسم پر انھوں نے (غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) سندھ کے چار کپڑے دیکھے، بیان کیا گیا ہے کہ یہ یمنی چادریں تھیں،

طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی ہاتھی دانت کی تھی ۔ [۳] نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کنگھی عاج ہندی یا عاج زنجی کی تھی، کیونکہ ہندوستان اور زنج (افریقہ) دونوں ملک سے ہاتھی دانت عرب میں جاتے تھے ۔　　　　(جاری)

---

[۱] معجم البلدان ص۱۱۳ ج ۵　[۲] لسان العرب ص۲۲۳ ج ۳
[۳] طبقات ابن سعد ص۴۸۴ ج ۱ ۔

طواف کی حکمت اور اسکے مختصر آداب

از۔ ڈاکٹر ماجد علی خاں ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ نئی دہلی ،

اسلام کی بنیاد توحید خالص پر ہے اور اس میں اللہ اور بندہ کے درمیان کسی وساطت و اجنبی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی یہ اللہ کے علاوہ کسی دوسری شے کے سامنے سر جھکانے اور غیر اللہ کی کسی بھی درجہ میں عبادت کی اجازت دیتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے ۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ بس تم خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے رہو۔۔۔
(سورۂ زمر)

اس کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں جذبۂ شوق و ذوق بھی رکھا ہے۔ انسان کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس جذبہ کی تسکین کرے اور قرب وصال نیز تعظیم و تسلیم کے اس شدید تقاضے کی آسودگی کا سامان پیدا کرے۔ اسکے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی ظاہری اور محسوس چیزیں مقرر کی ہیں۔ جن کو اس کی ذات اقدس کے ساتھ کچھ خصوصیات حاصل ہیں۔ اور وہ اس کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ ان چیزوں کا نام اللہ تعالیٰ نے "شعائر اللہ" رکھا ہے اور ان "شعائر اللہ" کی تعظیم و توقیر کو اپنی تعظیم و توقیر قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ جو کوئی دین خداوندی کی ان یادگاروں کا پورا

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ (سورۂ حج - ۳۲)

ادب کریگا سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔"

جن "شعائر اللہ" کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے اُن میں "بیت اللہ" صفاو مروہ کی پہاڑیاں اور قربانی کے جانور خاص ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ج فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ط وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا لا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (سورۂ بقرۃ - ۱۵۸)

"بے شک صفا اور مروہ (کی پہاڑیاں) منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں، پس جو کوئی شخص بیت اللہ کا حج کرے یا اس کا عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان طواف کرے (جس کا نام سعی ہے) اور جو کوئی شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے تو حق تعالیٰ شانہ (اس کی بڑی) قدردانی کرتے ہیں اور (اس خیر کرنے والی کی نیت وخلوص کو) خوب جانتے ہیں۔"

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں اور حج میں ان کی اہمیت پر اپنی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حج کی اصل بنیاد ہر ملت میں موجود ہے۔ ان سب کے لئے ایک ایسے مقام کی ضرورت تھی جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے طور پر اور اپنے اسلاف کی طرف منسوب قربانیوں اور اعمال ومناسک کی وجہ سے ان کی نظر میں متبرک ہو۔ اس لئے کہ ان سے اُن مقربین اور اُن کے اعمال کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اور بیت اللہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی

کھلی ہوئی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے جو اکثر اقوام کے روحانی مورث ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک غیر آباد و ویران مقام پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حج کے لئے یہ پہلا گھر تعمیر کیا، اب اگر اس کے علاوہ اور کچھ ہے تو اس میں شرک، بدعت اور اختراع ضرور شامل ہے۔ جس کی (دین میں) کوئی اصل نہیں"

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹)

حج کے اعمال و مناسک میں سے ایک اہم جزو" بیت اللہ" کا طواف بھی ہے: طواف کا لغوی مطلب کسی چیز کے ارد گرد گھومنا اور چکّر لگانا ہے۔ لیکن حج کے ذیل میں شریعت اسلامیہ میں طواف کا مطلب مکہ مکرمہ میں بنے ہوئے خانہ کعبہ یعنی اللہ کے گھر کے چاروں طرف ایک مخصوص طریقے سے چکّر لگانا ہے۔ اس کا حکم قرآن کریم میں مذکور ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ (سورۂ حج۔ ۲۹)

"پھر لوگوں کو چاہئے کہ (حج کے دیگر ارکان کے بعد) اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور (انہی ایام حج میں) اس قدیم گھر (یعنی خانہ کعبہ کا طواف) کریں"

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

طواف میں خانہ کعبہ کے گرد سات چکّر لگاتے ہیں۔ ہر چکّر کو "شوط" کہتے ہیں۔ طواف کی ابتداء حجر اسود کے استلام سے کی جاتی ہے۔ حجر اسود ایک متبرک پتھر ہے جو کہ خانہ کعبہ کے ایک کونے پر لگا ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک بار جب طواف کیا تو حجر اسود کو بوسہ دینے سے قبل فرمایا "اے حجر اسود! تو ایک پتھر کے علاوہ کچھ نہیں (یعنی تیرے اندر نفع و ضرر کچھ نہیں) اگر میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے

بوسہ نہ دیتا۔" طواف سے قبل طواف کی نیت کرنا ضروری ہے۔

طواف کے ہر شوط کی ابتداء حجر اسود سے کرنا ہوتی ہے اور حجر اسود کا استلام کرنا ہوتا ہے۔ حجر اسود کے استلام میں صرف منہ کا اس پر رکھ دینا مسنون ہے۔ بوسہ کی آواز نکالنا نہیں چاہئے۔ یہ ملحوظ رہے کہ حجر اسود کا استلام اس وقت مسنون ہے جب کہ دوسری کو تکلیف نہ ہو۔ اژدحام اور بھیڑ کے وقت لوگوں کو ہٹانا اور ان کو ایذا دیکر اندر جانا اور استلام کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ اژدحام کے وقت یہ چاہئے کہ کسی چھڑی یا ہاتھ وغیرہ سے حجر اسود کو مس کر کے چھڑی یا ہاتھ کا بوسہ لے لے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے اور اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف کر کے اُن کو بوسہ دے لے۔

خانہ کعبہ کے ایک دوسرے کونہ پر ایک اور متبرک پتھر رکن یمانی کے نام سے ہے طواف کے دوران اس کا استلام کرنا مستحب ہے۔ حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کعبۂ مکرمہ کے کسی اور رکن کا استلام کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (یعنی جائز نہیں)۔

طواف کے دیگر ضروری آداب یہ ہیں۔ طواف کی ابتداء اپنی داہنی طرف سے کرنا۔ اگر کوئی عذر نہ ہو تو پیادہ پا طواف کرنا۔ اگر بغیر عذر کے سوار ہو کر طواف کرے گا۔ تو اس کا اعادہ اس پر ضروری ہوگا۔ ہاں اگر نفل طواف ہو اور تھکا ہوا ہو تو سوار ہو کر کر سکتا ہے لیکن پھر بھی پیادہ پا کرنا افضل ہے۔ طواف کی حالت میں حدث اصغر و حدث اکبر دونوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔ حالتِ طواف میں اپنی ستر عورت کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے طواف کے سات شوط پورے ہونے پر دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے خواہ علی الاتصال پڑھے یا کچھ دیر کے بعد، مگر جب تک ان دونوں رکعتوں کو پڑھ نہ لے دوسرا طواف شروع نہ کرے۔ کیونکہ دو طوافوں کا وصل کر دینا مکروہ تحریمی ہے۔

جس طواف کے بعد سعی ہو اُس کے پہلے تین چکروں میں رَمل اور اضطباع کرنا چاہئے

چلنے میں جھپٹ کر جلدی اور زور سے قدم اٹھانا مگر نزدیک نزدیک قدم رکھنا اور کندھوں کو ہلانا رَمل کہلاتا ہے۔ احرام کی دو چادروں میں سے اوپر والی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا اضطباع کہلاتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے کوئی شخص رَمل نہ کر سکے تو طواف ہوجائے گا۔ البتہ رمل کی سنّت سے محرومی رہے گی۔ جس طواف کے بعد سعی نہ ہو اس طواف میں رَمل نہیں۔

طواف حطیم کے پیچھے سے ہونا چاہیئے یعنی طواف میں حطیم کو شامل کرنا چاہئے۔ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز واجب پڑھنا چاہئے۔ لیکن اگر وہاں اژدحام کی وجہ سے جگہ نہ ملے تو مسجدِ حرام میں یا حرم میں کسی بھی جگہ یہ دو رکعت واجب نماز ادا کی جاسکتی ہیں۔

اگر کوئی شخص بھول سے سات شوط کے بعد ایک شوط اور زیادہ کر جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر دیدہ و دانستہ کریگا تو اس کے بعد چھ شوط اور کرنے ہوں گے تاکہ ایک طواف پورا ہوجائے۔ کیونکہ نفل عبادت بھی شروع کرنے کے بعد لازم ہوجاتی ہے۔ طواف کرتے کرتے اگر جنازہ کی نماز یا پنجوقتی نماز پڑھنے یا وضو کرنے چلاجائے تو پھر جب لوٹ کر آئے تو وہیں سے شروع کردے۔ جہاں سے باقی ہے نئے سرے سے طواف شروع کرنے کی ضرورت نہیں۔ طواف کی حالت میں کوئی چیز کھانا اور خرید و فروخت کرنا اور شعر پڑھنا نیز بے ضرورت کلام کرنا مکروہ ہے۔ جن اوقات میں نماز مکروہ ہے۔ طواف مکروہ نہیں۔ یعنی طواف تمام اوقات میں کیا جاسکتا ہے۔

یہ طواف کے مختصر آداب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی پابندی کی توفیق عطا کرے۔

از مولانا عبد الحفیظ رحمانی

جامع تاریخِ ہند کے دو ورق

ترقی اُردو بیورو کا سہ ماہی مجلہ "اُردو دنیا" جنوری ۸۵ء تا مارچ ۸۵ء پیش نظر ہے۔ اس شمارہ میں "بیورو کی کتابوں سے" کے عنوان سے بیورو کی مطبوعات سے طویل اقتباسات درج کئے گئے ہیں۔ ان مطبوعات میں سے ایک کتاب "جامع تاریخ ہند" کا مضمون نقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مصنف جناب محمد حبیب اور جناب خلیق احمد نظامی ہیں۔ انداز تحریر بالکل مستشرقین جیسا ہے اور مضمون سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ مصنفین نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ ایک ایسے مؤرخ کی نظر سے کیا ہے۔ جس پر مستشرقین کی گہری چھاپ پڑی ہو۔

حیاتِ طیبہ کے واقعات سے مصنفین نے جو نتائج اخذ کئے ہیں یا جو واقعات بیان کئے ہیں ان میں الفاظ کے اُلٹ پھیر سے مفہوم بدل گیا ہے اور سیرت نگاروں کے مسلمات سے متصادم ہے۔ مثال کے طور پر اہل مدینہ کی دعوت لے لیجئے۔ اس سلسلے میں سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ مدینہ والوں نے ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو حق سمجھ کر مدینہ مدعو کیا۔

تھا اور آپؐ کی ہجرت سے پہلے بیعتِ عقبہ اُولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ ہو چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اسلامی تعلیم کے لئے آپؐ حضرت مصعبؓ کو مدینہ بھیج چکے تھے اور وہ تعلیم وتبلیغ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ لیکن "جامع تاریخ ہند" کے مصنّفین نے مدینہ بلانے کا سبب دعوتِ حق کی تاثیر قرار دینے کے بجائے اوس اور خزرج کی باہمی کشمکش بتائی ہے۔ مصنّفین کے الفاظ یہ ہیں۔

"لیکن اوس اور خزرج آپس میں متفق نہ رہ سکے اور یہودیوں کو بھی اس جھگڑے میں شریک ہونا پڑا۔ ان دونوں قبیلوں میں ۶۱۷ء "بعص (B UAS) میں سخت خونریز جنگ ہوئی کوئی جماعت فتح یاب نہ ہوئی۔ لیکن نفرت بے اعتمادی اور شکوک کی ایسی فضا طاری ہوگئی کہ ایک دوسرے کے قریب رہنا ناممکن ہوگیا اسلئے دونوں جماعتوں نے (حضرت محمدؐ) کو مدعو کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ آکر رہیں اور ان لوگوں کے ہر ایک اختلاف کو اللہ کے نام پر غیر جانبدارانہ فیصلہ کریں"

(اُردو دُنیا ص۳۷)

"بعص" کا املا غلط ہے صحیح لفظ "بعاث" ہے یہ غلطی اس بات کا ثبوت فراہم کر رہی ہے کہ ان مصنفوں نے سیرتِ مقدسہ کا مطالعہ براہِ راست اصل مأخذ سے کرنے کے بجائے مستشرقین کی کتابوں سے کیا ہے۔ ورنہ املا کی یہ فاحش غلطی سرزد نہ ہوتی۔

اس تصحیح کے بعد یہ وضاحت ضروری ہے کہ مکّہ سے ہجرت کی وجہ کیا تھی؟ کیا "جامع تاریخ ہند" کے مصنّفین کا یہ خیال صحیح ہے کہ اوس اور خزرج نے باہمی معرکہ آرائیوں سے تنگ آکر نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی؟ سیرت کی کتابیں اس توجیہ سے خالی ہیں۔ اہل سیرت نے بالاتفاق یہ صراحت پیش کی ہے کہ ایّامِ حج میں نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم دور دراز سے آنے والے حجّاج سے ملاقات کرتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ مدینہ کے پہلے شخص سوید ابن صامت ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایام حج میں ملاقات کرکے اسلام کی دعوت پیش کی۔ سوید نے تحسین کی لیکن وہ مدینہ واپس آکر جنگ بعاث میں مارا گیا۔

اسی معمول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱ نبوی میں متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے اور خزرج کے چند اشخاص کو اسلام کی دعوت دی۔ علامہ شبلی رقمطراز ہیں۔

"اس سال (رجب ۱۱ نبوی) میں بھی آپؐ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد العقبہ ہے، خزرج کے چند اشخاص آپؐ کو نظر آئے، آپؐ نے ان سے نام و نسب پوچھا انھوں نے کہا "خزرج" آپؐ نے دعوتِ اسلام دی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں، ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا "دیکھو، یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں" یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا۔ یہ چھ شخص تھے"

(سیرت النبیؐ جلد اوّل ص ۲۴۳)

دوسرے سال ۱۲ بارہ اشخاص مدینہ سے آئے اور بیعت کی۔ اس کے ساتھ ایک معلّم کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت پر حضرت مصعبؓ بن عمیر کو مامور فرمایا انھوں نے مدینہ پہونچ کر اسلام کی دعوت پیش کی اور رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک اسلام پھیل گیا۔ قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ نے بھی حضرت مصعب کے دستِ حق پرست پر ہی اسلام قبول کیا تھا۔ اگلے سال ایام حج میں مدینہ سے آتے ہوئے بہتر اشخاص نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ میں بارہ اشخاص کو نقیب منتخب فرمایا جن کے نام انصار نے خود پیش کئے تھے۔

اس مقبولیت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی اور رفتہ رفتہ اکثر صحابہ مدینہ چلے گئے لیکن آپؐ اپنے لئے حکم الٰہی کے منتظر تھے تا آیں کہ نبوت کے تیرہویں سال وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت فرمائی۔

اس تفصیل سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت حکم خداوندی کے مطابق ہوئی۔ اوس اور خزرج کی دعوت ہجرت کرنے کا سبب نہیں بنی اور نہ ہی ان دونوں قبیلوں نے معرکہ آرائیوں سے تنگ آکر اسلام کے دامن میں پناہ لی تھی بلکہ اسلام کی صداقت اور حقانیت سے کما حقہ متاثر ہوکر اسلام قبول کیا تھا۔

"جامع تاریخ ہند" کے مصنفین نے اسی طرح اُن عیسائیوں کے بارے میں ایک غلط فہمی پیدا کی ہے جو فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ان مصنفوں کا خیال ہے کہ

پیغمبرؐ نے جب مکہ فتح کیا تو ان عیسائیوں نے جو بدعتی فرقہ کے تھے اور جو اپنے مذہب کی بنا پر حکومت میں سزا پا سکتے، اسلام قبول کرنا بہتر سمجھا۔
(اُردو دُنیا ص۴۳)

حالانکہ ان عیسائیوں نے بھی اسلام کو حق اور سچا مذہب سمجھ کر قبول کیا تھا، حکومت کے خوف سے وہ حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے۔ ان کے عرفانِ حق کی تصدیق خود قرآن حکیم نے کی ہے۔ وَاِذَا سَمِعُوْا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینھم تفیض مِنَ الدمع مما عرفوا من الحق۔

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ عیسائیوں کے بدعتی فرقہ نے حکومت کے خوف سے اسلام قبول کرلیا تھا تو نجاشی پر کِس کا خوف مسلّط تھا اور قیصر روم اور مقوقسِ مصر نے کس ہیبت میں آکر پیغام رسالت کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تھا۔

اس نکتہ آفرینی کے بغیر بھی تاریخ ہند جامع ہو سکتی تھی۔

مُصنّفین نے اس کے بعد "پیغمبر صلعم کا حفاظتی نظام" کے تحت پہلے نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ انتظام اور ایمان داری کی تحسین کی ہے اور اسی کے ضمن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا بھی ذکر لے آئے ہیں کہ

جب کہ وہ پچیس ۲۵ سال کے تھے تو انھوں نے ایک دولت مند بیوہ "خدیجہ" سے

شادی کرلی۔ (اردو دنیا ص۱۴۷)

یہ جملہ اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ شادی کرنیکا اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوا تھا یا آپ نے پیغام نکاح بھیجا تھا۔ مستشرقین کا یہی خیال ہے لیکن یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ حضرت خدیجہ رضنے خود ہی سلسلہ جنبانی کی تھی اور پیغام نکاح بھیجا تھا۔

حضرت علامہ شبلی مرحوم نے واقعۂ تزویج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

واپس آنے کے تقریباً تین مہینے کے بعد حضرت خدیجہ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا ان کے والد کا انتقال ہوچکا تھا۔ (سیرۃ النبی جلد ص۱۷۵)

نکاح کے بعد نبوت سے پہلے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے تین میل دور حرا نامی غار میں تشریف لیجایا کرتے تھے۔ وہاں مہینوں قیام فرماتے اور عبادت ومراقبہ میں منہمک رہتے تھے۔ صاحب سیرت النبیؐ نے بخاری شریف کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

"صحیح بخاری میں ہے کہ غار حرا میں آپؐ تحنث یعنی عبادت کیا کرتے تھے"

بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق غار حرا میں عبادت کا سلسلہ رویائے صادقہ کے بعد شروع ہوا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

قالت اوّل ما بدی به رسول الله صلی الله علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصادقة فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل خلق الصبح ثم حبب الیه الخلاء وکان یخلو بغار حرا

(مشکوٰۃ ص ۵۲۱ اصح المطابع)

لیکن جامع "تاریخ ہند" کے مفروضہ کے مطابق نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں یہودی، عیسائی اور یونانی خیالات پر غور وفکر کیلئے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ مصنفین کے الفاظ یہ ہیں۔

"دوسرے یہ کہ انھوں نے یہودی، عیسائی اور یونانی خیالات جو عرب میں جاری تھے، کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ یہ روایت صحیح ہی ہے کہ وہ کئی کئی دنوں کے لئے اپنے مختصر توشہ کے ساتھ غور و فکر کیلئے "حرا" کے غیر آرام دہ غار میں رہتے تھے۔ (اُردو دنیا ص ۷۴، ۷۵)

اس جدت طرازی کے بعد یہ عبارت بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔

"اپنی عمر کے چالیسویں سال میں محمدؐ کو ایک طویل رُوحانی تجربے سے گذرنا پڑا جس سے انکو یہ یقین ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی اور رسول بنائے گئے ہیں" (ص۵)

کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ یہ عبارت کسی صحیح العقیدہ مسلمان کے قلم سے نکلی ہوگی؟ جو نبی آخرالزماںؐ کو اللہ کا رسول اور فرستادہ سمجھتا ہو؟ ظاہر ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو طویل روحانی تجربے کے بنا پر نبی اور رسول بتانے والا اسلامی تاریخ کا رُخ کسی بھی طرف موڑ سکتا ہے۔ اور تاریخی صداقتوں میں اپنے مفروضات کو صحیح ثابت کرنے کیلئے کتر بیونت کر سکتا ہے۔

تاریخ اسلامی کا ایک معمولی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، ستائے گئے مارے پیٹے گئے۔ خود نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو کفّار مکّہ نے طرح طرح کی اذیتیں پہونچائیں۔ راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ نماز پڑھنے میں جسم پر نجاست ڈالی گئی۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ لیکن جامع تاریخ ہند کے مصنفین کا خیال ہے کہ

پیغمبر اور ان کے پیرو کسی مذہبی مسلک کو اختیار کرنے کے بجائے آزادانہ حق کا استعمال کر رہے تھے۔ جو عرب کی روایات کے تحت تمام عربوں کو حاصل تھے علاوہ ازیں دونوں فرقے خون اور ازدواج کے رشتے سے بہت ہی قریب تھے

اسلئے تقریباً دس سال آپس کے بحث ومباحثہ میں گذر گئے۔ جن کا ذکر قرآن کی اوائل آیتوں میں موجود ہے۔ کفاروں کی تعذیب کیوجہ سے کسی شخص کے مارے جانے کا کوئی واقعہ درج نہیں ہے۔ (ص ۷۶)

مصنفین کی نظر میں یقیناً یہ واقعات رہے ہوں گے لیکن انھوں نے دیدہ ودانستہ ان کو نظر انداز کیا ہے۔ اور مکی زندگی کی ان رکاوٹوں کو جو دعوت کے راستے میں حائل تھیں بحث ومباحثہ کہہ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتی امور کی انجام دہی میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ حالانکہ عدم تعاون کے قائل یہ مصنفین بھی ہیں۔ البتہ انھوں نے شعب ابی طالب کی محصوریت کو صرف دو سال بتایا ہے۔ ان مصنفین نے نہ صرف یہ کہ کفار مکہ کے مظالم کو نظر انداز کیا ہے۔ بلکہ شعب ابی طالب کی سہ سالہ محصوریت کے روح فرسا حالات کو عدم تعاون کا تجربہ،، کہکر ٹال دیا ہے اور محصوریت کی مدت میں بھی ایک سال کی تخفیف کر دی ہے۔

ہاشم اور ابو طالب کے قبیلوں سے دو سال تک عدم تعاون کا تجربہ کیا گیا (لگ بھگ ۶۱۸) لیکن جلد ہی اُسے ختم کر دیا گیا (ص ۷۶)

اس محصوریت کو مصنفین نے اس قدر ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔ گویا کفار مکہ کی طرف سے یہ کوئی ظالمانہ تدبیر نہیں تھی۔ حالانکہ اس "عدم تعاون،، کا مقصود یہ تھا "کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے،، یہ زمانہ علامہ شبلی مرحوم کے الفاظ میں ایسا سخت گذرا کہ محصورین پتے کھا کھا کر رہتے تھے۔ حضرت سعد بن وقاص رضؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا چمڑا ہاتھ آگیا میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا (سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۲۸)

لیکن ان سب سے آنکھیں بند کر کے "جامع تاریخ ہند،، کے مصنفین نے مستشرقین کی نظر سے مطالعہ پیش کرنا اپنے لئے باعث صد افتخار باور کیا ہے۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ کتاب کا کوئی صفحہ بے بنیاد باتوں اور غلط افکار و خیالات سے خالی نہیں ہے ہم چند سطروں میں ان خیالات کو قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں

۱ آپ نے مدینہ کے قبائلی نظام کی ضمانت دی اور جو اختیارات انھوں نے اپنے لئے رکھے وہ بہت محدود تھے

۲ آپکی بنیادی سیاست یہ تھی کہ جنگ اور معاہدوں دونوں کے ذریعے اپنے مذہب کے مخالفوں کو سخت سزا اور بعض اوقات رحمدلی اور کریم النفسی کے ذریعہ ہم خیال بنایا جائے۔

۳ حدیبیہ میں آپ نے معاہدہ پر مہر لگائی اور اپنے ماننے والوں سے اپنے لئے وعدہ وعید لیا

۴ جزیہ پیغمبر کی روایات سے صحیح ثابت نہیں ہے۔

۵ "اہل کتاب" میں یہود و نصاریٰ ہی نہیں ہر مذہب کے لوگ شامل ہیں۔ علماء کی حد بندی صحیح نہیں ہے اس طرح کے نظریات سے مضمون کا کوئی صفحہ خالی نہیں ہے۔ پوری کتاب میں کیا کیا "گل افشانیاں" ہوں گی۔ ان کا اندازہ ان چند صفحات سے ہو گیا۔ خیر مصنفین نے اپنے نظریات کی تائید میں مستشرقین کے اقتباسات جگہ جگہ پیش کئے ہیں۔ واٹ اور گبن کے متعدد اقتباسات تو انھیں چند صفحات میں ہیں۔ ضرورت ہے کہ اہل قلم حضرات "جامع تاریخ ہند" کا تنقیدی مطالعہ فرما کر ان غلط نظریات اور خیالات کی تردید فرمائیں جو اسلامی نظریات اور تاریخی مسلمات سے متصادم ہیں۔

قسط ۳

چند الزامات کا تجزیہ

مولانا محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

اس حقیقت کشائی کے بعد بھی اگر بریلوی مکتبہ کے خطباء علامہ مرحوم کے حوالہ سے ان کے اشعار اسٹیجوں اور مسجد کے منبروں پر گا گا کر پڑھتے رہیں وہ درحقیقت علماء دیوبند اور حضرت مدنیؒ پر نشتر زنی کرتے ہیں۔ اور اپنے ان فتاویٰ پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے مسلمانوں میں افتراق و انتشار کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

تیسرا الزام جناب بوستاں قادری صاحب.... اپنے مضمون میں قرآن کریم کے تمام اردو تراجم اور مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ قرآن بنام کنزالایمان کا موازنہ کرتے ہوئے ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ۔

برصغیر کے قرآن کے دیگر اردو تراجم اور اعلیٰحضرت کے اردو ترجمہ قرآن حکیم کا اگر موازنہ کیا جائے تو حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی کہ سب سے بہترین اردو ترجمہ اعلیٰحضرت کا ہے ایک مثال سے واضح کرتا ہوں کہ برصغیر کے تمام اردو تراجم میں اس آیت کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ووجدك ضالاً فهدىٰ۔ اے نبیؐ تجھ کو گمراہ پایا تو ہدایت دی اعلیٰحضرت اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔ اے نبیؐ تجھ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو مخلوق کی طرف توجہ دلائی“

قارئین کرام! ہم پہلے بھی بتلا چکے ہیں کہ جناب بوستاں قادری کا یہ مضمون سراسر

افترا پردازی اور الزام تراشی، غلط بیانی پر مبنی ہے۔ غالبًا موصوف تحریر سے قبل اس بات کا تہیہ کر چکے تھے کہ اپنے مضمون میں جس قدر امانت و دیانت کا خون کیا جاسکتا ہے کر دیا جائے۔ افسوس صد افسوس کہ یہاں بھی موصوف نے غلط بیان سے کام لے کر امتِ مسلمہ کے دردمند حضرات کے جذبات کو ابھارنے کی سعیٔ لاحاصل فرمائی ہے۔ موصوف کا یہ کہنا کہ "تمام اُردو تراجم" سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔ برصغیر ہند و پاک میں جن تراجم قرآن کو شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ان میں موضح القرآن (از حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ) بیان القرآن (از حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ) فوائد القرآن (از حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ) کشف الرحمٰن (از حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ دہلوی) وغیرہ ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی اس لفظ ضالًا کا ترجمہ گمراہ نہیں کیا ہے۔ اگر موصوف اسی طرح غلط بیانی سے کام لیتے رہے تو اس جماعت کا پھر خدا ہی حافظ ہے۔

رہی دوسری بات کہ کونسا ترجمہ صحیح ہے اور کونسا غلط اور روح ترجمہ کے منافی ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے۔ سر دست اتنی بات سمجھ لیجئے کہ ترجمہ کی ضرورت اصل زبان نہ جاننے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے۔ ترجمہ ایسا ہونا چاہئے جو اصل الفاظ کے ساتھ ساتھ چلے اور اصل الفاظ کی حدود میں ...... ڈھلے۔ ترجمہ پڑھنے والا جان جائے کہ قرآن پاک کی عبارت کیا ہے۔ اور اس میں بات کتنی کہی گئی ہے؟ اور کیا ہے۔ ہر لفظ کا ترجمہ اس لفظ کے نیچے ہو تو یہ ترجمہ تحت اللفظ کہلائے گا جیسا کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی کا ہے اور اگر اسے دوسری زبان میں ترتیب دینے کے لئے الفاظ میں تقدیم و تاخیر کی جائے تو یہ ترجمہ با محاورہ ترجمہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ کا ترجمہ با محاورہ ترجمہ ہے۔ ترجمہ تحت اللفظ ہو یا با محاورہ ان میں الفاظ کی پابندی ان کے حقوق کی نگہداشت بہرحال ضروری ہے۔ ورنہ ترجمہ ترجمہ نہیں رہتا

اپنی طرف سے کوئی لفظ ملانا ہو تو اُسے بریکٹ میں لکھتے ہیں تاکہ اُسے کسی لفظ کا ترجمہ نہ سمجھا جائے۔ اگر وضاحت مقصود ہو تو اُس کے لئے حاشیہ یا تفسیر ہوتی ہے ترجمہ بہرحال ترجمہ ہی ہوتا ہے۔ ترجمہ کی حد یہ ہے کہ ہر دو زبانیں جاننے والا غیر مسلم بھی اُسے دیکھے تو اس کا اعتراف کرے کہ مترجم نے اُسے غیر اہلِ زبان کے سامنے لفظ بلفظ پیش کر دیا ہے۔ اور ترجمہ واقعی ترجمہ ہے۔ اس میں کمی بیشی نہیں کی گئی۔

اس تفصیل کی روشنی میں جب ہم مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمۂ قرآن کنز الایمان کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں یہ چیز سرے سے مفقود نظر آتی ہے۔ کنز الایمان نہ تو ترجمۂ قرآن معلوم ہوتا ہے۔ نہ ہی تفسیر۔ تفسیر اس لئے نہیں کہ جب سے یہ شائع ہو رہا ہے۔ مفتی نعیم الدین مراد آبادی کے حاشیہ یا مفتی احمد یار خاں گجراتی کے حاشیے کے ساتھ اگر کنز الایمان تفسیر ہو تو اس پر حواشی کی کیا ضرورت؟ اور ترجمہ اس لئے معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں بہت سے الفاظ ایسے بھی ملتے ہیں جو عربی متن میں سرے سے موجود ہی نہیں اس میں ترجمہ کی کوئی ادا نظر نہیں آتی۔ ایک عام آدمی بھی جان جائے گا کہ مترجم نے کہاں کہاں اپنے الفاظ داخل کئے ہیں۔ اور اسے ترجمہ قرآن کا نام دیا ہے۔ خود اسی آیت میں دیکھ لیجئے۔

ووجدك ضالاً فهدىٰ — اور آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتا دیا
(از حکیم الامت تھانویؒ)

کتنا صاف اور صحیح ترجمہ ہے۔ مگر مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے اور غور کیجئے کہ اس میں کتنے الفاظ زائد ہیں۔

"اے نبی تجھ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو مخلوق کی طرف توجہ دلائی۔"

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کو اس کا تو حق تھا کہ وہ اس مفہوم کو تفسیر یا حواشی میں درج کرتے مگر اُسے ترجمہ بنا کر پیش کرنا سراسر زیادتی ہے۔

۲۔ جن جن مترجمین نے لفظ ضال کا ترجمہ ناواقف اور بے خبر کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کے تمام ہم خیال علماء انھیں بھی موردِ الزام اور مقام نبوت سے ناآشنا قرار نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ خود اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بھی سیدنا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بارے میں اس لفظ کا یہی ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

قال فعلتها اذاً وانا من الضالین موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جبکہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی

اب تبلائیے اعلیٰ حضرت کو یہاں کونسی مجبوری تھی کہ انھوں نے یہ ترجمہ کیا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس ترجمہ کی رعایت کیوں نہ فرمائی۔

۳۔ جن مترجمین نے لفظ ضال کا ترجمہ ناواقف اور بے خبر کیا ہے۔ انھوں نے اپنے ترجمہ میں ایک اور قول کو بھی مدنظر رکھا ہے جیسے علامہ بغویؒ، علامہ حافظ ابن کثیرؒ، علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ۔ علامہ عبدالحق حقانی دہلوی نے اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس ذرا بڑے ہوئے اور پہلی بار شق صدر کا واقعہ پیش آیا تو وہ پریشان ہوئیں۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ محترمہ کے پاس لے کر آئیں۔ والدہ محترمہ نے اپنے پاس رکھ لیا۔ حلیمہ سعدیہؓ ابھی پہنچ کر واپس نہیں ہوئی تھیں کہ آپؐ باہر نکلے اور راستہ بھول کر کہیں چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا گیا مگر نہیں ملے۔ سب پریشان ہوگئے اس وقت بوڑھے اور غمزدہ دادا کی بے تابی عجیب تھی۔ اسی بے تابی میں وہ حرم محترم میں تشریف لائے اور بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑے ہوکر دعا کرنے لگے۔ ابن سعدؒ نے اس دعا کے چند شعر نقل کئے ہیں۔

اللّٰھُمّ ادراکنی محمداً اذہ الیٰ واصطنع عندی یدا

انت الذی جعلتہ لی عضدا لایبعد ہ الدھر فیبعدا

انت الذی سمیتہ محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم)

خداوندا میرے سوار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے اس کو میرے پاس جلدی پہنچا دے اور مجھ پر احسان فرما۔ تو ہی ہے جس نے میرا بازو بنایا ہے اس کو کبھی گردش زمانہ تباہی میں نہ ڈالے کہ اس پر بربادی آئے۔ تو ہی ہے جس نے اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم رکھا۔ اسی بے تابی میں تھے کہ تھوڑی دیر میں کسی نے آپ کو پہنچا دیا۔ یا خود پہنچ گئے۔ تو جناب عبدالمطلب نے گلے لگایا۔ پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ (ابن سعد ج۱ ص۱۱)
ایک روایت یہ بھی ہے کہ جناب عبدالمطلب کا اونٹ کہیں بھاگ گیا تھا تو انھوں نے آپ کو تلاش کرنے کیلئے روانہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ بھول گئے جب آپ بہت دیر کے بعد ملے تو جناب عبدالمطلب نے گلے لگایا اور کہا آئندہ کبھی کسی کام کیلئے نہیں بھیجوں گا۔
(ابن سعد جلد ا ص۷۱، سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۱۵ بحوالہ تفسیر مظہری عن ابن عباسؓ)

اس قول کی روشنی میں بھی اگر ضال کا ترجمہ بے خبر اور ناواقف پایا یا سوراستہ بتادیا۔ کیا جائے۔ تو کتنا ٹھیک اور مناسب حال معلوم ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم کے کلمات مبارکہ کی پابندی کے ساتھ ترجمہ بھی ہوگیا۔ لیکن اگر یہاں محبت میں وارفتہ پایا کا ترجمہ کیا تو کسی طرح بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

مگر افسوس کہ بریلوی مکتب فکر کے علماء اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ کو نہ صرف اُردو کے تمام تراجم میں سب سے بہترین اور افضل ترجمہ قرار دینے میں مصروف ہیں بلکہ دوسرے تراجم کو غلط اور اس کے مترجمین کو بے ادب اور گستاخ کہکر عوام الناس کو تفرقہ کی دلدل میں گرانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

قسط ۵ مولانا محمد حنیف ملی مالیگاؤں

نقلِ روایت میں صحابہ اور تابعین کی احتیاط

جب کتاب وسنت کی قدر ومنزلت دلوں میں رچ بس گئی تو صحابہ نے اُسے مضبوطی سے تھام لیا اور نبی کے عنوانِ زندگی کے نقش واثر کو تلاش کرنے میں لگ گئے۔ جب آپ کے کسی عمل، ارشادِ گرامی وغیرہ کا علم ثبوت کے ساتھ ہو گیا تو اس پر کاربند ہو گئے۔ اور کسی چھوٹی سی سنت کو بھی نظر انداز کرنا گوارا نہ کیا۔ چونکہ حدیث پاک قرآن کے بعد اسلامی شریعت کا سب سے اہم سرچشمہ ہے۔ اسلئے صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں نقل کرنے میں غیر معمولی احتیاط برتا اس ڈر سے کہ کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ یا غیر شعوری طور پر حدیث میں کسی مفسدہ اور کذب کو راہ نہ مل جائے اور انھوں نے ایسی محفوظ راہ اختیار کی جس سے حدیث اور اس کی روشنی (نور) محفوظ رہ سکے انھوں نے روایت کے باب میں اعتدال کی راہ اپنائی بعض صحابہ نے تو کم سے کم روایت نقل کرنے کو ترجیح دی۔ علامہ ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بکثرت حدیث نقل کرنے والوں پر سخت نکیر فرماتے بلکہ کم سے کم روایت کرنے کا حکم دیتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ اس توسع سے منافقین اور فاجروں کو شکوک وشبہات اور کذب ومفسدہ کے ساتھ ہرزہ سرائی کا موقعہ ہاتھ نہ لگ جائے یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر، زبیر بن عوام، ابو عبیدہ، عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم بہت کم روایت نقل کرتے ہیں۔

اور بعض صحابہ سے تو کوئی روایت نہیں ملتی جیسے عمرو بن نفیل اور سعید بن زید جنہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل چکی ہے۔

حضرت عمر کے اس طریقۂ کار کو صحابۂ کرام نے خلافت راشدہ اور بعد کے دور میں اپنایا اس کا خاص اہتمام کیا اور دوسروں تک حدیث پہنچانے میں انتہائی مہارت اور اتقان سے کام لیا بلکہ متن حدیث کے ایک ایک لفظ اور اس کے مفہوم تک کو ضبط کیا اس غایت احتیاط کے باوجود کوتاہی اور غلطی سے بہت زیادہ گھبراتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہ کثرت حدیث حاصل کرنے کے باوجود اس دور میں بھی بعض صحابہ زیادہ حدیث نقل کرتے ہوئے نہیں ملتے اور بعض صحابہ تو ایسے بھی ہیں کہ سال سال بھر ایک روایت بھی نقل نہیں کرتے ایسے صحابہ بھی ملتے ہیں جن کے چہرے کا رنگ حدیث بیان کرتے وقت فق پڑ جاتا۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور کبھی تو بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا جیسا کہ عمرو بن میمون کے بیان سے ظاہر ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں جمعرات کے دن بڑی پابندی سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی مجلس میں شریک ہوتا۔ لیکن میں نے ان کی زبان سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے نہیں سنا۔ ایک روز شام میں حدیث بیان کرتے وقت صرف "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا۔ گردن نیچے ڈال دی پھر اخیر تک نہیں اٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں، قمیص کی بٹن کھلی ہے۔ آنکھیں پُرنم اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی ہیں اور مختصر جملہ سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ اگر مجھے غلطی اور سہو کا ڈر نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی بے شمار حدیثیں بیان کرتا۔ حضرت انس کبھی نبیؐ کی کوئی حدیث بیان کرتے تو گھبرا جاتے، اور حدیث بیان کرکے " اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " فرمادیا کرتے تھے۔ یہی معمول حضرت ابودرداء اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی تھا۔ امام شعبی تقریباً سال بھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں رہے۔ لیکن کبھی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرتے نہیں سنا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں

کہ مجھے زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روکتی تھی "مَن کذب عَلیَّ مُتعمّدًا فَلیتبوأ مقعدہٗ مِنَ النّار" جو شخص جان بوجھ کر کوئی جھوٹ بات میری طرف منسوب کرے اس کا انجام جہنم ہے حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضؓ سے اُن کے صاحبزادوں نے کہا ابا جان باہر سے آنے والوں کی طرح آپ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حدیثیں کیوں نہیں نقل فرماتے۔ فرمایا صاحبزادے جو بکثرت حدیث بیان کرے گا۔ اس کے بیان سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سو بیس[12] صحابہ کو پایا کہ حدیث بیان کرنے یہ چاہتے کہ اُسے کوئی اور بیان کرتا تو اچھا ہوتا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ کسی دوسرے صحابی کے پاس بھیج دیتے تھے۔ یہاں تک کہ سائل چکر کھا کر پھر پہلے صحابی کے پاس آجاتا تھا، حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں سفر میں مکّہ سے مدینہ تک ساتھ رہا۔ ایک حدیث کے سوا ان سے سفر بھر میں کچھ نہیں سُنا۔ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے ساتھ مکّہ سے مدینہ تک رہا مگر اُن کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی نہیں سُن پایا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ میں آپکو حضرت عبداللہ بن مسعود اور فلاں فلاں صحابی کی طرح حدیثیں بیان کرتے نہیں سنتا۔ حضرت زبیر رضؓ نے فرمایا یاد رکھو میں نے جب اسلام قبول کیا تو ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کے نبی سے جدا نہیں رہا۔ مگر چونکہ میں نے آپ سے یہ حدیث سُنا ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے گا اس کا ٹھکانہ آگ ہے۔ تب سے حدیث کم نقل کرتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے زید بن ارقم سے حدیث بیان کرنے کی جب درخواست کی تو انھوں نے کہا صاحبزادے ہم تو ضعف پیری کی وجہ سے بھلا بیٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا کوئی کھیل (دل لگی) ہے؟

غرض اس طرح صحابہ کرام نے حدیث کے معاملہ میں غایت درجہ اہتمام کیا اور بکثرت روایت کرنے میں محتاط رہے اس لئے کہ کثرت روایت غلطی اور کذب کا سبب ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جان بوجھ کر یا سہواً غلط بات منسوب کرنے سے منع فرمایا ہے آپ کا ارشاد ہے، من روی عنی حدیثاً وھو یعلم انہ کذب فھواحد الکاذبین جو شخص جانتے ہوئے کوئی غلط اور جھوٹ حدیث مجھ سے بیان کرے تو وہ بھی ایک جھوٹا ہے۔ ایک جگہ حضرت ابوہریرہ سے آپ کا ارشاد نقل ہے۔" کفی بالمرء کذبا ان یحدیث بکل ما سمع،، کسی کے جھوٹا ہونے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ سنی ہوئی بات بلاتحقیق بیان کردے، صحابہ کرام تو عام حالات میں بھی کذب بیانی سے ڈرتے تھے پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کذب بیانی کی جسارت کیسے کرتے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کذب بیانی سے کام لینے کے بجائے اچھا یہ ہے کہ آسمان کی بلندی سے گر کر جان دیدوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ اور لوگوں سے سنی ہوئی باتوں کی خوب چھان بین اور تحقیق کی تلقین کی ہے۔ اس لئے جرح وتعدیل اور تحقیق وجستجو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑا امتیازی مقام رکھتے ہیں ان کے علاوہ دوسرے صحابہ نے بھی اخذ حدیث اور نقل حدیث دونوں میں غیر معمولی غور وخوض اور تحقیق سے کام لیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ" لیس العلم بکثرت الحدیث ولکن العلم الخشیۃ، بہت زیادہ روایت کرنا علم نہیں ہے علم تو خوف الٰہی کا نام ہے۔

عہد فاروقی میں صحابہ نے حدیث کی حفاظت کیسے کی اس کا اندازہ حضرت ابوہریرہ کے جواب سے ہوتا ہے۔ حضرت ابوسلمہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ حضرت عمر کے دورِ خلافت میں بھی حدیث بیان کرتے تھے۔ فرمایا میں جس طرح آج حدیث بیان کر لیتا ہوں اس وقت بیان کرتا تو فاروق اعظم مجھے کوڑے رسید کرتے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جتنی حدیث میں آج بیان کر لیتا ہوں۔ حضرت عمر کے زمانہ میں بیان کرتا تو مجھے

لکڑی کے کوڑے سے مارتے ۔ حضرت عمر اور دوسرے صحابہ کی یہ سختی قرآن کریم اور حدیث دونوں کی حفاظت کے لئے تھی انھیں ڈر تھا کہ کہیں مسلمان صرف قرآن جمع کرنے میں نہ لگے رہ جائیں اس لئے پہلے خوب اہتمام سے قرآن جمع ہوا پھر صحابہ نے باقاعدہ پوری توجہ حدیث جمع کرنے پر مبذول کی جو عہد رسالت میں مرتب نہ ہو سکی تھی حضرت عمر نے خوب تحقیق کر کے کم سے کم روایت کرنے کا ایک نظام بنایا تاکہ نقل روایت میں کوئی غلطی نہ رہ جائے ہاں جن صحابہ کے غیر معمولی شغف ، بے پناہ قوت حافظہ، ثقاہت اور اتقان سے فاروق اعظم واقف تھے انھیں حدیث بیان کرنے کی عام اجازت دے دی ۔ اس پروگرام کی پوری جھلک اس وصیت نامہ میں بھی موجود ہے ۔ جو ایک وفد کو روانہ کرتے وقت دیا تھا۔ حضرت قرظہ بن کعب فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ہمیں کوفہ روانہ فرمایا اور مدینہ سے قریب مقام صرار تک خود رخصت کرنے آئے ۔ پھر فرمایا جانتے ہو میں آپ لوگوں کے ساتھ یہاں تک کیوں آیا ہوں ہم نے کہا رسول اللہ صلعم کی محبت اور انصار کا خیال کر کے آپ نے یہ اقدام کیا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا میں ایک حدیث بیان کرنے کے لئے یہاں تک آیا ہوں مجھے یقین ہے کہ میرے آنے کی وجہ سے تم اس حدیث کو یاد رکھو گے ۔ پھر فرمایا دیکھو تم ایسی قوم کی طرف جارہے ہو جن کے دلوں میں قرآن کی آواز ہانڈی کی طرح گونج رہی ہے سو وہ جب تم کو دیکھیں گے تو تمہاری طرف لپکیں گے اور کہہ رہے ہوں گے ۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں تم ایسے لوگوں سے روایت کم کرو ۔ اس عمل میں ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو لوگوں نے ان سے حدیث بیان کرنے کی خواہش کی ۔ حضرت قرظہ نے فرمایا ۔ حضرت عمرؓ نے ہمیں حدیث بیان کرنے سے منع کیا ہے ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہے کہ انھوں نے حضرت عمر کے اس طریقۂ کار کو اختیار کیا ۔ اور لوگوں کو بکثرت روایت کرنے سے روک دیا ۔ حضرت محمود بن لبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان سے منبر پر سنا ہے کہ کوئی شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

یسی حدیث بیان نہ کرے۔ جیسے میں نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں نہ سُنی ہو۔ اس لئے کہ ہم اگر حدیث بیان نہیں کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہمیں یاد نہ ہو بلکہ ہمیں اوروں سے زیادہ اچھی طرح یاد ہوتی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔ ومن قال علیّ مالم اقل فقد تبوأ مقعدہٗ من النّار "جو شخص میری طرف کسی ایسے قول کی نسبت کرے گا۔ جو میرا کہا ہوا نہ ہو تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مطمحِ نظر تھا۔ اور امیر معاویہ بھی یہی کہا کرتے تھے کہ حضور کی بہت زیادہ روایات مت نقل کرو ہاں وہ روایت بیان کرو۔ جو عہد فاروقی میں نقل کیجاتی تھیں اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث کے باب میں لوگوں کو خداوند عالم سے ڈرایا کرتے تھے۔

حفاظتِ حدیث کے سلسلہ میں عام صحابہ کا بھی یہی طریقۂ کار رہا ہے تاکہ جاہلوں اور نفسانیت پرستوں کو دسیسہ کاری کا موقعہ نہ ملے اور حدیث میں کسی غلطی کا شائبہ بھی نہ رہے اور کوئی بھی حدیث غیر صحیح طریق سے مروی ہونے کی بنا پر اس کا حکم ہی نہ بدل جائے۔ ان اندیشوں ہی کی بنا پر صحابہ کرام نے حدیث کی حفاظت کے لئے یہ طریقہ مقرر فرمایا تھا جو بہرحال دینی احتیاط اور اسلامی مصلحت اور غایتِ تقویٰ پر مبنی ہے۔ حاشا وکلا! قلتِ روایتِ حدیث بے رغبتی کی بنا پر نہیں ہے اور نہ کسی کے لئے صحابہ کرام کے طرزِ عمل اور فاروق اعظم کے سخت رویّہ کی وجہ سے معاذ اللہ یہ سوچنے کی اجازت ہے کہ انھوں نے حدیث سے دلچسپی نہیں لی یا اُسے یونہی چھوڑے رکھا یہ انداز فکر تو اسی کا ہوگا جو جاہل، ہوا خواہ، اور حدیث کا ادنیٰ سا عمل بھی نہ رکھتا ہو۔ جس کے دل میں صحابہ کی روحانیت کا کچھ------ اثر نہ ہوا اور جس نے ان کے نورِ ہدایت سے کوئی روشنی بھی نہ پائی ہو۔ اس لئے کہ حدیث سے والہانہ اتباع، بے پناہ قلبی احترام اور غیر معمولی لگن تمام صحابہ کی مسلّم ہے اور یہ بات بھی درجۂ تواتر تک پہنچ چکی ہے کہ جب بھی صحابہ کو کسی مسئلہ میں حلال وحرام کا سامنا ہوتا تو وہ اجتہاد سے پہلے قرآن کریم

کی طرف متوجہ ہوئے۔ اگر قرآن کریم میں حل مل جاتا تو اس پر کاربند ہوتے اور اگر قرآن میں حل نہ ملتا تو حدیث کی طرف رجوع کرتے اگر کوئی حدیث مل جاتی تو فبہا ورنہ پھر اجتہاد سے کام لیتے، مقدمات اور معاملات کے فیصلوں میں شیخین کا طریقۂ کار بھی بہت مشہور ہے حضرت صدیق اکبرؓ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو کتاب اللہ میں اس کا حل تلاش کرتے اگر قرآن میں مل جاتا تو اسی کی روشنی میں فیصلہ فرماتے اگر کتاب اللہ میں مسئلہ کا حل نہ ملتا تو سنت رسول اللہ میں تلاش فرماتے۔ اگر حدیث میں مل جاتا تو فیصلہ فرما دیتے اور اگر دونوں میں حل نہ پاتے تو لوگوں سے دریافت فرماتے کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے۔ بعض مرتبہ لوگ بتا بھی دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا ہے۔ اگر آپ کا کوئی فیصلہ بھی نہ ملتا تو ذمہ داروں کو جمع کرکے ان سے مشورہ فرماتے یہی حضرت عمر بھی کیا کرتے تھے۔ اور یہی طریقۂ کار تمام صحابہ کرام کا تھا۔ کیا اتنی تفصیلات کے بعد بھی کسی نابکار کو صحابہ کرام کی ذات کو ہدف طعن بنانے کا حق رہجاتا ہے ہرگز نہیں ہم اس سلسلہ میں بعض محدثین کرام کا موقف اور ان کے نقطۂ نظر کو پیش کر رہے ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر کی رائے:۔ بعض ناعاقبت اندیش مبتدعین اور سنت کو نشانہ بنانے والوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول "اقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور حدیث سے صحابہ کی عدم دلچسپی اور بے التفاتی کو ثابت کیا ہے جو نہ کتاب کی منشا ہے نہ سنت کے سیاق وسباق میں اُن کے لئے کوئی جواز موجود ہے۔ بلکہ وہ جو کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں چند وجوہات کی بنا پر بے بنیاد ہے جیسا کہ اہل علم نے ذکر کیا ہے۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ان لوگوں کے لئے تھا جو تاہنوز قرآنی آیات کا احاطہ نہیں کرسکتے تھے امیر المومنین نے یہ اندیشہ محسوس کیا کہ ان کی تمام تر دلچسپی کسی اور چیز سے نہ ہوجائے اس لئے کہ قرآن کریم ہی تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ حضرت ابوعبیدہ کے قول کا بھی یہی مطلب ہے

بعضوں کا خیال ہے کہ حضرت عمر کی ممانعت کا تعلق ایسی روایتوں سے ہے جو کسی حکم شرعی کا فائدہ دیتی ہیں اور نہ سنت ہوسکتی ہیں حدیث قرظہ سے بھی یہ سمجھنا کہ عہدِ فاروقی میں صحابہ کی حدیث سے دلچسپی کم تھی غلط ہے اسلئے کہ ایسے بھی دوسرے شواہد موجود ہیں جو فاروق اعظم کے ارشاد کے بالکل منافی ہیں مثلاً امام مالک اور معمر وغیرہ نے بحوالہ ابن شہاب زہری حضرت عمر سے سقیفہ بنی ساعدہ کا خطبہ نقل کیا ہے امیرالمؤمنین نے جمعہ کے دن سقیفہ بنی ساعدہ میں خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا میں آج آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں جسے کہہ دینا شاید میرے لیئے مقدر ہے۔ جس نے اُسے یاد کیا۔ اُسے سمجھا وہ جہاں کہیں جائے لوگوں تک پہنچا دے اور جو شخص یاد نہیں رکھ سکتا تو میں اُسے اپنی طرف غلط بات منسوب کرنے کی اجازت نہیں دیتا یعنی ایسا شخص کسی سے بیان نہ کرے۔ اس خطبہ سے بخوبی واضح ہے کہ کثرتِ روایت سے منع فرمانا کذب بیانی کے اندیشہ سے تھا۔ مبادا بہت زیادہ روایت کرنے والے کہیں حفظ واتقان کا دامن چھوڑ نہ دیں۔ اس لئے کہ جو کم سے کم روایت کرے گا اس کی یاد داشت بکثرت روایت کرنے والے سے زیادہ ہوگی۔ اور وہ سہو ونسیان سے خوب محفوظ بھی ہوگا اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرنا بُرا یا ناگوار سمجھتے تو کیوں نہ مطلق روایت سے منع فرما دیتے اور کثرت وقلت کی قید ہی نہ رکھتے۔ حالانکہ اس خطبہ میں وہ خود فرماتے ہیں: "من حفظها و وعاها فليحدث" جو یاد کرے اور ضبط بھی کرلے تو وہ حدیث بیان کرتا رہے۔ یہ بات تو ہماری فہم سے بالاتر ہے کہ حضرت عمر نقلِ روایت سے منع بھی فرمائیں۔ پھر کم روایت کرنے کی اجازت بھی دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اندیشۂ کذب، امکانِ خطا اور سہو ونسیان کی وجہ سے انھوں نے قلّتِ روایت کا حکم دیا ہے مطلق روایت سے انھوں نے کبھی منع نہیں فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں مدینہ والوں کے نقل کردہ آثار صحیح ہیں۔ برخلاف قرظہ بن کعب کے اس لئے کہ اس کا مدار بیان بن بشر راوی پر ہے۔ جو امام شعبی کے حوالہ سے نقل کر رہے ہیں۔ اور بیان جو ثقہ راوی کی مخالفت کرتے ہیں اس باب میں حجت نہیں ہوسکتے، اس لئے کہ ان کی بیان کردہ روایت کتاب وسنّت دونوں کے

خلاف ہے قرآن کہتا ہے "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" اور "مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا" اور ایسی آیات قرآن میں بے شمار ہیں، ان آیتوں کی پیروی، ان پر عمل، اور اس کے اوامر، منشاء و مراد سمجھنے کیلئے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔ پھر حضرت عمر کے بارے میں یہ شبہ کہ وہ حکم خدا کے خلاف احکام نافذ کرتے ہیں کیسے صحیح ہوگا۔ جبکہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی موجود ہے۔ فرماتے ہیں "خذوا عنی فی غیر ما حدثت وبلغوا عنی" میرے ارشاد کے علاوہ جو کچھ ہے وہ بھی لے لو اور دوسروں تک پہنچا دو، اس قسم کی بے شمار روایات ہیں جو فکر و نظر رکھنے والوں کے لئے روز روشن کی طرح حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔
بہرحال حضرت عمر بن خطاب کا یہ ارشاد محض کذب بیانی اور غلط روایت کے اندیشے سے بھی بچنے کی ایک حکیمانہ تدبیر ہے ایسا نہ ہو کہ لوگ نقل روایت کے جوش میں قرآن و سنت پر غور کرنا ہی چھوڑ دیں۔ اور عموماً بہت زیادہ روایت کرنے میں ہوش و خرد اور فقہ و فراست سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "التمییز" میں حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ فاروق اعظم فرماتے ہیں "من سمع حدیثا فاداها کما سمع فقد سلم" جس نے حدیث سن کر جوں کے توں دوسروں تک پہنچا دیا۔ اس نے حق ادا کر دیا۔ ہمارے نقطۂ نگاہ کی تائید حضرت عمر کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔ "تعلموا الفرائض والسنۃ کما تتعلمون القرآن" جس طرح تم قرآن سیکھتے ہو اسی طرح حدیث اور فرائض دین بھی سیکھو حضرت عمر نے یہاں قرآن و سنت دونوں کو ایک ہی درجہ دیا وہ اپنے متعلقہ گورنروں کو بھی یہی حکم دیتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "تعلموا السنۃ والفرائض واللحن کما تتعلمون القرآن" جس طرح تم قرآن سیکھتے ہو اسی طرح فرائض دین، حدیث اور لحن بھی سیکھو، کلام کی غرض و غایت، طریقۂ استعمال، اور طرز استدلال کو بھی لحن کہتے ہیں۔ حضرت عمر نے یہ مطالبہ

حدیث کے واقف کار لوگوں سے نہ صرف ایک جگہ بلکہ متعدد موقعوں پر کیا ہے۔ مثلاً انھوں نے مطالبہ کیا کہ عورت حدیث کی رو سے اپنے مقتول شوہر کی دیت میں وارث ہوگی کسی حاملہ عورت کا جنین زد و کوب سے ساقط ہو جائے۔ تو اس کی ضمانت ایک غلام کی صورت میں دینا ہوگا۔ آخر حضرت عمر پر یہ شبہ کس بنیاد پر کیا جائے جبکہ انہی کا یہ قول ہے کہ ایاکم والرأی فان اصحاب الرأی اعداء السنن اعیتہم الاحادیث ان یحفظوھا" تم رائے زنی سے بچو اس لئے کہ قیاس کرنے والے حدیث و سنّت کے دشمن ہیں انھیں حدیث نے یاد کرنے سے عاجز رکھا ہے۔ فاروق اعظم کا یہ ارشاد بھی ہے خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم" بہترین سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ یہ بھی حضرت عمرؓ سے منقول ہے " سیاتی قوم یجادلونکم بشبہات القرآن فخذوھم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ"، تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے۔ جو قرآن کے متشابہات میں تمہیں الجھائیں گے اور تم سے جدال کریں گے۔ تم ان کے مقابلہ میں حدیثیں پیش کرو اس لئے کہ کتاب اللہ کی منشاء کو سب سے زیادہ جاننے والے اصحاب حدیث ہیں اور علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کا بھی احتمال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ تمام روایتیں صحیح ہیں لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کسی روایت کے بارے میں مذبذب ہو اُسے چھوڑ دے اور جسے اتقان اور خود اعتمادی کے ساتھ متن حدیث یاد ہو اُسے بیان کرنے کی پوری اجازت ہے حضرت عمرؓ نے یہ اس لئے فرمایا کہ بعض مرتبہ بہت ہی روایت نقل کرنے والا رطب و یابس، صحیح و سقیم، اور قوی و حدیث روایت نقل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع "، کسی انسان کو جھوٹا ہونے کے لئے اتنا بہت ہے کہ جو کچھ سنے بلا تحقیق بیان کر دے اور حضرت عمر کا یہی مسلک ہو کہ روایت کم کی جائے تو بہر حال ترجیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو ہوگی۔ حضرت عمر کے قول کو نہیں اور استدلال بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے کیا جائے گا۔ آپ کا

ارشادگرامی ہے "نضر اللہ امرءا سمع مقالتی فوعاھا ثم ادّاھا ثم بلغھا" خدا اس بندے کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سُنی اُسے معنیٰ کے ساتھ محفوظ کیا اور دوسروں تک پہنچایا، آپ کا ارشاد ہے "تسمعون ویسمع منکم"، تم دوسروں سے اور دوسرے تم سے میری حدیثیں سنیں گے۔ بحوالہ ابوداؤد، احمد، حاکم،

علامہ خطیب بغدادی کی رائے

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی روایت حدیث پر نکیر اسلئے فرمائی تاکہ مسلمانوں میں دقتِ نظر، نکتہ آفرینی اور احتیاط پیدا ہوجائے انھیں اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان اعمال سے دور نہ جا پڑیں۔ اور حدیث کے ظاہر پر اعتماد کر بیٹھیں اس لئے کہ ہر حدیث کا نہ صرف ظاہری حکم ہوتا ہے۔ اور نہ ہر کوئی اس کے فقہی گوشے سے واقف ہوتا ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ حدیث مجمل ہوتی ہے۔ اور اس کی تشریح دوسری حدیث کرتی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں لوگ ظاہری الفاظ اور مفہوم مخالف کو سب کچھ نہ سمجھ لیں۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا، سواری کا نام عفیر تھا آپ نے فرمایا معاذ تم جانتے ہو اللہ کے حقوق بندوں پر اور بندے کا حق اللہ پر کیا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اللہ و رسولہٗ اعلم" آپ نے فرمایا بندوں پر اللہ کا حق تو یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندے کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ شرک نہ کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا نہ کرے۔ یہ سُنکر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں یہ خوشخبری لوگوں کو نہ سُنا دوں آپ نے فرمایا کہ نہیں ورنہ لوگ عمل سے بیگانہ ہوکر اسی پر تکیہ کر بیٹھیں گے، حضرت ابو علی طومار ی فرماتے ہیں۔ کہ ہم ابوالعباس احمد بن یحییٰ تغلب کے یہاں تھے اتنے میں ایک شخص نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی آمد پر" ابوبکر و عمر سیدا کھول اھل الجنۃ" فرمایا، ابوبکر و عمر جنت میں عمر دراز لوگوں کے سردار ہیں پھر فرمایا علی، یہ بات ان دونوں سے مت

کہہ دینا آخر آپ کے ارشاد کا کیا مطلب ہے۔ ابو العباس نے کہا کہ کہیں ان توصیفی کلمات کو سُن لینے کے بعد دونوں سے عمل میں کوتاہی نہ ہونے لگ جائے۔ حافظ ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے بھی اسی اندیشہ کی بنا پر کثرت روایت سے منع فرمایا تھا کہ کہیں لوگ حدیث کی روایت میں عمل کو نظر انداز نہ کر دیں علاوہ ازیں حضرت عمرؓ کے اس سخت رویہ کی وجہ ان لوگوں کو تنبیہ کرنا ہے۔ جو صحابی نہ ہونے کے باوجود بہت سی باتوں کو حدیث میں شامل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب مقبول و مشہور صحابی کی کثرتِ روایت پر خلیفہ سختی سے کام لیتے تھے تو غیر صحابی کے لئے تو یوں بھی ضروری تھا کہ نقلِ روایت میں غیر معمولی احتیاط سے کام لیں۔ غرض ان تدبیروں سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام غل وغش سے محفوظ رہی نہ کسی راہ سے کذب داخل ہوا اور نہ ایسے اجزاء شامل ہونے پائے جن کا حدیث سے کوئی تعلق نہیں، بحوالۂ خطیب حضرت عبداللہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے دمشق میں مسجد کے منبر پر حضرت معاویہ کو فرماتے سنا: لوگو! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام لو، ہاں وہ حدیثیں بیان کرنے کی اجازت ہے۔ جو عہد فاروقی میں نقل ہوتی رہی ہیں اسلئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو حدیث کے باب میں خدا سے ڈراتے تھے اور حدیث سلام کے ثبوت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے شہادت طلب کرنے کی بھی یہی منشاء حضرت عمر کے پیش نظر تھی تاکہ کذب بیانی سے محفوظ رہا جائے

اوپر کی گذارشات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ تمام صحابہ کرام حدیث دوسروں تک پہنچانے میں بہت زیادہ غور و خوض اور تحقیق و تفتیش کیا کرتے تھے اور جب تک کسی حدیث کی صحت کا یقین نہ ہو جاتا۔ اسے بیان نہیں کرتے تھے بلکہ حفاظتِ حدیث کی جو صورت بھی ہوتی اُسے اختیار کرنے کے بڑے خواہش مند ہوتے تھے۔ صحابہ نے حفاظتِ حدیث کے لئے ایسی مؤثر اور محفوظ راہ اختیار کی کہ سنتِ نبوی میں رطب و یابس کی آمیزش کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ رہا حفاظتِ حدیث کا بیڑا اگرچہ تمام صحابہ نے اٹھایا تھا۔ لیکن ان میں حضرت عمر بن خطاب بہت زیادہ نمایاں ہیں جیسا کہ گذشتہ تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت عمر سے حفاظتِ حدیث سے متعلق جو

روایتیں بھی مروی ہیں وہ درحقیقت اشاعتِ علم اور روایتِ حدیث کے لئے بنیادی پتھر ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو تقویت پہنچتی ہے اسی لئے حضرت عمر کی وصیت اور ان سے منقول دوسری روایتوں میں نہ کوئی تناقض ہے نہ کسی کو کوئی اعتراض ہونا چاہئے اور اگر فاروق اعظم نے قلتِ روایت کا مطالبہ کیا بھی ہے تو بربنائے احتیاط۔ اس لئے وہ ان صحابہ کیساتھ رعایت کرتے تھے جن کی یادداشت، ثقاہت، عدالت، اور فقہ و فراست مشہور ہے اور جن کی نظر حدیث کے مفہوم اور منشاء پر ہوتی تھی۔ پس امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جتنی ہدایات مروی ہیں سب کا حاصل حدیث کی حفاظت اور نشر و اشاعت ہے اور یہ حفاظت تحقیق و جستجو کے بغیر ناممکن ہے۔ اور روایت کم نقل کرنا کم سے کم غلطی کا سبب ہے یہی ابن عبدالبر اور خطیب بغدادی کی رائے ہے۔ اور میرا بھی مسلک و نقطۂ نظر یہی ہے۔ بہرحال صحابہ نے حدیث کی طرف سے بے رغبتی نہیں برتی۔ بلکہ حدیث کی حفاظت میں ان کا مقام سب سے اولین اور اونچا ہے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ضروری طور پر یہ بھی جان لیں۔ کیا بکثرت روایت کرنے والے صحابہ کرام کو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قید میں ڈال دیا تھا؟ ہم سب سے پہلے اس روایت کی صحت معلوم کریں گے، اگر اس اقدام کی نسبت حضرت عمر کی طرف صحیح ثابت ہوگئی تو یہ جاننا ہوگا کہ اس قید و بند کی آخر کیا نوعیت تھی۔ حضرت ابراہیم بحوالہ ذہبی نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے تین صحابہ کرام حضرت ابن مسعود، حضرت ابودرداء، اور ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہم کو قید میں ڈال رکھا تھا۔ اور ان سے فرمایا تھا کہ تم بہت کثرت سے حدیث نقل کرتے ہو، یہ تینوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زبردست، متقی، اور خداترس صحابی ہیں کیا یہ بات قرینِ عقل ہے کہ فاروق اعظم نے انھیں قید میں ڈال دیا تھا اور وہ بھی کثرت روایت کے جرم میں۔ کیا کثرت روایت ایسا جرم ہے جس کی سزا قید ہو، ظاہر ہے کہ آدمی ایسی خبر سُن کر دم بخود اور شکوک میں گھر کر ضرور پوچھے گا۔ اور جانے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ روایت کی قلت و کثرت کا کیا معیار ہے۔

علامہ ابن حزم نے روایت کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کا رد کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے۔ اور امام شعبیؒ نے اس میں شک کیا ہے اس لئے کہ اس کی صحت بھی محل کلام ہے اور اس سے استدلال بھی درست نہیں۔ علاوہ ازیں یہ روایت کھلا ہوا جھوٹ اور ذہنی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے قید کیلئے نعوذ باللہ کوئی نہ کوئی بہانا تراشا ہوگا۔ جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ پھر بہانا بھی کیا ہوسکتا ہے حدیث نقل کرنے سے منع فرمایا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی نشر و اشاعت سے روکا ہوگا۔ اور یہ باز نہ آئے ہوں گے۔ ان پر کتمان یا انکار حدیث کا الزام لگایا ہوگا۔ اور یہ سب صورتیں اسلام سے کھلی ہوئی بغاوت ہے جس سے حضرت عمرؓ کا دامنِ تقدس بے داغ ہے۔ اگر تمام صحابہ ان کی نظر میں متہم ہیں تو تنہا عمرؓ کی کیا ہستی یہ تو ایسی بات ہے جسے کوئی منصف مزاج مسلمان کبھی باور نہیں کرے گا۔ اور اگر انھیں بلا الزام اور بلا وجہ قید کیا ہے تو نعوذ باللہ یہ فاروق اعظم کا ظلم ہے اب کوئی نادان اپنے برخود غلط مسلک کے لئے ایسی ملعون دمن گھڑت روایتوں سے استدلال کرکے ان دونوں غلیظ نقطہ نظر میں سے کسی کو اپنا تا ہو تو اس کے اپنے نصیب سے پھر طرفہ تماشہ کہ یہی مخالف یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث بہت زیادہ نقل کی ہے۔ انھوں نے کم و بیش آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک پانچ سو کے قریب روایت نقل کی ہے۔ اس طرح حضرت عمرؓ بھی بکثرت روایت نقل کرنے والوں میں شمار ہوئے۔ بلکہ چند ایک صحابی کے سوا آن سے زیادہ روایت نقل کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔

(باقی آئندہ شمارہ میں ملاحظہ کیجئے)

تعارف وتبصرہ

از مولانا جمیل الرحمٰن قاسمی پرتاپگڈھی

نام کتاب :- مقامِ محمود "شیخ الہند سیمینار منعقدہ یکم جنوری ۱۹۸۶ء میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ

مرتب :- مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی - مدیر ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند"

سائز ۲۲×۱۸/۸ معیاری کتابت، آفسیٹ طباعت -

صفحات ۴۱۶ قیمت ۴۰ روپے -

پتہ شعبۂ نشرواشاعت جمعیۃ علماء ہند دہلی -

حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت تاریخ عالم کی ان نابغۂ روزگار شخصیات میں سے ایک ہے جو اپنے عہد کی علم وادب، فکر ونظر، مذہب وسیاست، اخلاق وسیرت، زہد وتقویٰ اور اسلامی علوم وفنون کے مختلف دبستانوں کا ایک دبستاں، اور سیکڑوں انجمنوں کی ایک انجمن تھی - قوم وملت کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا جس کی فکر میں ان کا دل غمگین اور آنکھیں اشکبار نہ رہی ہوں، ایک وقت میں وہ شیخ کامل اور مسند درس پر رونق افروز ہوتے تو دوسرے وقت میں ملکی وقومی اور بین الاقوامی سیاست میں مصروف رہتے، ہندوستان کی آزادی کیلئے آپ نے کیا قربانیاں دیں تاریخ ہند کا ہر طالب واقف ہے، جمعیۃ الانصار، نظارۃ المعارف دہلی کا قیام، تحریک خلافت، ترک موالات اسارتِ مالٹا اور تحریک ریشمی رومال یہ سب آپ کے سیاسی کردار کی اہم کڑیاں ہیں جس نے ہندوستان کو آزادی کی شاہراہ پر کھڑا کیا -

ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں نے جو قربانیاں دی ہیں - برادرانِ وطن ان سے

کہیں پیچھے ہیں۔ لیکن وقت کی ستم ظریفی کہئے یا حاکم وقت کی کم نگاہی کہ مسلمان مجاہدین آزادی کو جس طرح فراموش کیا جارہا ہے وہ بہت ہی تکلیف دہ ہے، ابھی پچھلے سال کانگریس نے دسمبر ۱۹۸۵ء میں اپنی صدی تقریبات بڑی دھوم دھام سے منائی، افسوس کہ اس موقع پر جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین سے یکسر صرف نظر کیا گیا ـــ خوش قسمتی سے جمعیۃ علماء ہند نے جنگ آزادی کے عظیم رہنما حضرت شیخ الہند کی زندگی پر دہلی میں ایک سیمینار منعقد کیا جس میں ہند و پاک سے آئے ہوئے جلیل القدر علماء، دانشوران قوم اور عظیم مفکرین نے شرکت کی اور حضرت شیخ الہند کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔

زیر نظر کتاب انھیں مقالات کا مجموعہ ہے جسے ہند و پاک سے آئے ہوئے ارباب قلم نے پیش کیا۔ بلا شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ الہند کی زندگی اور ان کی علمی و سیاسی اور اصلاحی زندگی پر کئی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن جس طرح آپ کی حیات کے مختلف پہلو آپ کے کارناموں کا ہر گوشہ اس کتاب میں آگیا ہے وہ دوسری کتابیں پیش نہیں کرتی ہیں۔ اہل علم مطالعہ کے بعد مبصر کے اس دعویٰ کی تصدیق کریں گے

آپ کی زندگی کے ہر اہم گوشے پر اہل علم نے روشنی ڈالی ہے۔ مآثر شیخ الہند، آپ کی علمی زندگی تدریسی و تعلیمی خدمات، آپ کا علمی مقام، آپ کی تصانیف، روحانی کمالات، انقلابی جدوجہد اور ملی خدمات، ریشمی رومال کی تحریک، اس تحریک کے مضمرات و ممکنات، آپ کی قیادت کے زریں اصول، آزادیٔ ہند پر تحریک شیخ الہند کے اثرات، ہندوستانی مسلمانوں کا مسئلہ تعلیم، آپ کی عظمت و رفعت، آپ کی انفرادیت اور آپ کی خصوصیات۔ ان جیسے موضوعات پر آپ کو سیر حاصل بحث ملے گی۔

حق تعالیٰ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی کو جزائے خیر دے کہ ان کی کاوشوں کے نتیجہ میں یہ مجموعہ منظر عام پر آسکا۔ قوم کو اس سے استفادہ کا موقع ملا۔ اس اہم کتاب کا مطالعہ علمی و سیاسی بصیرت رکھنے والے سبھی حضرات کیلئے یکساں مفید اور خاصے کی چیز ہے۔

Regd. No. SHN-L-18-NP-21-86

DARUL-ULOOM MONTHLY

DEOBAND (U. P.)

تاریخ

محترم و مکرم! زید مجدکم

سلام مسنون! "دارالعلوم دیوبند" ہماری حیاتِ ملّی کا علمبردار، نقیب اور محافظ ہے اور ماہنامہ دارالعلوم اس کا ترجمان ہے، بالفاظ دیگر وہ ہمارا اپنا ترجمان ہے اسکی ترویج و اشاعت اور ترقی خود ہمارے ارتقار کی ضامن ہے، اس لئے آنجناب سے خصوصی درخواست ہے کہ رسالہ دارالعلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں، خود بھی خریدار بنیں اور اپنے حلقۂ اثر میں زیادہ سے زیادہ خریدار بنانے کی کوشش فرمائیں۔

رسالہ دارالعلوم میں

- اسلامی تعلیمات کو سہل اور دل نشیں پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے،
- اسلام کے قدیم و جدید مخالفین کی بطریق احسن مدافعت کی جاتی ہے۔
- دقیق علمی مسائل میں علماء دیوبند کے محققانہ مقالات شائع ہوتے ہیں
- دارالعلوم کے احوال و کوائف سے معاونین کرام کو مطلع کیا جاتا ہے،
- تاریخ اسلام کے رجال فکر و دعوت کی زندگی پر پُراثر مقالے پیش کئے جاتے ہیں

امید کہ آنجناب رسالہ دارالعلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر دینی آواز کو مضبوط اور اپنے ترجمان کو طاقتور بنائیں گے۔ والسلام

دارالعلوم پرنٹنگ پریس دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

20 AUG 1986

ماہنامہ

دارالعلوم

باسمہ تعالیٰ
دار العلوم دیوبند کا ترجمان
ماہنامہ
دار العلوم
۷۰
شمارہ نمبر ۵
اگست سنہ ۱۹۸۶ء مطابق ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۶ھ
جلد نمبر ۶۹
نگراں
حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند
مدیر
مولانا حبیب الرحمن القاسمی
فی پرچہ 3/-
سالانہ 30/-
سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے
سعودی عرب، کویت، ابوظبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ 160/- امریکہ، کناڈا وغیرہ بھی بذریعہ ایرمیل 160/-
پاکستان 60/- Rs ہندوستانی۔ اور بنگلہ دیش 40/- Rs ہندوستانی
مطبوعہ:۔ محبوب پریس دیوبند
سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپکا زر تعاون ختم ہوگیا

فہرست مضامین

ہندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اوّل فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔

۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپئے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد، ملتان، پاکستان، کو بھیج دیں اور انہیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کریں۔

۳۔ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرما لیں، خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

والسلام منیجر رسالہ دارالعلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن قاسمی

ہندوستان! اپنے آئین و دستور کے اعتبار سے ایک سیکولر اور جمہوری ملک ہے۔ دستور کی رو سے یہاں کے جملہ متوطن اور تمام باشندے، خواہ وہ کسی نسل، قوم، برادری، مذہب زبان اور تہذیب سے تعلق رکھتے ہوں، حقوق شہریت، حقوق ملازمت، آزادیٔ مذہب اور آزادیٔ زبان میں مساوی حیثیت اور برابری کا درجہ رکھتے ہیں، نسلی، مذہبی اور لسانی بنیاد پر ان میں تفریق کرنا اور ایک دوسرے پر ترجیح دینا آئینی جرم ہے۔ چنانچہ ہمارے سیاسی قائدین اور ملکی رہنما بالخصوص اقتدار کی کرسی پر براجمان ذمہ داران حکومت، ملک و بیرون ملک اپنے بیانات اور لکچروں میں یہاں کی جمہوری قدروں اور سیکولر کردار کا نہایت دلکش اور خوشنما انداز میں تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔

لیکن اس ملک کے حالات کے پیشِ نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ! کیا واقعاتی دنیا میں بھی ہندوستان ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کے بارے میں کہا اور لکھا جاتا ہے؟ کیا صحیح معنوں میں یہاں جمہوریت ہی کا سکہ جاری ہے؟ اور کیا حقیقتاً ارباب اقتدار اور اصحاب سیاست کے بلند بانگ دعوؤں کے مطابق اس ملک کا سیکولر کردار تعصب، تشدد اور جنبہ داری کے غبار سے پاک و صاف ہے؟

اس سوال کے جواب کے لئے فن سیاست کے کسی ریسرچ اسکالر کا بار احسان اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اس گتھی کو سلجھانے کے واسطے ایشیا و یورپ کے سیاسی و تحقیقی اداروں کی خاک چھاننے کی حاجت نہیں۔ اور نہ ہی ذہن کی اس خلش کے مداوا کی تلاش میں

ماہ وسال کی پیچیدہ بھول بھلیوں میں سرگرداں پھرنے ہی کی ضرورت ہے۔ بس چند لمحوں کے لیئے چشم بصیرت اور گوشِ دل کے دریچوں کو کھول دیجئے۔ بابری مسجد اجودھیا کے منبر ومحراب اور اسکے خاموش میناروں سے آپ کو اس سوال کا جواب سنائی دے گا۔ بارہ بنکی کے مظلوم مسلمانوں کی خاک وخون میں تڑپتی ہوئی لاشیں اس گتھی کو سلجھانے کے لئے کافی ہوں گی احمد آباد کے بےبس مسلمانوں کے جسموں سے بھڑکتے ہوئے شعلے، اور ان کی روشنی میں ہندوستان کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے سیکولر کردار کے گل بوٹوں کو ملاحظہ کر لیجئے۔ ساری ذہنی خلش دور ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں ہندوستان کا یہ انتالیس (۳۹) سالہ دورِ آزادی کھلی ہوئی کتاب کی طرح آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے جس کے ورق ورق پر جلی قلم سے آپ کے سوال کا جواب مرقوم ہے۔ بس دیدۂ بینا سے اُس کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

اب سے کچھ سالوں قبل جب کہیں ملک اور انسانیت کے دشمن مسلمانوں کو اپنی سفاکیوں کا نشانہ بناتے تھے تو ہمارے ملکی لیڈروں کے سر شرم سے جھک جاتے تھے۔ اور ان کی یہ مذموم اور وحشیانہ حرکت ملک کے حسین چہرے پر بدنما داغ سمجھی جاتی تھی۔ مظلوموں اور لٹے پٹے مجبوروں کی اشک شوئی کے لیئے حکومت کے معزز افراد دیر سویر وہاں جاتے بھی تھے۔ اگرچہ یہ سب بسا اوقات سیاسی وضع داری اور رکھ رکھاؤ کے طور پر ہوا کرتا تھا سچی ہمدردی اور جمہوری تقاضوں کی پاسداری کا جذبہ کمتر ہی ہوتا تھا۔ ورنہ ان رسوا کن اور انسانیت سوز مظالم کے اسباب وعوامل کو ختم کرنے یا کم از کم ان پر قدغن لگانے کی سنجیدہ اور مؤثر کوشش ضرور کی جاتی۔ پھر بھی یہ لفظی اظہارِ غم اور ظاہری ہمدردی مظلوم بےسہاروں کا کسی حد تک سہارا بن جاتی تھی۔ لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ صرف دو ڈھائی ماہ کے مختصر عرصہ میں بارہ بنکی، نیوریا، الہ آباد، ناسک، ناندیڑ، پنویل، اودیاپور، مانوت، اورنگ آباد، پیٹھن، نوادہ، سیہور، شاجاپور، بڑودہ، بھڑوچ، بھاونگر، لوناواڑہ

احمد آباد وغیرہ مقامات میں درجنوں بھیانک ترین فسادات برپا کئے گئے۔ جس میں سیکڑوں مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور کروڑوں کی املاک لوٹ گھسوٹ اور جلاکر تباہ و برباد کردی گئیں۔ مگر احساسِ ندامت سے نہ کسی حکمراں کا سر خم ہوا اور نہ ہی ہندوستان کی نیک نامی پر بٹہ لگا۔ مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹتے رہے۔ اور جمہوریت کے محافظین۔ ایوانِ حکومت میں اپنی کرسیوں پر دراز خاک وخون کے اس شیطانی ڈرامہ سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

اس کے برعکس اگر پنجاب یا کسی اور علاقہ میں اکثریتی فرقہ کے دوچار افراد بھی بدقسمتی سے تشدد کا شکار ہو جاتے ہیں تو ہمارے حکمرانوں کا احساس ذمہ داری فوراً بیدار ہو جاتا ہے۔ پوری مرکزی حکومت اس ظلم وتشدد کے کرب سے بلبلا اٹھتی ہے۔ اور حکومت کی مشینری آنِ واحد میں حرکت میں آجاتی ہے۔

حکومت کا یہ رویّہ صاف غمازی کررہا ہے کہ کانگریسی حکومت اپنے موقف سے ہٹ چکی ہے۔ اور وہ مسلمانوں کی جان ومال کی حفاظت کی ذمہ داری سے دانستہ طور پر پہلوتہی کر رہی ہے۔ اس لئے اب ضرورت ہے کہ مسلمان بھی اپنے موقف پر نظرثانی کریں۔ اور دوسروں پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کے بجائے اپنی حفاظت کا انتظام خود آپ کریں۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر ملک کے ۱۴ کروڑ مسلمان حکم خداوندی "فاستعدوا ما استطعتم" کے مطابق اپنی حفاظت آپ کرنے کا عزم کرلیں تو پھر کوئی طاقت ان کا بال بیکا نہیں کرسکتی۔

یہاں کوتاہئ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے،

(o)×(o)

قسط نمبر ۲

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہندیات

از مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

غزوۂ ہند کی پیشین گوئی اور بشارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ پیشین گوئیوں کے سلسلہ میں دو ملک خاص طور سے بڑی خوش بختی اور سعادت مندی رکھتے ہیں جن کے بارے میں آپؐ نے جہاد کی خبر دیتے ہوئے اس کے شرکاء و مجاہدین کی مغفرت اور جہنم سے نجات کی خوشخبری دی ہے ایک غزوۂ قسطنطنیہ جس کے شرکاء مغفور لہم ہیں۔ دوسرے غزوۂ ہند جس کے مجاہدین نارِ جہنم سے محفوظ ہیں۔

امام نسائی نے سنن میں "باب غزوۃ الہند" کے مستقل عنوان کے تحت اور امام طبرانی نے معجم میں سند جید کے ساتھ حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصابتان من امتی احرزھما اللہ من النار، عصابۃ تغزو الھند، وعصابۃ تکون مع عیسی بن مریم علیھما السلام [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے نارِ جہنم سے محفوظ رکھا ہے۔ ایک گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا۔ اور دوسرا گروہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔

ابن عساکرؒ اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے بھی غزوۂ ہند کی حدیث کی روایت کی ہے۔ البدایہ والنہایہ

[1] سنن نسائی باب غزوۃ الہند،

میں ہے۔ قد ورد فی غزوۃ الھند حدیثٌ رواہ ابن عساکر وغیرہ [۱]

غزوۂ ہند کی حدیث ابن عساکر وغیرہ نے روایت کی ہے۔

حضرات صحابہؓ اس بشارت نبوی کی وجہ سے ہندوستان میں جہاد کی تمنا کرتے تھے اور اس میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہا کرتے تھے۔ ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نمایاں ہیں، سنن نسائی اور مسند احمد میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال، وعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ الھند فان ادرکتھا انفق فیھا نفسی، ومالی فان اقتل کنت افضل الشھداء وان ارجع فانا ابوھریرۃ المحرر۔ [۲]

حضرت ابوہریرۃ رضؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں اس میں شریک ہوا تو جان و مال خرچ کروں گا، اگر اس میں کام آیا تو افضل الشہداء ہوں گا اور اگر واپس ہوا تو نار جہنم سے آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔

امام بخاریؒ نے جبر بن عبیدہ کی روایت سے مختصر طور سے یہ نقل کیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال وعدنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ الھند [۳]

حضرت ابوہریرہ رضؓ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہ پیشین گوئی اور بشارت پہلی بار عہد فاروقی میں عثمان، حکم اور مغیرہ بنو ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہم کی زیر قیادت یوں ظاہر ہوئی کہ ۱۵ھ اور ۲۱ھ کے درمیان یہاں کے تین ساحلی مقامات، دیبل (سندھ) بھڑوچ (گجرات)، اور تھانہ (مہاراشٹر) میں رضاکارانہ طور پر فوج کشی ہوئی اور ۲۳ھ میں مکران میں دو غزوات و فتوحات ہوئیں۔ پہلی مہم کے امیر حضرت حکم بن العاص ثقفی رضی اللہ عنہ اور دوسری کے قائد حضرت حکم بن عمرو ثعلبی رضؓ تھے۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ ص۹ ج۶ [۲] سنن نسائی باب غزوۃ الہند، [۳] تاریخ کبیر ۲ القسم ۲ ص ۲۴۳

سراندیپ کا مذہبی وفد مدینہ کی طرف

ہندوستان کے مغربی وجنوبی ساحلی مقامات اور جزائر قدیم زمانہ سے عربی اور ہندی تاجروں کا مرکز اتصال تھے، اور دونوں ملکوں کے باشندے ایک دوسرے میں آمدورفت رکھتے تھے۔

ان ہی آنے جانے والوں کے ذریعہ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی بعثت نبوی کی خبر شدہ شدہ پہنچی اور ہجرت کے بعد یقینی طور سے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خبریں پہنچیں۔ جس کے نتیجہ میں یہاں کے بعض مذہبی حلقوں اور حکمرانوں کو صحیح معلومات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تعلق کا داعیہ پیدا ہوا، مگر اسلامی تاریخ میں اس سلسلہ میں کوئی مستند روایت نہیں مل رہی ہے۔

ہندوستان اس لئے معذور قرار دیا جاسکتا ہے کہ اساطیر وقصص کی اس سرزمین میں تاریخ نویسی کا رواج نہیں تھا، بعد میں مسلمانوں نے اس طرف توجہ کی اور جو روایات مل سکیں ان کو اپنی کتابوں میں بلا نقد ونظر کے درج کرلیا، صحت وسقم کا فیصلہ اہل نظر پر چھوڑ دیا۔ ہم یہاں ان میں سے دو روایت جو قریب الصحت ہیں پیش کرتے ہیں۔

سراندیپ قدیم زمانہ سے عربوں میں جزیرۃ الیاقوت کے نام سے متعارف تھا اور یہاں ان کی اچھی خاصی آبادی تھی۔ یہاں سادھوؤں، سنتوں اور تارک الدنیا مذہبی لوگوں کی بستی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ودعوت کی خبر ملی تو انھوں نے براہ راست تحقیق حال کیلئے اپنا وفد مدینہ منورہ بھیجا، جو عہد فاروقی میں وہاں پہنچ سکا، غالباً ہجرت کے بعد یہ وفد روانہ ہوا تھا۔ اس کا تذکرہ مشہور سیاح وجہاز ران بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزیؒ نے اپنی کتاب عجائب الہند میں یوں کیا ہے کہ جب سراندیپ اور اس کے اطراف والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج (نبوت یا ہجرت) کی خبر ملی تو انھوں نے اپنی جماعت کے ایک سمجھ دار آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کیا، اور اس کو حکم دیا کہ آپؐ اور آپؐ کی

دعوت کے بارے میں معلومات حاصل کرے، مگر چند رکاوٹوں کی وجہ سے وہ آدمی اتنی دیر میں مدینہ منورہ پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم تھی۔

اس شخص کے ہمراہ ایک ہندوستانی ملازم بھی تھا، واپسی پر یہ شخص مکران کے قریب انتقال کر گیا۔ اور اس کا غلام و ملازم سراندیپ پہنچا۔ اس نے یہاں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضؓ کے بارے میں جو کچھ سنا تھا تفصیل سے بیان کیا، اور حضرت عمر رضؓ کے چشم دید حالات ان کے سامنے رکھے، اس نے حضرت عمر رضؓ کی انکساری و تواضع بتائی کہ وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، رات کو مسجد کے فرش پر سوتے ہیں، اسی وجہ سے آج بھی (چوتھی صدی کے وسط میں) سراندیپ کے باشندے مسلمانوں سے محبت کرتے ہیں اور ان سے بڑی عقیدت و محبت سے ملتے ہیں[1]

ایک راجہ کا ہدیہ خدمتِ نبویؐ میں

سراندیپ کے سادھوؤں، سنتوں نے اپنا نمائندہ خدمتِ نبویؐ میں روانہ کیا جو پورے طور سے کامیاب نہیں ہو سکا، ورنہ آج سراندیپ اور جنوبی ہند کے مذہبی حالات میں بڑی تبدیلی ہوتی۔ اسی دور میں ہندوستان کے ایک راجہ نے خدمتِ نبوی میں از راہ عقیدت زنجبیل (تازہ ادرک، خشک سونٹھ) کا ہدیہ روانہ کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف قبولیت بخشا اور نہ صرف آپؐ نے اس کو تناول فرمایا بلکہ صحابہ کرام کو بھی کھلایا۔

امام ابو عبداللہ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی:

اهدى ملك الهند إلى النبى صلى الله عليه وسلم جرة فيها زنجبيل فاطعم اصحابه قطعة قطعة واطعمنى منها	"ہندوستان کے ایک راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک گھڑا ہدیہ میں بھیجا جس میں زنجبیل تھی۔ آپ نے ٹکڑے ٹکڑے

---

[1] کتاب عجائب الہند ص۱۵۷ طبع لائیڈن،

قطعۃً ۔ ؎۱ کر کے صحابہ کو کھلایا اور ایک ٹکڑا مجھے بھی دیا۔

اس روایت کے بعد ابوعبداللہ حاکم رح کہتے ہیں کہ اسی حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زنجبیل تناول فرمانے کا ثبوت ملتا ہے۔ ابن قیم رحؒ نے زاد المعاد میں یہ حدیث ابونعیم کی کتاب الطب النبوی سے نقل کی ہے۔ مگر اس میں ملک الہند کے بجائے ملک الروم ہے زنجبیل ہندوستان کی پیداوار ہے۔ اور قدیم زمانہ میں یہاں سے عرب جاتی تھی۔ بنگال کے راجگانِ رُہمی اطراف وجوانب کے بادشاہوں کو جوبیش بہا ہدایا وتحائف بھیجا کرتے تھے۔ ان میں زنجبیل خاص طور سے ہوا کرتی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اُسی رہمی خاندان کے کسی راجہ نے بارگاہِ رسالت میں ہدیہ پیش کیا ہو۔ اس روایت میں ملک الہند ہونے کا قرینہ قوی ہے۔

رفاعہ جنّیہ کا واقعہ

عہد رسالت میں ہندوستان سے تعلق کے سلسلہ میں رفاعہ جنّیہ کا واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ ابوالقاسم حمزہ سہمی رحؒ نے تاریخ جرجان میں ابوعمرو عبدالمومن بن احمد العطار جرجانی رحؒ کے تذکرہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رفاعہ بن العبدالصالح ایک جنیہ قوم جنات کی عورتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتی تھی ایک مرتبہ بہت تاخیر کرکے حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت فرمائی تو اس نے عرض کیا:۔

مات لنا میّتٌ فی ارض الھند فذھبت فی تعزیتھم، ؎۲ ہمارا ایک آدمی ہندوستان میں فوت ہوگیا تھا، میں اہل میّت کی تعزیت کیلئے گئی تھی۔

حافظ ابن حجر رحؒ نے اصابہ میں رفاعہ جنّیہ کا تذکرہ کرکے امام سہمی رحؒ کی پوری عبارت معمولی تغیّر کے ساتھ نقل کردی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ اس کی سند کے بعض راوی غیر معروف ہیں اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ ؎۳

؎۱ زاد المعاد ج ۳ ص ۲۲۵، ؎۲ تاریخ جرجان ص ۲۰۳، ص ۲۰۴، ؎۳ اصابہ۔ ج ۸ ص ۱۵۶، ص ۱۵۷

جمہور محدثین اور علماء کے نزدیک اگر جنات نے بحالتِ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت وصحبت پائی ہے تو وہ بھی صحابہ میں شمار ہوں گے۔

عہد رسالت کے ہندی مسلمان

یہاں کے باشندوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت کا مظاہرہ کیا، اسلام فہمی کے لئے آپ کے پاس آدمی بھیجے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں نہ پہنچ سکے، بعض حکمرانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ وتحفہ بھیجا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، مگر کتابوں میں واضح طور سے صحیح روایت کی رو سے کسی ہندی باشندے کا عہد رسالت میں مسلمان ہونا ثابت نہیں ہے۔ البتہ ہندی افراد کے بارے میں ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔

اس سلسلے میں بیرزطن ہندی یمنیؒ کا نام سرفہرست ہے، ان کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں طبقۂ مدرکین میں کیا ہے۔ یعنی وہ حضرات جو عہد رسالت میں مسلمان ہوئے مگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت وروایت کا شرف حاصل نہ ہو سکا ملاحظہ ہو۔

بیرزطن الهندی کان فی زمن اکاسرة، له خبر مشهور فی حشیشة القنب وانه اوّل من اظهرها بتلك البلاد واشتهر امرها عنه فی الیمن، ثم ادرك الاسلام فاسلم [1]

بیرزطن ہندیؒ شاہان ایران کے زمانہ میں یمن میں ایک سن رسیدہ بزرگ تھے۔ بھنگ کے ذریعہ علاج میں ان کی شہرت تھی، انھوں نے سب سے پہلے یہ علاج ان علاقوں میں عام کیا اور اس کی اہمیت وافادیت یمن میں مشہور ہوئی بلعد میں انھوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام قبول کیا۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

بعثتِ نبویؐ کے وقت یمن ایران کی کسرائی حکومت تھی جس کی طرف سے باذان وہاں

---

[1] الاصابہ۔ ج ۱، ص۱۷۱

کے حاکم تھے۔ جنھوں نے خدمتِ نبوی میں آکر اپنی جماعت کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ اس دور میں ایرانی اور ہندی باشندے یمن میں بڑی تعداد میں آباد ہو گئے تھے۔ جن میں حضرت بیرزطن ہندی بھی تھے۔

امام ذہبیؒ نے تجرید اسماء الصحابہ میں حضرت باذان کو باذان الفارسی اور باذان ملک الیمن کے ساتھ باذان ملک الہند بھی لکھا ہے۔ ممکن ہے باذان ایرانی اساورہ (جمع اسوار) سے رہے ہوں۔ جن میں ایرانی اور ہندی شاہسوار تھے۔ مکران، سندھ، بلوچستان کشمیر سے لے کر سراندیپ تک کے راجے مہاراجے کسرانی بادشاہت کے لقب یافتہ باج گذار تھے اور شاہانِ ایران بوقت ضرورت ان سے فوجی امداد طلب کیا کرتے تھے۔

عہد رسالت سے قریب تر زمانہ میں ہندوستانی جاٹوں کی بڑی بڑی جماعتیں عرب کے مختلف علاقوں میں نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ مدینہ منورہ میں ایک طبیب جاٹ (طبیب زطی) تھے جنھوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علاج کیا تھا۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ گئے اور وہاں جاٹوں کو دیکھا۔ جو بڑی تعداد میں وہاں آباد تھے تو ان کو لطائے مکہ کی لیلۃ الجن یاد آگئی جس میں ان کو جنات جاٹوں کی ہیئت میں نظر آئے تھے، اور کہا کہ کوفہ کے یہ جاٹ ان جنات سے بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں۔ جو اس وقت خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتے تھے۔ [۲]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بصرہ کے بیت المال (سرکاری خزانہ) پر ہندوستان کے سیابجہ اور جاٹ تعینات تھے، جن کی تعداد چالیس یا چار سو تھی اس محافظ جماعت کے افسر اعلیٰ ابو سالمہ زطی نہایت نیک آدمی تھے۔ [۳]

جنگ جمل کے بعد ستر جاٹوں کے ایک وفد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر ہندی زبان میں ان کے ساتھ اپنی وفاداری ظاہر کی [۴]۔ یہ سب مسلمان تھے اور ان میں سے

---

[۱] الادب المفرد بخاری ص ۲۷، [۲] تفسیر طبری ج ۲۶ ص ۳۲، [۳] فتوح البلدان ص ۳۶۹،
[۴] مجمع البحرین مادہ زط،

بیشتر طبقۂ مدرکین سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا شمار تابعین میں ہوتا تھا۔

صحابیت کے غلط دعوے

عہد رسالت میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں کسی شخص کے ہندوستان سے عرب یا عرب سے ہندوستان آنے جانے کی صحیح و مستند روایت نہیں ملتی ہے اور جو روایات یا واقعات بیان کئے جاتے ہیں، روایت اور درایت کے اصول سے ساقط الاعتبار ہیں۔ چنانچہ جوامع الجوامع کے حوالہ سے بعض کتابوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ صحابہ کے ہاتھوں اہل سندھ کے پاس اپنا نامۂ مبارک بھیجا اور ان حضرات کے بیرون کوٹ۔ (حیدرآباد، سندھ) آنے کے بعد کچھ لوگ مسلمان ہوئے، پھر اہل سندھ نے عام طور سے اسلام قبول کیا، ان میں سے دو صحابہ واپس چلے گئے اور تین حضرات نے یہاں رہ کر تبلیغ اسلام کی خدمت انجام دی اور یہیں انتقال کیا۔

کسی اور ذریعہ سے اس روایت کی تائید و تصدیق نہیں ہوتی ہے اس لئے بے اصل معلوم ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ علمی اور تاریخی اعتبار سے اس کے بے اصل ہونے کے باوجود نفس الامر میں اس کے وقوع کا احتمال ہے۔ اسی طرح حضرت تمیم داری کے بارے میں چلتی ہوئی روایت ہے کہ وہ جنوبی ہند کے علاقہ مدراس میں آئے۔ اور وہیں ان کی قبر ہے۔ حالانکہ حضرت تمیم داری کے شام میں منتقل ہونے کے بعد کسی بیرونی ملک میں جانے کی روایت نہیں ہے۔ البتہ انھوں نے ایک بحری سفر کیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔

نیز جنوبی ہند کے علاقہ ملبار (کیرالہ) کے راجہ سامری کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ معجزۂ شق القمر دیکھ کر مسلمان ہوئے اور خدمت نبوی میں پہنچے، راجہ سامری کا واقعہ زین الدین معبری ملباریؒ نے تحفۃ المجاہدین (۹۹۳ھ) میں بیان کیا ہے اور آخر میں تصریح کی ہے کہ راجہ سامری کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک محقق نہیں ہے، غالب گمان ہے کہ وہ دوسری صدی کے بعد تھے اور مالا بار کے مسلمانوں میں یہ جو مشہور ہے کہ سامری معجزۂ

شق القمر دیکھ کر مسلمان ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ان باتوں میں کوئی صحیح نہیں ہے [۱]

چوتھی صدی کی ابتدائی دہائیوں میں قنوج کے راجہ سرباتک نے صحابیت کا غلط دعویٰ کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس حذیفہؓ، اسامہؓ اور صہیبؓ کو دعوت اسلام دیکر بھیجا، میں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور نامۂ مبارک کو آنکھوں سے لگایا میں نے دو مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت حسین وشکیل اور خوش قامت تھے، اس روایت کو پہلے ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں بیان کیا، پھر ابن حجرؒ نے اصابہ میں اور ذہبیؒ نے تجرید اسماء الصحابہ میں اس کو نقل کیا اور سبنے اس کی تکذیب کی۔ [۲]

قنوج سے مراد ہندوستان کا موجودہ شہر قنوج نہیں ہے۔ بلکہ یہ کنوجہ کا معرب ہے، جو پنجاب میں واقع تھا۔ لاہور اس زمانہ میں قنوج (کنوجہ) کی عملداری میں واقع تھا۔ مذکورہ بالا روایت میں راجہ سرباتک کا انتقال ۳۳۳ھ میں بتایا گیا ہے ملتان کی دولت سامیہ کے سب سے بڑے حریف مہاراجگان قنوج تھے، دونوں میں معرکہ آرائی ہوا کرتی تھی، اسی دوران ۳۰۳ھ میں سامی حکمرانوں نے قنوج کی حدود میں واقع شہر لاہور پر قبضہ کر کے اس کو اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا، جیسا کہ مسعودی نے لکھا ہے وہ اس زمانہ میں یہیں موجود تھا [۳]

دولت سامیہ ملتان کے لاہور پر قابض ہو جانے کے بعد راجہ قنوج کی پرانی عداوت نئی محبت میں بدل گئی اور اس نے اسلام اور مسلمانوں سے عمیق تعلقات ثابت کرنے کیلئے سیاست وحکومت کی قبا میں مذہب کا پیوند لگایا، حکمرانی کی دنیا میں یہ کھیل بہت پرانا اور

---

[۱] تحفۃ المجاہدین ص ۱۰ تا ص ۱۷، [۲] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۶۶، اصابہ ج ۲ ص ۱۲۱، تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۲۱۰

[۳] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۵،

کامیاب ہے۔ راجہ سرباتک کا دعوئ صحابیت بالکل غلط ہے۔ البتہ اس کے مسلمان ہوجانے کا امکان ہے۔ دنیا میں سب سے آخری صحابی حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ ؓ ہیں جن کا انتقال ۱۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا۔ ان کے بعد دنیا میں کوئی صحابئ رسول نہیں رہا۔

مدعی صحابیت میں بابا رتن ہندی کی شخصیت بھی پُراسرار ہے، جس نے چھ سو سال کے بعد صحابئ رسول ہونے کا دعوی کیا، یہ شخص پنجاب کے شہر بھٹنڈہ کا باشندہ تھا، اس نے دعویٰ کیا کہ میں نے ہندوستان میں معجزۂ شق القمر دیکھا اور مکہ مکرمہ جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، آپؐ نے مجھے درازی عمر کی دعا دی، نیز اپنی کنگھی عطا فرمائی، وغیرہ وغیرہ

ابن حجرؒ نے اصابہ میں اور ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں اور میزان الاعتدال میں رتن ہندی کا تذکرہ کرکے اس کی تکذیب کی ہے۔ بلکہ ذہبی نے اس کو "دجال بلا ریب" بتایا ہے علامہ رضی الدین حسن صغانی لاہوریؒ متوفی ۶۵۰ھ رتن ہندی کے معاصر اور ہم وطن تھے، انھوں نے بھی اپنی کتاب موضوعات میں اس کا انکار کیا ہے، اس کے باوجود بعض لوگوں نے اس کو صحیح مانا ہے۔ حالانکہ ایک صدی گذرتے گذرتے دنیا حضرات صحابہ سے خالی ہوگئی اور آخری صحابی حضرت ابوطفیل عامر بن واصلہ رضی اللہ عنہ ۱۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے۔

بعض منکر و موضوع روایات

ہندوستان اور ہندوستانیوں کے متعلق یاروں نے کئی موضوع روایات مشہور کردی ہیں، جن کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور علماء محدثین نے ان کو بے اصل اور غلط قرار دیا ہے، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے سراندیپ یا سرزمین دجنا میں اترنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اقوال منسوب کئے گئے اصول حدیث کی رو سے بے اصل ہیں البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کے آثار و اقوال اس بارے میں منقول ہیں۔ یہ حدیث بھی موضوع و بے اصل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اتارے گئے اور ان کے ساتھ

گھن، ہتھوڑا اور دو چمٹے بھی تھے اور حوّا جدّہ میں اتاری گئیں، حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ اس کے راوی ابراہیم ابن سالم کے یہاں منکر احادیث ہیں جن میں یہ حدیث بھی ہے۔ [1]

انھیں منکرات میں وہ باتیں بھی ہیں جو عام طور سے مشہور ہیں یعنی یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اتارے گئے تو ان کے جسم پر جنّت کے پتّوں کا لباس تھا، وہ خشک ہو کر ادھر اُدھر بکھر گئے۔ جن کی وجہ سے ہندوستان کے درخت خوشبو دار ہو گئے، اور عود، صندل، مشک عنبر، کافور وغیرہ میں خوشبو انھی پتّوں سے آئی ہے۔ علامہ محمد طاہرؒ گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں لکھا ہے کہ اس کا راوی امام سفیان ثوریؒ کا بھانجا سیف کذّاب ہے اور یہ خبر منکر ہے۔ [2]

لسان المیزان میں اُبیّ ابن عمرو بن معدیکرب کے ذکر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ہندوستان سے ایک پھل لایا جاتا ہے اس کے پانی کو تاڑی کہتے ہیں جو شخص اس کو پیئے گا چالیس برس تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ خطیب بغدادی نے کہا کہ ابن عدی کے علاوہ اس کی سند کے تمام رجال غیر معروف ہیں۔ [3]

علامہ محمد طاہر گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں ایک اور موضوع حدیث کی نشان دہی کی ہے جس کو کسی کذاب و مجہول راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے یعنی یہ کہ تم لوگ یہود اور ہنود سے ستّر نسل تک بچتے رہو، امام حسن بن محمد صغانی لاہوریؒ نے اس کو جعلی و موضوع بتایا ہے۔ [4]

ہند اور اہل ہند کے متعلق اسی قسم کی مزید باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔

---

[1] لسان المیزان ج ۱ ص ۶۳، [2] تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۱، ۱۱۲، [3] لسان المیزان ج ۱ ص ۳۴۹
[4] تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۱،

از:- ڈاکٹر ماجد علی خان جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

موجودہ ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس

(ایک عمومی جائزہ)

(نوٹ یہ مقالہ معمولی اختصار کے ساتھ آل انڈیا ریڈیو دہلی کی اُردو سروس سے نشر ہو چکا ہے)

ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی تعلیم کا آغاز اس ملک میں مسلمانوں کی آمد سے شروع ہوا۔ ابتداء میں علوم اسلامیہ کے مراکز سندھ ملتان اور لاہور میں تھے۔ جب مسلمان حکمرانوں نے دہلی فتح کیا تو بادشاہوں کی قدردانی سے علماء باکمال اطراف سے سمٹ سمٹ کر دہلی آنے لگے۔ اور اس شہر کو علوم اسلامیہ کی تعلیم و ترویج کے اعتبار سے بھی مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ تیرہویں صدی عیسوی (یعنی ساتویں صدی ہجری) سے سولہویں صدی عیسوی (یعنی دسویں صدی ہجری) تک اس ملک میں اسلامی علوم کی تعلیم کا دور اوّل شمار کیا جاتا ہے۔ جبکہ صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر اور حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعد میں علوم تقریباً یہی رہے صرف مختلف کتابوں میں تبدیلی ضرور کر دی گئی۔ سترہویں صدی عیسوی کے اواخر اور اٹھارویں صدی کے شروع یعنی بارہویں صدی ہجری میں اس ملک میں علوم اسلامیہ کے مشہور ترین نصاب درس نظامی کا اجراء ہوا جس کی بنیاد ملا نظام الدین نے رکھی تھی، ملا نظام الدین شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے معاصرین میں سے تھے۔ لہٰذا اس نصاب میں کچھ تبدیلیوں کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نصاب درس میں رائج کتب شامل کی گئی تھیں۔ نصاب کی - - - - - - - - - - - - -

ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قوتِ مطالعہ اور امعانِ نظر کا زیادہ خیال رکھا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے بشرطیکہ صحیح طریقہ سے پڑھا گیا ہو۔ طلبہ میں دقتِ نظر، قوت مطالعہ اور احتمال آفرینی پیدا ہو جاتی ہے۔

موجودہ دور میں ہندوستان کے اندر علوم اسلامیہ کی تعلیم عربی مدارس اور یونیورسٹیوں کی سطحوں پر ہوتی ہے۔

جہاں تک عربی مدارس کا سوال ہے اس ملک میں ان کا جال پھیلا ہوا ہے۔ میری کوتاہ نظر میں تعداد کے اعتبار سے جتنے عربی مدارس اس ملک میں ہیں شاید ہی کسی دوسرے اسلامی یا غیر اسلامی ملک میں اس قدر ہوں۔ شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک عربی مدارس کا ایک لمبا سلسلہ ہے۔ شمالی ہندوستان کے بعض دیہاتوں میں اور چھوٹے چھوٹے قصبوں میں ایسے مدارس مل جائیں گے جہاں ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ فضیلت اور عالمیت کی اسناد حاصل کرتے ہیں۔ دیوبند، سہارنپور، ضلع مظفر نگر، جلال آباد، میرٹھ، مراد آباد، رامپور، ہردوئی، لکھنؤ، اعظم گڑھ اور بنارس وہ مقامات ہیں جن کو صرف ایک صوبے یعنی اتر پردیش میں علوم اسلامیہ کے اعتبار سے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان میں سے بیشتر اضلاع و مقامات پر ایک سے زیادہ بڑے بڑے عربی مدارس ہیں۔ جہاں نہ صرف ہندوستان کے اطراف و جوانب سے بلکہ غیر ممالک سے بھی بکثرت طلبہ علم کی پیاس بجھانے آتے ہیں اور علوم اسلامیہ کو حاصل کرتے ہیں۔ دیوبند کا مدرسہ دارالعلوم، لکھنؤ کا دارالعلوم ندوۃ العلماء، اور سہارنپور کا مظاہر علوم بین الاقوامی شہرت کے حامل مدارس ہیں۔ ان میں سے ہر ایک خود ایک جامعہ (یونیورسٹی) کا درجہ رکھتا ہے۔ جہاں طلبہ کی تعداد سیکڑوں سے تجاوز کرکے ہزاروں تک پہونچی ہے۔

عربی مدارس میں ایک بڑی تعداد ایسی ہے جہاں درس نظامی کے نصاب کے مطابق تعلیم دیجاتی ہے۔ اس نصاب کی موجودہ شکل میں احادیث کی صحاح ستہ تعلیم کے آخری

مرحلہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ جس کے بعد طالب علم کو فضیلت کی سند عطا کی جاتی ہے۔ اس طرز کے مدارس میں دارالعلوم دیوبند کو ام المدارس کا درجہ حاصل ہے۔ درس نظامی میں صرف ونحو کی اعلیٰ تعلیم، منطق، فلسفہ، ادب، عقائد و اصول فقہ، تفسیر و اصول تفسیر اور حدیث و اصول حدیث وغیرہ مضامین خاص طور سے پڑھائے جاتے ہیں۔ اور طالب علم کو ان علوم میں مہارت پیدا کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

کچھ عربی مدارس گورنمنٹ سے منظور شدہ عربی مدارس کے بورڈوں کے نصاب کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یہ نصاب بھی درس نظامی سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اس میں طالبعلم کو تعلیم کے تین مراحل سے گزرنا پڑتا ہے:۔

پہلا مرحلہ "مولوی" دوسرا "عالم" اور تیسرا و آخری مرحلہ "فاضل" کا ہے جس کو عام طور پر "مولوی فاضل" کہتے ہیں۔ یہ امتحانات عربی مدارس بورڈوں کے ذریعہ منعقد کرائے جاتے ہیں جن کے جگہ جگہ مراکز ہیں۔ ایک ایسا بورڈ الہ آباد میں بھی ہے جس کے تحت اتر پردیش (یعنی یو، پی) میں مختلف مقامات پر امتحانات کے لئے مراکز قائم ہیں۔ اس کا نگراں رجسٹرار عربی مدارس (یو، پی) ہے جس کا دفتر الہ آباد میں ہے۔ یہ صوبائی گورنمنٹ کا ایک گزیٹیڈ افسر ہوتا ہے۔ اس طرح ان امتحانات کا کنٹرول گورنمنٹ کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ رامپور کا قدیم اور مشہور مدرسہ، مدرسہ عالیہ انہی امتحانوں کے نصاب کے مطابق طلبہ کو تعلیم دیتا ہے۔ مدرسہ عالیہ رامپور بھی صوبائی گورنمنٹ کا ایک ادارہ ہے باقی عربی مدارس جو ان امتحانات کی تیاری کراتے ہیں یا تو پرائیویٹ ہیں۔ یا پھر گورنمنٹ کی طرف سے تسلیم شدہ اور امداد یافتہ ہیں۔ مثلاً میرٹھ کا دارالعلوم ایک ایسا ادارہ ہے جو صوبائی گورنمنٹ سے تسلیم شدہ ہے (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے الہ آباد بورڈ کے ان امتحانات کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور "مولوی" کی سند یافتہ طالب علم وہاں سے صرف انگریزی میں ہائی اسکول، "عالم" کی سند پانے والا طالب علم پری یونیورسٹی کا امتحان

صرف انگریزی میں بشرطیکہ وہ ہائی اسکول انگریزی میں پاس کرچکا ہو۔ اور "فاضل" کی سند رکھنے والا طالب علم صرف انگریزی میں بی۔اے کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ پری یونیورسٹی انگریزی میں پاس کرچکا ہو۔ صرف انگریزی میں مختلف امتحانات و دیگر امتحانات کے لئے علی گڈھ میں کئی دیگر بورڈوں اور مدارس کے امتحانات بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ مثلاً دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مظاہر علوم سہارنپور وغیرہ) جموں اینڈ کشمیر، پنجاب اور بنگال وغیرہ میں بھی اس قسم کے بورڈ ہیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی (اور کچھ دیگر یونیورسٹیوں) میں بھی "عالم"، "فاضل"، یا ان کے متبادل امتحانات ہوتے ہیں۔ حال میں آسام میں بھی ان امتحانات کے لئے اس قسم کا ایک بورڈ بنا ہے۔

کچھ عربی مدارس درس نظامی سے مختلف نصاب تعلیم کو پڑھاتے ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا نصاب ایک منفرد نصاب ہے جس میں عربی زبان وادب، عقائد فقہ۔ اصول فقہ، تفسیر واصول تفسیر اور حدیث واصول حدیث کے علاوہ عصری علوم مثلاً جغرافیہ، تاریخ اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی دیجاتی ہے۔ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ میں بھی ایک خاص سطح تک علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس قسم کے مدارس دیگر مقامات پر بھی قائم ہیں۔ مرکزی درسگاہ جماعت اسلامی، رامپور کے نصاب میں علوم اسلامیہ اور عصری علوم دونوں کی ایک خاص سطح تک آمیزش ہے۔

جنوبی ہند میں حیدرآباد، مدراس، عمرآباد، بنگلور اور کیرالہ، مغربی ہند میں گجرات کے قصبوں اور شہروں بالخصوص ڈابھیل، پالنپور، کفلیتہ، راندیرا اور ضلع سورت کے دیگر دیہات وقصبوں اور مشرقی ہند میں بنگال بالخصوص کلکتہ، آسام اور اڑیسہ میں بھی بکثرت عربی مدارس کثرت سے مل جائیں گے۔ اسی طرح راجستھان اور ہریانہ میں میوات میں بھی۔ دہلی میں کئی مشہور عربی مدارس قائم ہیں۔ جن میں غالباً قدیم ترین مدرسہ حسین بخش ہے جو قائم ہیں۔ بہار اور مدھیہ پردیش میں بھی عربی مدارس۔

اس کے علاوہ فتحپوری کا مدرسہ عالیہ، مدرسہ امینیہ، اور نیا قائم شدہ مدرسہ رحیمیہ وغیرہ بھی مشہور ہیں۔ حال میں نئی دہلی میں جوگا بائی اوکھلہ کے علاقہ میں ایک عربی مدرسہ ایک اسلامی مرکز کے تحت قائم کیا گیا ہے۔

زیادہ تر عربی مدارس حنفی مکتبۂ فکر کے ہیں۔ لیکن اہل حدیث، اہل تشیع اور شافعی حضرات کے مدارس بھی جگہ جگہ موجود ہیں۔ جن میں سے کئی کافی مشہور ہیں۔ مثلاً جامعۃ السلفیہ بنارس اور جامعہ سیفیہ سورت وغیرہ۔

یونیورسٹی کی سطح پر ایم، اے اور پی، ایچ۔ ڈی (PH - D) تک کی تعلیم وتحقیق کا انتظام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں ہے۔ اس کے علاوہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں بھی علوم اسلامیہ کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہے۔ اور اس کا ایک شعبہ قائم ہے۔ کشمیر یونیورسٹی سرینگر میں حال میں بی۔ اے (B-A) تک علوم اسلامیہ کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور علوم اسلامیہ کو شعبۂ عربی کے تحت رکھا گیا ہے۔ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں دیگر مذاہب کے ساتھ "اسلام" صرف ایم، فل۔ (M.PHIL) کی سطح پر پڑھایا جاتا ہے۔ اسی طرح تقابلی مطالعہ کے تحت شانتی نکیتن میں بھی اسلام مذہب کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ شائد کچھ اور یونیورسٹیوں میں بھی مذہب اسلام (یا تہذیب اسلامی) کو تقابلی مطالعہ کے تحت پڑھایا جاتا ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک پوری فیکلٹی علوم دینیہ کے لئے قائم ہے جس کو فیکلٹی آف تھیالوجی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس میں طالب علم کسی بھی مضمون میں گریجوئیٹ (B-A، B.S.C وغیرہ) کی تعلیم کے بعد دینیات میں بی۔ اے یعنی بی۔ ٹی۔ ایچ (B-T-H) اور پھر دینیات میں ایم۔ اے یعنی ایم۔ ٹی۔ ایچ (M-T-H) کرسکتا ہے اور پھر دینیات میں ہی پی۔ ایچ۔ ڈی (P-H-D) بھی کرسکتا ہے۔ ہندوستان کی یہ واحد یونیورسٹی ہے جس میں تھیالوجی (دینیات) میں ڈی۔ لٹ کی سطح پر ڈی۔ ٹی۔ ایچ،

(D-T-H) کی ڈگری حاصل کرنے کا بھی انتظام ہے ، دینیات کی فیکلٹی میں دو شعبے ہیں۔ایک سنّی دینیات کا اور دوسرا شیعہ دینیات کا ۔ان کے نصاب میں عقائد، حدیث واصول حدیث ،تفسیر واصول تفسیر، فقہ واصول فقہ وغیرہ نیز مذاہب کے تقابلی مطالعہ کو شامل کیا گیا ہے ۔ان کے علاوہ عربی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے

علی گڈھ میں فیکلٹی آف تھیالوجی کے علاوہ اسلامک اسٹڈیز (ISLAMIC STUDIES) کا بھی ایک شعبہ ہے ۔اس میں بھی بی ۔ اے (آنرز) ایم۔ اے ، پی ایچ ۔ ڈی ، اور ڈی ۔لٹ کی ڈگریوں کے لئے تعلیم وتحقیق کا انتظام ہے ۔ اسلامک اسٹڈیز کا نصاب تعلیم یوروپین اور امریکن یونیورسٹیوں میں پڑھائی جانے والی اسلامک اسٹڈیز کے نصاب سے ملتا جلتا ہے۔ اس میں اسلام کی تاریخ تہذیب وتمدن" علوم اسلامیہ (علم تفسیر قرآن ،علم حدیث ، فقہ ، علم کلام اور تصوف) کا نشو ونما وارتقاء اور ان کے خاص اصول ،عربی یا فارسی زبان ، ہندوستان میں اسلام کی تاریخ تہذیب وتمدن وغیرہ جیسے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ ترکی زبان پڑھائے جانے کا بھی انتظام ہے ۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں گریجویٹ سطح پر دینیات لازمی مضمون کی حیثیت سے لی جاتی ہے ۔غیر مسلموں کے لئے اس کا متبادل مضمون ہے۔ اس کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ویسٹ ایشین اسٹڈیز نام سے بھی ایک ادارہ ہے جس میں مشرق وسطیٰ کی تہذیبی، ادبی اور سیاسی تاریخ وجغرافیہ وغیرہ پڑھایا جاتا ہے ۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں اسلامک اسٹڈیز ایک بڑے شعبہ اسلامک وعرب ایرانیئین اسٹڈیز کے تحت پڑھائی جاتی ہے ۔یہاں پر بی ۔ اے (آنرز، پاس) ایم ۔اے وپی ۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریوں کے لئے اسلامی تعلیم وتحقیق کا انتظام ہے ۔یہاں کی اسلامک اسٹڈیز کا نصاب جیسا ہی ہے ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ایم۔ اے کی

سطح پر مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا پرچہ بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ یہاں گریجویٹ سطح پر اسلامیات لازمی مضمون کی حیثیت سے بھی رکھی گئی ہے جس کا نصاب علی گڑھ کے لازمی دینیات کے نصاب سے تقریبًا ملتا جلتا ہے۔ البتہ جو طلبہ اس کو نہ پڑھنا چاہیں ان کے لئے متبادل مضمون لینے کی گنجائش ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے بھی کئی عربی مدارس کی اسناد کو تسلیم کیا ہے۔ اور ان اسناد کو حاصل کرنے والے طلبہ کو براہِ راست۔ بی۔ اے میں داخلہ کی اجازت دے دی جاتی ہے البتہ اُن مدارس کے طلبہ کو جن میں انگریزی زبان انٹرمیجیٹ کی سطح تک نہیں پڑھائی جاتی ہے پہلے اس سطح کا صرف انگریزی میں امتحان پاس کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان کا داخلہ بی۔ اے میں ہوسکتا ہے۔

ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس کا یہ عمومی جائزہ نامکمل رہیگا اگر ایک اور ادارہ کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ تقریبًا ۲۰ سال قبل دیوبند میں ایک ایسا ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ جو جامعہ اُردو علی گڑھ کا متبادل ہے۔ اس ادارہ کا نام جامعہ دینیات اُردو ہے۔ یہ ادارہ ماہر دینیات (اُردو)، عالم دینیات (اُردو) اور فاضل دینیات (اُردو) کے امتحانات ہندوستان میں قائم شدہ مختلف مراکز کے ذریعہ پرائیویٹ طریقہ پر لیتا ہے۔ اور کامیاب اُمیدواروں کو اسناد دیتا ہے اس ادارہ کے ذریعہ تفسیر قرآن، حدیث، فقہ، عقائد، اُردو، ہندی اور معلوماتِ عامّہ وغیرہ مضامین کی تعلیم پرائیویٹ طریقہ سے دیجاتی ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی وغیرہ نے ان اسناد کو بھی انگریزی میں مختلف امتحانات دینے کے لئے تسلیم کیا ہے

موجودہ دور میں لڑکیوں کے لئے بھی دینی تعلیم کے الگ ادارے قائم کرنے کا رجحان ہوتا جارہا ہے۔ اس سلسلہ میں جامعۃ الصالحات، رامپور اور مالیگاؤں کا ادارہ قابلِ

ذکر ہیں۔ ان اداروں میں تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ، عقائد اور عربی زبان جیسے مضامین کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔

غرض موجودہ دور میں ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی تعلیم وتدریس کا ایک وسیع نظام ہے۔ اور مسلمانوں کی دلچسپی ان علوم سے نہ صرف پوری طرح وابستہ ہے بلکہ وہ ان علوم کو اپنی مذہبی اور معاشرتی زندگی کا ایک جسز لاینفک سمجھتے ہیں۔

(بقیہ ص ۲۸ کا)

بیان کرنے تو فرماتے تھے کہ میں نے بہت سی حدیثیں بیان کردیں اس کی تائید علامہ ابن عبدالبر کے قول سے بھی ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ تابعین کرام بھی اس ڈر سے روایت بکثرت کرنے سے بچتے تھے کہ کہیں حدیث میں غور وخوض کا مادہ ہی ختم نہ ہوجائے۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ حضرت اعمش نے مجھ سے ایک سوال کیا میں نے حضرت اعمش کو جواب دیا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ مجھ سے پوچھا یعقوب یہ جواب تمہارے ذہن میں کہاں سے آیا میں نے عرض کیا۔ جو حدیث آپ نے مجھے بتائی ہے اسی سے میں نے یہ سمجھا ہے حضرت اعمش فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے آپ کے والدین کی ولادت سے پہلے سے یاد ہے (یعنی ایک زمانہ سے یاد ہے) لیکن میں نے اب تک اس کا مطلب نہیں سمجھا ہے یہی واقعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے بھی منقول ہے جس پر خوش ہوکر ان کے استاذ حضرت اعمش نے فرمایا تھا "أنتم الاطباء ونحن الصیادلة" تم حدیث کے حکیم اور ہم تو دوا فروش (پنساری) ہیں!

مولانا محمد حنیف ملی

حدیث عہد رسول میں اخذ روایت میں صحابہ و تابعین کی احتیاط

اگر قید کی اس روایت کو صحیح مان لیں تو یہ مفر نہیں ہے کہ قید ہونے والے صحابہ کی تعداد کیا ہے اور ان کا اسم گرامی کیا ہے۔ امام ذہبی قید ہونے والوں میں حضرت ابن مسعود، ابو ابو ذر دار اور ابو مسعود انصاری کا نام ذکر کرتے ہیں جبکہ علامہ ابن حزم، عبداللہ بن مسعود ابودردار اور ابو ذر غفاری کا نام بتاتے ہیں۔ تو کیا حضرت عمرؓ نے صحابہ کو بار بار قید کیا اگر یہ واقعہ متعدد بار ہوتا تو اس کا چرچا بھی خوب ہوتا اور ایسے حادثہ کی خبر تو آناً فاناً چاردانگ عالم میں پھیل جاتی ہے۔ اس لئے یہ ممتاز اور چھوٹے کے صحابہ تھے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ چند صحابہ کے قید کا صرف اعتبار ہوگا کمیت اور کیفیت کا نہیں تو یہ بھی کہنے کی گنجائش ہے کہ ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام ہیں جن سے بکثرت حدیث مروی ہے لیکن ہمیں ان کے قید و بند کا ثبوت نہیں ملتا اور یہ بات تو عقل میں نہیں آتی کہ امیر المؤمنین نے ایک ہی نوعیت کے قضیے میں جبکہ سب یکساں ہیں کسی کو تو قید کی سزا دی ہو اور کسی کے ساتھ رعایت کی ہو حاشا وکلا حضرت عمرؓ سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ مذکورۃ الصدر صحابہ کو تو قید کر دیں اور حضرت ابوہریرہ کو جن سے

سب سے زیادہ روایات منقول ہیں یونہی چھوڑ دیں ذرا ان صحابہ کی روایات کے تناسب پر نظر فرمالیں حضرت ابوہریرہ سے ۵۳۷۴، ابن مسعود سے ۸۴۸، ابودرداء سے ۱۷۹ اور حضرت ابوذر غفاری سے ۲۸۱ حدیثیں مروی ہیں۔ اگر کوئی یہ توجیہ کرے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عمرؓ سے ڈر کر ان کے عہد خلافت میں زیادہ حدیثیں نہ بیان کی ہوں تو اس میں بھی کہنے کی گنجائش ہے کہ اور دوسرے صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیوں نہیں ڈرے۔ اصل یہ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کا تقویٰ، عدالت اور خوفِ الٰہی دیکھکر حدیثیں بیان کرنے کی اجازت دیدی جیساکہ امام ذہبی حضرت ابوہریرہ سے خود نقل کرتے ہیں کہ امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ کو جب میری نقلِ روایت کا علم ہوا تو مجھے بلا بھیجا اور فرمایا ابوہریرہ آپ ہمارے ساتھ فلاں صحابی کے مکان میں موجود تھے میں نے کہا ہاں! اور میں یہ راز بھی جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے کیوں دریافت فرما رہے ہیں حضرت عمرؓ نے کہا اچھا بتاؤ میں نے تم سے کیوں پوچھا ہے میں نے عرض کیا اس روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ مَنْ کَذِبَ عَلیَّ متعمّداً فلیتبوأ مقعدہ من النّار، خلیفہ نے کہا اچھا جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرو۔ کیا اس واقعہ کے ہوتے ہوئے کوئی یہ خیال کرسکتا ہے کہ حضرت عمر نے ابن مسعود، ابودرداء، ابومسعود انصاری اور ابوذر غفاری کو ان کے زہد و تقویٰ، قوتِ حافظہ اور عدالت کے باوجود قید میں ڈال دیا ہوگا ہرگز نہیں! بلکہ امیرالمؤمنین نے عراق کے باشندوں پر عنایت کی کہ عبداللہ بن مسعود کو ان کے علاقے میں روانہ فرمایا اور کوفہ والوں کو خط لکھ دیا کہ " انی واللہ الذی لاالٰہ الّاھو اثرتکم علیٰ نفسی فخذ وامنہ " اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اپنی ذات سے زیادہ بااعتماد شخص کو روانہ کیا ہے۔ اس لئے ان سے حدیث لے لو، ایک اور موقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ کا اس طرح تذکرہ کیا ہے "کنیف ملئ علماً اثرت بہ اھل القادسیۃ یہ علم سے معمور بازو ہے جسے میں نے اہل قادسیہ پر ترجیح دی ہے، غور کیجئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت رضی اللہ عنہ ان سے علم حدیث حاصل کرنے کی تلقین فرماتے،

ان کے گہرے علم کی شہادت دیں، ان کے علم وفضل کا اعتراف کریں اور انہیں جیل میں ڈال دیں حضرت ابن مسعود کے علاوہ دوسرے صحابہ پر بھی قیاس فرما لیجئے، یہ ابو درداء ہیں شام کے امام و قاضی اور قرآن کریم کے معلم اوّل یہ کیسے ممکن ہے کہ انھیں بھی جیل میں ڈالدیں اس صریح بیان کے بعد صحابہ کو قید کرنے کی خبر کس طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ صحابہ کرام اور ابن مسعود سے بکثرت روایت کرنے کی ممانعت منقول ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ وہی کام کریں۔ جس سے لوگوں کو منع کرتے رہے جبکہ ان کا مشہور قول "لیس العلم بکثرۃ الحدیث ولکن العلم الخشیۃ موجود ہے علاوہ ازیں سعد بن ابراہیم کی جس روایت کو خطیب نے نقل کیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے انھیں مدینہ میں روکے رکھا تاکہ متن حدیث کو جان سکیں جب انھوں نے ان صحابہ کی روایات اور متن جان لیا تو مدینہ کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی جانے کی اجازت مرحمت فرمادی، سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے حضرت عبداللہ، ابودرداء اور ابو درداء، اور ابو مسعود انصاری کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا یہ حدیث جسے آپ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت نقل کرتے ہیں وہ کیا ہے اسی کی تحقیق کے لئے حضرت عمرؓ نے انھیں مدینہ میں روکے رکھا تا آنکہ یہ معلوم ہوگیا کہ سبھوں کی روایتوں کے الفاظ یکساں ہیں۔ غرض یہ کہ امیر المؤمنین نے انھیں مدینہ میں تحقیق وجستجو کے لئے روکا تھا۔ قید نہیں کیا تھا جیساکہ بعضوں کو غلط فہمی ہے اور متن حدیث کی تحقیق کے لئے روک لینا یہ کوئی معیوب اور مضربات نہیں ہے۔ ہمارے اس دعویٰ کی تائید رامہرمزی کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود اور ابودرداء وغیرہ کو مدینہ میں روک لیا اور فرمایا کہ تم بکثرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہو؟ ابو عبداللہ بَرّی فرماتے ہیں کہ ان صحابہ کرام کو بکثرت حدیث نقل کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں کوئی قید خانہ نہیں تھا۔ ابن عبدالبر

کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کرام کو محض اس اندیشہ سے بکثرت روایت کرنے سے روکا تھا تاکہ لوگ کہیں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام پاک سے تغافل نہ برتنے لگیں۔ بہرحال اوپر کے جائزہ سے یہ حقیقت کھل گئی کہ قید کر دینے کی خبر بالکل بے بنیاد ہے۔

مختلف علاقوں میں صحابہ کرام کی تشریف آوری کے نتیجے میں علمی اور حدیثی سرگرمیاں اور زیادہ بڑھیں اور تابعین نے بھی حدیث کی حفاظت اور نشر و اشاعت کے لئے خوب حصہ لیا اور صحابہ کے نقش قدم پر چل کر اخذ حدیث کے سلسلہ میں بے پناہ زہد و تقویٰ اور غایت احتیاط کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ اس پر ذرا تعجب نہ کیجئے اس لئے کہ وہ درس گاہ صحابہ کے تربیت یافتہ اور ان کے شاگرد تھے امام شعبیؒ فرماتے ہیں کاش میں حدیث برابر سرابر نقل کر دیتا تاکہ مجھ سے مواخذہ نہ ہوتا۔ گویا انھیں حدیث خوب روایت کرنے کا بڑی شدت سے احساس تھا وہ فرمایا کرتے تھے۔ "کرہ الصّلحون الاوّلون الاکثار من الحدیث لو استقبلت من امری ما استدبرت ما حدثت الا بما اجمع علیہ اھل الحدیث" کثرتِ روایت ابتدائی دور کے نیک لوگوں کو بھی ناگوار تھی۔ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو صرف وہی روایتیں نقل کرتا جن کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ حضرت شعبہ فرماتے ہیں کہ "التدلیس فی الحدیث اشد من الزنا" حدیث روایت کرتے وقت اپنے شیخ کا نام چھپا لینا زنا سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ اور آسمان سے گر کر ہلاک ہو جانا میرے لئے تدلیس سے اچھا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ کسی اونچے مکان سے سر کے بل گر کر مر جانا بہتر ہے اسی طرح تابعین میں آپ کو کچھ ایسے بھی ملیں گے جنھوں نے نقل حدیث کے سلسلہ میں اعتدال سے کام لیا ہے تاکہ طلبہ کو سمجھا سکیں۔ حضرت خالد حذاء فرماتے ہیں کہ ہم حدیث حاصل کرنے کے لئے حضرت ابو قلابہ کی خدمت میں آئے۔ وہ کبھی متن حدیث بھی بیان

(بقیہ صفحہ ۔۔ پر)

منصب نبوّت کا احترام
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر میں

از مولانا امام علی دانش قاسمی

تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر ایمان لانا۔ ان کا احترام کرنا ان سے محبت وعقیدت رکھنا فرض ہے۔ سلسلۂ ولی اللہی سے منسلک حق پرست علماء کرام کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وعظمت کا درس دینے میں جہاں ایک طرف تمام دینی حلقوں کے پیشرو ہیں۔ وہاں دوسری طرف نبوت ورسالت کے حامل اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین بندوں کے احترام اور ان کی رفعتوں اور مقاماتِ عالیہ کے یقین اور ان کے پیغام کی اشاعت اور ان کی محبت والفت میں سرشار اور سرگرم رہتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے وہ عالم بھی تھے اور درویش بھی اور بہت بڑے مصنف بھی ان کی تمام تصنیفات میں دین کو اصلی وحقیقی شکل میں پیش کیا گیا ہے خاص طور پر ان کی معرکۃ الآراء تفسیر بیان القرآن جہاں ایک جانب عبارت کی جامعیت، طرز استدلال کی معقولیت اور ربط آیات کے بیان اور عقائد ومسائل کے استنباط میں دوسری دور حاضر کی تفسیروں پر فوقیت رکھتی ہے۔ وہاں دوسری جانب خاص اور اہم بات یہ ہے کہ منصب نبوت کے احترام اور انبیاء علیہم السلام کے

واقعات کی وضاحت میں اسرائیلی خرافات سے پرہیز کرنے میں یہ تفسیر خصوصی امتیاز رکھتی ہے۔

قرآن مجید میں گذشتہ امتوں کے واقعات عبرت و موعظت کے لئے بیان ہوئے ہیں اور ہر واقعہ کا اتنا ہی حصہ منقول ہوا ہے جس کی ہدایت و نصیحت کے لئے ضرورت تھی کیونکہ یہ کوئی تاریخی کتاب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہدایت ہے بے شک اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے۔ اُسے ہر واقعہ کے ہر ہر جز کا پورا پورا علم ہے وہ بندوں کو اسی قدر خبر دیتا ہے جتنا ضروری سمجھتا ہے۔ ہمارے مفسرین کرامؒ میں سے بہت سے حضرات نے واقعات کی پوری تفصیل پیش کرنے کے لئے بنی اسرائیل کی تاریخ کا سہارا لیا ان حضرات کی نیت بے شک درست تھی۔ اور مقصود کلام اللہ کی خدمت ہی تھی مگر اس خدمت میں خیال نہ رہا کہ اسرائیلی روایات میں سے صرف ان کو ہی لینا چاہئے جن سے کوئی قباحت کسی درجہ میں لازم نہ آتی ہو۔ خاص طور پر حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السّلام کے واقعات میں بعض بے سر و پا قصّے بعض کتب تفسیر میں نقل ہو گئے ہیں بنی اسرائیل ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کو غالباً صرف بادشاہ سمجھ بیٹھے تھے اس لئے شاہانہ قصّے اس کی جانب منسوب کر دئے۔ اور ان کی عظمت پیغمبرانہ کو ملحوظ نہ رکھا۔

حضرت تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں ممکن حد تک اسرائیلی روایات سے احتراز کیا ہے۔ اور قرآن مجید کی تفسیر خود قرآنی آیات اور مستند ترین روایات سے فرمائی ہے میں اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش کروں گا۔

حضرت داؤد علیہ السّلام کا قصّہ

ارشاد ربانی ہے۔

وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ○ إِذْ دَخَلُوا عَلٰى

اور بھلا آپ کو ان اہل مقدمہ کی خبر بھی پہونچی ہے جب کہ وہ لوگ عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر

دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ، وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۚ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۚ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ط وَظَنَّ دَاوُدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ط وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

(پ ۲۳ ، سورۂ صٓ)

داؤدؑ کے پاس آئے تو وہ گھبرا گئے وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ڈریں نہیں ہم دو اصل معاملہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے گا اور ہم کو سیدھی راہ بتلا دیجئے۔ یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے۔ سو یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دے ڈال اور بات چیت میں مجھکو دباتا ہے۔ داؤدؑ نے کہا کہ یہ جو تیری دُنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کرتا ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ اور داؤدؑ کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے سو انھوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوتے

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

سو ہم نے ان کو معاف کر دیا۔ اور ہمارے یہاں اُن کے لئے قرب اور نیک انجامی ہے۔

ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے کمال تضرع اور رجوع الی اللہ کی خاص کیفیت کو بیان کر غالبًا مقصود ہے تاکہ بندوں کو یہ ہدایت دی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اقتدار پاکر مغرور نہیں ہوتے، بلکہ ان میں تواضع، خاکساری اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا

شکر ادا کرنے کے جذبات زیادہ ہو جاتے ہیں۔ آیات میں اس آزمائش کا واضح طور پر نہیں کیا گیا جس سے حضرت داؤد علیہ السلام دوچار ہوئے تھے۔

حضرت تھانویؒ کی تحقیق

حضرت تھانویؒ نے آزمائش کی ایسی وضاحت فرمائی ہے۔ جو نصِ قرآن سے قریب تر ہے اور جس میں منصبِ نبوت کا پورا احترام ملحوظ رکھا گیا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا شائبہ بھی شانِ انبیاء کی تنقیص کا نہیں پایا جاتا ہے۔

حضرت نے تحریر فرمایا ہے :۔

"ہم نے ان کا امتحان کیا ہے کہ دیکھیں کیسے صابر و متحمل ہیں کیونکہ ایسے بڑے جلیل القدر سلطان کے خلوت خانہ میں کسی کا بے اجازت پھر اس بے ڈھنگے پن سے آگھسنا پھر بات چیت اس طرز سے کرنا کہ اوّل تو یہ کہنا کہ ڈرو مت جس سے متکلم کا بڑا اور مخاطب کا چھوٹا ہونا مترشح ہوتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ انصاف سے فیصلہ کرنا اور بے انصافی مت کرنا جس سے ایہام ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ سے بے انصافی کا بھی احتمال ہے۔ اور ان مضامین کے اقتران کے قرینہ سے اھدنا الخ کا مدلول بھی اسی کے قریب قریب مفہوم ہوتا ہے کہ ان کو احتمال اس کے خلاف کا بھی ہے جس میں ترکِ واجب کا اتہام لازم آتا ہے۔ گو مناجات میں یہ صیغہ موجب سوءِ ادب نہیں اوّل تو مناجات و تضرع اس ایہام سے مانع ہے ثانیاً حق تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں جس سے محذور لازم آتا تھا۔ غرض ان کا مجموعہ اقوال و افعال نہایت نہایت درجہ گستاخی درگستاخی ہے۔ پس اس میں داؤد علیہ السلام کے صبر و تحمل کا امتحان ہو گیا کہ زورِ سلطنت میں ان متواتر گستاخیوں پر دار و گیر کرتے ہیں اور اس مقدمہ کو ملتوی کر کے ان پر دوسرا مقدمہ قائم کرتے ہیں یا غلبۂ نور نبوت سے عفو فرماتے ہیں اور اس مقدمہ کو کمالِ عدل سے بلا شائبہ غیظ و غضب فیصل کرتے ہیں چنانچہ امتحان میں صابر ثابت ہوئے۔

اور مقدمہ کو نہایت ٹھنڈے دل سے سماعت اور فیصل فرمایا۔ لیکن انبیاء کی جلالت شانِ عدل کے جس درجہ علیا و ذروۂ قصوی کو مقتضی ہے اس سے بظاہر ایک گونہ بعید اتنا خفیف سایہ امر پیش آگیا کہ بعد قیام برہان شرعی کہ بیّنہ ہو یا اقرار بجائے اس کے کہ صرف ظالم سے یہ خطاب فرماتے کہ تو نے ظلم کیا اس مظلوم سے خطاب فرمایا کہ تجھ پر ظلم کیا جس سے ایک صورت طرفداری کی متوہم ہوتی ہے اور گو مظلوم ہونے کی حیثیت سے یہ طرفداری بھی عبادت ہے بخصوصِ مقدمہ ختم ہو چکنے کے بعد لیکن فریق مقدمہ ہونے کی حیثیت اور عدمِ تبدل مجلس تخاصم اور مجلسِ واحد کے جامع المتفرقات ہونے کی حیثیت سے اس متوہم طرفداری کا بھی نہ ہونا اعدل واکمل تھا) سو داؤد علیہ السلام غایت تقویٰ سے اتنی بات کو بھی مخل کمال صبر و منافی ثبات فی الامتحان سمجھے اور انھوں نے (اس سے بھی) اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدہ میں گر پڑے اور (خاص طور پر خدا کی طرف) رجوع ہوئے سو ہم نے ان کو وہ (امر) معاف کر دیا اور اس سے جو کمی ان کے اجر مرتب علی کمال الصبر میں ہوتی اس کمی کا ازالہ کر دیا۔ اور وجہ ایسے خفیف امر پر توبہ اور سجدہ کرنے کی یہ ہے کہ ہمارے یہاں ان کے لئے (خاص) قرب اور (اعلیٰ درجہ کی) نیک انجامی (یعنی جنت کا درجہ علیا) ہے اور مقربین اور خوش انجاموں کی یہی شان ہوتی ہے کہ تل برابر بات کو بھی اپنے لئے پہاڑ سمجھتے ہیں۔ (ص ۵ تا ۶ بیان القرآن جلد ۱۰)

غیر مستند اقوال کی تردید انبیاء علیہ السلام کے بلند مقامات کے مطابق آیات کی توجیہ اور انابت و استغفار کی وجہ بیان کرنے کے ساتھ ہی اس سلسلہ کے غیر مستند اور غلط اقوال و توجیہات کی تردید بھی حضرت نے فرمادی ہے تاکہ کوئی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے۔ رقمطراز ہیں:۔

"فتنّاہ" کی تفسیر میں قول مشہور اور ہے جس میں ایک بی بی سے نکاح کرنے کا واقعہ ہے۔ مگر محققین نے اس کا ابطال کیا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے کہا ہے اکثرھا

ماخوذ من الاسرائیلیات و لم یثبت فیہا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ لکن روی ابن ابی حاتم ھٰھنا حدیثا لایصح سندہ لانہ من روایۃ یزید الرقاشی عن انس رضؓ و یزید وان کان من الصالحین لکنہ ضعیف الحدیث عند الائمۃ اھ اور تفسیر خازن میں ہے روی سعید ابن المسیب و الحارث الاعور عن علی ابن ابی طالب رضؓ انہ قال من حدثکم بحدیث داؤد علی مایرویہ القصاص جلدتہ مائۃ و ستین جلدۃ وھو حد الفریۃ علی الانبیاء اھ اور تفسیر حقانی میں مأخذ اس قصہ کا کتاب سموئل کو کہا ہے اور آج تک پورا پتہ اہل کتاب کو بھی نہیں ملتا کہ اس کا مصنف کون ہے وہ ایک تاریخی کتاب یہود میں مروج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے خواہ مخواہ الہامی فرض کر لیا اھ۔ اور بعض نے داؤد علیہ السلام کا لقد ظلمک بلا تحقیق کہدینا اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ گو مقصد تعلیق ہے یعنی اِن فعل کذا مگر صورۃً غیر معلق ہے۔ لیکن بعض نے نقل کیا ہے کہ مدعی علیہ کے اقرار کے بعد لقد ظلمک فرمایا تھا۔ سو اس تاویل کی گنجائش نہ رہی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ان گستاخیوں پر غصہ آگیا تھا۔ اس سے استغفار کیا۔ مگر غصہ آنا ثابت نہیں کر سکتے بندہ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مبنع خود منصوص قرآنی ہے اور اصبر علی مایقولون کے ساتھ اس قصہ کا یاد دلانا قرینہ ہے کہ اس میں بھی صبر علی الاقوال ما مگر دونوں جگہ اقوال میں کفر اور سوء ادب کا اختلاف ہو۔ البتہ امر مظنون ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اس کو مبنیٰ سمجھا ہو سو چونکہ اور تفسیروں کا مبنیٰ بھی قرآن میں نہیں اس لئے یہ تفسیر اوروں سے اقرب ہے،،

(بیان القرآن جلد ۱۰ ص ۶)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دو قصے

قرآن مجید میں قصہ مذکور کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے دو قصے بیان ہوئے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

ووھبنا لداؤد سلیمٰن ط نعم العبد ط انه اواب ط اذ عرض علیه بالعشی الصٰفنٰت الجیاد فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ردوھا علیَّ فطفق مسحا بالسوق والاعناق ٥ ولقد فتنا سلیمٰن والقینا علی کرسیه جسدا ثم اناب ٥ قال اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب ٥
(پ ۲۳ سورہ صٓ)

اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان عطا کیا بہت اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہونے والے تھے جبکہ شام کے وقت ان کے روبرو اصلی عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو کہنے لگے میں اس مال کی محبت میں اپنے رب سے غافل ہوگیا۔ یہاں تک کہ آفتاب پردہ میں چھپ گیا۔ ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ سو انھوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ اور ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا پھر انھوں نے رجوع کیا، دعا مانگی اے میرے رب میرا قصور معاف کر اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسّر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔

ان آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی کسی نماز کا فوت ہوجانا اور پھر ان کا متنبہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ذکر ہے اس طرح ان کے تخت پر کسی جسم کا ڈالا جانا اور ان کا صبر کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عاجزی ظاہر کرنا اور دعا کرنا مذکور ہے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب معصوم بندے غیر اولیٰ کاموں پر توبہ واستغفار کرتے ہیں تو غیر معصوم بندوں کو اپنے خطاؤں پر نادم ہو کر اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف اور زیادہ رجوع کرنا چاہئے

اسرائیلی داستانیں

یہاں پر بھی ہمارے بعض غیر محتاط واعظ اور مفسر اسرائیلی روایات فراخدلی سے نقل کرتے ہیں پہلے واقعہ کے سلسلے میں فرض نماز فوت ہوجانے کی طرف ذہن منتقل کرتے ہیں جبکہ عصر کی نماز اسرائیلی شریعت میں

فرض ہی نہ تھی اور دوسرے واقعہ کے سلسلہ میں پوری ایک داستان نقل کرتے ہیں۔ جو طلسم ہوشربا کے افسانہ کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگشتری تھی جس پر اسم اعظم کندہ تھا۔ اسی کے زور سے وہ حکومت کرتے تھے۔ ان کے اہل خانہ کے ذریعہ ایک جن کے ہاتھ وہ انگشتری لگ گئی۔ اور وہ ان کی کرسی پر متمکن ہو کر حکومت کرنے لگا۔ بہت کچھ گریہ وزاری کرتے اور دعا کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک عجیب طور سے وہ انگشتری پھر آئی اور ان کو سلطنتِ زائلہ پھر حاصل ہو گئی۔ یہ انتہائی لغو اور فضول قصہ ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق قطعی نہیں ہے۔ اور بالکل غیر مستند ہے۔

حضرت تھانوی رح کی تحقیق

بیان القرآن میں دونوں واقعات کی ایسی تفسیر کی گئی ہے جو روایات صحیحہ کی بنیاد پر ہے حضرت رح فرماتے ہیں۔

"کچھ معمول از قسم نماز فوت ہو گیا۔ کذا فی الدر المنثور عن علی رض اور بوجہ ہیبت وجلالت کسی خادم کو جرأت وہمت نہ ہوئی کہ متنبہ کرے کذا فی الدر عن ابن عباس رض" (ص۸)

اس کے بعد پھر وضاحت فرما دی کہ:-

یہ نماز جو رہ گئی تھی اگر نفل تھی تب تو کوئی اشکال نہیں مگر انبیاء کی شانِ اعظم ہوتی ہے اس لئے انھوں نے تدارک کیا اور اگر فرض تھی تو نسیان میں گناہ نہیں ہوتا اور جانوروں کا ذبح کر دینا رضاعتِ مال میں نہیں ہے بلکہ بقول حضرت وہ اتلاف مال نہ تھا بلکہ بطور قربانی تھا (ص۹) اب کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ اور عظمتِ انبیاء بھی محفوظ رہی دوسرے واقعہ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حدیث شیخین میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنے امراء لشکر پر اُن کی کسی کوتاہی جہاد پر خفا ہوئے اور فرمانے لگے میں آج کی رات اپنی ستر بیویوں سے ہمبستر ہوں گا کہ ان سے ستر مجاہد پیدا ہوں گے۔ فرشتہ نے قلب میں القا کیا کہ انشاء اللہ کہہ لیجئے آپ کو کچھ

خیال نہ رہا۔ چنانچہ پھر ایک عورت حاملہ ہوئی اور اس سے بھی ایک ناقص الخلقت بچہ پیدا ہوا۔ جس کے ایک طرف دھڑ نہ تھا۔ اور اسی کی نسبت کہا گیا ہے کہ اُن کے تخت پر ایک (ادھورا) دھڑ لا ڈالا یعنی قابلہ نے آپ کے سامنے تخت پر لا رکھا کذا فی الروح (صہ بیان القرآن جلد ۱۰)

اور انشاء اللہ زبان سے نہ کہنا گناہ نہیں تھا۔ ایک خفیف سا غیر اولیٰ کام تھا۔ پھر بھی حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے ان کا کمال تھا۔

ان توجیہات کی تائید مستند ترین روایات سے ہوتی ہے۔ اور منصب نبوت کا احترام ملحوظ رہتا ہے۔

ان دو واقعات کو بطور مثال نقل کیا گیا ورنہ ملکہ سبا کی دربار سلیمانی میں حاضری اور قصۂ یوسف علیہ السلام و واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں بھی اسرائیلی تاریخ نویسوں نے رنگ آمیزی کی ہے۔ اور ہمارے اسلامی واقعہ نویسوں نے اضافہ معلومات کے لئے نقل کر دیا ہے۔

بیان القرآن میں ان تمام واقعات کی تفسیر میں ایسے کسی واقعہ کو نقل نہیں کیا گیا ہے۔ اور نہ کسی ایسی روایت کو تفسیر کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ جس سے اسلام کے مسلمہ عقائد پر ضرب پڑتی ہو یا حضرات انبیاء علیہم السلام کی عظمت مجروح ہوتی ہو۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ انبیاء علیہم السلام کی محبت والفت اور ان سے عشق و وابستگی رکھنے میں بہت آگے تھے۔ اور یہی شان تمام حق پرست متبع سنت بزرگوں کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی اتباع نصیب کرے۔

آمین

نفسے بیادِ تو می زنم

از حضرت مولانا نسیم احمد فریدی

بھائی جی مرحوم بھی ۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ کو دارِ آخرت کو سدھار گئے۔ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ رب غفور مغفرت فرمائے ۱۳۵۵ھ میں دارالعلوم کا طالب علم بنا تو حضرت شیخ الاسلامؒ کی مجلس میں یا مزارِ قاسمی کے احاطہ میں اس شخصیت کو آتے جاتے دیکھا۔ اسی وقت سے دل اُن سے متأثر تھا۔ مگر یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ حضرت گنگوہیؒ کے پوتے ہیں۔ بس اتنا معلوم تھا کہ یہ بھی ابتدائی کتابوں کے ایک مدرس ہیں۔ پھر دارالعلوم سے جانے کے مدتوں بعد جب یہ پتہ چلا کہ یہ تو حضرت گنگوہیؒ سے نسبت رکھنے والے بزرگ ہیں۔ تو ان کی خدمت میں حاضری دینے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا۔ چنانچہ اس کے بعد جب کبھی دیوبند گیا، ان کی خدمت میں پہونچنے کی کوشش کی۔ بڑی محبت فرماتے تھے۔ اور اپنی دعاؤں سے نوازتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت گنگوہیؒ عمر کے آخری حصہ میں جب عید یا بقر عید کی نماز کو عیدگاہ جاتے تھے تو بصارت نہ ہونے کی وجہ سے پالکی میں سوار ہوتے تھے۔ علماء کا ایک جم غفیر اس پالکی کے ساتھ ہوتا تھا اور علماء ہی اس پالکی کو کاندھا لگاتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس کا ذکر "آپ بیتی" میں کیا ہے اور میں نے بعض دوسرے معتبر

اشخاص سے بھی، جنھوں نے یہ منظر دیکھا ہے۔ سنا ہے۔ کیا آپ بھی اس پالکی میں ہوتے تھے؟
فرمایا۔ ہاں، میں بھی ہوتا تھا۔

میں نے مکاتیب رشیدیہ کی تلخیص الفرقان میں شائع کرائی ہے۔ ایک مکتوب گرامی میں حضرت گنگوہیؒ نے اپنے اس یتیم پوتے کا ذکر کیا ہے، اس کے فٹ نوٹ میں بھائی جی مرحوم کا مختصر تذکرہ کر دیا گیا تھا۔ مولانا نعمانی مدظلہٗ نے اس فٹ نوٹ سے ہی پہلی مرتبہ یہ جانا کہ بھائی جی حضرت گنگوہیؒ کے پوتے ہیں وہ اس سے پہلے انھیں حضرتؒ کا نواسہ سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نے بھائی جی کو دارالعلوم میں لاکر رکھا اور اس نسبت عالی کو ملحوظ رکھا جس کے وہ حامل تھے۔ ان کی ذات گرامی، درحقیقت دارالعلوم کیلئے ایک بڑا تبرک تھی۔ افسوس کہ دارالعلوم ایسی بے بہا شخصیت سے محروم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

مرحوم واقعی بے ہمہ اور باہمہ تھے۔ ان کا طریقہ مرنجاں مرنج تھا۔ انھوں نے اپنا تعارف بہت کم کرایا۔ اور وہ گوشۂ گمنامی میں رہے مگر اپنی خوش خصالی اور میانہ روی نیز ذکر الٰہی اور فکر عقبیٰ کے ذریعہ حیات جاوید حاصل کرلی۔ ع۔

"ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق"

حضرت گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک مولانا حکیم مسعود احمدؒ دوسرے حافظ محمود احمدؒ، اوّل الذکر کے دو صاحبزادے ہوئے۔ جن میں بڑے مولانا حکیم عبدالرشید محمود عرف حکیم ننھو میاں صاحب گنگوہی مدظلہٗ ہیں۔ اور حافظ محمود احمدؒ کے اکلوتے بیٹے مولانا سعید احمد عرف بھائی جی مرحوم تھے۔ حافظ محمود احمد مرحوم کا انتقال عالم شباب میں ہی ہو گیا، تھا۔ انھوں نے فقط ایک بچّہ یادگار چھوڑا تھا، جس کا نام سعید احمد تھا۔ جو بڑے ہو کر بھائی جی کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ "تذکرۃ الرشید" حصہ دوم ص ۱۴۴ پر

حافظ محمود احمد مرحوم کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

" ایک موقع پر حضرت امام ربانی (حضرت گنگوہی قدس سرہ کی زبان سے یہ الفاظ بھی صادر ہوئے کہ "محمود احمد" نے میری کمر توڑ دی "۔

مولانا میرٹھیؒ نے ایک اور جگہ بھی تذکرۃ الرشید جلد دوم ہی میں صفحہ ۵۱-۵۲ پر حضرت گنگوہیؒ کے تأثرات مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کئے ہیں۔

" ایک مرتبہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے کہ آج کہتا ہوں بارہ ۱۲ برس ہو گئے جب سے محمود مرا ہے مجھے ہنسی نہیں آئی اور ایک خط میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۶ ر جمادی الاول کو میرے فرزند حافظ محمود احمد کا اسہال دموی میں انتقال ہوگیا۔ یہ صدمہ اس قدر جانکاہ ہوا کہ کیا کہوں؟ حق تعالیٰ اس کو بخشے۔ ایک فرزند دو ماہ کا اس نے چھوڑا، حق تعالیٰ اس کی عمر کرے کہ اس سے ہی دل بہلاؤں "۔

حضرت گنگوہیؒ اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں یوں اظہار غم فرماتے ہیں۔

" ... بندہ (کو) سال گذشتہ میں صدمہ فوت ہونے حافظ محمد اسحاق نواسئہ کلاں کا ہنوز فراموش نہ ہوا تھا کہ اب دوسرا صدمہ تقدیر سے پہونچا مگر بجز رضا کیا ہو سکتا ہے؟ حق تعالیٰ صبر عطا فرما دے، وہ صدمہ یہ ہے کہ ۱۶ ر جمادی الاول کو میرے فرزند خورد حافظ محمود احمد کا اسہال دموی میں انتقال ہوگیا۔ یہ اس قدر سانحہ جانکاہ ہوا کہ کیا کہوں؟ حق تعالیٰ اس کو بخشے ایک فرزند دو ۲ ماہ کا چھوڑا۔ حق تعالیٰ اس کی عمر کرے کہ اس سے ہی دل بہلاؤں "۔

(مکاتیب رشیدیہ مکتوب نمبر ۸ ص ۶۲-۶۳)

ایک دوسرے مکتوب میں بڑے پُر درد انداز میں منشی فتح محمد صاحب کو تحریر فرماتے ہیں۔

" آپ خط میں حافظ مسعود احمد کو سلام لکھا کریں۔ حافظ محمود احمد مرحوم دو سال ہوئے کہ اس عالم سے رحلت فرما کر مجھ ناکارہ کو پریشان و حیران کر گئے ہیں۔ جب تم ان کو سلام لکھتے ہو، مجھ کو بے قراری ہو جاتی ہے "۔ (مکاتیب رشیدیہ مکتوب نمبر ۱۲۰ ص ۷۹)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھائی کی وفات پر فرمایا ؎

فلیت المنایا کن خلفن عاصما فعشنا جمیعاً او ذھبن بنا معاً

تکلیف ہجر و مہجوری کی ہے نہ موت کی۔ وہ بھی عارضی یہ بھی عارضی۔ خاتمہ بخیر ہوجائے تو سب وہاں مجتمع اِلّا قیلاً سلاماً سلاماً کی اصوات، نغمہائے سحاب اندر سحاب اخیر میں وہ بالکل ہی مشغول رہنے لگے تھے۔ فاجعل الٰہی خیر عمری آخرہٗ۔

بس دعائے مغفرت کرجائیں۔ انّا انشاء اللہ بھم لاحقون۔ توفنا مسلماً و الحقنا بالصالحین، وما ذالک علی اللہ بعزیز،

الٰہی لستُ للفردوس اھلاً ولا اقویٰ علیٰ نارِ الجحیم
فھب لی توبۃً واغفر ذُنوبی، فانک غافر الذنبِ العظیم

والسلام

مکتوب ۲ از گنگوہ حکیم عبدالرشید محمود عفی عنہ

مکرمی مولانا زید مجدکم۔ سلام و تحیات۔ گرامی نامہ سے مشرف ہوا قابل حذف مضمون و عبارت کی نشاندہی بھی فرماتے تو مجھکو نفع ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آپ سے اہل علم و قلم حضرات کی اہلیت مسلم اور نا قابل انکار ہے۔ میں ہرگز محسوس نہ کرتا۔ بلکہ مشکور ہوتا۔ تشکر سے اب بھی فارغ نہیں کہ آپ اس کیلئے اہم کا لفظ استعمال فرماتے

لہ کیا اچھا ہوتا کہ موتیں کسی محافظ کو میت کا خلیفہ بنا دیتیں۔ پس ہم ایک ساتھ زندگی گذارتے یا ہم سب کی روحیں ساتھ قبض کرلیتیں ۲ہ الٰہی مری آخری عمر کو بہترین بنا دے۔ آمین

۳ہ ہم انشاء اللہ ان سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ بحالت اسلام ہمیں وفات دے۔ اور نیک لوگوں میں شامل فرما۔ یہ اللہ تعالیٰ کیلئے مشکل کام نہیں ہے۔ ۴ہ اے اللہ میں جنت الفردوس کا اہل نہیں ہوں۔ اور دوزخ کی آگ کو برداشت کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتا لہٰذا مجھے توبہ کی توفیق عطا فرما دیئے۔ اور میرے گناہوں کو بخش دیجئے کیونکہ آپ بڑے بڑے گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

ہیں جو میرے لئے آپ کی جانب سے ایک طرح کی سند ہے۔

میرا خیال اگر صحیح ہے تو شاید میری یہ عبارت لائق حذف خیال فرمائی گئی ہوگی کہ وہ کسی علمی اختصاص سے متصف تھے، نہ حرکت و فعالیّت ان کا ذوق و مزاج تھا) ایسی کھری مبنی بر حقیقت بات ان اذہان پر تو شاید بار ہو سکتی ہے جو کسی شخصی تصویر کشی میں کچھ رنگ آمیزی پسند کرتے۔ یا شاعری ان کا مذاق ہو۔ ہمارے بزرگوں میں بعض حضرات ہیں جو غلبۂ محبت میں اپنے محبوب مشائخ کیلئے بہت کچھ کہہ جاتے ہیں جس پر اغیار کو نکتہ چینی کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ مگر بات بھی مناسب و متوازن ہے کہ اطرار کی حد تک نہ پہونچیں اور منقبت خوانی کا کیف نہ آئے۔ آگے علمی اختصاص نہ ہونا تو یہ واقعہ ہے۔ عیب یا کوئی ذمیمہ ہرگز نہیں جتنی بات ہے اسی قدر بیان و اظہار ہے نقص نہ زیادت۔ پھر بھائی کی طرف سے بھائی کے بارے میں ہے۔ اس رشتۂ قریبہ کے پیش نظر نازک بھی ہے اور باریک بھی۔

علمی اختصاص پر عرض کرتا ہوں۔ امام غزالی محقق حکیم ماہر نفسیات عارف باللہ ہیں محدث اور فقیہ نہیں۔ شاہ ولی اللہ حکیم محدث مجدد ہیں مفتی نہیں، سید احمد بریلوی مجاہد مجدد ہیں، حدیث و فقہ ان کا موضوع نہیں۔ سید الطائفہ حاجی امداد اللہ عارف علماء گر تھے عالم نہ تھے اور پر چلئے۔ یہ سابقون الاولون، طائران حول العرش ہیں۔ ابن مسعود فقیہ محدث اقرب و اشبہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دلاً ہدیاً سمتاً ہیں قائد جیش نہیں۔ معاذ ابن جبل اور ابیّ ابن کعب امام العلماء اور اقرأ القوم ہیں۔ خالد سیف من سیوف اللہ طلحہ اور زبیر اصحاب تدبر و سیاست۔ عمرو ابن العاص، سعد ابن ابی وقاص قیادت جیوش کی صلاحیت سے مزین۔ کوئی امین ہذہ الامۃ، کوئی مؤید بروح القدس۔ البتہ خلفاء راشدین المہدیین رضی اللہ عنہم سب منتظر الأمارۃ جمعیت جامعیت اجتماعیت میں مکمل۔

لَیْسَ عَلَی اللہِ بِمُسْتَنْکَرٍ ❊ اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ[1]

---

[1] اللہ تعالیٰ کیلئے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ شخص واحد میں ایک عالم کو جمع فرمادے۔

کے مصداق اکثر کسی وصف کا انکار نہیں ہوتا۔ اوصاف غالبہ و صفات واضحہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام میں بھی غلبہ کے اعتبار سے آدم کا خلق، شیث کی معرفت، نوح کی شجاعت ابراہیم کی خلت وغیرہ شیونِ مختلفہ ہیں۔ حضرت صدیق رض کا وصف صدیقیت، ابوعبیدہ کا وصفِ امانت، عمار کا ملئی عمار ایماناً الی مشاشہ[۱] انہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ سب صحابہ درجہ بدرجہ صدق و امانت و ایمان سے مزین اور معمور تھے۔ فرق صرف غلبہ کا تھا۔ بڑی کرامت و جلالت جو تمامی مکارم محاسن اور محامد کا راس المقام ہے وہ ولکنہ شیئی وقر فی قلوبھم[۲] اُن سب کا اختصاص ہے یہ صحابہ رض کا وہ نصیب ہے جو اُن کے بعد کسی کو میسر نہ تھا۔ الآیہ۔ تبعیت۔ یہی ایک برقی ہر ایک میں کوندرہی تھی یہی کرنٹ سب میں مشترک آرہا تھا رضی اللہ عنہم۔

اخیر میں عرض ہے کہ یہ سب اس لئے زبانِ قلم پر آیا کہ دو چار صفحات لکھنے کا قصد تحریر فرمایا۔ ان صفحات میں اس نسبت کے اعتبار سے جو ان کو ایک امامِ زمانہ حبر من الاحبار کان عالماً رفیعاً ثقۃً حجۃً[۳] کان عابداً ناسکاً کثیر العلم[۴]۔ علامۃ من بحور العلم فقیہ النفس کبیر الشان، رأس فی انواع الخیر سے تھی آپ کیا لکھیں گے بے اصل لکھ نہیں سکتے۔ صحیح اور اصل کے حال و سیرت میں اجمال ہے۔ نمائش نہیں اور جو نمایاں ہے اس میں عوام کیلئے کشش نہیں۔ پھر خواص کو بھی التفات کم۔ بہرحال لکھنا دہی چاہیے۔ جو مبنی بر حقیقت ہو اور وہ دہی بظاہر ہوسکتا ہے جو میں نے عرض کیا۔ یکسوئی عزلت وخلوت بے ضرر ہونا، جدال وخصام سے احتراز و اجتناب باہمہ اور بے ہمہ ہونا۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کُن وسطاً وامش جانباً کا جزو جزم یہ اُن کی سیرت کی صحیح ترجمانی ہی نہیں خود بڑی وزنی چیز اور کبریتِ احمر ہے۔ دوسرا جزو، حرکت وفعالیت مزاج ہونا بظاہر کوتاہی ہے مگر عواقب احوال ونتائج مساعی کے پیش نظر جس کا مشاہدہ آج عام ہے یہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ اُن کا ہر قسم کے تحزب سے فارغ اور ایک وضع سلیم پر مستقیم رہنا۔ نہ کوئی ادعا نہ علو فی الارض وفساد نہ جذبہ وارانہ غلو جس کا مشاہدہ آج ہم دوائرِ علمیہ دینیہ میں رات دن کر رہے ہیں جس میں اس عصر کے دینی اجتماع کیسے ملوث ہیں اور پھر دارالعلوم جیسی مرکزی بین الاقوامی جگہ میں، صحافت وخطابت، خلوت وجلوت سب غیر متوازن۔ وہ ان سب سے دامن بچائے ہوئے نکل گئے۔ جوارِ رحمت میں پیوست ہوگئے۔ اس ارشادِ نبوی پر چلکر کہ

---

[۱] عمار رضی اللہ عنہ سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں۔ [۲] لیکن وہ ایسی چیز ہے جو اُنکے قلوب میں جاگزیں ہے [۳] ایک محقق عالم، رفیع المرتبت، [۴] وہ عبادت گذار، کثیر العلم تھے۔

اذارأیتَ الناس قد مرجت عھودھم وخفّت اماناتھم وکانوا ھکذا فعلیك بامر نفسك خاصةً دع عنك امر العامه، الزموا اجواف بیوتکم اور کونوا احلاس بیوتکم[1]
ہمارا دین اقویا اور ضعفاء دونوں کیلئے ہے۔ عَینٌ بکتْ من خشیة الله وعینٌ[2] باتت تحرس فی سبیل الله۔ اوّل ضعفاء کیلئے ثانی اقویا کیلئے۔ روح احسان ہر ایک میں ساری، اخلاص ہر ایک میں پنہاں۔

شاید یہی مضمون لائق حذف خیال فرمایا ہو اور اسی عبارت میں کوئی نکرہ محسوس ہوئی ہو۔ جو میری فہم سقیم میں نہ آسکی۔ نقطۂ نظر کا اختلاف بھی ممکن ہے اور بصیرت وادراک کا ضعف وقوت بھی سبب بن سکتا ہے ــــ

دوسرا جزو حرکت وفعالیت نہ ہونا، صحیح ترجمانی ہی نہیں خود جیسا کہ عرض کیا۔ بڑی گرانقدر وزنی چیز ہے۔ عصری احوال، وقتی تقاضے، کبھی طبعی نزاکت، بعض جگہ طبعی ذکاوت، بلکہ بعض دفعہ طبعی نقاہت۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے خود منصب قضا قبول نہیں فرمایا۔ اپنے تلمیذ امام ابو یوسف رح کو قبول کرنے کی وصیت فرمائی۔ واقعۂ حرہ میں بعض اصحاب سامنے آئے۔ بعض روپوش ہو گئے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ بعض احوال ایسے ہوں گے کہ لیٹا ہوا بہتر ہوگا بیٹھے ہوئے سے۔ اور بیٹھا ہوا بہتر ہوگا کھڑے ہوئے سے اور کھڑا ہوا چلتے ہوئے سے۔

فضول لایعنی، طویل تحریر پر معذرت خواہ ہوں، اور متشکر بھی کہ اس حیلہ سے صحبتے با اولیاء علما میسر ہوئی۔ مطابق اس شعر کے کہ ؎

نہ بہ نقش بستہ مشوشم ※ نہ بحرف ساختہ سرخوشم
نفسے "بیادِ تو" می زنم ؛ ؛ ؛ چہ عبارت وچہ معانیم،

"بیادِ تو" کے بجائے "بخطابِ تو" سمجھ لیجئے۔
عریضہ کی رسید سے مطلع فرمائیں تو اطمینان ہوگا۔

---

[1] جب تم لوگوں کو دیکھو کہ باہم معاہدوں کا لحاظ نہیں کرتے اور امانتوں کا خیال نہیں رکھتے۔ اور ایسے ہو جائیں تو تم اپنی فکر کرو، عوام کی فکر مت کرو۔ اپنے گھروں کے اندر رہو۔ اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جاؤ۔ [2] ایک آنکھ وہ جو اللہ کے خوف کی وجہ سے روئی اور ایک آنکھ وہ جو اللہ کے راستہ میں چوکیداری کرتے ہوئے جاگی۔

اب میں بھائی جی مرحوم سے متعلق تذکرۃ الرشید اور مکاتیب رشیدیہ کی ہی چند عبارات اور مندرجات پیش کرتا ہوں، جن سے اُن کی سوانح پر کچھ روشنی پڑے گی

مولانا عاشق الٰہی تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۳۳۸ پر رقم طراز ہیں۔

"صاحبزادہ محمود احمد مرحوم کی یادگار ایک صاحبزادہ یعنی حضرت قدس سرہ کے پوتے سعید احمد اطال اللہ عمرہ ہیں۔ جن کی ولادت ۲۶ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو ہوئی۔ باپ کا جس دن انتقال ہوا، ان کی عمر ایک ماہ بائیس یوم کی تھی۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو ان کے ساتھ خاص الفت اس وجہ سے بھی تھی کہ وہ مرحوم کی نشانی تھے اور تیئیس ۲۳ سالہ جوان بیٹے کے بدلے پوتے کی دو ماہ کی جان حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔ ۱۵ ربیع الاوّل ۱۳۱۲ھ کو جب کہ سعید احمد دس دن کم دو برس کے تھے، ان کی والدہ نے بھی رحلت فرمائی۔ حق تعالیٰ عمر و علم میں برکت دے۔ اس وقت سولہ برس کی عمر ہے۔ اور دیوبند میں عربی پڑھتے ہیں۔

نیز تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۱۰ پر ہے۔

"صغیر السن بچوں کے ساتھ آپ (حضرت گنگوہیؒ) بہت محبت فرماتے تھے کہ ایک دن مولوی محمود احمد مرحوم کی یادگار سعید احمد سلمہٗ جن کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی، آپ کے پاس آئے اور گلے میں باہیں ڈال کر کوئی چیز اصرار کے ساتھ مانگنے لگے۔ اتفاق سے صاحبزادۂ گرامی قدر حکیم صاحب مدظلہٗ تشریف لے آئے اور میاں سعید کو تیز نظر کے ساتھ دیکھ کر کہا کہ "حضرت یہ تو بہت گستاخ ہوتا جارہا ہے۔ حضرت امام ربانی مسکرائے اور یہ مصرعہ پڑھا۔

ع "برگ گل را شاخ گل برفرقِ خود جا می دہد"۔

میں نے مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی زید مجدہم کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ جی چاہتا ہے میں بھائی جی مرحوم کی یاد میں دو چار صفحات لکھوں اور دارالعلوم میں شائع کرادوں۔ اس کے جواب میں حکیم صاحب نے اپنے انداز میں ایک

مکتوب گرامی روانہ کیا جو اپنے دامن میں بیش بہا موتی رکھتا ہے، میں نے مناسب سمجھا کہ اس مکتوب گرامی کو اپنے تاثرات کے بعد ناظرین کے سامنے پیش کر دوں۔ اس مکتوب گرامی کے بعد ایک دوسرا مکتوب گرامی بھی صادر ہوا، جو میرے ایک استفسار کے جواب میں تھا، یہ بھی ایک صاحب طرز ادیب کے افکار و خیالات کا بہترین مرقع ہے۔ اس کو بھی شائع کرنا ضروری سمجھا۔

مکتوب نمبر۱ ، از حکیم عبدالرشید محمود عفی عنہ۔ گنگوہ

مکرمی مولانا سلام و تحیات ، والا نامہ ملا ، جی ہاں۔ بھائی مولوی سعید احمد صاحب بھی رحلت فرما گئے ؎ نَزَلْنَا سَاعَةً ثُمَّ ارْتَحَلْنَا ﴿ كَذَا الدُّنْيَا رِحَالٌ فَارْتَحَلْنَا[1] — آپ نے لکھا کہ وہ چار صفحات لکھکر رسالہ دارالعلوم میں بھیج دوں، مگر آپ تو نہ اُن سے قریب تھے نہ وہ ایسے نمایاں کہ ان کے متعلق دو چار صفحات آپ لکھ سکیں۔ دو چار سطور البتہ —— انھوں نے پون صدی شعور کے ساتھ دیوبند جیسی مرکزی جگہ اور ایک عظیم ادارہ میں گذاری۔ جہاں ہر قسم کی حرکت گرمی، ورد وفغاں قیل و قال، بحث و جدال، نزاع و مرار، شر اور شوریدگی، آہ و واہ ضروری اور مسلسل تھا مگر وہ کسی تحزّب سے نہ کبھی آشنا ہوئے۔ نہ گروہی، جماعتی جدال و مرار سے۔ تعلقات کی وسعت اور بسط و روابط انھیں پسند تھا۔ نہ وہ کسی اختصاص کے کبھی مدعی ہوئے۔ حرکت و فعالیت ان کا مزاج تھا۔ نہ خود بینی و خود نمائی، ایک سو کم آمیز مگر متبسم با اخلاق۔ شائد کسی کو ان سے کبھی کسی شکایت کا موقع نہ ملا ہو۔ وہ با ہمہ کم سے کمتر، اور بے ہمہ سب سے زیادہ تھے، اُن کا ذوق تھا۔ ؎ جزىٰ الله عنّا الخيرَ من يّعيش بَيْنَنَا۔ وَلَا بَيْنَهٗ وُدٌّ وَلَا مُتَعارفٌ

---

[1] کچھ دیر کیلئے ہم نے پڑاؤ کیا پھر چل پڑے، ایسے ہی پوری دُنیا پڑاؤ ہے۔ لہذا ہم بھی کوچ کر گئے۔ [2] اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے اس شخص کو جزائے خیر عطا فرمائے جس کے اور ہمارے درمیان کوئی تعلق اور شناسائی نہیں ہے۔

کسی کو جانیں، نہ کوئی ان کو پہچانے۔ میل ملاقات اور رسم وارتباط کے سلسلہ میں گویا دوسروں کی اس قدر رعایت کہ [۱] اُقِــلُّ سلامی حیث ماخفّ عنکم ٭ واسکت کیما لایکون جوابُ [۱] سلام سے بھی گریز کہ ناحق جواب کی زحمت سے کوئی دوچار ہو، بعض نے تو اس قدر اختصار سے کام لیا کہ۔ ؎

لقاءُ الناسِ لَیس یُفید شیئًا ٭ سوی الھذیان من قیلٍ وقالٍ
فَاقلِل من لِقاءِ الناس اِلّا ٭ لِاَخذِ العِلم او اصلاحِ حال

کسی کو اگر اس اختصار سے اختلاف ہو تو وہ بھی ماذون ہے کہ اخذِ علم اور اصلاح حال کے علاوہ معاشرہ میں تطییب خاطر مسلمین بھی اصلاحِ حال ہی کا ایک شعبہ ہے۔ پہلی چیز حال ہے۔ دوسری اعتدال ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل۔ وسیع معنیٰ میں فرمایا۔ کُنْ وَسَطًا وَامْشِ جَانِبًا۔ اس کا ترجمہ اور تعبیر با ہمہ اور بے ہمہ ہی کر لیجئے وہ حضرت گنگوہیؒ کے چھوٹے بیٹے مولوی محمود صاحب کی پہلی اور آخری اولاد تھے۔ وہ پیدا ہوئے۔ باپ عازم آخرت ہوئے۔ مرنے والوں کا مرثیہ لکھنا ان کے حالات وسوانح پر روشنی ڈالنا سلف سے چلا آرہا ہے۔ لکھنے والے آج بھی لکھتے ہیں۔ میں نے بھی حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا طیب کے متعلق لکھا جو الفرقان میں طبع ہوا۔ مقصد ہوتا ہے اعزہ کی تسکین۔ صبر کی تلقین موتیٰ کے محاسن کا اعتراف دعاء مغفرت ونجات، پسماندگان کے غم میں شرکت، معلوم ہو کہ دوسرے بھی ان کے اس المیہ میں شریک ہیں۔ تعزیت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس دور میں تو اکثر عَظَّمَ اللّٰہُ اَجْرَكَ فی فلان مجمل اور عام طریقہ تھا۔ پھر خواص کیلئے اس دور صحافت وخطابت میں جرائد کے

---

[۱] بس سلام کم کرتا ہوں تاکہ تمہارے لئے معاملہ ہلکا پھلکا رہے اور خاموش رہتا ہوں تاکہ زحمتِ جواب اٹھانی نہ پڑے
[۲] لوگوں کی ملاقات سے سوائے فضول گوئی اور قیل وقال کے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا لوگوں سے ملاقات کم کیا کرو الا تحصیل علم یا اصلاح کیلئے ملنے میں کوئی مضائقہ نہیں [۳] میانہ رو رہو اور یکسو ہو کر چلو۔
[۴] فلاں کے فراق کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین،

خصوصی نمبر، تعزیتی اجتماع، یادگاری اکاڈمیمیں۔ ایک بزرگ نے اسی پر اکتفا کیا ؎

انا نعزیك لا انا علی ثقۃ ٭ من البقاء ولکن سنۃ الدین

فلا المعزی بباقٍ بعد میتہ ٭ ولا المعزی وان عاش الی حین[1]

ایک اعرابی نے حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کہا ؎

خیر من العباس اجرك بعدہٗ ٭ واللہ خیرٌ منك للعباس[2]

فلتصبر والتحسب۔ دونوں کو جمع کر دیا۔

کسی نے کہا تھا۔ ؎

ہے موت میں ضرور کوئی راز دلنشیں ٭ سب کچھ کے بعد کچھ بھی نہیں یہ کچھ تو نہیں،

جلوہ گر نورِ بقا میں صورتِ سیماب ہے ٭ اے تماشا گاہِ عالم بس تجھے آداب ہے

دنیوی حیات کی بے ثباتی مستعار زندگی کی حقیقت۔ حسین توضیح و تعبیر۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے غم و فراقِ بتول میں خوب کہا ؎

اریٰ علل الدنیا علی کثرۃ ٭ وصاحبہا حتی الممات علیل

انّ افتقادی فاطمہ بعد احمد ٭ دلیلٌ علی اَن لا یدوم خلیل[3]

بقیع سے گذرتے ہوئے فرمایا ؎

مالی مررتُ عَلَی القبورِ مُسلّماً ٭ قبرالحبیب فَلَم یردجوابی

یا قبر مالك لا تجیب مُنادیًا ٭ امللتِ بعدی خُلّۃَ الاحباب[4]

---

[1] میں تسلی دیتا ہوں اس وجہ سے نہیں کہ مجھے ہمیشہ رہنے کا یقین ہے بلکہ دین کے حکم کی وجہ سے، چنانچہ متوفی کے گذر جانے کے بعد نہ وہ شخص باقی رہے گا جس کو تسلی دی جا رہی ہے۔ اور نہ تسلی دینے والا باقی رہے گا۔ اگرچہ کچھ دن دنیا میں اور گذار لے [2] حضرت عباسؓ کے بعد آپ کا اجر و ثواب حضرت عباسؓ سے کہیں بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت عباسؓ کیلئے آپ سے بہتر ہے لہذا صبر کرو اور ثواب کی نیت کرو [3] میں اپنے اوپر دنیا کی بے شمار بیماریاں پاتا ہوں، ان بیماریوں میں مبتلا شخص مرتے وقت تک بیمار ہے احمد مجتبیٰ کے بعد فاطمہ زہرا کی جدائی اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی خلیل ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔
[4] مجھے کیا ہوا کہ میں قبروں پر سے گذرا اپنے حبیب کی قبر پر سلام کرتے ہوئے پس اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، اے قبر تجھے کیا ہو گیا تو کسی پکارنے والے کی پکار کا جواب نہیں دیتی۔ کیا تو احباب کی محبت سے دل برداشتہ ہو گئی ہے۔

Regd. No. SHN-L-13-NP-21-86
DARUL-ULOOM MONTHLY
DEOBAND (U.P.)

Dr. Zakir Husain Library

تاریخ .... نمبر ....

محترم ومکرم ! زید مجدکم

سلام مسنون ! "دارالعلوم دیوبند" ہماری حیاتِ ملّی کا علمبردار، نقیب اور محافظ ہے اور ماہنامہ دارالعلوم اس کا ترجمان ہے، بالفاظ دیگر وہ ہمارا اپنا ترجمان ہے اسکی ترویج واشاعت اور ترقی خود ہمارے ارتقار کی ضامن ہے، اس لئے آنجناب سے خصوصی درخواست ہے کہ رسالہ دارالعلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیں، خود بھی خریدار بنیں اور اپنے حلقۂ اثر میں زیادہ سے زیادہ خریدار بنانے کی کوشش فرمائیں۔

رسالہ دارالعلوم میں

- اسلامی تعلیمات کو سہل اور دل نشیں پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے،
- اسلام کے قدیم وجدید مخالفین کی بطریق احسن مدافعت کی جاتی ہے،
- دقیق علمی مسائل میں علماء دیوبند کے محققانہ مقالات شائع ہوتے ہیں
- دارالعلوم کے احوال وکوائف سے معاونین کرام کو مطلع کیا جاتا ہے،
- تاریخ اسلام کے رجال فکر ودعوت کی زندگی پر پُراثر مقالے پیش کئے جاتے ہیں

امید کہ آنجناب رسالہ دارالعلوم کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر [illegible] کو مضبوط اور اپنے ترجمان کو طاقتور بنائیں گے۔ والسلام

دارالعلوم پرنٹنگ پریس دیوبند

مدیر

حبیب الرحمن قاسمی

محرم الحرام ۱۴۰۷ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۶ء

شمارہ نمبر ۶ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۸۶ء مطابق محرم الحرام ۱۴۰۷ھ | جلد نمبر ۷۰

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مدیر

فی پرچہ 3/- | مولانا حبیب الرحمن قاسمی | سالانہ 30/-

سالانہ بدل اشتراک بیرونی ممالک سے { سعودی عرب، کویت، ابوظبی، جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ 160/-
امریکہ، کناڈا وغیرہ بھی بذریعہ ایرمیل — 160/-
پاکستان -/60 Rs ہندوستانی - اور بنگلہ دیش -/40 Rs ہندوستانی

محبوب پریس دیوبند { سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو گیا

فہرست مضامین

ھندوستانی و پاکستانی خریداروں سے ضروری گذارش

۱۔ ہندوستانی خریداروں سے ضروری گذارش یہ ہے کہ ختم خریداری کی اطلاع پاکر اول فرصت میں اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ منی آرڈر روانہ کردیں۔

۲۔ پاکستانی خریدار اپنا چندہ مبلغ -/۶۰ روپے ہندوستانی مولانا عبدالستار صاحب مقام کرم علی والہ تحصیل شجاع آباد، ملتان، پاکستان کو بھیج دیں اور انھیں لکھیں کہ وہ اس چندہ کو رسالہ دارالعلوم کے حساب میں جمع کرلیں

۳۔ خریدار حضرات پتہ پر درج شدہ نمبر محفوظ فرمالیں۔ خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں

والسلام
منیجر رسالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

حبیب الرحمٰن قاسمی

ہمارے ملک ہندوستان نے آزادی کے انتالیس سال پورے کرلئے ہیں۔ قوموں اور ملکوں کے عروج وزوال اور ارتقاء وانحطاط میں یہ مدت اگرچہ کوئی فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتی، پھر بھی یہ ایک ایسا وقفہ ہے جس میں بچے جوان اور جوان بوڑھے ہوجاتے ہیں۔ اس لئے ملک کی تعمیر و ترقی اور پستی وگراوٹ کا جائزہ لیتے وقت اسے یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

آزادی کے اس انتالیس سالہ عہد میں باستثناء ڈیڑھ دو سال کے ملک کی زمام اقتدار "کانگریس" ہی کے دست تصرف میں رہی ہے۔ اور آج بھی بلاشرکت غیرے وہی اس پر قابض ومتصرف ہے۔ بلاشبہ اس مدت میں ہندوستان نے علم وسائنس صنعت وحرفت، تجارت وزراعت وغیرہ میں قابل ذکر پیش رفت کی ہے۔ اور ان میدانوں میں آج اُسے اپنے پڑوسی ملکوں پر واضح برتری اور نمایاں فوقیت حاصل ہے۔ اپنی اس کامیابی پر کانگریسی حکومت بجا طور پر فخر کرسکتی ہے۔

لیکن علمی، صنعتی اور زراعتی میدانوں میں اس خوش آئند پیش قدمی پر اظہار مسرت کے ساتھ حکمراں طبقہ کو اس تلخ حقیقت کا بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ انتالیس سال کے اس عرصہ میں ہمارا ملک اخلاقی اعتبار سے پستی اور گراوٹ کی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ انارکی، لاقانونیت، جھوٹ، فریب، لوٹ، گھسوٹ، تعصب، منافرت، جھگڑا، فساد،

اور قتل و غارت گری ملک کے معاشرے کا لازمی جزو بن چکے ہیں۔ دفتر کے معمولی چپراسیوں سے لیکر عزت مآب وزرا تک قانون اور اخلاق سے بالاتر ہوکر زر اندازی میں لگے ہوئے ہیں۔ سرکاری عدالتوں میں دن دھاڑے عدل وانصاف نیلام ہوتا ہے۔ اور وہ ملک جو امن وآشتی کا گہوارہ اور محبت واخوت کا سدا بہار چمنستان تھا۔ جس کی رواداری وصلح جوئی پورے عالم میں مشہور تھی۔ آج منافرت وتعصب کی آماجگاہ اور ظلم وتشدد کی رزمگاہ بنا ہوا ہے۔ سال کا کوئی مہینہ اور مہینہ کا کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا جس میں مذہب یا ذات برادری کے نام پر فساد، غارت گری اور خونریزی کا بازار گرم نہ ہوتا ہو جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ملک کی اقلیتیں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگی ہیں۔ اور ان کے اندر اپنی مدافعت کے لئے ہتھیار سنبھال کر میدان میں نکل آنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔

اگر ملک کے یہی لیل ونہار رہے اور جبر وتشدد کے اس سیل رواں کے آگے بند لگانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ تو اس کی سرکش موجیں نہ صرف صنعتی ومعاشی ترقیات کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائیں گی ملک کی سالمیت اور استحکام کی بنیادوں کو بھی اکھاڑ پھینکیں گی۔ اور اس تباہی وبربادی، انتشار واختلال کی تمام تر ذمہ داری تنہا کانگریس پارٹی اور اس کی حکومت کے سر آئے گی۔ اس لئے حکومتِ وقت کو اگر ملک کا استحکام، اس کی سالمیت اور اپنی نیک نامی نہیں بلکہ اپنا وجود وبقاء عزیز ہے تو اُسے پہلی فرصت میں دہشت گردی اور تشدد پسندی کے رُجحان کو جس طرح بھی ممکن ہو ختم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کوئی بھی حکومت چاہے وہ اقتصادی ومعاشی اعتبار سے کتنی ہی مستحکم ومضبوط کیوں نہ ہو، ظلم وجور کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی،

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

ہٹلر اور مسولینی کی قوت اور شوکت اور رعب و دبدبہ سے کون واقف نہیں ہے لیکن ظلم و تشدد نے انھیں ذلت و نکبت کے ایسے گڑھے میں پہنچا دیا ہے کہ آج عزت کے ساتھ ان کا نام لینے کا بھی کوئی روادار نہیں ہے۔ برطانوی سامراج کی سبق آموز اور عبرت خیز داستان نگاہوں کے سامنے ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ اس کی حدود سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ مگر مکر و فریب اور ظلم و ستم کی خوئے بد نے انھیں آج ایک محدود خطے میں محصور ہو جانے پر مجبور کر دیا ہے۔

ارباب اقتدار کو ان واقعات سے سبق لینا چاہئے۔ اور اس غلط فہمی میں ہرگز رہنا نہیں چاہیئے کہ فسطائی اور دہشت پسند طاقتوں کا رُخ ہمارے بجائے اقلیتوں کے ایک خاص طبقہ کی جانب ہے، اور ان کے ہاتھوں جان و مال کا جو زیاں ہو رہا ہے۔ اس سے ملک یا ہماری حکومت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا ہے۔ نہیں نہیں مظلوموں کا خون ایک نہ ایک دن ضرور رنگ لائے گا۔ اور اُن کے جھلستے ہوئے جسموں کا دھواں برق سوزاں بنکر تمہارے خرمنِ اقتدار کو خاکستر کر دے گا۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو،
تمہارا تذکرہ تک بھی نہ ہوگا داستانوں میں؛

ظلم ظالم کا بھر شکل نہیں ھوتا دراز
مورچہ کھا گیا دو روز میں تلواروں کو،

مسلمانوں کی تنگ نظری کے افسانے کی حقیقت

از: مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

مذہب کے متعلق اسلام کا تصور یہ ہے کہ اس کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک اسلامی برادری میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک اسلام کے لئے اس کے سینہ میں گنجائش پیدا نہ ہو جائے۔ اور اس کا دل متاع دین کا امین نہ بن جائے۔

آغاز دعوت اسلام میں تو مسلمانوں کے ہاتھ میں تلوار تھی ہی نہیں، تلواریں تو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں میں تھیں اور ان کے ہاتھوں میں ان کے سر تھے۔ جنھیں یہ اسلام کے راستہ میں قربان کر رہے تھے۔

بے شک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی اور وہ تلوار تھی خلق محمدی کی جس کی کاٹ سے، عمر بن خطاب، عمرو بن عاص، خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان جیسے بہادران قریش بھی اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔

پہلی صدی ہجری کے نصف اوّل میں جب خلافت اسلامیہ کی فارس اور روم کی شہنشاہیتوں سے ٹکر ہوئی تو لشکر اسلام کا ان ملکوں کے ان عوام نے استقبال کیا جو اپنے ظالم حکمرانوں کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے۔ نہ ان کو مذہبی آزادی حاصل تھی، نہ ان کی عزت و آبرو محفوظ تھی اور نہ ان کا جان و مال۔

شہنشاہ ایران ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگا چلا جا رہا تھا۔ مگر آسمان کے سایہ میں اُسے کہیں

پناہ نہ ملتی تھی، یہاں تک کہ دریائے مرغاب میں غرق ہو کر اس نے جان دیدی قیصر روم شام کی پہاڑیوں سے اس سرسبز، شاداب ملک پر حسرت بھری نگاہ ڈال کر کہہ رہا تھا۔

"اے شام! یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد ملاقات کی کوئی امید نہیں"

مگر دونوں سلطنتوں کے عوام شاداں و فرحاں تھے کہ اب ان کو ایک ایسے نظام حکومت کے تحت زندگی بسر کرنے کا موقعہ مل گیا ہے جس کی بنیاد مساوات، عدل اور مذہبی آزادی پر قائم ہے۔ جہاں عمر فاروقؓ جیسے عظیم القدر خلیفہ سے ایک معمولی مسلمان مجمع عام میں پوچھ سکتا ہے کہ تمہارے بدن پر جو دو چادریں ہیں یہ کہاں سے آئیں؟ اور خالد بن ولیدؓ جیسے سالار اعظم کے گلے میں عمامہ کا پھندا ڈال کر پوچھا جا سکتا ہے۔ کہ تم نے ایک شاعر کو بیت المال میں سے انعام دیکر پبلک کا روپیہ بیجا کیوں صرف کیا۔ اور جہاں خلیفۃ المسلمین عمر فاروقؓ پادریوں کی خواہش کے باوجود یروشلم کے مقدس گرجا میں اس لئے نماز ادا کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کہ کہیں بعد کے آنے والے مسلمان اس کو مستقل طور پر مسجد نہ بنالیں بے شک ان ملکوں میں تیزی کے ساتھ اسلام پھیلا۔ یہاں تک کہ یہاں کے باشندوں کی اکثریت مسلمان ہوگئی مگر یہ نتیجہ تھا مسلمانوں سے مل جل کر زندگی بسر کرنے اور اسلامی تعلیمات سے واقف ہونے کا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں نومسلموں کی کثرت کی وجہ سے جب جزیہ کی آمدنی کم ہونے لگی تو والی مصر نے نومسلموں پر بھی جزیہ لگانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے یہ فرمان بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے ٹیکس وصول کرنے والے بنا کر نہیں۔

(تاریخ الاسلام السیاسی جزء اول ص۲۵۰)

افسوس ہے کہ پہلی صدی کے ختم ہوتے ہوتے مسلمان حکمراں بہت سی اسلامی خصوصیات کھو بیٹھے تھے، تاہم انھوں نے غیر مسلم مفتوحین کے ساتھ، دنیا کے ہر حصہ میں فراخدلی وسیع النظری اور رواداری کا برتاؤ کیا۔ انھوں نے مذہب و نسل کے امتیاز کے بغیر اپنی تمام رعایا کو ...... اپنی اولاد کی طرح سمجھا اور سب کے ساتھ انصاف و معدلت اور محبت و شفقت کا برتاؤ کیا،

تاریخ ہند بھی ایسی شاندار تابناک روایات سے بھری پڑی ہوئی ہے۔ جس کا تذکرہ غیر متعصب ہندو اور انگریز مؤرخین نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ افسوس ہے کہ انگریزی دور حکومت میں تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی کے تحت ہندوستان میں اسلامی عہد کے واقعات کو ایک خاص انداز میں مرتب کیا گیا۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر مسلم فاتحین کی بُت شکنی کا تذکرہ بڑے طمطراق کے ساتھ کیا گیا تاکہ مذہبی جذبات کو ابھار کر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت وعداوت کی خلیج پیدا کردی جائے اور اس کے حصار میں انگریزی حکومت اطمینان کے ساتھ ان پر حکومت کرتی رہے آزادئ ہند کے بعد بھی فرقہ پرست جماعتیں اور افراد اپنے مخصوص عزائم کے تحت انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ مگر پھر بھی وسیع النظر انصاف پسند غیر مسلم مؤرخین حقیقت کی نقاب کشائی کر ہی دیتے ہیں۔ سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد اپنی کتاب انڈیا ڈیوائڈیڈ میں لکھتے ہیں۔

"ہندوستان کے مسلمان فرماں رواؤں نے اپنی بے تعصبی اور رواداری کے جو مظاہرے کئے وہ فلسفہ اور مذہب ہی تک محدود نہ تھے، بلکہ عملی طور پر اس قسم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکمراں مندروں اور مٹھوں کے نام پر بڑی بڑی جائیدادیں وقف کیا کرتے تھے۔ نیز ان قابلِ احترام ہندوؤں اور پنڈتوں کو جو ہندو عقائد اور علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے بڑی بڑی جاگیریں دیا کرتے تھے۔

جس طرح ان مندروں اور عبادت گاہوں کی فہرست بنائی گئی ہے۔ جن کی مسلمانوں نے بے حرمتی کی تھی یا جنھیں برباد کیا تھا، اسی طرح اگر کوئی صاحب علم ان اوقاف ووظائف کی فہرست بھی تیار کردے جو مسلمان بادشاہوں کی طرف سے ہندوؤں کے مندروں اور ان کی عبادت گاہوں کو دیدیے گئے تھے تو یہ ایک مفید خدمت ہوگی۔"

اسلامی قانون

اسلامی قانون کی واضح دفعہ یہ ہے کہ "غیر مسلم معتوحین کی عبادت گاہوں کو محفوظ وبرقرار رکھا جائے۔ ان کو

ان کو اپنی مذہبی تقریبات ادا کرنے کی کھلی آزادی حاصل ہوگی"۔ اسلام کے خلیفۂ اوّل کے دور خلافت میں جب حیرہ فتح ہوا تو یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لا یهدم لهم بیعة ولا کنیسة ولا یمنعون من ضرب النواقیس ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدهم

ان کی خانقاہیں اور گرجے توڑے نہ جائیں گے ان کو تہواروں کے موقع پر ناقوس بجانے اور صلیبوں کے جلوس نکالنے سے رُوکا نہ جائے گا۔

(کتاب الخراج امام ابی یوسف ص۱۴۴)

فارس، شام اور فلسطین اور مصر وغیرہ میں دوسرے خلفائے راشدین کے زمانہ میں اسی اصول پر عمل رہا۔ بعد کے زمانہ کے سلاطین و امراء نے بھی اسی طرز عمل کی پیروی کی۔

علی بن حامد نے تاریخ سندھ میں لکھا ہے کہ جب محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو

اکابر و مقدمان و براہمہ را فرمود کہ معبود خود را عبادت کنند و فقرائے براہمہ را باحسان و تعہد تیمار دارند و اعیاد و مراسیم خود بشرائط آباء و اجداد قیام نمایند

سرداروں چودھریوں اور برہمنوں کو حکم دیا کہ اپنے معبود کی عبادت کریں۔ اور فقیر مذہبی پیشواؤں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئیں اور اپنے تہوار اور تقریبات اپنے بزرگوں کے طریقہ پر عمل میں لائیں۔

ٹ ٹ ٹ ٹ ٹ ٹ ٹ

دوسرے سلاطینِ ہند نے بھی اس روش کو جاری رکھا۔ زیادہ تفصیل کا موقعہ اس مختصر مضمون میں نہیں۔ ہندوستان کے پہلے مغل بادشاہ بابر کے وصیت نامہ کے چند فقرے جو اس نے اپنے ولی عہد شہزادہ نصیرالدین ہمایوں کے نام لکھا، اور کتب خانہ سرکاری بھوپال میں محفوظ ہے ملاحظہ ہوں۔

اے فرزند ہندوستان کی سلطنت میں مختلف مذہبوں کے لوگ بستے ہیں شکر ہے

خداوند کریم کا کہ اس نے اس ملک کی بادشاہت تیرے حوالہ کی پس مناسب ہے کہ مذہبی تعصب سے اپنے دل کو صاف کرو۔ اور ہر فرقہ کے مذہبی خیالات کے مطابق انصاف کرو، خاص کر گائے کی قربانی سے پرہیز کرو، کیونکہ اہل ہند کے دلوں کو قابو میں لانے کا یہی ایک نسخہ ہے۔ اس ملک کے لوگ مہربانی کرنے سے بادشاہ کی وفاداری کا دم بھرنے لگتے ہیں، علاوہ ازیں جن مذاہب کے معابد و منادر تمہاری سلطنت میں ہیں۔ ان میں سے کسی کو برباد مت کرو، بلکہ عدل والصاف کے ساتھ حکومت کرو۔ تاکہ بادشاہ رعیت سے اور رعیت بادشاہ سے آرام پائے اسلام کی ترقی ظلم کی تلوار سے نہیں بلکہ احسان کی تلوار سے ہونی چاہئے۔

یکم جمادی الاول ۹۳۵ھ

ایک تضاد اور اس کی حقیقت

ایک بات بظاہر عجیب معلوم ہوتی ہے۔ جن مسلم فاتحین کو سب سے زیادہ متعصب ہندوکش اور مندر شکن قرار دیا گیا ہے۔ انہی کی فوجوں میں ہندو افسران کی حمایت میں جان کی بازی لگاتے نظر آتے ہیں۔ اور ان کے ابر کرم سے "کفر" کی کھیتیاں سیراب ہوتی رہتی ہیں۔

مثلاً ہندوستان کی سرزمین پر سب سے پہلے قدم رکھنے والا فاتح محمد بن قاسم ثقفی تھا جس نے پہلی صدی ہجری کے آواخر میں سندھ پر باضابطہ حملہ کیا اور کہا جاتا ہے کہ دیبل اور ملتان کے مندروں کو توڑا۔ مگر یہی محمد بن قاسم جب نئے خلیفہ کا معتوب ہوا اور اندرونی اختلافات کے نتیجہ میں قتل کر دیا گیا تو اس کا ماتم بھی سب سے زیادہ سندھ ہی میں ہوا۔ بلکہ حسب تصریح۔ البلاذری وہاں کے مندروں میں اس کے بھی بت بنا کر رکھ دیئے گئے اور ان کی بھی پوجا ہوئی۔

اسی طرح محمود غزنوی ہندوستان پر اپنے سترہ حملوں اور سومناتھ کی غارتگری کے سلسلہ میں سب سے زیادہ بدنام ہے۔ مگر اسی محمود کی فوج INFLENCE OF ISLAM میں ہزاروں ہندو سپاہی ہی نہیں بلکہ سوبندرائے تلک اور ناتھ جیسے جنرل بھی شامل تھے جو دارالسلطنت

غزنی میں آزادی کے ساتھ مندروں میں بتوں کی پوجا کرتے اور سنکھ بجاتے تھے۔ ڈاکٹر تارا چند اپنی کتاب "انفلوئنس آف اسلام" میں لکھتے ہیں:۔

محمود غزنوی کی فوج میں بکثرت ہندو سپاہی تھے جو اس کی حمایت میں وسط ایشیا میں جاکر لڑے اور اس کے ہندو کمانڈر تلک نے اس کے ایک مسلمان فوجی افسر نیالتگین کی بغاوت کو فرو کیا۔ پھر وہ اورنگ زیب عالمگیر ہے۔ جس کی ہندو کشی، ظلم اور ستم گری آج زبان زد ہے۔ مگر آج اس کے رقعات ہی کا مطالعہ کیا جائے تو راؤ کرن، نرسنگھ داس مہیش داس، راٹھور، راجہ سارنگدھ، حیات سنگھ متعدد راجے اور سردار اس کی نوازشوں اور سفارشوں سے متمتع ہوتے نظر آتے ہیں۔ حسب تصریح ڈاکٹر راجندر پرشاد الہ آباد میں وہ فرمان موجود ہے جس کے ذریعہ مہیشور ناتھ کے مشہور مندر کے پجاری کو اورنگ زیب نے جاگیر عطا کی تھی۔ اسی طرح اس نے موضع لسئی ضلع بنارس کے پجاریوں اور ملتان میں تلائی کے مندر کے پجاریوں کو جاگیریں اور معافیاں عطا کی ہیں۔ ان کے ریکارڈ بھی موجود ہیں۔

واقعات کے اس تضاد سے حیرانی ہوتی ہے، مگر واقعات کے پس منظر کو اگر سامنے رکھا جائے تو حقیقت کے چہرہ سے پردے چاک ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے مشہور مندر عبادت گاہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ دولت کا مرکز بھی ہوتے تھے۔ دور دراز سے آنے والے مسافر اپنے ساتھ جواہرات اور سونے چاندی کے انبار لاتے تھے اور بتوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے یہ بت خود بھی بہت بیش قیمت ہوتے تھے۔ ان کو مجوف (اندر سے خالی) بنایا جاتا تھا۔ اور پجاری ان کے پیٹ میں مندر کی دولت بھر دیتے تھے۔ اس جگہ سے زیادہ کوئی دوسری جگہ محفوظ نہیں ہو سکتی تھی۔ ہر وقت پجاریوں کے ہجوم نیز ان کے تقدس کی وجہ سے کوئی ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔

یاقوت معجم البلدان میں "مولتان" کے تحت لکھتا ہے،

"مولتان میں ایک بت ہے جس کی اہل ہند تعظیم کرتے ہیں اور سالانہ اس کی زیارت

کرنے کیلئے اطراف ملک سے جمع ہوتے ہیں۔ یہ آنے والے اپنے ساتھ مال عظیم لاتے ہیں جو مندر اور اس کے پجاریوں پر صرف کیا جاتا ہے " مولتان " اصل میں بُت کا نام ہے اسی کی وجہ سے شہر کا نام مشہور ہوگیا۔ یہ بُت منڈھا ہوا ہے۔ صرف اس کی دو آنکھیں چمکتی نظر آتی ہیں جو دو قیمتی ہیروں کی بنی ہوئی ہیں۔ اس کے سر پر سونے کا ایک تاج ہے

الغرض بعض فاتحین نے ان بتوں کو اسی لئے توڑا تاکہ وہ اس بے اندازہ دولت کو حاصل کر سکیں۔ چنانچہ "یاقوت" ہی نے لکھا ہے کہ عرب ملتان کو سونے کے گھر کا روزن (فرج بیت الذھب) کہتے ہیں۔ کیونکہ شروع شروع میں جب مسلمان ہندوستان میں داخل ہوئے۔ تو اسلامی فوج تنگ حال تھی۔ فتح ملتان سے ان کو فراغت نصیب ہوئی۔

محمود غزنوی کا سومناتھ پر حملہ اسی دولت کے حصول کے لئے تھا۔ سومناتھ کے پیٹ میں سے جواہرات کا بکھیر پڑنا محمود کی کرامت نہ تھی۔ بلکہ اس کو مندروں کا یہ راز معلوم تھا۔

اس کے علاوہ مندروں کے انہدام میں دوسری سیاسی وجوہات کو بھی دخل تھا۔ ہندوستان میں ہر راجہ کے محل میں مندر بھی ہوتا تھا۔ خود راج محل "سکریٹریٹ" کی حیثیت رکھتا تھا۔ حملہ آور کیلئے راج محل کو فتح کرنا ضروری ہوتا تھا۔ مزاحمت کی صورت میں اس پر سنگباری بھی کرنی پڑتی تھی۔ ایسی صورت میں شاہی مندر کا زد میں آنا لازمی ہوتا تھا۔ محمود غزنوی اور بعض دوسرے مسلمان حملہ آوروں نے بعض شہروں میں جب راجاؤں کے قلعوں پر قبضہ کیا اور وہاں مسلمان فوجیوں کو بسایا تو مندروں کے بجائے مسجدیں تعمیر کرلیں۔ بعض مندر اس لئے بھی توڑے گئے کہ باغی سرداروں نے ان کو سازشوں کا مرکز بنالیا تھا۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں کئی واقعات ایسے ہی ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی خالص سیاسی وجوہات تھیں جن کی بناپر بعض مسلم فاتحین نے زمانہ جنگ میں بعض مندروں کو نقصان پہنچایا۔ ورنہ عام طور پر مسلم حکمرانوں نے غیر مسلم عبادت گاہوں کا احترام کیا۔ ان کے اخراجات کے لئے گراں قدر اوقاف مقرر کئے اور ان کے پجاریوں کے نام جاگیروں کے فرمان جاری کئے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر

انھوں نے بکثرت مندر بھی تعمیر کرائے۔

چند واقعات!

اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند بیانات وواقعات بطور مثال کے بیان کردیئے جائیں۔

(۱) انگریز مؤرخ ایلیٹ لکھتا ہے۔ گورنر عراق حجاج بن یوسف نے امراء عمائدین اور برہمنوں کو ہدایت کی کہ وہ مندر تعمیر کریں مسلمانوں سے راہ ورسم بڑھائیں۔ بےخوف زندگی گزاریں۔ اور اپنی حالت بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ (تاریخ ہند ایلیٹ)

(۲) مشہور کمیونسٹ لیڈر (ایم، این، اے لکھتے ہیں۔

محمد بن قاسم نے جاٹوں اور مظلوم کسانوں کی امداد سے سندھ حاصل کیا۔ لیکن اس نے عرب فاتحین کی روادارانہ پالیسی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس نے برہمنوں کو نوکر رکھا کہ وہ رعایا کو سمجھائیں اور ان میں اعتماد پیدا کریں۔ اس نے رعایا کو اجازت دی کہ وہ اپنے مندروں کا تحفظ کریں۔ ان کی دیکھ بھال کریں۔ اور پہلے کی طرح اپنی مذہبی رسوم ادا کریں۔

(۳) پنڈت سندر لال جی الہ آبادی تحریر فرماتے ہیں۔

اکبر، جہاں گیر، شاہ جہاں اور ان کے بعد اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندو اور مسلم یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ دونوں مذاہب کی مساویانہ توقیر کی جاتی تھی۔ ہر بادشاہ کی طرف سے بےشمار مندروں کو جاگیریں اور معافیاں دی گئیں۔ آج تک ہند میں متعدد ہندو مندروں کے پجاریوں کے پاس اورنگ زیب کے دستخطی فرمان موجود ہیں۔ اس قسم کے فرمان اب تک الہ آباد میں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک سومیشور ناتھ کے مشہور مندر کے پجاریوں کے پاس ہے۔ (بحوالہ مسلمانوں کا مستقبل)

(۴) رائے بہادر لالہ بیج ناتھ لکھتے ہیں۔

مسلمان فرمانرواؤں کی نسبت اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کے عہد میں مندر بنانے کی

اجازت نہ تھی۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ دہلی۔ آگرہ، متھرا وغیرہ میں جو اسلامی قوت و سطوت کے خاص مرکز تھے۔ بہت سے مندر شاہانِ اسلام کے عہد کے تعمیر شدہ اس وقت تک موجود ہیں چنانچہ بندرابن کے مشہور مندر گوبند جی، گوپی ناتھ، مدن موہن جی، مہا بیر بھوجتن جی کے چیلے رُوپ سناتن گوسائیں نے مسلمانوں ہی کے عہد میں بنوائے۔

(۵) ڈاکٹر ایشوری پرشاد تحریر فرماتے ہیں۔

اس قسم کی دو مثالیں صوبہ بہار کی مجھے معلوم ہیں۔ گیا میں بدھ مہنت کی وہ بڑی زمینداری جس کی آمدنی سالانہ کئی لاکھ تک۔۔۔ پہنچتی ہے اس کا مرکزی حصہ بادشاہ دہلی محمد شاہ نے وقف کیا تھا اور ایک فرمان کے ذریعہ مستی پور تارادیہ نامی گاؤں مہنت لال گیر کو بخشا تھا، جو کہ باعتبار جانشینی بدھ مذہب کا پیشوا تھا۔ اسی طرح دربھنگہ کی وہ عظیم الشان زمینداری جو کہ شاید ہندوستان میں سب سے بڑی زمینداری ہے۔ دراصل مغل شہنشاہ اکبر نے موجودہ برہمن مہاراج ادھیراج کے بزرگوں کو ان کے علم اور پرہیزگاری کے اعتراف میں عطا کی تھیں۔

(بحوالہ ہسٹری آف مسلم رُول آف انڈیا)

(۶) ۱۱۶۷ھ میں احمد شاہ بادشاہ دہلی نے قصبہ اچھیبر ضلع الہ آباد میں سترہ بیگہ آراضی معافی مذہبی رسوم کی ادائیگی کیلئے ستیل داس کو شری ٹھاکر جی کے بھوگ کے لئے دی۔ اسی طرح ۱۱۵۳ھ میں سلطان مراد بخش نے مہاکالی کے مندر کے لئے ایک مستقل عطیہ جاری کیا۔

(۷) کشمیر کا حکمراں سلطان زین العابدین اکثر امرناتھ وغیرہ جایا کرتا تھا۔ اور اس نے وہاں زائرین کے آرام کے لئے مکانات تعمیر کرائے تھے۔

(۸) ۱۱۰۰ھ کے لگ بھگ ہردوار پر پٹھانوں کی حکومت تھی۔ نواب نے وہاں ہندو زائرین کے آرام کے لئے بڑے بڑے محلات تعمیر کرائے تھے۔ یہ مکانات آج بھی وہاں موجود ہیں۔

حال ہی میں، ڈاکٹر بشمبر ناتھ پانڈے گورنر اڑیسہ نے لکھنؤ کی ایک اکاڈمی میں ایک تاریخی مقالہ پڑھا ہے۔ اس میں انھوں نے اس سلسلہ میں دلچسپ انکشافات کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر تیج بہادر سپرو (الہ آباد) کی صلاح سے میں نے ہندوستان کے خاص خاص مندروں کی فہرست مہیا کی اور ان سب کے مہنتوں کے نام خط لکھا کہ اگر آپ کے مندروں کو اورنگ زیب یا مغل بادشاہوں نے کوئی جاگیر عطا فرمائی ہو تو ان کی فوٹو کاپیاں مہربانی کر کے بھیج دیجئے۔ دو تین مہینے کے انتظار کے بعد ہمیں مہاکال مندر اجین، بالاجی مندر چتر کوٹ، کاماکھیہ مندر گوہاٹی، جین مندر گرنار، دلواڑ مندر آبو، گردوارا رام رائے دہرہ دون وغیرہ سے اطلاع ملی کہ ان کو جاگیریں اورنگ زیب نے عطا کی تھیں۔

مؤرخوں کی تاریخ کے مطابق (برخلاف) ایک نیا اورنگ زیب ہماری آنکھوں کے سامنے ابھر کر آیا ہے۔ آگے پانڈے جی لکھتے ہیں۔

مجھے (ایک خط کے جواب میں) اطلاع دی گئی کہ ٹیپو سلطان کا سپہ سالار کرشنا راؤ برہمن تھا۔ پروفیسر سری کانتیہ نے ۱۵۶ مندروں کی فہرست بھیجی جنھیں ٹیپو سلطان ہر سال تحفے اور چڑھاوا بھیجا کرتا تھا۔ خود ٹیپو سلطان کے قلعے کے بھیتر سری رنگناتھ کا مندر تھا۔ اسی قسم کے مسلمان فرماں رواؤں کی رواداری سے متعلق واقعات سے یہ مقالہ پُر ہے۔ کاش دوسرے صاف ذہن ہندو اسکالر بھی اس طرف توجہ فرمائیں اور انگریز مؤرخوں کے پھیلائے ہوئے زہر کا تریاق مہیا کریں۔
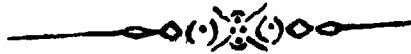
از مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

مطالعات و تعلیقات

فاتح سندھ حضرت محمد بن قاسم ثقفی

حضرت محمد بن قاسم بن محمد بن حکم بن ابو عقیل ثقفی رحمۃ اللہ علیہ مشہور اموی گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کے رشتہ میں بھائی ہوتے تھے۔ حجاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ان کو ملک "رے" بھیجا تاکہ وہاں کی مہم کو سر کریں۔ اور باغیوں کی سرکوبی کر کے امن وامان قائم کریں۔ اس وقت ان کی عمر صرف سترہ سال کی تھی، پھر ۹۳ھ میں وہیں سے سندھ کی طرف جانے کا حکم دیا تاکہ وہاں پہنچکر راجہ داہر کی بدعہدی و بدامنی کے خلاف فوجی کارروائی کریں حجاج نے اس عظیم مہم کیلئے ہر قسم کا سامان مہیا کیا، حتیٰ کہ سوئی دھاگا اور روئی کو سرکہ میں تر کر کے خشک کرایا تاکہ خشک روئی تر کر کے سرکہ استعمال کریں۔ محمد بن قاسم جمعہ کے دن ۱۰ رمضان ۹۳ھ میں سندھ کے مرکزی شہر دیبل میں پہونچے اور معرکۂ عظیم کے بعد اس کو فتح کیا، خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پورے دور میں محمد بن قاسم سندھ میں فتوحات حاصل کرتے رہے۔ جب سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو اس نے ان کی جگہ سندھ کے لئے یزید بن ابی کبشہ سکسکی کو گورنر مقرر کیا۔ اور محمد بن قاسم کو قبائلی رقابت میں گرفتار کیا۔ جس وقت ان کی گرفتاری ہوئی سندھ کے تمام باشندوں جن میں مسلم غیر مسلم سب ہی شامل تھے اس حادثہ پر غم منایا، ان کی یادگار کیلئے ان کا مجسمہ بنایا۔ ۹۶ھ میں شہر واسط کے قیدخانہ میں ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں سندھ کی فتوحات کے بیان میں اس زمانہ کے

ڈاک کے انتظام کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

وکانت کتب الحجاج ترد علی محمد وکتب محمد ترد علیہ بصفۃ ماقبلہ واستطلاع رائہ فیما یعمل بہ فی کل ثلاثۃ ایام ، (فتوح البلدان ص۴۲۴)

حجاج بن یوسف اور محمد بن قاسم کے خطوط ہر تیسرے دن آتے جاتے تھے ۔ جن میں صورت حال کا بیان اور آئندہ کے لئے مشورہ ہوا کرتا تھا ۔

مسلمانوں کو دنیا کی زمام حکومت سنبھالے ہوئے ابھی سو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے اور ڈاک خانہ کا یہ انتظام کہ ہر تیسرے دن ملک شام اور ملک سندھ کے درمیان خطوط آنے جانے لگے تھے ۔ بادبانی جہازوں کے ذریعہ ہر تیسرے دن تقریباً دو ہزار میل کی بحری ڈاک پہونچتی تھی ، دنیا حیرت میں ہے کہ عربوں نے اس قدر جلد کیسے علم و فن پر قبضہ کر لیا ، ڈریپر نے لکھا ہے " ہمیں رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ عربوں کا وحشیانہ تعصب کیونکر اس قدر جلد تحصیل علوم و فنون کی زبردست خواہش کی شکل میں بدل گیا ۔
(معرکۂ سائنس و مذہب ص۱۶۱)

بات پر بات یاد آتی ہے ، مارچ ۱۹۸۴ء میں حکومت پاکستان نے چند ہندوستانی اہل علم و تحقیق کو سندھ کے اسلامی کردار پر ایک سمینار میں دعوت دی تھی اور صدر مملکت جناب محمد ضیاء الحق صاحب نے اس وفد کے لئے سرکاری دورہ کا انتظام کرایا تھا ۔ جس میں راقم الحروف خاص طور سے مدعو تھا ۔ یہ وفد پاکستان کے تقریباً ہر بڑے شہر اور تاریخی مقامات پر گیا ، چنانچہ دیبل بھی جانا ہوا ، کراچی اور ٹھٹھہ کے درمیان شاہراہ عام سے ہٹ کر ایک ناہموار سڑک بھنبھور گئی ہے ۔ یہی دیبل شہر تھا جو سمندر کی ایک کھاڑی (خور) پر واقع ہے ، یہاں پر ہندوستان کا عظیم بت خانہ تھا ۔ اور یہ شہر دیول (دیبل) کہا جاتا تھا ۔ پورا شہر اکہم فصیل سے محفوظ تھا یہاں کے بت خانہ پر جو جھنڈا لہراتا تھا اتنا بڑا تھا کہ اس کا قطر پورا شہر تھا ، آثار قدیمہ

کی طرف سے میلوں تک کھدائی ہوئی ہے۔ جس کے نیچے قدیم آثار نکلے ہیں۔ فصیل کی دیوار موجود ہے۔ ساتھ ایک میوزیم ہے۔ جس میں یہاں کے تاریخی آثار محفوظ کئے گئے ہیں۔ وسط شہر میں ایک مسجد کے فرش کی چٹان نکلی ہے۔ جس پر محکمۂ آثار قدیمہ کی طرف سے بورڈ آویزاں ہے اس میں لکھا ہے یہ جنوبی مشرقی ایشیا کی سب سے قدیم مسجد ہے، ہم لوگ ٹھٹھ سے واپسی پر عصر اور مغرب کے درمیان وہاں پہونچے۔ راقم نے شروانی بچھا کر اس مسجد کے فرش پر دو رکعت نماز ادا کی۔ اور اپنی آنکھ سے اسلامی ہند کے اس عظیم تاریخی شہر کے کھنڈر دیکھے۔ جس کے بارے میں اپنے قلم سے بہت لکھا ہے۔ میوزیم سے بعض پتھروں کے کتبے بھی نوٹ کئے۔ اور بہت دیر تک وہاں رہ کر اپنی قدیم تاریخ کے صفحات ذہن میں الٹتے رہے۔ مغرب کی نماز پڑھکر کراچی واپس ہوئے

اسلام میں باقاعدہ تصنیف وتالیف اور ہندوستان

لکھنے پڑھنے کا رواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں شروع ہوگیا تھا۔ اور کئی صحابہ قرآن کریم کے علاوہ آپ کی احادیث بھی لکھ لیا کرتے تھے جو صحیفوں کی صورت میں ان کے پاس محفوظ تھے۔ مگر باقاعدہ تصنیف وتالیف کا رواج نہ تھا۔ دوسری صدی کے وسط میں باقاعدہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور فقہی ترتیب پر احادیث کی کتابیں مرتب ومدوّن ہوئیں۔

چنانچہ مندرجہ ذیل مقامات پر مندرجہ ذیل ائمۂ دین نے کتابیں لکھیں۔

مکہ مکرمہ میں امام ابن جریج متوفی ۱۵۰ھ

یمن میں امام معمر بن راشد متوفی ۱۵۳ھ

بصرہ میں امام سعید بن ابی عروبہ متوفی ۱۵۲ھ اور ربیع بن صبیح بصری متوفی ۱۶۰ھ

مدینہ منورہ میں اسی زمانہ میں امام موسیٰ بن عقبہ متوفی ۱۴۱ھ اور امام محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ نے سیر ومغازی پر کتابیں لکھیں۔

شام میں امام اوزاعی متوفی سنہ ١٥٧ھ
خراسان میں امام عبداللہ بن مبارک متوفی سنہ ١٦٧ھ
کوفہ میں امام سفیان ثوری متوفی سنہ ١٦١ھ
رے میں امام جریر بن عبدالحمید متوفی سنہ ١٨٨ھ
واسط میں امام ہشیم متوفی سنہ ١٨٣ھ۔

نیز تقریباً اسی زمانہ میں مدینہ منورہ میں امام مالک متوفی سنہ ١٧٩ھ نے مؤطا تصنیف کی، اور وہیں ابو معشر سندھی مدنی متوفی سنہ ١٧٠ھ کتاب المغازی لکھی
(تذکرۃ الحفاظ، مقدمہ فتح الباری وغیرہ)

ان ائمہ تصنیف وتالیف میں دو حضرات کا تعلق ہمارے ملک ہندوستان سے ہے امام ابو معشر عبدالرحمٰن بن نجیح سندھی مدنی رحمۃ اللہ علیہ، سندھ کے باشندے تھے۔ ان کا رنگ سیاہ تھا، زبان میں عجمی لکنت تھی، مدینہ منورہ میں مستقل قیام تھا، مہدی آپ کو بغداد لے گیا۔ اور وہیں آپنے انتقال فرمایا۔ دوسرے بزرگ امام ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ١٦٠ھ میں باربد ضلع بھروچ (گجرات) میں جہاد میں شرکت کی اور واپسی پر یہیں ایک مقام پر فوت ہوگئے۔ ان دونوں بزرگوں کے مستقل حالات ہماری کتاب "مآثر ومعارف" میں درج ہیں۔

هندی زبان میں قرآن کا پہلا ترجمہ

بزرگ بن شہریار ناخدا نے اپنی کتاب عجائب الہند میں لکھا ہے کہ دولت ھباریہ منصورہ (سندھ) کے حکمراں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ھباری کے پاس سنہ ٢٧٠ھ میں الور (اروڑ سندھ) کے راجہ مہروق بن رائق نے لکھا کہ وہ راجہ کو اسلامی شریعت اور احکام ہندی زبان میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کرے، عبداللہ بن عمر ھباری نے ایک عالم کو بلایا جو منصورہ میں مقیم تھا، وہ نہایت ذہین وطبّاع اور اچھا شاعر تھا،

یہاں کی مختلف زبانوں سے واقف تھا، اور اس کو راجہ کے پاس بھیجا، واپسی پر اس عالم نے بیان کیا کہ راجہ مہروق بن رائق نے مجھ سے ہندی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کی فرمائش کی۔ اور جب سورۂ یٰسین کی اس آیت پر پہنچا۔ قال من یحیی العظام وھی رمیم، قل یحییھا الذی انشأھا اوّل مرّۃ، وھو بکل خلق علیمٌ۔ تو وہ تخت سے اتر کر رخسار زمین پر رکھا۔ اور روتا رہا پھر کہا کہ یہی رب معبود اوّل وقدیم ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ مثیل، راجہ ایک مخصوص کمرہ میں نماز پڑھتا ہے۔ وہ قلب وزبان سے مسلمان ہوگیا ہے۔ مگر حالات کی نزاکت اور سلطنت کے خیال سے اسلام کا اظہار نہیں کیا ہے۔

(عجائب الہند ص ۳ طبع یورپ)

یہ تیسری صدی کے آخر کا واقعہ ہے، اس زمانہ تک کسی عجمی زبان میں قرآن کریم کے مستقل ترجمہ یا تفسیر کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ البتہ اس دور میں اور اس سے پہلے فارسی زبان میں بعض آیات کے ترجمہ وتفسیر کی پہلی نظیر سندھ میں ملتی ہے، جو مسلمانانِ ہند کے دینی وعلمی مفاخر میں سے بہت اہم چیز ہے،

ہندی علوم وفنون

قدیم زمانہ سے اہل عرب ہندوستان کو علم ودانش کا سرچشمہ سمجھتے تھے، ابتداء میں قدیم عربوں کی تجارتی آمد ورفت کے ذریعہ یہاں کے علوم وفنون کا کچھ حصہ عربوں کو ملا، اسلامی فتوحات کے بعد یہ سلسلہ عام ہوا۔ اور جانبین میں علمی وفنی تبادلہ ہوا، نجوم وحساب اور فلسفہ کی کئی کتابوں کا ترجمہ خلیفہ منصور اور ہارون رشید کے دور میں ہوا، کچھ پہلوی زبان کے واسطہ سے اور کچھ سنسکرت سے بلا واسطہ کے، ریاضی اور نجوم وفلکیات پر سدہانت کا ترجمہ خلیفہ منصور کے زمانہ میں فزاری نے ہندی اہل علم کی مدد سے عربی میں کیا۔ یہ ترجمہ ایک مدت تک عرب ماہرین فلکیات کے استعمال میں رہا، محمد بن موسیٰ

خوارزمی نے خلیفہ مامون کے حکم سے نجوم کی ایک کتاب کا ترجمہ کیا۔ اور اس پر اپنے حواشی سے قیمتی اضافہ کیا۔

ہندی زبان کی پہلی لغت

ملا کاتب چلپی نے کشف الظنون میں "آدابُ الفُضلاء فی اللغۃ" نام کی ایک کتاب کا پتہ دیا ہے۔ جس کے مصنف شیخ قاضی خاں محمود دہلوی ہیں جو شیخ قطبُ الدین مکّی کے احفاد میں سے ہیں، قاضی محمود خاں دہلوی نے ۸۲۳ھ میں انتقال کیا، چلپی نے لکھا ہے کہ آدابُ الفُضلاء فِی اللغۃ کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم میں فارسی زبان کے الفاظ کی تفسیر و توضیح پہلے عربی زبان میں کی گئی ہے۔ پھر ہندی زبان میں اسی کے معانی و مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ (کشف الظنون ج ۱ ص۷)

ہمارے علم میں ہندوستان میں ہندی اور عربی کی یہ پہلی لغت کی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ راقم کے پاس بالکل اسی کی لغت کی ایک قلمی کتاب کا ناقص نسخہ موجود ہے، غالباً گمان ہے کہ یہ "آداب الفضلاء فی اللغۃ" ہے، تحقیق و تلاش کے بعد اس کی مزید معلومات ہو سکتی ہیں۔

شیخ ابراہیم ہندی یمنیؒ

علامہ شوکانیؒ نے البدر الطالع میں لکھا ہے کہ شیخ ابراہیم بن صالح ہندی صنعانی اپنے زمانہ کے بلامقابلہ عربی زبان کے سب سے بڑے شاعر تھے۔ ان کے اشعار کا دیوان ضخیم جلد میں ہے۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اس میں اونچے، درمیانی اور ادنیٰ درجہ کے اشعار پائے اور بلند پایہ اشعار زیادہ ملے، شیخ ابراہیم مدح و حماسہ میں مشہور شاعر متنبی کے مانند ہیں۔ ان کے والد ہندوستان کی بنیا قوم کے مزدور تھے، جو یمن کے شہر صنعاء میں چلے آئے تھے، یہاں پر انھوں نے آلِ امام کے کسی فرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور دیندار مسلمان بن گئے تھے، ان کے صاحبزادے ابراہیم کا

بچپن علم وادب میں گذرا۔ اُن کے زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کا یہ حال تھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو چہرہ زرد ہو جاتا تھا۔ سلاطین آل امام کی مدح سرائی کیا کرتے تھے۔ سلطان مہدی کے دور میں دونوں میں اَن بَن ہوگئی۔ ایک مرتبہ شیخ ابراہیم اس کی مجلس میں گئے، اس نے کہا کہ کس کی سفارش لیکر آئے ہیں؟ شیخ ابراہیمؒ نے قرآن شریف نکال کر کہا کہ اسی کی سفارش لایا ہوں، یہ دیکھکر مہدی نے کہا کہ آپ کی سفارش منظور ہے۔ لیکن آج کے بعد میں آپ کو نہ دیکھوں، یہ اسلام کا فیض تھا کہ ہندوستان کا ایک بنیازادہ علم وعمل کے اس بلند مقام پر پہونچا اور شاہی دربار سے متعلق رہا اور شعر وادب میں عربی زبان کے مشہور عالمی شاعر متنبی کے ہم پایہ مانا گیا۔ اس طرح کتنے ہی ہندی اسلام کی بدولت آسمان علم وفضل پر شمس وقمر بن کر چمکے اور یہاں کے سیاہ خانوں سے نکل کر عالمی وسعتوں میں اپنا مقام پیدا کیا۔

ھندوستان کی پہلی دو مسجدیں

یوں تو مسلمانوں کا تعلق ہندوستان سے پہلی صدی کی ابتدا ہی سے شروع ہوگیا تھا، عرب کے تاجر یہاں کے ساحلی مقامات سے ہوتے ہوئے مکران، سندھ، مالابار، سرندیپ، اور چین تک نکل جاتے تھے۔ اسی طرح یہاں کے تاجر عرب کے دور دراز بازاروں میں پہونچ جاتے تھے، پہلی صدی گذرتے گذرتے یہاں مسلمانوں کی آمد ورفت بہت زیادہ ہوگئی۔ اور سرندیپ (سری لنکا) میں تو بہت پہلے سے مسلمان تاجر آباد ہوکر قبائلی زندگی بسر کر رہے تھے، یہاں سب سے پہلی مسجد ۹۲ھ کے بعد تعمیر ہوئی، جب کہ حضرت محمد بن قاسم ثقفیؒ نے سندھ کے شہر دیبل کو فتح کیا اور یہاں پہلی مسجد بنائی مشہور مؤرخ ابوالحسن بلاذریؒ نے لکھا ہے۔

واختط محمد للمسلمین بہا، وبنیٰ مسجداً، وانزلہا اربعۃ آلاف
فتوح البلدان ص۴۲۵

محمد بن قاسم نے دیبل میں مسلمانوں کیلئے ایک علاقہ تجویز کیا اور مسجد بنائی اور وہاں پر چار ہزار مسلمانوں کو آباد کیا۔

اسی کے بعد محمد بن قاسم نے سندھ کے شہر الور (اَرُوڑ) کو فتح کیا جو ایک پہاڑی ٹیلہ پر تھا۔ اور یہاں بھی مسجد تعمیر کی، بلاذری نے اس کو یوں بیان کیا ہے۔

ووضع الخراج بالرور، وبنیٰ مسجداً (ایضاً ص۴۲۷) — اور الرور فتح کرکے مقامی باشندوں پر خراج لگایا اور ایک مسجد تعمیر کی۔

دیبل اور الرور کی یہ دونوں مسجدیں اس سرزمین پر اسلام کی پہلی مسجد ہیں۔ مارچ ۱۹۸۴ء میں راقم حکومت پاکستان کی دعوت پر وہاں کے تاریخی مقامات اور اسلامی آثار کی زیارت سے مشرف ہوا تھا، اسی سلسلہ میں ان دونوں مقامات کی .... ان مسجدوں کی زیارت کی تھی، دیبل کراچی اور ٹھٹھہ کے درمیان میں شاہراہ سے مشرقی جانب واقع ہے، وہاں پہونچکر دو رکعت نماز ادا کی جیسا کہ پہلے معلوم ہوا۔ اسی سفر میں جمعہ کے دن اڑوڑ حاضری ہوئی۔ سکھر شہر کے جنوب مشرق میں دریائے سندھ کے پار ایک ٹیلہ پر قدیم مسجد کے نشان ہیں، مسجد کی نوعیت ظاہر ہے، ایک بڑے مجمع کے ساتھ حاضری ہوئی، مسجد کے ٹوٹے پھوٹے حصہ میں ترپال بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی اور حاضرین کے سامنے اس مقام و مسجد کی اسلامی تاریخ پر مختصر سی تقریر کی، اسی وقت حکومت پاکستان کی طرف سے اعلان ہوا کہ حکومت چھ لاکھ روپیہ کی امداد اس مسجد کو پیش کر رہی ہے۔ جس سے اس کی جدید تعمیر ہوگی والحمدللہ،

تجھ پہ کیا اعتبار اے ہستی!
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

لا اور اِلاَّ

جناب محمد بدیع الزماں۔ ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرک مجسٹریٹ
ہارون نگر کالونی۔ فرسٹ سیکٹر۔ پھلواری شریف۔ پٹنہ۔

اگر ایمان کو زنجیر تصور کیا جائے تو اس زنجیر کی پہلی اور آخری دو کڑیاں علی الترتیب اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان ہیں۔ کسی بھی زنجیر کی مضبوطی صرف انہی دو کڑیوں پر منحصر ہے۔ ان دونوں میں پہلی کڑی کی مضبوطی سب سے اہم ہے کیونکہ زنجیر جب ٹوٹتی ہے تو پہلی کڑی کی کمزوری کی وجہ سے البتہ دونوں کڑیاں زنجیر کو استوار رکھتی ہیں۔ ان دو کڑیوں کے اہم ہونے کے متعلق خدا خود فرماتا ہے :۔

"یہ باتیں ہیں جن کی نصیحت کی جاتی ہے، ہر اُس شخص کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو" (سورۃ الطلاق ۶۵۔ رکوع ۱)

جو لوگ اِن دونوں پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے متعلق ارشاد ہے :۔

"جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ اور وہی بُری طرح بھکے ہوتے ہیں۔ کیا انھوں نے کبھی اُس آسمان و زمین کو نہیں دیکھا جو انھیں آگے اور پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے؟ ہم چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دیں، یا آسمان کے ٹکڑے اُن پر گرا دیں۔ درحقیقت اس میں ایک نشانی ہے ہر اس بندے کیلئے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہو" — (سورۃ سبا ۳۴۔ رکوع ۱)

یہ تھیں ایمان کی پہلی اور آخری کڑیاں۔ ان دونوں کے درمیان باقی کڑیاں کس طرح خود بخود ایک دوسرے سے پروجاتی ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے:

الٓمٓ۔ یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے اُن پرہیزگاروں کیلئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم (نبیؐ) پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں اُن سب پر ایمان لاتے ہیں، اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں۔ اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔
(سورۃ البقرہ ۲۔ رکوع ۱)

اس مضمون کا موضوع اِس زنجیر کی پہلی کڑی ہے جس پر اقبالؔ کی، صرف دو ہی اشعار پر مشتمل "ضرب کلیم" کی مختصر سی نظم "لا و اِلّا" بہتر طور پر نفس موضوع کی ترجمانی کرتی ہے جو درج ذیل ہے۔

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و بر پیدا
سفر خاکی شبستاں سے نہ کر سکتا اگر دانہ،
نہادِ زندگی میں ابتدا لاؔ و انتہا اِلّا،
پیامِ موت ہے جب لاؔ ہوا اِلّا سے بیگانہ

اس نظم میں اقبالؔ نے کلمہ طیبہ کو تشبیہ و استعارے کی مدد سے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ خدائے واحد پر ایمان نہ رکھنے والوں کی مثال انھوں نے اس دانہ سے دی ہے۔ جو زیرِ زمیں اندھیرے میں پڑا ہے۔ اور ایمان رکھنے والوں کی مثال اسی دانہ کے "فضائے نور" یعنی روشنی میں آجانے سے۔ جب یہی دانہ روشنی میں آجاتا ہے تو اس میں شاخ و برگ و بر پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اقبالؔ نے اختصار کے طور پر لَآ اِلٰہَ کو "لا" سے اور اِلَّا اللہ کو "اِلّا" سے تعبیر کیا ہے۔

ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ معبودِ حقیقی پر ایمان نہ لانا وہ تاریکی ہے جہاں انسان کو نہ منزل کا پتہ ملتا ہے اور نہ اُسے راستہ ہی سجھائی دیتا ہے۔ اس کے برعکس اُس پر ایمان رکھنے والوں کو صرف منزلِ مقصود ہی کا پتہ نہیں ملتا بلکہ اس منزل تک پہنچنے کیلئے خدا خود اُس کے لئے راہیں ہموار کرتا رہتا ہے۔

پہلے شعر میں دانہ کا اندھیرے سے روشنی میں آکر شاخ و برگ و بر پیدا کرنے کی باتیں درج ذیل آیات کی تلمیح ہیں۔

"کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لئے دیتا ہے کہ لوگ اِن سے سبق لیں۔ اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایک بد ذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اُکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ اس کے لئے کوئی استحکام نہیں ہے۔ ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کی بنیاد پر دُنیا اور آخرت دونوں پر ثبات عطا کرتا ہے۔ اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔"

(سورۃ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۴)

اسی نکتہ کو کہ فطرت کا یہ تقاضہ ہے کہ دانہ اندھیرے سے اجالے میں آئے اقبال نے اس طرح بھی ذہن نشین کرایا ہے۔

ہر شاخ سے یہ نکتۂ پیچیدہ ہے پیدا — پودوں کو بھی احساس ہے پہنائے فضا کا
ظلمت کدۂ خاک پہ شاکر نہیں رہتا — ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشوونما کا

(ضربِ کلیم۔ تسلیم و رضا)

"خاکی شبستان" یعنی تاریکی اور "فضائے نور" یعنی روشنی کی قرآن میں بہت جگہ صراحت کی گئی ہے چند آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"ان (منکرین) سے پوچھو، آسمان و زمین کا رب کون ہے ؟ — کہو، اللہ۔ پھر ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو کیا تم نے اُسے چھوڑ کر ایسے معبودوں کو اپنا کارساز ٹھہرالیا ہے جو خود اپنے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے ؟ کہو، کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوا کرتا ہے ؟ کیا روشنی اور تاریکیاں یکساں ہوتی ہیں ؟ اور اگر ایسا نہیں تو کیا اُن کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے اُن پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ؟ کہو، ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے۔ اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب ہے۔"
(سورۃ الرعد ۱۳ - رکوع ۲)

"(اے نبیؐ) تم صرف اُنہی لوگوں کو متنبہ کر سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ...... اور لوٹنا سب کو اللہ ہی کی طرف ہے۔ اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ نہ تاریکی اور روشنی یکساں ہیں، نہ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش ایک جیسی ہے اور نہ زندہ اور مُردے مساوی ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سنواتا ہے۔ مگر (اے نبیؐ) تم ان لوگوں کو نہیں سُنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں" — (سورۃ فاطر ۳۵ - رکوع ۳)

ان ہی باتوں کو دوسرے انداز میں اس طرح بھی فرمایا گیا ہے :-

"اُسی کو پکارنا برحق ہے۔ رہی وہ دوسری ہستیاں جنہیں اس کو (اللہ کو) چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ ان کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اُس سے درخواست کرے کہ تو میرے مُنہ تک پہنچ جا۔ حالانکہ پانی اُس تک پہنچنے والا نہیں۔ بس اس طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں۔ مگر ایک تیر بے ہدف، وہ تو اللہ ہی ہے جس کو زمین و آسمان کی ہر چیز طوعاً و کرہاً سجدہ کر رہی ہے۔ اور سب چیزوں کے سائے صبح و شام اس کے آگے جھکتے ہیں۔" (سورۃ الرعد ۱۳ - رکوع ۲)

یہی ہے "پیام موت" جیسے اس نظم کے دوسرے شعر میں استعارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جس سے مراد گمراہی اور اس کے نتیجہ میں بُرا انجام ہے۔

"جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا...... ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے جس سے خلاصی کی کوئی صورت یہ نہ پائیں گے"
(سورۃ النساء ۴، رکوع ۱۸)

"دیکھو، کیسی باتیں ہیں جو یہ لوگ (مشرکین) تم (نبیؐ) پر چھانٹتے ہیں، یہ بھٹک گئے ہیں، انھیں راستہ نہیں ملتا" — (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷، رکوع ۵)

"ان (مُشرکین) سے کہو" زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے آنکھیں کھول کر دیکھو جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے اُن کے لئے نشانیاں اور تنبیہیں آخر کیا مفید ہو سکتی ہیں؟ اب یہ لوگ اِس کے سوا اور کس چیز کے منتظر ہیں کہ وہی بُرے دن دیکھیں جو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ دیکھ چکے ہیں"
(سورۃ یونس ۱۰، رکوع ۱۰)

"اور دیکھ! اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا بیٹھ ورنہ تو جہنم میں ڈالدیا جائے گا، ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم ہو کر" (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷، رکوع ۴)

"جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنالئے ہیں اُن کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہوتا ہے"
(سورۃ العنکبوت ۲۹، رکوع ۴)

"زمین اور آسمان میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔ ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ کیا یہ مطمئن ہیں کہ خدا کے عذاب کی کوئی بلا انھیں دبوچ نہ لے گی یا بےخبری میں قیامت کی گھڑی اچانک ان پر نہ آجائے گی؟" — (سورۃ یوسف ۱۲، رکوع ۱۲)

(جاری)

حدیث عہد رسولؐ میں

اخذ حدیث میں صحابہ کرام کی تحقیق و جستجو

از۔ مولانا محمد حنیف ملیؒ

صحابہ اور تابعین نے جس طرح حدیث نقل کرنے میں غیر معمولی احتیاط سے کام لیا ہے
ساطرح حدیث حاصل کرنے میں بھی کافی تحقیق کی ہے جسے ہم آئندہ سطروں میں تفصیل سے
کررہے ہیں۔

خذ حدیث اور صدیق اکبر کی تحقیق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حفاظت
یث میں تمام مسلمانوں کیلئے بہترین نمونہ ہیں۔ ان کا حد سے زیادہ احتیاط برتنا خط
غلطی سے بچنے کیلئے تھا جیساکہ آئندہ کے بعض واقعات سے صحابہ کے طریقۂ کار کی وضاحت
ہے حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق مسلمانوں میں سب سے پہلے فرد ہیں جن
قیق صحابہ میں سب سے زیادہ زبردست ہے۔ علامہ ابن شہاب زہری حضرت قبیصہ بن
یب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک جدّہ (دادی) حضرت ابوبکر کے پاس میراث
ب کرنے آئی حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ بڑی بی، مجھے تو قرآن کریم میں آپ کے لئے کسی حصّہ کا
ذ نہیں ملتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا ہے پھر
رت ابوبکر نے لوگوں سے دریافت کیا حضرت مغیرہؓ نے فرمایا۔ امیر المومنین میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنا ہے آپ دادی کو چھٹا حصہ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مغیرہ آپ کے پاس کوئی گواہ بھی ہے۔ اسی وقت حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور گواہی دی تو فوراً حضرت ابوبکر نے اس حکم کو نافذ کیا۔ اور دادی کو چھٹا حصہ عطا فرمایا۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی ایک شخص نے اُسے تفصیل سے سمجھنا چاہا حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا میں نے جیسے بیان کیا ہے بس وہی اصل ہے اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک میں اپنی طرف سے کچھ کہوں تو پھر مجھے زمین میں کہاں پناہ ملے گی۔ صحیح واقعات میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں وعظ کیا اور فرمایا "ایاکم والکذب فان الکذب یھدی الی الفجور والفجور یھدی الی النار" لوگو کذب سے باز آؤ اس لئے کہ کذب آدمی کو فجور تک اور فجور جہنم تک پہنچا دیتی ہے۔ اس خطبہ میں حضرت ابوبکر بتا رہے ہیں کہ وہ بغیر تحقیق اور اعتماد کے کوئی حدیث نہیں بیان کرتے پھر انھوں نے اس احتیاط کو اپنی ذات تک نہیں رکھا بلکہ صحابہ کرام کو بھی اسی کا حکم دیا۔ وہ اکثر حدیث قبول کرنے اور نقل کرنے اور نقل کرنے میں احتیاط اور تحقیق کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ مثلاً امام ذہبی ابن ابی ملیکہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا لوگو! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہو اور اور نقلِ روایت میں اختلاف بھی کرتے ہو۔ دیکھو لوگ اختلافِ روایت کی وجہ سے تم سے زیادہ اختلاف میں پڑ جائیں گے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث مت بیان کرو۔ اور تم سے اگر کوئی حدیث دریافت بھی کرے تو کہہ دو ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو، اس وعظ کو نقل کرکے امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کی منشا حدیث کا دروازہ بند کرنا نہیں ہے بلکہ حدیث کے باب میں خوض وخوض اور احتیاط کی ترغیب دینا ہے۔ جیسا کہ جدہ کے واقعے سے اندازہ بھی ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے بیان پر حکم فوراً نافذ فرمایا۔ خوارج کی طرح

حسبنا کتاب اللہ" نہیں فرمایا۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا۔

حضرت عمرؓ کی احتیاط اخذ حدیث میں

(۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں انصار کی مجلس میں موجود تھا۔ اتنے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ انتہائی خوف وہراس کی حالت میں آئے۔ اور عرض کیا حضرت عمرؓ سے ملاقات کے لئے میں نے تین مرتبہ اجازت چاہی لیکن مجھے اجازت نہیں ملی۔ تو میں واپس آگیا۔[ع] اس لئے کہ یہی آپؐ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی کسی سے ملنے جائے اور تین بار اجازت طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا آئے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ بخدا تم کو اپنے اس دعویٰ کی دلیل پیش کرنی ہوگی۔ پھر ساتھیوں سے کہا بتاؤ آپ حضرات میں بھی کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے مجلس میں حضرت اُبی ابن کعب نے کہا ابوموسیٰ! بخدا آج آپ کا ساتھ تو ایک کم سن دے گا، اُبی بن کعب رضؓ کہتے ہیں کہ میں اس وقت بہت کم عمر تھا۔ میں نے امیر المؤمنین سے عرض کیا یہ ارشاد " اذا استاذن احدکم ثلثا فلم یوذن لہ فلیرجع " نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ابوموسیٰ! یاد رکھو میں نے تم کو ملزم سمجھ کر نہیں پوچھا ہے نہ تم کو تہمت دیتا ہوں بلکہ میں نے یہ تحقیق اس لئے کی تاکہ لوگ آئندہ بھی کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب نہ کریں۔

۲ صحیح مسلم میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کے جنین کے سلسلہ میں صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عرض کیا کہ۔ امیر المؤمنین اس واقعہ کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے اس حادثہ میں ایک غرہ (غلام) واجب الادا قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہ سے گواہ طلب کیا اسی وقت حضرت محمد بن مسلمہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین میں گواہ ہوں کہ مغیرہ بجا اور سچ کہہ رہے ہیں۔

ع حضرت عمرؓ نے فرمایا ابوموسیٰ آخر آپ کے لئے رکاوٹ کیا تھی۔ میں نے کہا تین مرتبہ اجازت طلب کی جب اجازت نہیں ملی تو میں واپس ہوگیا۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے کہ قبلہ مسجد کے رُخ پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک مکان تھا۔ لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے مسجد تنگ ہونے لگی تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباس سے فروخت کردینے کے لئے فرمایا انھوں نے بیچنے سے انکار کردیا۔ (روایت مختصر ہے) اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ عباس! ہم تم پر الزام یا تہمت نہیں لگا رہے ہیں۔ یہ تحقیق ہم نے اس لئے کی ہے تاکہ نقلِ روایت کے باب میں لوگ حد سے زیادہ احتیاط سے کام لیں۔

۴۔ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے یہ فرماتے سُنا ہے کہ میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "انا لا نورث ما ترکناہ صدقۃ" کو جانتے ہو۔ صحابہ نے فرمایا۔ ہاں ہم نے سُنا ہے!

حضرت عثمان غنی کی احتیاط اور حدیث

حضرت بسر بن سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مقاعد پر آئے، پانی طلب فرمایا کلی کی، ناک صاف کیا، پھر تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا۔ اور دونوں ہاتھ تین تین مرتبہ دھویا، پھر سر کا مسح کیا اور دونوں پیر تین تین مرتبہ دھوئے پھر فرمایا: میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وضو کرتے دیکھا ہے پھر لوگوں سے دریافت کیا بتاؤ یہ صحیح ہے جو صحابہ موجود تھے انھوں نے کہا ہاں ہم نے بھی دیکھا ہے۔

حضرت علی اور احتیاط حدیث:۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ حدیث سنتا تو خدا کی مشیت کے مطابق جتنا فائدہ پہنچنا ہوتا پہنچتا اور جب آپ کے علاوہ کسی اور سے حدیث سنتا .... تو میں تصدیق کیلئے اس سے قسم لیتا۔ جب وہ حلفیہ بیان کرتا تو اس کی تصدیق کرلیتا

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی اُسے میں نے فوراً قبول کرلیا۔ اس لئے کہ وہ اپنے قول میں سچے ہیں وہ حدیث یہ ہے "مامن رجل یذنب ذنبًا فیتوضأ فیحسن الوضوء ویصلی رکعتین فیستغفر اللہ عزّ وجلّ الا غفرلہٗ" یہ چند واقعات اور نقوش ہیں جن سے صحابہ کے احتیاط، غور وخوض اور تحقیق وجستجو کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ نے قبولیتِ حدیث کے لئے دو یا دو سے زیادہ راویوں کی شرط یا شہادت اور قسم کی قید لگادی ہو اور شرط نہ پوری ہونے پر حدیث کو رد فرمادیا ہو بلکہ صحابہ حدیث لینے میں محض تحقیق فرماتے تاکہ ان کا دل مطمئن ہوجائے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی راوی کے علاوہ کسی اور سے بھی حدیث سننے کا مطالبہ فرماتے اور کبھی دوسروں سے بھی حدیث لیا کرتے اور ان کے اس اقدام کے پیچھے بس یہی نیک مقصد کارفرما تھا کہ مسلمانوں کو علمی رسوخ، حفاظتِ دین، مذہبی احتیاط، تحقیق وجستجو پر آمادہ کردیں، تاکہ پھر کوئی کورباطن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط قول کی نسبت نہ کرسکے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے واقعۂ سلام میں بھی یہی حکمت پوشیدہ ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فرماتے ہیں: ابوموسیٰ اس شہادت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم آپ کو موردِ الزام بناتے ہیں بلکہ شہادتِ طلبی کا صرف یہ مقصد ہے کہ آئندہ کوئی شخص بھی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنے کی جسارت نہ کرسکے اس تفصیلی تذکرہ سے یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ جب کوئی روایت دو ثقہ راوی بیان کررہے ہوں تو ایک راوی کے مقابلہ پر وہ زیادہ قوی اور راجح ہوگی۔ اس اقدام میں دراصل ایک ہی روایت کو متعدد طریقے سے نقل کرنے کی ترغیب بھی ہے تاکہ حدیث ظن وقیاس سے نکل کر اذعان ویقین کے درجہ تک پہنچ جائے اس لئے کہ ایک شخص کے بھول جانے اور وہم میں پڑجانے کا امکان زیادہ ہے اور دو کی روایت میں احتمال کم ہے۔ بشرطیکہ کوئی راوی مخالف نہ ہو۔ یہی منشأ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد "ای ارض تقلنی" (مجھے کہاں پناہ ملے گی) کی ہے۔ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ

صحابہ نے جہاں کسی کی روایت پر شہادت کا مطالبہ کیا ہے وہیں ایک راوی کی روایت لیکر اس پر اسلامی احکام کی بنیاد رکھی ہے۔

حیرت اور تعجب ہے کہ بعض انتہا پسند مسلمانوں نے صحابہ کرام کے اس عمل کو حدیث کے باب میں ایک اصول بنالیا ہے اور اُسے تسلیم نہیں کرتے کہ صحابہ کی خبر واحد بھی ایک ضابطہ اور اصول ہے بلکہ یہ لوگ خبر واحد کو سرے سے رد کردیتے ہیں علامہ ابوبکر حازمی نے بعض متاخرین معتزلہ سے یہی قول نقل کیا ہے اس سے بھی زیادہ حیرت ابوحفص عمر بن محمد میاں جی کے قول پر ہے جسے وہ اپنی کتاب "مالایسع المحدث جہلہ" میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں" شرط الشیخین فی صحیحہا ان لا یدخلا فیہ الا ما صح عندھما "یعنی بخاری اور مسلم کے مطابق جو روایت صحیح ہوگی اُسے وہ اپنی کتاب میں ذکر کریں گے اور صحت کا معیار یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرنے والے دو یا دو سے زیادہ ہوں اور صحابہ سے نقل کرنے والے چار یا اس سے زیادہ تابعی ہوں۔ اور تابعی سے روایت کرنے والے بھی اتنے ہی ہوں حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ خیال ایسے ہی لوگوں کا ہوسکتا ہے جنہیں شیخین کی کتاب اور ان کی بیان کردہ حدیث سے کوئی ادنی سی ممارست بھی نہیں اور کوئی اگر یہ کہے کہ بخاری اور مسلم میں اس مذکورہ شرط کے مطابق کوئی روایت نہیں ہے تو یہ بات دور از قیاس نہیں ہے۔

شرح موطا میں علامہ ابن عربی فرماتے ہیں کہ بخاری اور مسلم کی طرف یہ منسوب کرنا کہ جس حدیث کو دو راوی نہ بیان کریں وہ ثابت نہیں ہوگی سراسر غلط ہے بلکہ ابتدائے سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی روایت کا ایک ہی راوی رہا ہو تب بھی وہ روایت صحیح اور مستند سمجھی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر سباعی فرماتے ہیں کہ یہ خیال کہ صحابہ دو راویوں کی روایت قبول کرتے تھے۔ اتنا عام ہوا کہ شریعت اسلامی اور حدیث کے اس دور کے تاریخ

نگاروں کے یہاں بھی ایک مسلّمہ بن گیا۔ اور اس خیال کی تائید و توثیق.....
ہمارے محترم اور بزرگ اساتذہ اور تشریع اسلامی کے مرتبین نے بھی کی ہے جو
ازہر شریف کے کلیۃ الشرعیہ کے ہیڈ ہیں۔ انھوں نے عمل بالحدیث کے باب میں جو
شرط ضروری قرار دیا ہے۔ دلیل کے طور پر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ خود حضرت ابوبکر اور
حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی عمل بالحدیث کے لئے دو راوی کی شرط لگاتے ہیں۔
اور یہی قول انھوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

(جاری)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کی حیرت انگیز گرفت

حضرت علامہ کشمیریؒ سے ایک دفعہ ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ نیوٹن نے اس مسئلہ میں یہ لکھا ہے۔ حضرت علامہ نے مسکرا کر فرمایا کہ آپ کے نیوٹن نے ہمارے علامہ عراقی سے سرقہ کیا ہے اور اٹھکر اندر گئے اور عراقی کا رسالہ نکال کر لائے اور فرمایا کہ اُسے دیکھ جائیے۔ ترتیب مضامین بھی وہی ہے۔ اسلوب نگارش بھی وہی ہے۔ دلائل کا منہاج بھی وہی ہے۔ اور دونوں کے زمانہ میں سو۱۰۰ سال کا فرق ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جناب میں دعوے کے ساتھ اور جزم و وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کا نیوٹن ہو یا ٹیلشے فرائڈ ہو یا میکڈ انلڈ یا داؤد متقاطی ان سب نے مسلم مصنفین سے سرقہ کیا ہے یہ سب چور ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کا ایک نادر مکتوب

یہ نادر اور قیمتی مکتوب حضرت شیخ مدنیؒ کے مجموعۂ مکاتیب "مکتوبات شیخ الاسلام" میں درج نہیں ہے۔ یہ نایاب اور گرانقدر مکتوب حضرت اقدس کے خلف اوسط مولانا سید ارشد مدنی زید مجدہٗ کے واسطہ سے بندہ کو دستیاب ہوا ہے جسے مولانا موصوف نے مکتوب الیہ جناب الحاج محمد ایوب صاحبؒ خلیفۂ حضرت شیخ الاسلام کے محفوظ ذخیرۂ مکاتیب سے حضرت شیخ مدنی قدس سرہٗ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اصل مکتوب سے نقل کیا تھا

یوں تو حضرت اقدس مولانا مدنی کے جملہ مکاتیب علمی، دینی اور اصلاحی معلومات ومضامین سے بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن زیر نظر مکتوب حالات حاضرہ کے لحاظ سے مسلمانان ہند کے لئے بطور خاص نہایت مفید اور نفع بخش ہے۔

حبیب الرحمٰن قاسمی

محترم المقام جناب محمد طیب صاحب و محمد ایوب صاحب[1] زید مجدہما

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مزاج شریف! آپ دونوں حضرات کے اور دوسرے اکابر کے متعدد خطوط آئے مگر حاضری اور اسی طرح خطوط کے جواب میں تاخیر ہوئی۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں آپ حضرات کا ہمدرد نہیں ہوں یا آپ حضرات سے خفا ہوں یا آپ حضرات کی مصیبتوں کی مجھ کو پرواہ نہیں ہے۔ حکیم[2] جمیل احمد صاحب آئے تھے۔ میں سفر میں جارہا تھا۔ تانگہ میں سوار ہوگیا تھا۔ حکیم صاحب کو میں نے تانگہ پر اسی وقت سوار کر لیا۔ اور ریل ہی میں خطوط مولانا حفظ الرحمٰن[3] صاحب اور ناظم[4] صاحب کو لکھا۔ جس پر انھوں نے وہاں مرکزی حکام وغیرہ سے کارروائی وغیرہ شروع کی اور صوبہ بہار کے حکام کو بھی تار وغیرہ دے دیا اور اخبار الجمعیۃ میں مضامین لکھے میں نے ان کی خدمت میں وفد بھیجنے کی بھی تاکید کی، چنانچہ وفد آپ کے یہاں گیا۔ اور جو کچھ ہوسکتا تھا کیا۔ اس کے بعد میں مولانا ابوالکلام صاحب اور پنڈت جی سے ملا اور توجہ دلائی۔ الحاصل میں ظاہری کوششوں سے غافل نہ رہا۔

علی ہذا القیاس میں دُعاؤں سے بھی غافل نہیں ہوں۔ قاری فخرالدین اور مولانا منت اللہ حضرات نے مجھکو وہاں کی حاضری کے متعلق بھی توجہ دلائی۔ میں باوجودیکہ جمعیۃ کا وفد جاچکا تھا اور اس نے وہاں پہنچکر جو کر سکتا تھا اس میں کوتاہی

---

[1] حاجی محمد ایوب صاحب ساکن موضع چلبل ضلع بھاگلپور حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کے خلیفہ اور مجاز ہیں، محمد طیب صاحب، حاجی صاحب موصوف کے قریبی عزیز تھے [2] بہار کے کوئی حکیم صاحب ہیں۔ [3] مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند [4] حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی دہلوی اس وقت جمعیۃ علماء ہند کے ناظم تھے۔ ناظم صاحب سے یہی مراد ہیں۔

بھی نہیں کی تھی۔ اور اس سے زیادہ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر ارادہ ضرور تھا اور ہے کہ حاضر ہوں گا۔

چونکہ مجھے کئی سال سے گھٹنوں کی شکایت ہو گئی ہے۔ اور وہ سال گذشتہ میں بڑھتے بڑھتے اس درجہ کو پہونچ گئی تھی کہ مجھکو نماز میں حسب سنت بیٹھنا اٹھنا دشوار ہوگیا تھا۔ اس لئے علاج شروع کیا۔ رمضان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی یونانی اور ڈاکٹری علاج مختلف قسم کے ہوتے رہے۔ انجکشن بھی لگے۔ مالش بھی ہوئی۔ گولیاں، معجون وغیرہ ہر قسم کے علاج عمل میں لائے گئے۔ جن سے کچھ تو تخفیف ہوتی رہی مگر اصل شکایت نہیں گئی۔ اطباء یونانی نے زور دیا کہ اس کا باقاعدہ علاج ہونا چاہئے۔ اس لئے آخری ذی قعدہ میں حکیم رمضان الحق صاحب (جو کہ ماہر طبیب ہیں اور قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کے باشندے ہیں) تشریف لائے اور صرف میرے علاج کیلئے اپنا مطب وغیرہ چھوڑ کر دیوبند میں آبیٹھے۔ انھوں نے دور دراز کے اسفار سے بھی روک دیا۔ اور منضج شروع کرائے تقریباً ۲۰ روز منضج پھر تین مسہل پھر تبرید وغیرہ شروع کرادی اس کے بعد مختلف ادویہ کھلانے لگے۔ میں مسہلات سے فارغ ہی ہوا تھا کہ آپ کے یہاں کے واقعات پیش آگئے۔ اسی وقت میں مجھکو قریب کے ضروری سفروں کی فی الجملہ اجازت ہو چکی تھی مگر دور کے اسفار کی اجازت نہ تھی۔ قریب کے سفروں میں بھی اجازت بمشکل دی گئی تھی۔ میں ابھی تک اس سلسلہ میں مقید ہوں۔ فائدہ فی الجملہ ضرور ہوا۔ مگر آج تک کلی فائدہ نہیں ہوا۔ ان دنوں بھی زیر علاج ہوں۔ سول سرجن مظفر نگر اور دیگر اطباء یونانی کی رائے سے بھی علاج کرا رہا ہوں۔ دیوبند چھوڑ کر تقریباً ۱۲، ۱۳ دن سے یہاں پڑا ہوا ہوں۔ بجلی کا علاج روزانہ دو مرتبہ ہوتا ہے۔ اسفار کی بلکہ شہر میں بھی آمد و رفت اور چلنے پھرنے کی ممانعت ہے۔ اور غالباً ایک ہفتہ اور یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔ اسباق بند ہیں۔ اسلئے میری معذوری دربارۂ حاضری ظاہر ہے۔ میں نے پختہ ارادہ کر رکھا ہے۔ انشاء اللہ شروع ماہ

میں ۳ر۴ر جمادی الاولیٰ کو اوّلاً مونگیر پھر بمعیت مولانا منت اللہ صاحب آپکے یہاں حاضر ہوں گا۔ خدا کرے کوئی مانع قوی پیش نہ آئے۔

محترم حضرات! یہ دُنیا امتحان اور آزمائش کیلئے بنائی گئی ہے۔ آزمائشیں تکالیف ومصائب اور انعامات وراحات دونوں طرح سے کی جاتی ہیں اور جو جس قدر بھی زیادہ قرب والا ہے اس کی آزمائش اتنی ہی زیادہ سخت ہوتی ہے۔ "اشدّ الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل" جس کپڑے کو زیادہ صاف کرنا ہوتا ہے۔ اس کو زیادہ ریہہ لگائی جاتی ہے۔ خم پر چڑھایا جاتا ہے۔ زیادہ پٹکا جاتا ہے۔ اور کف لگایا جاتا ہے ماسٹری کی جاتی ہے۔ یعنی اس پر گرم لوہا پھیرا جاتا ہے۔ جب وہ کسی بادشاہ کسی امیر اور وزیر کے بدن پر چڑھنے کے قابل ہوتا ہے۔

مہربان من! ان مصائب سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ بلکہ خوش ہونا چاہئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو زیادہ قرب دینا منظور ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّصِبْہُ فِی الدُّنْیَا۔ جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے۔ اس کو دُنیا میں مصیبتوں میں مبتلا فرماتا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنے خواص کو دُنیا میں مصائب میں مبتلا فرما کر دنیاوی کدورتوں اور گناہوں سے پاک وصاف کرکے اٹھاتا ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ "مسلمان کو کوئی تھکن کوئی مشقت اور کوئی رنج وغم نہیں پہونچتا۔ یہاں تک کہ اگر اس کو کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو اس کے گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پت جھڑ ہونے والے درخت کو ہلایا تو اس کے پتے گر گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "مسلمانوں کی بیماری و تکالیف کی وجہ سے گناہ اس طرح گرتے ہیں جیسے کہ اس درخت کے پتے گرے ہیں"

اس لئے ہم کو ان مصیبتوں پر غمگین نہیں ہونا چاہئے۔ اور صبر و استقلال کے ساتھ رہنا اور پروردگار عالم سے لو لگانے میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرنا ضروری ہے تاکہ وہ قرب و مقبولیت کا انعام زیادہ سے زیادہ ہم پر نازل فرمائے۔ پریشان ہونا اور اس کی عبادت اور ذکر میں کوتاہی کرنا شکوہ و شکایت زبان پر لانا سخت غلطی ہے۔ آپ بھائیوں پر یقیناً سخت مصائب آئے۔ اور بظاہر بے قصور ہی مصائب آئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں (جس کے بغیر حکم و ارادہ کے ذرّہ بھی حرکت نہیں کرسکتا ہے۔ اس سے بڑھکر ہزاروں بلکہ لاکھوں قسم کی مصیبتیں ہیں۔ آپ بھائیوں کو ان میں مبتلا نہیں کیا۔ آپ کے صوبہ بہار ہی میں اس سے بڑھ بڑھ کر مسلمانوں پر کیا کیا مصائب نازل نہیں کئے گئے۔ اور تمام ہندوستان میں کیا کیا نہیں ہوا۔ اُن کو دیکھئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیجئے۔ یہ مقام فقط صبر ہی کا نہیں ہے۔ بلکہ شکر کا بھی مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیجئے مگر شکر کے ساتھ شکوہ کیجئے۔ اور رحمت کی درخواست کیجئے۔

میں جب آپ کے الفاظ بے چینی اور اضطراب کے دیکھتا ہوں تو سخت رنج ہوتا ہے کہ آپ کس غفلت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ العزیز تو جس روز اُن پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی تھی تو روتے تھے اور فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج میرا مولا میرا معشوق حقیقی مجھ سے خفا ہے کہ مجھ سے چھیڑ خوانی نہیں کی۔ مجھ کو مصیبت نہیں پہنچائی۔ مگر ہم اس قدر ناسمجھ ہیں کہ ذرا ذرا سی مصیبت میں پھنس کر زبان شکوہ و شکایت دراز کرنے لگتے ہیں۔ اپنے منعم حقیقی کی لاکھوں بیش قیمت نعمتوں کو اور اس کے بے شمار انعاموں کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ جاگئے اور غور کیجئے؟ اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے ذکر و یاد میں زیادہ سے زیادہ مشغول ہو جائیے۔ خصوصاً جب کہ فرمایا گیا ہے۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ۝ لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتَاکُمْ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝

زمین میں جو مصیبتیں آتی ہیں اور جو بیماری جانوں میں واقع ہوتی ہے یہ سب پیدائش سے پہلے لکھ دی گئی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے ہم نے یہ اس لئے تبلایا کہ تم ہاتھ سے نکل جانیوالی چیز پر غمگین نہ ہو اور ہاتھ آجانے والی چیز پر خوش ہو کر اکڑنے نہ لگو۔ اللہ تعالیٰ اکڑنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

تو کیا خالق قضاو قدر سے لڑنا چاہیئے۔ یا اس کے سامنے زانوئے ادب جھکا کر اس کی رضا و خوشنودی کو حاصل کرنے کی فکر اور کوشش کرنی چاہیئے۔ جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ جس کو چاہے۔ جس چیز کو چاہے چھین لے کسی کو دم مارنا سخت غلطی ہے

ما پروریم دشمن ، ما می کشیم دوست
کس را رسد نہ چون و چرا در قضاء ما

وہ بے نیاز شہنشاہ ہے۔ "یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ" جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی اس میں اس سے پرسش نہیں کر سکتا۔ دوسرے جو کچھ کرتے ہیں۔ اُن سے پرسش کی جاتی ہے۔ کعبۃ اللہ کو سیکڑوں برس بُت خانہ بنوایا۔ تین سو ساٹھ ۳۶۰ بُت باہر اور بہت سے اندر رکھوائے۔ اور کفر و شرک جاری کروادیا۔ دوسری طرف

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۱؎ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ساتویں صدی کے مشائخ ہند میں بڑے مرتبہ و مقام کے بزرگ تھے۔ حضرت شیخ معین الدین چشتی کے خلیفہ خاص اور منظور نظر تھے ترک و تجرید اور تسلیم و رضا میں اپنی مثال آپ تھے۔ فقر و فاقہ کی حالت میں بھی یاد خدا اور شکر مالکِ حقیقی میں محو رہتے تھے۔ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو دہلی میں فوت ہوئے۔

بڑے بڑے بتخانے کو مساجد بنوادیا۔ اس کی بے نیازی سے ہمیشہ ڈرنا اور اُس کے لطف وکرم کو ہمیشہ گریہ وزاری سے مانگنا ہم نیازمندوں کا فریضہ ہے۔ وہ حضرت زکریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کو آرے سے چروا دیتا ہے اور حضرت یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو قتل کرا دیتا ہے۔ کیا وہ نبی معصوم نہ تھے۔ یہ سب اُس کے کارخانۂ قدرت کے اسرار ہیں۔ کیوں آپ حضرات جاگتے ہوئے غفلت میں مبتلا ہو گئے۔

وہ ظالم حجاج کو ڈھیل دیتا ہے۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو بے خطا وقصور قتل کرادیتا ہے۔ وہ چنگیز وہلاکو جیسے کفار کو مسلم ممالک پر مسلط کر کے کروڑوں مسلمانوں کو فنا کرادیتا ہے۔ بڑی سے بڑی مصیبتیں جو خیال میں بھی نہیں آتیں ان تاتاریوں کے ہاتھوں سے مسلم ممالک اور شہروں پر نازل کی گئیں۔ آپ ہی کے ملک میں انگریزوں نے کیا نہیں کیا۔ وہ کافر ومشرک تھے۔ بہت سے اہل اللہ اور ان کے خاندان ان کے ہاتھوں برباد کئے گئے۔

میرے محترم! اس بے نیاز جلال والے شہنشاہ، زمین وآسمان بنانے تمام عالموں کے پالنے والے سے ہمیشہ ڈرنا۔ اور عفو وغفران کو ہمیشہ مانگنا ہی ہمارا فرض ہے۔ رنج وغم اور شکوہ وشکایت اس کی مختاری میں دخل دینا اور بغاوت کو عمل میں لانا ہے۔ سوچئے اور سمجھئے اور صبر واستقلال کے ساتھ فرائض وعبودیت میں مشغول رہئے۔

وہ باوجود بے نیازی واستغناء کے اپنے تمام بندوں بالخصوص مسلمانوں پر ماں باپ سے بھی زیادہ مشفق اور مہربان ہے۔ اس کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ وہ ہر وقت ہم کو دیکھتا ہے۔ ہماری باتوں کو سنتا ہے۔ ہمارے دلی ارادوں اور خطرات کو جانتا ہے۔ اسی کے پاس شکوہ وشکایات رکھئے اسی سے انعامات اور رحمت طلب کیجئے اور بس

میرا مطلب یہ نہیں کہ قانونی چارہ جوئی اور ظاہری اسباب امن وامان وغیرہ کو چھوڑ دیا

جائے۔ ظاہری حیثیت سے جو مناسب سمجھا جائے عمل میں لایئے۔ مگر دل ودماغ کو پریشان نہ رکھئے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت میں کوئی کوتاہی نہ کیجئے۔ استقلال اور عالی ہمتی کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ کمزوروں کو مضبوط دل اور گھبرائے ہوؤں کو مطمئن کیجئے۔ ہر جگہ خدا موجود ہے۔ تمام مخلوق اس کے قبضہ میں ہے۔ وہ سب دیکھتا ہے۔ اور سب کی سنتا ہے۔ کوئی دوسرا اس کو پکڑ نہیں سکتا۔ عبرت پکڑئے اور اپنے اعمال واخلاق کو درست کیجئے۔ سب کو سمجھایئے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا اور خوش ہو تو دشمنوں کو دوست بنادے گا۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

امید کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں میں دوستی پیدا کردے اللہ تعالیٰ قدرت والا اور معاف کرنے والا مہربان ہے

اور چاہے گا تو تمہارے بیٹوں، باپ، رشتہ داروں کو اور دوستوں کو دشمن بنادے گا۔ اس لئے فقط اسی ہی سے لو لگائے۔ ظاہری اسباب عمل میں لائے ... مگر بھروسہ ان پر نہ ہو۔ بھروسہ فقط اللہ پر ہو۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (اور اللہ ہی پر کسی غیر پر نہیں) مؤمنین کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ آپ پر اور ہم پر اور تمام امت محمدیہ پر رحم فرمائے اور ہماری بد اعمالیوں اور کوتاہیوں سے دنیا وآخرت میں درگذر فرما کر اپنی مرضیات اور خوشنودی پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین

دعوات صالحہ سے اس نابکار کو فراموش نہ فرمائیں اپنے گھر والوں اعزا رو قربا، اور احباب دیگر سان احوال حضرات سے سلام مسنون اور استدعاء دعوات صالحہ عرض کردیں۔ .... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ
۲۳ ربیع الاول ۱۳۰ ھ، وارد حال مظفر نگر

تبصرہ

جدید کتابیں

تعارف وتبصرہ کیلئے کتاب کے دونسخے لازمی ہیں

نام کتاب ۔ نفقۂ مطلقہ اور اسلام

علماء کانفرنس منعقدہ ۱۱ر۱۲ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کے موقع پر علماء کرام کے آئے ہوئے

مقالات کا مجموعہ

مرتب :۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی ۔ مدیر رسالہ "دارالعلوم دیوبند"

سائز ۔ $\frac{۱۸ \times ۲۲}{۸}$ کتاب معیاری، طباعت آفسیٹ

صفحات ۔ ۱۹۱ ، قیمت درج نہیں ۔

پتہ ۔ شعبۂ نشر واشاعت جمعیۃ علماء ہند دہلی،

شاہ بانو کیس کے سلسلے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد ملک میں جو صورت حال پیدا ہوئی ہے اس سے ہر شخص واقف ہے مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر کے لوگوں نے اس بحث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، علماء اور مذہب پرست لوگوں کو دقیانوسیت کا خطاب دینے والے روشن خیال اور مغربیت زدہ نام نہاد مسلمان بھلا پیچھے کیوں رہتے انھوں نے بھی سپریم کورٹ کے جج صاحبان کی طرح براہِ راست قرآن وحدیث سے استدلال کرنا شروع کردیا، اور اسلام کے ہمہ گیر اور جامع قوانین میں موشگافیاں نکالنا اپنا فریضہ سمجھنے لگے۔

مسلمانوں کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اسلام ایک ایسا ہمہ گیر اور جامع مذہب ہے

جو زندگی کے ہر دور اور ہر شعبے کی رہنمائی کرتا ہے اس میں کسی بھی وقت کسی قسم کی ترمیم وتنسیخ کی گنجائش نہیں، اس کی تعلیمات میں جو وسعت اور جامعیت ہے۔ وہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں ۔اسی لئے حق تعالیٰ نے اس کو دنیا کا آخری اور مکمل مذہب قرار دیا اور اس پر اپنی تمام نعمتیں مکمل کردیں، اسلام کے جامع مذہب ہونے کا نتیجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے ختم کردیا، اب اسلام ابد تک کیلئے ایک جامع ضابطۂ حیات کی شکل میں دُنیا میں موجود رہے گا۔

اسی لئے صحیح فکر رکھنے والے مسلمان مسلم پرسنل لاء میں کسی بھی ترمیم کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ۔ وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند نے سپریم کورٹ کی کھلی ہوئی اس مداخلت کے بعد مطلقہ عورت کے نان ونفقہ اور متاع کے موضوع پر ایک سوالنامہ مرتب کیا۔ اور اُسے مفتیان کرام اور اسلامی علوم وفنون کے ماہرین اور اصحاب درس کی خدمت میں ارسال کیا تاکہ علماء دین کا ایک متفقہ موقف سامنے آجائے اور اسلام پر کیچڑ اچھالنے اور اس کی تنگی کا شکوہ کرنے والوں کو بھرپور جواب دیا جاسکے۔

الحمد للہ ارباب مدارس اور اصحاب فتویٰ نے اپنی پوری ذمہ دار کا احساس کرتے ہوئے ان سوالات پر اپنے اپنے مقالات تیار کئے ۔ ۱۱ر۱۲ راکتوبر ۱۹۸۵ء کو مدنی ہال دہلی میں علماء کا نمائندہ اجتماع زیر صدارت محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ی مدظلہ العالی منعقد ہوا، اس اجلاس میں ۴۴ علمی مقالوں کے خلاصے پڑھ کر سنائے ۔ اور بحث وتمحیص کے بعد نفقہ مطلقہ کے سلسلہ میں اسلام اور مسلمانوں کا موقف واضح ہوگیا۔

زیر نظر کتاب انھیں ۴۴ علمی مقالوں کا مجموعہ ہے۔ جسے مرتب موصوف نے بڑے سے جمع کیا ہے مطلقہ عورت کے ہر پہلو پر عالمانہ اور فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔

اور اس کے کسی بھی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا ہے۔ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے نہایت اہم اور علمی معلومات سے بھری ہوئی ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے خود لگا سکتے ہیں کہ یہ ہندوستان کے ان جید ترین علماء دین کے لکھے ہوئے مقالے ہیں جو علوم و فنون کے ماہر اور شریعت کے رمز شناس ہیں۔ مطلقہ عورت کا نفقہ، نادار مطلقہ کا اسلامی اور متاع وغیرہ مسائل پر اب تک ارباب علم کی طرف سے اس سے اچھی کتاب نہیں آئی ہے یہ کتاب عام مسلمانوں کے لئے نہایت مفید اور ارباب علم کیلئے خصوصیت سے قابل مطالعہ ہے۔

نام کتاب :- **اصلاحِ معاشرہ**

تالیف :- مولانا محمد امین صاحب پالنپوری استاذ دارالعلوم دیوبند

تقطیع :- خورد، صفحات ۱۴۴۔ قیمت :- ۸/- ناشر :- مکتبہ رحیمیہ دیوبند

معاشرہ کا بگاڑ افراد کے اندر فساد کا پیش خیمہ اور ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام میں سوسائٹی اور معاشرہ کی اصلاح پر بہت زور دیا گیا ہے۔ متمم مکارم اخلاق، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی رہنمائی کے لئے معاشرہ کے فساد کے اسباب اور اس کے طریقۂ علاج کو اپنی تعلیمات و احادیث میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اسی بنا پر ہر دور کے صلحائے امت نے وعظ و تقریر اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ اصلاحِ معاشرہ کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ زیر نظر کتاب بھی اسی اہم ترین موضوع پر ہے۔ موضوع کی اہمیت کے ساتھ کتاب کی اہم ترین خوبی یہ ہے کہ اس میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ مستند حوالوں کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ کوئی بات اپنی جانب سے بے سند نہیں کہی گئی ہے۔ پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ زیر نظر کتاب اپنے مضامین کی صحت و افادیت کے لحاظ سے ایک ایسی کتاب ہے جسے ہر پڑھے لکھے مسلمان کو پڑھنا چاہئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مؤلف موصوف نے یہ کتاب مرتب فرما کر ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے اللہ تعالیٰ انھیں اس کا بہترین اجر عطا فرمادے۔

ادبیات

اپنی کثرت پہ نہ اتراؤ خدا تم بھی نہیں

آہ تقدیر! صداقت کے پرستاروں کی
موسمِ گل میں بھی بوچھار ہے انگاروں کی
آج کہتے ہو مسلمان وفادار نہیں،
سچ کہو تم تو جفا کیش جفاکار نہیں؛
کس نے "گوتم" کو دیا زہر کا پیالہ بولو،
"رام" کو کس نے دیا دیش نکالا، بولو؛
پاک "سیتا" پہ ہوئی دست درازی کس کی؛
کہتے "پانڈو" پہ ہوئی تیغ نوازی کس کی؛؛
کس نے "گاندھی" سے وفا کیش کو مارا افسوس!
جو تھا بھارت کی نگاہوں کا ستارا افسوس!
اپنے محسن کو جو ڈس لے اُسے کیا کہئے گا؛؛
ہے یہی مسلکِ آئینِ وفا کہتے گا!!
قوم کی موت ہے اخلاق سے عاری ہونا؛؛
تنگیٔ ظرف کے معنٰی ہیں بھکاری ہونا!

قابلِ فخر مسلماں بزرگانِ جلیل؛
"قاسم" و "سید"، محمود، شہید اسماعیل
میرے ٹیپو سے بہادر کو بھی کیا بھول گئے
شیرِ میسور کا اعلانِ وفا بھول گئے
یاد ہے کیا تمہیں ہنگامۂ قصّہ خوانی
یاد "تحریکِ خلافت" کی نہیں قربانی
ہم نے رنگین بنایا ترے افسانے کو؛
گلشنِ ناز میں بدلا ترے ویرانے کو
وحدتِ قوم کی عظمت کے علمبردار ہیں ہم
تمہیں ہر زد سے بچایا وہ خطاکار ہیں ہم
ہم نے آنکھوں پہ بٹھایا تمہیں ایسا سمجھا
تم نے نظروں سے گرایا ہمیں کانٹا سمجھ
کیا یہی آپ کا آئینِ جہانداری ہے،
جس کے ادراک سے ہر فہم و خرد عاری ہے
ہم ہیں غدّار تو پابندِ وفا تم بھی نہیں،
اپنی کثرت پہ نہ اتراؤ خدا تم بھی نہیں،